

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۹۵۵۵۱۸

Accession No. ۱۵۲۲۰

Author = - ۲

قبول شد

Title

تاریخ الزام

This book should be returned on or before the date last marked below.

الف

نوائے وفا



ایک الہ آبادی شاہ زادی کے لئے

اُس کے غریب الدیار رفیق کی یادگار



مانہ مانیم و گیتی سخن از ما ماند



مقبول

جمعہ ۱۵ جمادی الاخریٰ ۱۳۵۷ھ

فہرستِ اوّل

مفہمیں و مطالب - مقالات - آفتہ جات

صفحہ	موضوع	صفحہ	موضوع
۳۱	مفہم کی بنیاد اور خسرو باغ	۱	آباد آباد یا باد آباد -
۳۲	مولوی لیاقت علی بھٹت گورنر خسرو باغ میں -	۳	زنجیر کی پہلی کڑی - بیان خسرو باغ -
۳۳	پرنس آف ویس کی صحت یابی کا جلسہ -	۵	پریاگ کی حسین و نکو شکم - سنگم کی حومت -
۳۳	مسلمانوں کا شرق و شفق، باغات اور پھولوں سے -	۶	مرج البحرین - دو دریاؤں کا یہاں ملنا -
۳۳	سلطان فیروز شاہ تغلق کا -	۹	آب و ہوا کی خوبیاں - چند اقوال -
۳۳	سلطان سکندر لودی کا -	۱۰	تفاوت -
۳۴	منوں میں سے اباؤ -	۱۰	سلاطین، مثل شاہزادے - سلطان خسرو -
۳۵	اکبر اعظم -	۱۱	خسرو تید میں - دکن گورواٹھی - خیر موت -
۳۶	مرزا عبدالرحیم، خانخاناں -	۱۲	خسرو باغ -
۳۷	جہانگیر بادشاہ کا سلیقہ و ذوق -	۱۲	پریاگ - پریاگ کی آبادی -
۳۷	کشیر کے باغات - پھول پھول کا اہتمام -	۱۳	مسلمانوں پر متدبر گرانے کا الزام -
۳۸	نور جہاں کا شرق - بہت سے باغ -	۱۴	الہ آباد - الہ آباد - نام رکھا جانا -
۳۸	مقرب خاں کا باغ بنجور میں -	۱۵	پریاگ کی قدامت، شہرت - رودایات -
۳۹	عہد عالمگیر - فدائی خاں کا باغ - بنجور میں -	۱۶	الہ آباد - نام کی بحث - تحقیقات -
۴۱	اورنگ زیب کا قدغن شگنداشت باغات -	۱۹	کڑا - اسکی اہمیت - گزشتہ عروج -
۴۱	کا باغ جمال - دھول پور -	۲۳	الہ آباد کے ہندو جاتروں پر مانتیں -
۴۱	منوں کے باغات - مشرق و مغرب کا مقابلہ -	۲۴	الاہیل - الہ آباد کے منے -
۴۲	فتح باغبانی کا عروج - کشیر میں -	۲۵	پریاگ - پریاگ کے منے -
۴۲	ہندوستان کے باغات کی خصوصیت - جیٹ پتہ و نشان -	۲۶	خسرو باغ کتب، کس نے نصب کیا تھا -
۴۲	شاہجہاں باغات کی وسعت - رتبہ - چند مثالیں -	۲۹	منے کے متعلق بعض واقعات -
۴۴	بہشت آباد سکندرہ - مقبرہ اکبر -	۲۸	خسرو - خسرو باغ نام رکھنے کی ایک انگریزی توجیہ -
۴۶	جواہر سنگھ جاٹ کی فائزگری -	۳۱	شاہزادہ سلیم - خسرو باغ میں -
۴۶	آگرہ کے چند بڑے بے باغ -	۳۱	شاہ عالم ٹائی - " " -
۴۶	الہ آباد - الفرو پارک -	۳۱	مرزا جہانگیر - " " -
۴۸	خسرو باغ چار دیواری - رتبہ -		

صفحہ ۴۶	مقبوروں کی تفصیل - زمانہ تعمیر - طرز تعمیر -	صفحہ ۴۹	خسرو باغ سے قلعہ تک زمین دو برابر است -
۴۸	باؤ لی -	۴۹	باغ کی موجودہ روئی - دائرہ درکن مسترد -
۴۹	مقبوروں کی قبریں - مقبوروں میں -	۵۰	قلعہ سے خسرو باغ تک گلگشت - نگارے -
۴۹	مقبوروں کی عمارت کا سلسلہ و ترتیب -	۵۰	خلد آباد کے پھاٹک - بڑی سڑک -
۸۰	مرزا جہانگیر کی قبر کا جو ترہ -	۵۲	کی سڑک کا پھاٹک کیا ہوا؟
۸۰	ہاجا بکھر - بینڈ اسٹینڈ - کھیل تاشے -	۵۳	کلکڑی مقبرہ کی مسجد گرائی گئی -
۸۱	شاہ بیگم - رانی مان بائی -	۵۳	خلد آباد کی سڑک -
۸۱	خسرو باغ میں سب سے پہلا جنازہ -	۵۴	خلد آباد کے پھاٹک - قلعہ تاریخ -
۸۱	سیکھ کا مرتبہ - رانی مان بائی کا نام -	۵۵	خسرو باغ کا پھاٹک نشان و عظمت -
۸۳	جہانگیر کی بیگمیں اور رانیاں -	۵۶	پھاٹک کا کتبہ -
۸۳	مان بائی کی نسبت - شادی - اہتمام و عیش و شام -	۵۸	مقبور تعمیر - آثارِ ماضی -
۸۵	اکبر خود بیاہنے گیا - مع امرا -	۵۹	علی اصغر کا شہی باب -
۹۱	پہلے نکاح - پھر ہندو اوریت -	۵۹	ابوالحسن نادر الزمانی - میٹا -
۹۱	جہت (ہزار) -	۶۰	خسرو باغ - پھاٹک کی جگہاں -
۹۱	بادشاہ اور شاہزادہ نے خود حاضر ہوا تھا -	۶۱	پھاٹک کی ریخت و نشان - عمارت و فیرو -
۹۵	پھر راجا جودہ پور کی لڑکی سے جہانگیر کی شادی -	۶۲	خسرو باغ - نام کی شہرت و وجہ -
۹۶	خود بادشاہ وہاں گیا - مع بیگمات -	۶۳	مردہ آباد - کرد آباد - ناموں کی اصلیت -
۹۷	راجپوتوں کی مغلوں کی شادیاں -	۶۳	بادشاہوں کا مقبرہ اور موت کے نام سے گھرانہ -
۹۷	مسلمانوں کی بے تعلبی - نہنجی رولواری -	۶۴	خسرو باغ - رام پور میں -
۹۸	بادشاہوں کا ان رانیاں سے حسن سلوک -	۶۴	تاتار والوں کی مقبروں کی تشکیل -
۹۸	اورنگ زیب - ذواب بائی بیگم اور محمد معظم -	۶۵	خسرو باغ - اسکی عمارتوں کی ترتیب - تکمیل -
۹۹	روشن آرا کی اُس پر زیادتی - بھو -	۶۶	خسرو باغ کے مقبرے و تعمیر -
۱۰۰	اورنگ زیب - اوربے پوری والدہ کا مہم -	۶۶	مقبوروں کا نظارہ - شان و گلشن - مہر کی لائیں -
۱۰۰	رانوں کے لئے مندر - پوجا پاٹ کی آزادی -	۶۷	جہانگیر جہانگیر کی عمارتوں کی خصوصیات -
۱۰۱	شاہ جہاں کا ہندوؤں سے قربت بند کر دینا -	۶۷	بعض مشہور مقبروں سے مقابلہ - فرق -
۱۰۱	اس اہتمام کی خرید و قلیط -	۶۸	عماراتِ قدیمہ پر حاووں کی توجہ - مرمت -
۱۰۱	شاہ جہاں کی بیگمیں صرف چار تھیں!	۶۹	خسرو باغ کا قدیمہ - انتظامی تقسیم - دلاوری -
۱۰۲	فرخ سیر اور جہانگیر اجمیت سنگھ کی بیٹی -	۷۰	اکبر آباد کی خرید و
۱۰۲	مغل شاہزادوں کے یہاں راج کاریاں -	۷۰	خسرو باغ اور پور دین سیاح -
۱۰۳	مختطہ تہذیب کی پہلا نمایاں - برائیاں -	۷۱	کے حالات کھینچنے والے - تحریرات -
۱۰۳	ان کی نسبت مسلمانوں کا نیاں -	۷۲	طاس و لمبیل - صاحب متعلقہ التوازیخ -
		۷۳	ڈھاکہ کے طیلر - بہار کے کرچین - مانسیرا یاں -

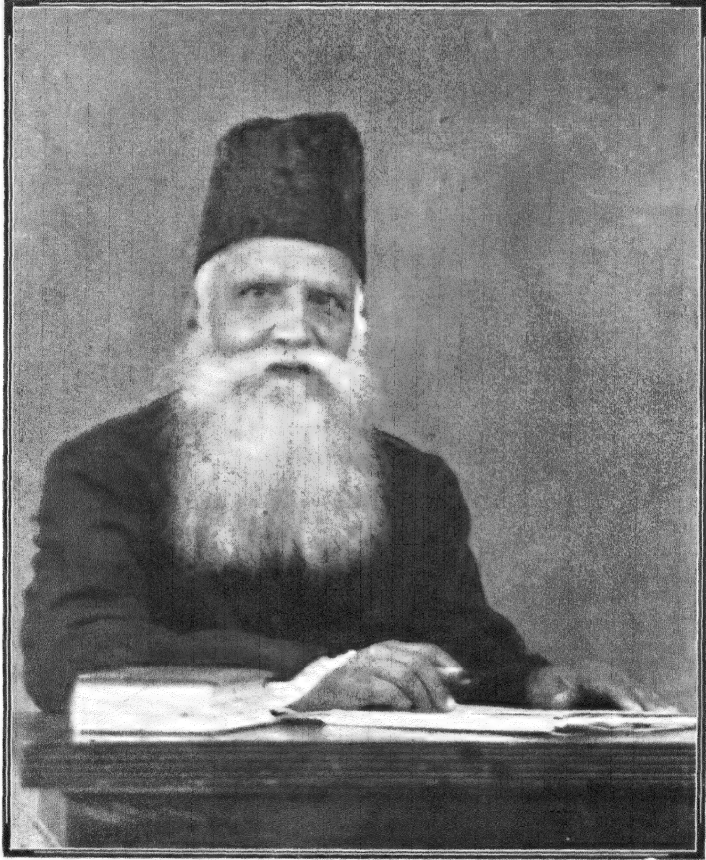
صفحہ ۱۲۹	تغیر کی تفصیلات -	صفحہ ۱۰۴	انگریزوں کی رائیں - حقیقی ضرورتیں -
۱۳۰	خفوج کی، مخدوم جہانیاں کی مسجد -	۱۰۴	خود اکبر کی راجپوتوں میں شادی -
۱۳۱	شاہ بیگم کی قبر کا ناوت - کیسے -	۱۰۵	مغل الدین سام اور اچھ کی بیٹی -
۱۳۲	تومر پروردگار کیاریاں -	۱۰۵	غیاث الدین خلجی اور بھلا ناک کی رانی خورشید -
۱۳۵	پتھر پر مرمر کا رنگ و روشن -	۱۰۵	ناصر الدین خلجی اور راجہ بھونڈاس کی لڑکی -
۱۳۵	قبر - عہد یا سکھ - گلشن -	۱۰۵	بھوانی داس کی پوتری، رانی چوری -
۱۳۷	لوگوں کے جائیداد خط اور نام کھونا -	۱۰۵	بعض رانیوں کا شوہروں کا مذہب اختیار کر لینا -
۱۳۷	اس کی کچھ نظریں - باہر کی بھی -	۱۰۵	راجپوتوں کی تاریخی بیوفانی و کج رفتاری -
۱۳۷	مقبرہ کی بنی وانی منزل - پوری تفصیل -	۱۰۶	اور جنگ مذہب کی رفاقت میں راجا منج لاؤ لکھکر -
۱۳۷	نہ خاد میں قبروں کا بنانا -	۱۰۶	ہندوؤں اور مسلمانوں کی ناپسندیدگی کا لفظ رائے زنی -
۱۳۸	شاہ بیگم کی قبر - صورت کشی -	۱۰۷	شاہجہاں کا ہندوؤں کے ساتھ طرز عمل - پدر شفقت -
۱۳۸	اس کے اور چند چیزوں کی قبریں -	۱۰۸	شاہ بیگم کی بیوی اور اولاد - سلطان النساء -
۱۳۹	شاہ بیگم کی وفات کا زمانہ -	۱۰۸	تصویر کی پیرائیں - جشن نیوشیاں -
۱۴۱	عمارت کی نئی وضع قطع - بے مثالی -	۱۰۹	رائی نے شاہ بیگم خطاب پایا -
۱۴۲	بیمزاران وانی نے چلنے لگے -	۱۰۹	رائی کی خیمیاں - شوہر شفت - باہمی محبت -
۱۴۳	خسرو و مقبرہ خسرو -	۱۰۹	جہانگیر کی بعض اور بیگمیں -
۱۴۳	مقبرہ خسرو - زیارت - ہجوم - احترام -	۱۱۱	شاہ بیگم کا انجام -
۱۴۴	خسرو کی ولادت -	۱۱۱	باب بیٹے کی رنجش سے انہوں نے کھالینا -
۱۴۴	خسرو کے حالات اور تاریخیں -	۱۱۳+۱۱۶	جہانگیر کا غم و الم - ماتم -
۱۴۶	خسرو کی بسم اللہ - مکتب -	۱۱۳	جہانگیر کی بیویوں کا شمار -
۱۴۶	کوہندی کی تعلیم - بھٹا چارج -	۱۱۷	اکبر کا تسلیم دینا - غفلت و دستار بھیننا -
۱۴۶	پنج ہزاری منصب، فوجی میں -	۱۱۷	مورخوں کی تخریریں اور اطلاعیں -
۱۴۷	خسرو کی خوش نویسی - کچھ اور شاہزادوں کی بھی -	۱۲۰	انہوں نے کھانا - جان دینا - رواج - واقعات -
۱۴۷	خسرو کی نسبت اہل فرنگ کی روایتیں -	۱۲۱	شاہ بیگم کی موت کی نسبت انگریزوں کے چھوٹے قتلے -
۱۴۹	ہلاک کرانے کا خرم پر شہرہ - الزام عمل -	۱۲۳	کے اوصاف - دل و دماغ کی اچھائیاں -
۱۵۱+۱۵۱	بہرہ پرورد میں منش کو دین کرادینا -	۱۲۴	مرنے کے وقت شاہ بیگم کا درجہ - عمر -
۱۵۱	سال قتل کی محنت - تحقیق -	۱۲۵	مقبرہ شاہ بیگم -
۱۵۵	کھنڈا کر منش کا اہل بابا بھیجا جانا -	۱۲۵	عملت کا طرز - نحو بعدی -
۱۵۵	منش کی تعلیم - ہر منزل پر یادگار بننا -	۱۲۶	منہج - ولا ویزی -
۱۵۶	پیشروندے کا اہل بارگاہ - مقبرہ خسرو کا حال -	۱۲۷	مقبرہ کا درجہ سرس پران نقشہ -
۱۵۷	موجودہ حالات - سادی سی قبر -	۱۲۷	موجودہ منظر - اطراف و جوانب -
۱۵۸	فارس پر پھل - زیبا ہاں روشنی -	۱۲۸	مقبرہ کا کلی خاک -

صفحہ ۱۸۵	دوبے قبر کے مقبرے -	صفحہ ۱۵۸	سرکاری ہدایات - احرامی -
۱۸۷	سلطان شہر بیگم کا گنبد -	۱۵۸	بغیب ہیمبر - خسرو بلخ - مقبرے -
۱۸۷	موتی و محل -	۱۵۹	خسرو بلخ کا قلعہ تاریخ وفات -
۱۸۷	کس کا مقبرہ ہے - کس نے بنایا -	۱۶۰	اسکے بعض القاب پر مستشرقین کی رائے زنی -
۱۸۸	اس شاہزادی کی تاریخ وفات - درخیں -	۱۶۲	دو محلوں کو ملا کر لکھنا - انجمن -
۱۸۹	گنبد کے اشعار -	۱۶۳	عملات مقبرہ خسرو -
۱۹۰	بیل - یوز - یزدیہ ہریت کی تحقیقات اور تاشیہ -	۱۶۳	موتی - فاملا - روش -
۱۹۴	عزت پور اس کی خصوصیات -	۱۶۳	مقبرہ کی عمارت - وضع - تفصیلات -
۱۹۴	پاس کے مقبروں سے اس کا فرق - امتیاز -	۱۶۶	داروں کا حال درجانی کام - غالب -
۱۹۴	تیسر کی خوبیاں - مزاحیہ جزئیات -	۱۶۷	چاروں سمت اشعار - تاریخ کا قطعہ -
۱۹۵	سہلی بنیادی خاکہ - تقسیم رقبہ -	۱۶۷	چوتھو قبر - تربت - توبہ - تلہدان -
۱۹۶	صدر دواؤں - چوتھو - منزلیں - گودار -	۱۶۷	مرمرین پلاٹر - موجودہ بدھگی -
۱۹۶	بعض اجزاء کے نقشے -	۱۶۷	چاندی سونے کے ستون اور کپڑے فاجہ -
۱۹۹	بادخود ماضیت تماشائیوں کا دستخط کرنا - نام لکھنا -	۱۶۸	خسرو کی قبر کے آس پاس قبریں -
۲۰۰	ایک غمناکی قبر - چوتھو - خالی -	۱۶۸	بارغ سے قلعہ تک شریک - غلط -
۲۰۱	عمار کا بالائی حصہ - تکلفات - آرائشیں -	۱۶۹	عماریت مقبرہ کے متعلق انگریزوں کی رائے -
۲۰۵	مقبرہ جیون بیگم -	۱۶۹	خادموں کی طویل عمریں -
۲۰۵	کی جائے وقوع -	۱۶۹	خلد آباد کے سازات کا رفات کرنا -
۲۰۵	جیون بیگم کو کون بھی - تمام روایات -	۱۷۰	رومض خسرو کی عظمت - سالانہ میلہ -
۲۰۷	آگرہ کی راستہ مولی بیگم -	۱۷۰	پھاٹک پر نعلوں کا چڑھانا - منتیں -
۲۰۷	کسی جیون کی تصویر - چھوٹی -	۱۷۲	خسرو کا ٹھوڑا - خادموں کی نفوس کوٹی -
۲۰۸	اس میں کبھی قبروں کے کی تحقیقات -	۱۷۲	خسرو کی ایک شبیر - گھوڑا - باز -
۲۰۹	روضہ تاج پر ایک نیم صابہ کی قبر - بنگلی -	۱۷۳	محمود غزنوی کے مقبرہ کا پھاٹک -
۲۱۰	مقبرہ اوہم خان پر نصرت - دو انگریزوں کا خون -	۱۷۴	اس کو باپ بڑے جوئے نعلی -
۲۱۰	دوران غارتوں سے انگریزوں کی دلچسپی -	۱۷۵	سہلی - تاریخ نگار شاعر - تحقیق حال -
۲۱۱	دہلی کی چند مزارات سے انگریزوں کی بدسلوکی -	۱۷۹	خسرو کی ریتھہ زندگی - بی بی -
۲۱۲	آصف الدولہ کا ناشایستہ عمل -	۱۸۰	خان اعظم مرزا - کلاشاں کی بہتر -
۲۱۲	دہلی کی محل سرے شاہی کا نام - ملکہ بارغ میں -	۱۸۱	اس بیگم سے خسرو کی نسبت - شادی -
۲۱۳	شاہجہانی جامع مسجد کو گر جانے کا ارادہ -	۱۸۱	کی دفاولی - درو انگیز واقعات -
۲۱۳	فتح گڑھ کی مسجد اور چوچ کے نصرت میں -	۱۸۱	سے خسرو کی اولاد -
۲۱۳	بلتان کی مسجد میں - سیکوں کے اور حکومت میں -	۱۸۱	خسرو کی اولاد -
۲۱۴	اندر آبادی - شہزادہ خان کی مسجد -	۱۸۱	خسرو کی اولاد -

صفحہ ۲۵	اہل حکومت کے اس قسم کے کرکے پر غور فرمائی۔	صفحہ ۲۵	موضع ڈاسی میں بادشاہ بہانگیر کا باغ و عمارت۔
۲۱۵	لارڈ کرزن کا تبول کے مکان کو خالی کرادنا۔	۲۱۵	مرزا بہانگیر کا اس شکار گاہ کو آباد کرنا۔
۲۱۶	تقیہیت - بعض انگریزوں کا مقبرہ کا ادب کرنا۔	۲۱۶	قرعہ - شکار کے اہتمامات۔
۲۱۶	ایک گول پیوند یا چکر کا نشان۔	۲۱۶	مرزا کے گھوڑے کی سواری۔
۲۱۶	عمارت کی موجودہ حالت پر نظر۔	۲۱۶	کی فیاضی - مہمان نوازی۔
۲۱۶	نورجہاں کا سی وٹان - بے اصل بدایت۔	۲۱۶	ہبتیت و بخت۔
۲۱۶	مرزا بہانگیر کا دفن۔	۲۱۶	کے خوف سے ایک انگریز کا بھاگنا۔
۲۱۶	خسرو کے گھوڑے کی قبر۔	۲۱۶	غوش اباسی - رنگوں کی قدر شناسی۔
۲۱۶	مرانا پر تباب کے گھوڑے کا واقعہ۔	۲۱۶	انگریزی پوشاک - بدایت مرزا قلیل۔
۲۱۶	مظنون اور ان کے امرا کو تعمیر مقابر کا حقوق۔	۲۱۶	قلعات و قلعہ مرزا بہانگیر۔
۲۱۶	اکبر کے ایک کتے کا مقبرہ - دربار خاں بھی وہیں دفن۔	۲۱۶	جنازہ کے ادا کردہ سے دہلی کو روانہ ہونے کا نشان۔
۲۱۸	عجب اللہ بگڑامی کی اجائز موت۔	۲۱۸	ناز جنازہ - اندام عام۔
۲۱۸	کے گھوڑے کی قبر۔	۲۱۸	سید کمال لکھنوی کے "سوانح سلاطین اور وہ"۔
۲۱۸	خسرو کا گھوڑا اس باغ میں دفن نہیں ہے۔	۲۱۸	مرزا بہانگیر کا لکھنؤ پہنچنا۔
۲۱۹	مرزا بہانگیر کا قیام۔	۲۱۹	کے خیف الخرقاتی۔
۲۱۹	اکبر شاہ ثانی۔	۲۱۹	تینچہ مارنا۔
۲۲۱	بہانگیر مرزا کی رزٹمنٹ سے ناجاتی۔	۲۲۱	لکھنؤ پہنچنا۔
۲۲۱	الہ آباد میں نظر بندی۔	۲۲۱	لکھنؤ میں بھی نامتقول حرکتیں۔
۲۲۱	نقش کوہ دفن سے نکال کر دہلی بھیجنا۔	۲۲۱	دامری عواطف سے تشنہ۔
۲۲۲	کلمہ متنازعہ کا رنج و الم۔	۲۲۲	لکھنؤ سے الہ آباد بھیج دیا جانا۔
۲۲۳	مرزا کے حالات، سرسلی مین کے قلم سے۔	۲۲۳	خسرو باغ میں قیام۔
۲۲۳	چند واقعات راجا دے گا پر شاہ کی گلستان ہنر سے۔	۲۲۳	برف مندر سی رزٹمنٹ پھر دہلی جانا۔
۲۲۳	اکبر شاہی کا مہار شاہ سے مناقشہ۔	۲۲۳	وہی ناشایاں حرکتیں۔
۲۲۴	خواجہ حسن نظامی کی اطلاعات، مرزا کے متعلق۔	۲۲۴	شراب خواری۔
۲۲۸	مرزا کے بچپن کے حالات۔	۲۲۸	اعتزات۔
۲۲۸	کتاب میں بچپن کے حالات۔	۲۲۸	حقیقت تاریخ۔
۲۲۸	کتاب میں بچپن کے حالات۔	۲۲۸	نقش تاریخ اور مسلمان۔
۲۲۹	مغل بادشاہوں کے روزنامے۔	۲۲۹	تاریخ تاریخ میں اقوال و ارشادات۔
۲۲۹	مرزا بہانگیر کا روزنامہ پھر گر ہو گیا!	۲۲۹	نقش تاریخ کی نعمت۔
۲۲۹	مرزا اور تجویس کی پرستش۔	۲۲۹	آج کل کی پہلے والی نازکوں کا اثر۔
۲۲۹	سلوٹوں کا تیر بار۔	۲۲۹	مقام نازکوں سے اشتباہ و دہانگی کا اقرار۔
۲۳۰	الہ آباد میں مرزا کی یادگار بنیں۔	۲۳۰	تاریخ میں مشاہیر کے اقوال و تقریرات۔
۲۳۱	موضع مرزا و مہار میں طر کا سیلا۔	۲۳۱	مستند کتابوں سے اپنا استفادہ۔

۲۸۲	جامع مسجد۔	۲۸۳	دعویٰ۔ دائود خاں کا پشتہ، سر اور مسجد بنوانا۔
۲۸۲	سرمسہر ڈکریا جی۔ ناپید۔	۲۸۳	ایک بیاض کی تحریر پر بھروسہ۔ نقل۔
۲۸۳	نہایت خاں، بانی۔ حالات۔	۲۸۳	اس تحریر اور حالات مقامی سے اختلاف۔
۲۸۳	مسجد کا شہید کیا جانا۔ جا بجا لکھوے۔	۲۸۳	داؤد خاں۔ گورنر الہ آباد۔
۲۸۳	تسمیر کا آغاز۔ اختتام۔ قطعہ تاریخ۔	۲۸۳	روڈیا ٹروکپ لنگ کا قول۔ الہ آباد پر صادق۔
۲۸۳	اس قطعہ پر ایک نظر۔	۲۸۳	پڑائی تحریرات۔ آج کل کی صورت۔
۲۸۳	ملاطی کشمیری۔ دیوان غنی۔	۲۸۳	شیخ محب اللہ کا حوالہ۔ سیر بارغ غلہ آباد۔
۲۸۳	مشیخ محسن خانی۔ صدارت الہ آباد۔	۲۸۳	بارہ سرائیں۔ بارہ دائرے۔ سرے داؤد۔
۲۸۳	ہتیم تسمیر خلیل اللہ موسوی۔	۲۸۳	حضرت۔
۲۸۳	جامع مسجد گھاٹ۔ چو کی چونگی۔	۲۸۳	کھنڈے والے کی کوششیں۔ کامیابی یا ناکامی۔
۲۸۳	اس جگہ کی روحانی کیفیتیں۔ تجلیاں۔ لغافیتیں۔	۲۸۳	آئندہ کے لئے امیدیں۔ زیر ترتیب کتابیں۔
۲۸۳	قطعہ۔	۲۸۳	البتہ توقعات پوری نہ کر سکا۔ عذر۔ مجبوریاں۔
۲۸۳	بجائز ہونی حالت۔	۲۸۳	الہ آباد کی تاریخیں۔ بے حقیقت۔ بے مصرت۔
۲۸۳	تجوید تسمیر۔ اکبر کا قیام۔ امر کی نگرانی۔	۲۸۳	کڑا نیر الہ آباد میں کوئی مشہور مصنف نہیں گذرا۔
۲۸۳	تاریخوں میں اس کا ذکر۔ استحکام۔	۲۸۳	کرنیل نیوئل کی رائے کی تائید۔
۲۸۳	تصرت غیر تقریرات۔ کرنیل کیڈ کا ہاتھ۔	۲۸۳	پریاک بہاگ۔ تسمیر پڑان۔ یورڈین سیاح۔
۲۸۳	جنرل منڈے کی رپورٹ۔ ڈیپو فوج کا۔	۲۸۳	اپنی بے کالی کا اعتراف۔ دیوہرٹ کا تبصرہ۔
۲۸۳	مگر بیٹر کی تحریرات۔	۲۸۳	اختتام۔
۲۸۳	مجموعہ اصلاحات کی کچھ تفصیل۔	۲۸۳	انڈیکس۔ حرف وار (فہرست دوم)۔ لغاتہ ۳۳۱۔
۲۸۳	چوئے بستان۔	۲۸۳	فہرست سوم۔

(۱)



مقبول احمد

برے ہیں ہم۔ مگر ایسے برے بھی کم ہوں گے
کسی زمانہ کے اچھے ہمیں کریں گے یاد

الہ آباد

ہم نے جب وادی غربت میں قدم رکھا تھا
دور تک یادِ وطن آئی تھی سمجھانے کو

یاد باد الہ آباد، پایندہ باد الہ آباد۔

انجام بہ خیر، مقبول نامہ سیاہ نے سب سے پہلے مشاء میں پیراگ کی مقدس سرزمین پر قدم رکھا تھا۔ میں ایک نوعمر طالب علم تھا، اور وہی ضرورت یا استخوان میں کامیابی کی سعی و آرزو مشرقِ ادنیٰ سے مجھے کشاں کشاں لائی تھی۔ کامیابی و ناکامی تو ایک غیر اختیاری بات تھی، جس کی خوشی یا رنج اپنے اپنے وقت پر منحصر ہے۔ مگر میں اپنی ناکامی ہی کا احسان مند ہوں، جس کی بدولت مجھے ایک سال اور بڑھنے اور رقعائے قدیم و جدید کے ساتھ چندے اور بسر کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ اور آج بھی

جو ہم عمرے بہ ہم عمرے زمکتابِ شادی آید مرا بے اختیار آیامِ طفلی یاد می آید
تیس برس بعد، الہ آباد کا آب و غور اس بے نوا کو پھر یہاں کھینچ لایا۔ یہ مارچ ۱۹۸۵ء کا
تیسرا ہفتہ تھا۔ موسم معتدل۔ بہار کی آمد۔ اسی عشاء کے بنے ہوئے، بلند و وسیع اسٹیشن نے
اپنے نئے آنے والے یہاں کے لئے دامنِ کرم پھیلا دیا۔ مرفق سنگین پلیٹ فارم نے قدم چومے۔
اور بالآخر اس کو اس کی منزل مقصود یا مستقر ہنگامی تک پہنچا دیا۔ یاد ہے کہ دو تین دن بعد،

اجنبیت و تنہائی اور اپنے توش سے متاثر ہو کر میں نے جب ایک دردمند دوست کو اپنی حالت کی اطلاع دی تھی، تو بہ تصرف مصرع اول اقبال کا یہ شعر لکھا تھا۔

کوئی مقبول کو پوچھے تو یہ کہنسا ناطق ملے
نو گرفتار پھرتا ہے تہ دام ابھی

آباد یاد الہ آباد۔ شاد یاد الہ آباد۔

تو نے اسی نووارد اجنبی کی تمنا سادہ مدارا کی۔ بیگانہ کو یگانہ بنا لیا۔ وہ، جو کبھی مسافرانہ وارد ہوا تھا، آج تیرا مہمان ہے اور عزیز۔ سولہ سترہ برس گزر جانے کی وجہ سے نہیں، بلکہ محض تیری عنایت و الفت کے اقتدار سے۔ وہ تیری آغوش شفقت کو اپنا وطن ثانی سمجھتا ہے۔

انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ جب رخصت و جدائی کی گھڑی قریب آتی ہے تو جذبات انس و افیت اور بھی بھڑک اٹھتے ہیں۔ زبان نفسیدہ ہو جاتی ہے اور آنکھیں نمندیدہ۔ کہنے والا جو کچھ کہنا چاہتا ہے پورا نہیں کہہ سکتا۔ اور جو کچھ کہہ جاتا ہے، سرگرم و دار سننے والا اتنا بھی سننا اور سمجھنا گوارا نہیں کرتا۔

الہ آباد کے ایک قرنِ مسرت کے قیام میں میں نے بہت کچھ دیکھا بلکہ سب کچھ دیکھا تھا۔ بھول جانے کی باتیں تھیں، طاق نسیاں پر رکھ دیں۔ حافظہ مرد کرے گا اور یاد آجائیں گی، تو کبھی حوالہ قلم کر دوں گا، ورنہ، اسے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

اعتراف ہے کہ الہ آباد کی خاکِ پاک اس ازلی کوتاہ میں کے لئے سرمہ چشمِ بعیت و عبت ثابت ہوئی۔ دائروں کا مقدس دامن سجادہٴ عزت و امتیاز بنا۔ جزائے احسان ہوگی اگر الہ آباد کے (غیر فانی نہ سہی، لیکن) دیر پا صدا دید کی کیفیت قلمبند کر جاؤں۔ عزیزانِ محترم مقبول نام مقبول کا سلام لیں اور اپنے عقیدت کیش و فاکوش کی محقر نذر یا محقر تاریخِ شہر قبول فرمائیں۔ مل لیجئے پھر ہم سے ملاقات نہ ہوگی۔

انگلستان کا فاضل زبان دان مشرقی، ڈیلمور رائٹ، ایک کیاب کتاب کی تصحیح و تشریح کے بعد جب ہو لڈ اور جرمنی سے رخصت ہوا ہے، تو رز شناسِ فطرت عرب کا ایک شعر اُس کی زبان پر تھا۔ تاریخ الگ باد لکھنے کے بعد آج میں بھی خلوص و وداد کی اُس پرستش گاہ سے مجھ پر ہوا ہوں، جہاں عشقِ محبت کے دودیا گھلے ملتے ہیں، جہاں ہر وفا کے دودیا زہر سے مگر کھاتے اور چپہ چپہ زمین کو سیراب رکھتے ہیں۔ جہاں نازہ جان ڈلنے والی سعادت و حرکت کی ہوائیں چلتی ہیں فیض و معدلت کے بادل برستے ہیں۔ علم و ادب کے چشمے اُبلتے ہیں۔ اس خدمت کے سر انجام ہونے سے میرا دامنِ خاطر مسرت و اطمینان کی دولت سے نالا مال ہے، اور میرا دل تشکر و امتنان کے جذبات سے لبریز۔ اس کے ساتھ ہی فراق و جدائی کے صدمے سے بے چین ہے۔ اور آج میری زبان پر بھی وہی شعر ہے، جو ایک علمی خدمت کے انجام دینے کے بعد زندہ جاوید رائٹ نے چلتے و تھمتے پڑھا تھا۔

أمرض بيطيبي، قوادی من قرأه
[دہ سرزمین، جس کے شوق میں، اور جس کے رہنے والوں کے لئے میرا مرغِ دل اپنی آرام گاہ
(نشین) سے پرواز کے لئے طیار ہے۔]

خسرو باغ۔ اس مبارک زنجیر کی پہلی کڑی ہے۔ آپ بَیانِ خسرو باغ کہہ سکتے ہیں کہ اس تاریخ کی ابتدا کی تاریخ (۱۹۳۲ء) اسی نام سے نکلتی ہے۔ شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم۔

اوقاتِ فرصت میں میں نے یہ مضامین متفرق طور پر لکھے، اور قلمرو ہند کے دو ممتاز و موقر رسالوں، 'معارف' اور 'ہندوستانی' میں شائع کئے تھے۔ اب ان پر پھر نگاہ ڈالی اور کتابی شکل میں مرتب کر دیا ہے۔ نظر کریں بقدر مناسب اضافہ ہو جانا لا بد تھا۔ ہوا۔

لے زلہ ابنِ جلیبر۔
میں ہمارے یہاں ہالینڈ بولا جاتا ہے۔ یورپ کے بعض ممالک میں بھی۔
مگر اہل زبان و اہل علم ہو لڈ بولتے اور لکھتے ہیں۔

ان ناچیز صفحات میں اس گلزارِ ہمیشہ بہار، شاہ بیگم اور اُس کے مدفن، شاہزادہ خسرو اور اُس کے مقبرے، سلطان بہار بانو کے روضے اور تمبول بیگم کے گنبد کے گزشتہ و موجودہ حالات یکجا ملیں گے جن کی فراہمی، تلاش و تحقیق میں سعی و کاوش سے کام لیا گیا، اور حتیٰ الوسع کوئی دقیقہ فروگرداشت نہیں کیا گیا ہے۔ تاخیرِ شاعت تکمیل مجبورانہ تھی۔

اَلْکَلِّ وَحَلِّ سَطَطٍ بَعْدَ شَهْوٍ . وَابْنِیْ کُلِّ بَیْنَتٍ بَعْدَ عَامٍ
 طوالت و تفصیل کے لئے بھی عندِ خواہی کی ضرورت نہیں۔ سٹری اے ڈکن نے کین ماب کی آگہ ہینڈ بک کے ”پیش کلمہ“ میں ایک امریکن سٹیج کا ذکر فرمایا ہے جس نے آگرہ اور دہلی کی جی بھر کر سیر کر لی تھی۔ پھر بھی اُس کو شکایت تھی کہ کوئی پسندیدہ گائیڈ بک نہیں ملتی۔ اُس نے اپنا خیال ظاہر کیا تھا کہ اس کی تو بچے چنداں بردار نہ ہوگی کہ جو کچھ لکھا ہو میں سب ہی پڑھ جاؤں؛ لیکن اگر پڑھوں تو ضرور ہے کہ اُس میں سب کچھ پاؤں۔ ”مجھے ندامت ہے اور افسوس کہ میں اس زیرک سٹیج کی آزد و اور اپنے ارادہ کو پورا نہ کر سکا۔ بہت سے حالات و واقعات و خیالات تھے جو حوالہ قلم ہونے سے رہ گئے۔ ہر ہر قدم پر دلِ ناہم اور دامانِ تنگ یہی سبق دیتے تھے کہ

قلم بشکن، سیاہی ریز، کاغذ سوز و دم درکش حسنِ ایں قصہ عشقِ است در دفترِ نئی گنج

لے دونوں کے یکجا ہوجانے سے متاخر کا پہلو نمایاں تھا، اس لئے مجھے اس کی ترتیبِ لفظی کو صحیح اور اس ترکیب کو مانوس و پسندیدہ ماننے میں تاثر تھا۔ دیباچہ نصاحت اور علمِ سعائی کا یہی آئین ہے۔ لیکن قرآن مجید میں جو فصیح ترین کتبِ آسمانی ہے اَلْمَلِکُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ آیت ۲۳۔ سورہ شہید پارہ ۲۸ دیکھ کر اطمینان ہو گیا جہاں ایک جنس کے تین حرف (سین) جمع ہیں۔ اب متعل و بے لطفی کا اعتراض یا قانونِ خوشگوئی کی خلاف ورزی کا الزام کون لگا سکتا ہے۔

Keene's Hand-book for Visitors to Agra - By
 E. A. Duncan, C. E., F. G. S. - 1909. Calcutta.

بریاگ کی تحسین و تکریم اور سنگم کی حرمت و غفلت کے اعتراف پر مجبور ہوں۔ میرے دینار بزرگ اور خانہ نشین طالب مجھے معذور رکھیں۔ سنگم کیسے دلنیز و دلکش مقام کی دل آویزیوں اور دلتوازیوں کو تو اہل دل سے پوچھنا چاہئے۔ چمپے تپا ہے کوئی نہ رہ کے رگ جاں اب تک انسانی آبادی سے دور، نور اور برتو نور سے معمور جگہ۔ ہو اور اللہ ہو کا عالم۔ جہاں نہ اذان کی آواز پہنچتی ہے نہ نغمہ دیر کی صدا۔ کیف اور جذبات آفریں نضا۔ انسان فریب و جد افرا تیں۔ ذوق و شوق کی گھا تیں۔ سوز و گداز، درد و نیاز کی سوغاتیں۔ حضرت عشق کی ملا تیں، ریاضت و عبادت کی گھڑیاں، دل کی چٹھیں، آنسوؤں کی لڑیاں۔ تسبیح و تہلیل کے اذی ترانے۔ تقدیس و تجید کے سرودی نعرے۔ روح کی تڑپ، بیقراری۔ دل کی بے چین تمنائیں۔ جلوہ دیدار کے لئے بے تابیاں۔ شاہدہ جمال لاہوتی کی آرزوئیں۔ اور ان سب کا ذہنی برق انگن ”ایک“ جو اب جادہ عرفان و ايقان کے ایک باخبرہ نور دے اسی کیف و بے خودی کی منزل پر پہنچ کر حقیقت سے پردہ اٹھا دیا ہے۔

اب نہ کہیں نگاہ ہے اب نہ کوئی نگاہ میں محو کھڑا ہوا ہوں میں محسن کی بارگاہ میں ملے

یہ کاٹھیں اور کاٹھیں نہیں، نعمتیں ہیں اور برکتیں۔ جن کی اہمیت کا اندازہ کچھ بصیرت والے ہی کر سکتے ہیں۔ مبادا کہ ان بے معنی کھوں اور بے جوڑ نعروں سے کسی دانشمند کو یہ گمان پیدا ہو کہ میں اوروں کو بھی متاثر کرنا چاہتا اور اپنا سا خوش عقیدت بنارہا ہوں۔ نہیں، حاشا کہ نہیں۔ جانتا ہوں کہ فلاسفہ فرنگ بھی ان کو نہیں ملستے اور فرماتے ہیں کہ ”اس قسم کا تخیل عدم کمال پر دلالت کرتا ہے“ اور یہ کہ ”نا قابل فہم باتوں میں ایک طرح کا تقدس خود بخود پیدا ہو جاتا ہے“ ہمارے مجتہدین اور فقہائے کرام کا بھی مشورہ عمل اور ارشاد یہی ہے کہ کیف و کشف کی باتیں حجت قاطعہ اور قابل تقلید نہیں ہوتیں۔

اس لئے اہل علم و فضل کے المینان خاطر اور اپنے فہم و ادراک کی تقویت کے واسطے سورہ رغن دہارہ، (۲۷) کی آیتیں آیت کا پیش کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ جس میں قادر مطلق تبارک و تعالیٰ نے ہم ناچیز بندوں کے لئے اپنے انعام اور کرم و جیزوں اور ان پر اپنی قدرت و حکومت کا بیان فرمایا ہے۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ۚ لَئِنْ سَأَلْتَهُمَا مَنْ مَوْلَاكِ لَيَقْنِيَا بِمَا نُنَادِي ۚ

[ترجمہ] اسی نے (اس طرح کے) دودیا نکالے کہ آپس میں ملتے ہیں (اور پھر بھی) دونوں میں ایک پردہ (رہتا) ہے کہ اس سے ایک دوسرے کی طرف بڑھ نہیں سکتے۔ تو اسے جنوا اور آدمیاء! تم اپنے پردہ نگار کی کون کون سی نعمتوں سے نکر دو گے۔

دور رس و اسرار جو مفسرین نے دو دریاؤں سے مڑلوں مختلف لی ہیں اور ہر ایک کو اپنی اپنی تعبیرات و تحقیقات کے ساتھ جیساں اور برمحل ثابت کرنا چاہا ہے۔

متفقہ میں کو لیجئے علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبریؒ کی مرثیہ دوم، جن کی تفسیر جامع البیان نہایت مستند مانی گئی ہے اور جس کو انھوں نے سوجلدوں میں پڑا کیا تھا، ائمہ فہم کا یہ قول نقل فرماتے ہیں کہ دو میں سے ایک دریا نوزمین پر ہے، دوسرا آسمان پر؛ اور سال بھر میں ایک بار یہ دونوں مل جایا کرتے ہیں۔ ابن جریر خود بھی اسی رائے کو پسند کرتے اور ترجیح دیتے ہیں۔ (جلد ۲۷- صفحہ ۶۸)۔ علمائے کرام کے ایک دوسرے طبقہ کا ارشاد ہے کہ ان دو دریاؤں سے ملا کر بحر فاس اور بحر دم ہیں۔ اس کی تائید بھی متعدد اہل الترتیب حضرات نے فرمائی۔ امام فخر الدین محمد بن عمر رازیؒ جو مشہور فکلم اور صاحب تصانیف کثیرہ ہیں، یہ مانتے ہیں کہ ایک دریا ثواب شیریں کا ہے دوسرا شور کا۔ پھر بعض وجود سے اس سے اعراض بھی فرماتے ہیں۔ (تفسیر کبیر، موسم بہار، ص ۱۸۰)۔

ان سب کے پیشرو امام عبداللہ ابوالخالد ابن جریج مکی جو تابعین، محدثین و معتزلین و فقہائے اعلام سے ہیں اور جنہوں نے اسلام میں سب سے پہلے کتابیں لکھی تھیں ان کے ہم خیال و متبعین، اس نقطہ کی نفی کے قائل ہیں۔ وہ تعریفات بالا کے ساتھ ساتھ دو دریا اور بتاتے ہیں۔ ایک ملکیت کا بڑھتی جا رہی ہے۔ دوسرا ہیبت کا جو کھاری ہے۔

سنہ ولادت: ۲۲۳ھ = ۶۸۳ء - وفات: ۱۳۱ھ = ۹۲۲ء - دفن: بغداد، محلہ ہرات میں ۶۰۶ھ (۶۲۰ء)
 میں وفات پائی۔ سن ولادت: ۶۹۹ھ = ۱۲۹۹ء - وفات: ۱۳۴۹ھ = ۷۷۷ء - بعض اہل سنت کہتے ہیں -
 سنہ تاریخ اسلام، جلد پنجم، موسوم بہ شاہراہ اسلام، صفحہ ۸۰ - کشف الظنون از حاجی خلیفہ، جلد اول، صفحہ ۸۰،
 حوالہ الرطب بغدادی - و - کمال فی اسماء الرجال، صفحہ ۶، بہ روایت ابن قتیبہ -

یہ اقوال جو نقل کئے گئے ہیں ذہانت و ذکاوت کے کارنامے تھے، یا الہاماتِ ربانی کا پرتو۔ یہ بھی محتمل ہے کہ روم و ایران کے ساتھ اُس زمانہ کے تعلقات، ہمسایگی اور مصالحت شناسیوں کا مقتضی رہے ہوں۔

ورنہ اس وقت یہ سب تعبیریں یا تاویلیں جیسی دل نشین و سہل الغیم جو سکتی ہیں بظاہر ہے عجائب پسندی و نازک خیالی میں ہم کیوں پڑیں۔ جس کی تحدید و تعین خالق کائنات و سرورِ موجودات نے نہ فرمائی ہو، اُس پر بحث و رائے زنی اور اپنے ناقص علم و عقل سے ہنگامہ آرائی ہم کو مناسب نہیں۔ مسلم ہے کہ ہمارے بزرگ و برگزیدہ پیشواؤں کی نظر اپنے ہی وقت تک کی تاریخ و جغرافیہ پر تھی۔ امتدادِ زمانہ و مردِ دُہور کے ساتھ خدا نے برتر و داناکہ کی موبہت و کرم سے ہماری علوم خصوصاً ان دونوں نے خاصی ترقی کی ہے۔ عصرِ حاضر کے ہم قرآن پڑھنے والوں کو بھی موجودہ جغرافیہ اور اطللس پر نگاہ رکھنا لازم ہے۔ ورنہ عبور نہ ہونے سے، قرآنِ حکیم کے تفکر و تدبیر میں بہت سے اختلافات و مشکلات کا سامنا پڑ جائے گا۔

آلار کے معنی عموماً نعت کے لئے جاتے ہیں لیکن علامہ ابن جریر نے بعض سلف سے قدرت کا معنی بھی نقل فرماتے ہیں۔ اس لئے جس مقام پر جو سننے زیادہ چسپاں ہوتے ہوں وہی اختیار کئے جانا چاہئے۔ یہ صحیح ہے کہ ہم کیا اور ہماری استعداد و علمی قابلیت کیا۔ کسی نو آموز طالب علم کو عجب العجاب یا جلالین کا سبق دے کر بھلا لینا یا بھکا دینا ہمارا بڑے سے بڑا کارنامہ ہے۔ ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ عربستان و حجاز سے دُور بلادِ ہند کے ایک گوشہ میں بیٹھے ہوئے کتب بینی یا چند رسائل و صحائف کی ورق گردانی ہم کو علم و حکمت اور وقوف و جُبرت کی دُنیا میں کس مرتبہ پر پہنچا سکتی ہے۔ پھر بھی کون سی آنکھ اس کو نہیں دیکھتی کہ پریاگ (الآباد) کے نیچے دو پوتر و یا گنگا اور جمنارواں ہیں۔ دونوں ایک ملتے (سنگم) پر ملتے ہیں۔ مل جاتے ہیں اور پھر بھی الگ تھلگ رہتے ہیں۔ ایک برزخِ فضل یا اُلوٰیٰ حائل رہتا ہے۔ انہما نے اختلاف و اتصال پر بھی ایک دوسرے سے امتیاز و افتراق کی شان آشکار رہتی ہے۔ کسی ایک کو دوسرے پر زیادتی کا دسترس نہیں ہونے پاتا۔ قرآنِ پاک جو برکات و رحمت ایزدی کا یاد دلانے والا اور اُس کی قدر توں کا جتنے والا ہے، اُس کے نزول کے وقت یہ انوکھی اور ایسی جگہ روئے زمین پر موجود تھی اور علم انہی نامتناہی اُس پر محیط تھا۔ اس لئے اُس کا ذکر فرما دیا گیا۔ مقصود اللہ جل جلالہ کی عظمت و جبروت

اور اس عالم سفلی میں اُس کے ایک عجوبہ قدرت کا اعلان و اعلام تھا۔ اور ظاہر ہے کہ انسانی جبلت ایسی چیزوں کی اطلاع و آگاہی کی طرف کس قدر لرغوب و مائل رہتی ہے۔

ہمارے دور کے مشہور مفسر و فقیہ مولانا ابو محمد عبدالحق دہلوی نے تفسیر فتح المنان معروف بہ تفسیر

حقانی (جلد ہفتم، صفحہ ۱۱) میں میٹھی ندیوں کے ذیل میں نیل و جیون اور دجلہ و فرات کے ساتھ ساتھ

دنگنگ ذخیرہ کا بھی نام لیں۔ جو میرے خیال یا اس معنی کا موجد ہے۔

شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ نے اس کریمہ کا ترجمہ فرمایا ہے۔ ”چلائے دو دریا چلنے والے۔“

”اُن دونوں میں ہے ایک پردہ۔ جو ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرے سلف۔“

اس آیت سے پہلے بھی کلام پاک میں مجرّمین کا لفظ کئی جگہ وارد ہوا ہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی

نے شیخ کے ترجمہ پر مفسرانہ حواشی لکھے ہیں۔ لا ابرح حتی ابلغ مجمع البحرین۔ سورہ کہف۔ بارہ

سُبْحَنَ الَّذِي (۱۵) کے پھر حین کی نسبت فرماتے ہیں کہ بعض افریقہ کے دو دریا مُراد لیتے ہیں۔ بعض بحر فارس

اور محروم تجویز کرتے ہیں۔ مجمع البحرین کو وہ جگہ بتاتے ہیں یہاں دجلہ و فرات خلیج فارس میں گرتے ہیں۔

حضرت موسیٰ کے قرب اور تعلقات کے لحاظ سے یہ موقع زیادہ قرن قیاس معلوم ہوتا ہے۔ لیکن آگے

چل کر وہو الذی مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ (سورہ فرقان، پارہ ۱۹) کے بارہ میں دو متبرعہ عالمان جنگلہ کی

شہادت یرکحو الہ بیان القرآن نقل فرماتے ہیں کہ ”اراکان سے چاٹ گام تک دریا کی شان یہ ہے کہ

اس کی دو جانبین بالکل الگ الگ نوعیت کے دو دریا نظر آتے ہیں۔ ایک کا پانی سفید ہے ایک کا سیاہ۔۔

..... دونوں کے بیچ میں ایک دعائی سی برابری لگتی ہے جو دونوں کا ملحقہ ہے۔“ اسی طرح باریسٹل کے

بعض طلبہ کے حوالہ سے ضلع مذکور میں روزندوں کا ایک ہی دریا سے نکلنا، ایک کانچہ کھادی اور کڑوا، دوسرے

کاشمیرین ولند ہونا بیان کرتے ہیں۔ خود اپنے مقررہ اہمیل برماک ضلع سورت (ملک گجرات) کے قریب پروا

تقارب دس بارہ میل کے فاصلہ رسمندر کے ایک عجیب و غریب قسم کے چار بھاٹے کا حال، تجھ فرماتے ہیں۔

۱۳۶۷ء - ولادت ۱۸۵۰ء - وفات ۳۲/۳/۱۹۱۵ء - ۵۲ متوفی ۸/۱۱/۱۳۳۸ھ -

۳- مطبوعہ مدینہ پر سین، بکپور، صفحہ ۸۲۹-۸۳ صفحہ ۲۷۹-۲۸۰ صفحہ ۵۸۱۔

ظاہر ہے کہ ان میں سے بعض تقلیدی تعمیریں متصور ہوں گی، بعض شخصی رائیں کبھی جائیں گی، جن کا حاصل تمام تر تمثیل و تشبیہ یا عوام کی سہولت فہم کے لئے نظائر و امثال کا فراہم کرنا ہے۔ لیکن میلر مقصود ان اقتباسات کے پیش کرنے سے اسی قدر ہے کہ جب ہمارے پیش اسگاہ و وسیع النظر روشن خیال علمائے حال نے اس سلسلہ میں ہندوستان کے دریاؤں اور مقاموں کا نام لینا شروع کر دیا ہے تو عجب نہیں کہ کسی وقت سنگم بھی وہی ملتے البحرین مان لیا جائے۔

یہ بھی عرض کر دینا ضروری ہے کہ جو حضرات غارِ علم و فہم میں اپنی آبلہ پائی کے شاکی ہوں یا تحقیق و تدقیق کے وادی میں قدم رکھنے سے ڈریں، بلکہ کرمِ دخل در معقولات نہ فرمائیں۔ اُن کے لئے یہی سبق کافی ہے۔ آپ اس بحث کی تکلیف نہ فرمائیں کہ آپ حاملِ فقہ نہیں، واقعہ تفسیر نہیں ابو الفضل علامی نے قلم اُگرہ کی نسبت جو کچھ لکھا تھا وہ الہ آباد کی شان میں حوت بہ حوت بلکہ دو دریاؤں کے جمع ہونے سے دو گونہ صادق آتا ہے یعنی ”وازد ریائے خون کہ بلبِ ادب پائے قلم“ بوسیدہ می گزر دچہ نوید کہ آید وئے ہفت اقلیم است۔

بادِ دے از آب نگارِ ندہ تر آبِ دے از بادِ گوارِ ندہ تر“

ہندوستان کے آثار، خصائص و فضائل اور محاسن و شرائف، نیز یہاں کی اکثر نماے الہیہ کے متعلق علامہ میر نظام علی آزاد بلگرامیؒ نے ایک مبسوط و مدلل کتاب سُبْحَةُ الْمَرْجَانِ عربی میں تحریر کی تھی۔ جس کا اردو ترجمہ کسی ہندو والی ریاست کی فرمائش سے مولوی شمس الدین کے قلم اور نوشی نوکلشو کے مطبع سے ہو کر شائع ہوا۔ میں مظہرِ آدم کے نام سے شائع ہو چکا ہے اور قابلِ مطالعہ ہے۔

اہلِ مصر نے بھی گنگا کی بزرگی اور اُس کے منافع و فوائد کا ذکر کیا ہے۔ اجمعاتِ مدائن الصفا کے ذیل میں اللہ آباد کی نسبت تحریر ہے ”عالمیتہ الکعب بالجمنا (وہما فضلان مقدسان) (وللہ العلیٰ وعلیٰ کثیرین الحجج۔ اللہ آباد جمنا کے ساتھ گنگا کے ملنے کی جگہ پر واقع ہے۔ اور یہ دونوں دریا مقدس ہیں۔ اسی وجہ سے یہاں جاتری بہت آتے ہیں۔

۱۔ ولادت، ۱۰ صفر ۱۲۸۵ھ مطابق جون ۱۸۶۷ء وفات، ۲۲ صفر ۱۲۸۵ھ یعنی ۱۶ مارچ ۱۸۶۷ء مدفون روضہ، خلد آباد دکن۔
۲۔ مطبوعہ بنی ۱۳۱۵ھ۔ ۳۔ ورس، انجمنِ انیسیتہ جزیرہ اول، مؤلفہ پروفیسر محمد ثابت، مطبعۃ الرحمانیہ، مصر، صفحہ ۷۰۔ ۷۱۔
صفحہ ۹۷۔

تعارُف

مغلوں کے زمانہ میں بادشاہ زادے عموماً سلطان کہلاتے تھے۔ اسی لئے شاہزادہ خسرو بھی "سلطان خسرو" کہلاتا ہے۔ وہ شہنشاہ جہانگیر کا بڑا بیٹا ہے پورا امیر کی راج دولاری راج کسریٰ رانی مان بانی، مخاطب بہ "شاہ بیگم" کے بطن سے تھا۔ اکبر اعظم کے سے نامور دادا کے سایہ شفقت میں پرورش و تربیت پائی تھی۔ دربار شاہی میں مرزا راجہ مان سنگھ اس کا ماموں، اور خان اعظم مرزا کوکلتاش اس کا خُسر، دوزبردست حامی و معاون موجود تھے۔ جہانگیر کو محروم کر کے خسرو کو تاج و تخت دلانے کا بولہ دونوں کے دلوں میں موج زن تھا۔ یہ تو اکبر کو بھی کبھی کبھی ماننا پڑا تھا کہ باپ سے زیادہ بیٹا فرماں روا کی استعلا و قابلیت رکھتا ہے۔ طے اس کے فیصلہ قطعی اور اعلان کے موقعے بارہا پیش آئے مگر ملتے رہے۔ بالآخر تقدیر الہی نے کار فرمائی فرمائی۔ جب وقت آیا تو جہانگیر اگرہے میں تخت پر بیٹھا۔ اُس نے شاہزادہ اور اس کے واسطہ داروں کی استالت و دلداری اور عزت افزائی میں حتی الوسع دریغ نہیں کیا مگر جو ہونا تھا ہو کر رہا۔ خسرو اپنے بندی خانہ یعنی قلعہ آگرہ کے شاہ بُرج سے بھاگا۔ بغاوت کی۔ بادشاہی فوجوں نے تعاقب کیا۔ لاہور پہنچ کر مقابلہ ہوا۔ بیٹے نے شکست کھائی۔ گرفتار ہوا۔ مدۃ العمر قید و بند میں رہا۔ کبھی پدری شفقت کا دیا لہرانے لگتا۔ کبھی سیاست کا جذبہ غالب آجاتا۔ انہیں شدائد و مصائب میں وہ اپنی زندگی اسرو جس میں گزارنا رہا۔ چھوٹے بھائی شاہجہاں کی تمام تدبیریں اور سازشیں خسرو کو پامال کرنے اور راستہ سے ہٹا کر تخت پر پہنچ جانے کی کارگردہاں نظر آنے لگیں۔ خورم مہم دکن پر بھیجا گیا۔ خون کے جوش اور مہر و محبت کے دعوے اور در درسی و پرداخت

لے میر غلام حسین خان طباطبائی، سیر المتاخرین میں لکھتے ہیں۔ اکبر در زمانِ رحلت ہم فرمودہ بود کہ شاہزادہ سلیم عیش و مست است، قابلیت سلطنت ندارد۔ سلطان خسرو پش: بکچھ خوبی آراستہ و قابل سلطنت است (صفحہ ۹۵) پٹنر و دیلاولی کے سفر نامہ ہندوستان، شائع شدہ ۱۶۶۳ء، جلد اول، صفحہ ۵۵ سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

کے حیلے سے پابزنچر بڑے بھائی کو ساتھ لے کر چلا۔ خسرو کا انجام سب کے پیش نظر تھا۔ محلات شاہی اور بیگات میں کھڑم برپا ہوا۔ اُمرے دربار و اراکین سلطنت حزن و غمین خاموش کھڑے تھے۔ سیست جہانگیر کی صرف آنکھیں نہیں، کان بھی نہ تھے۔ بے کس و بے بس، اسیرِ قفس خسرو دکن میں اپنے صاحبِ تقدیر باتدبیر قوت بازو، شاہ جہاں کے حکم و اشارہ سے ہلاک کر دیا گیا۔ زمانہ ساز و زمانہ شناس موسخ قونج کا در داہر قضاے الہی کی تشیت بتاتے ہیں۔ ممالک غیر کے سیاح کچھ اور لکھتے ہیں۔ مجھ سے جو کچھ تحقیق ہو سکا، شاہزادہ خسرو کے تذکرہ میں مفصل حوالہ قلم کر دیا ہے۔ نعلش بُربان پور (دکن) میں سپرد خاک کر دی گئی۔ چھ مہینہ بعد جہانگیر کے حکم سے نکالی گئی۔ نتیجہ تحقیقات و تفتیش کے بارہ میں سب خاموش ہیں۔ الزامات و شبہات ثابت ہوئے، یا رفع کر دئے گئے۔ دیکھ بھال کی گئی، جراحی اور تشریح اعضاء بھی عمل میں آئی ہوگی۔ پھر براہِ اگرہ جنازہ الہ آباد بھیج دیا گیا۔ فرودہ و بوسیدہ ٹپریوں نے مان (شاہ بیگم) کی آغوشِ محبت یا قبر کے قریب جگہ پائی۔ خسرو باغ آج بھی انھیں دونوں کی بدولت آباد ہے اور مظلوم شاہزادہ کا نام روشن کر رہا ہے۔

مروم دل بھی کیا تھا، کیا حسرتیں تھیں اُس میں اب تک کچھ اُس کی باتیں میری زبان پر ہیں



خسرو باغ

بیابانِ محبت، دشتِ غربت بھی، وطن بھی ہے یہ ویرانِ تنفس بھی، آشیانہ بھی، چمن بھی ہے
 اس گڑھے آب و گل کے جس زندانِ خانہ میں شاہزادہ خسرو کا پیکرِ خاکی اس وقت محفوظ ہے،
 وہ اکبر کے مشہور دبے نظیر طلعہ سے ایک کوس یکم واقع ہے۔ شہرِ الگ آباد میں آبادی سے بعض سمت طار ہوا
 اور بعض سمت جدوا، ایک نہایت وسیع و پُر نضا فرحت افزا باغ ہے، جس کو جانتے والے ”خسرو باغ“
 کے نام سے جانتے اور پکارتے ہیں۔ وجہ تسمیہ کسی اہل قلم نے نہیں لکھی۔ خواہ اس وجہ سے کہلاتا ہو
 کہ خسرو کی ماں دہل دفن ہوئی، یا خسرو نے اپنی غم ناک و اندوگین زندگی کے کچھ دن بھی یہاں کاٹے
 ہوں، یا اس سبب سے کہ سواتین سو برس سے یہ باغ خسرو کی دہائیِ خوابگاہ ہے۔

اونچاس سال ہوئے جب میں اس باغ کو پہلے پہل دیکھنے گیا تھا۔ اس کے متعلق تاریخی سوا
 فراہم کرنا چاہا تو ان پیرانِ گم راہ سے بھی، جو رہنمایا گامزد کہلاتے ہیں، معلومات حاصل کرنا چاہے۔ ارشاد
 ہوا کہ یہ جگہ بہت پرانی ہے، پڑا چین زمانہ کی۔ پہلے یہاں پرلگ جی مہاراج کا مندر تھا، جنھوں نے
 یہ شہر بسایا ہے۔ ایک طالبِ علم کی تشفی و طمانینت کسی کتابی سند کے بغیر دشوار تھی۔ دوسرے یہ تو
 اُن برگزیدہ لوگوں کی جماعت تھی، جن کی فضول گوئیوں اور حاضر جوابی کے مسٹر فریٹج بھی سو برس
 پہلے شاکی نظر آچکے تھے لہٰذا اس لئے ورق گردانی شروع ہوئی۔

مطالعہ و تحقیق کے دوران میں جنرل کنگھم *General A. Cunningham*
 کی رپورٹ حکمہ آثارِ قدیمہ سے پتہ چلا کہ پرلگ دراصل ایک برہمن کا نام تھا، جو اکبر بادشاہ کے عہد میں گزرا ہے۔ وہ کیا
 بے حقیقت و کم ہایہ شخص تھا۔ اُس کی یا اُس کے نام کی شہرت کا لازماً اس قصہ میں مرکز ذکر ہے کہ جب اکبر کے حکم

لے سفر نامہ بلائی ہند، ۱۸۳۳ء و صفحہ ۱۸۰، نیز ڈکن مین صاحبان کی آگرہ ہینڈ بک، صفحات ۲۳۷، ۲۱۹، ۱۳۳ و ۱۳۵۔
 ڈاکٹر فوہر صاحب کے آثارِ قدیمہ، صفحہ ۷۲، حکمہ آثارِ قدیمہ کا اب ان قدیم مدعیانِ خدمت گزاری کو خسرو باغ سے برطون
 کر دینا ایک مستحسن کارنامہ ہے۔ لے صفحہ آئندہ پر۔

سے قلعہ کی تعمیر شروع ہوئی تو سمیت دریائی دیواریں بار بار بنائی جاتیں، لہذا کھدائی تھیں، عملہ تعمیرات کی کوششیں بے کار ثابت ہوئیں، تو بعض واقعہ کار و دانشمند لوگوں کے مشورہ و صوابدید سے بادشاہ کو اطلاع کی گئی کہ جب تک بنیاد میں کسی انسان کا خون بھرا نہ جائے گا، بنیادیں قائم نہیں رہ سکتیں۔ چنانچہ اعلان عام کیا گیا۔ اور ایک برہمن جس کا نام پریگ تھا، بخوشی خاطر از خود سامنے آیا، اور اپنی جان اس شرط پر زندگی کہ قلعہ کا نام اُس کے نام پر رکھا جائے۔

آئندہ سلسلہ روایات و تحقیق میں یہ بھی کھل جائے گا کہ پریگ کی آبادی یا تیرہ گاہ، اکبر اعظم کی آمد اور قلعہ آباد کی تعمیر بلکہ تجویز سے بہت پہلے سے موجود تھی۔

سر سہری ایلیٹ کی بحث و تحقیق جو آباد کی قدامت کے متعلق اُن کی کتاب ”سیلی منٹل گلاسری“ *Supplemental Essay* میں مندرج ہے، لے مندر کے اس واقعہ کی تردید کرتی ہے۔

انگلستان کا مشہور جوہری اور جہانگیرہ سیاح ٹیوزیئر *Javernier* جو دسمبر ۱۷۶۷ء میں الہ آباد آیا تھا، اور یہاں کی بہت سی باتیں، اچھی بری کہہ گیا ہے، اس بارہ میں کیوں خاموش ہے؟ سٹر فوگن *Ferguson* اس تردید کی تردید کیوں نہیں فرماتے؟ اس قسم کی زبانی روایات کی نوعیت کا ثبوت ایک اور کتاب ہے:-

سر ولیم ہیلی مین *Sir William Hallerman* نے ایک موقع پر دعویٰ کیا تھا کہ ”اس ملک میں مسلمانوں نے جیسے ہی قدم رکھا اور اپنی وسیع فتوحات کا دائرہ پھیلا یا تو ہندوؤں کے شہر دیوان اور اجاڑ ہونے لگے، مگر اس کا شافی جواب خود انھیں کی کتاب کے مرتب اور صحیح ڈاکٹر ونسنٹ اسمتھ

صفحہ گزشتہ ۱۷۷ پر کیا وجہ کی رپورٹ بابت ۱۸۶۲ء، حصہ اول، صفحہ ۳۰۰۔ *Archaeological Report, Part I, by Major-General A. Cunningham, C.S.I.*

ڈاکٹر مکٹ گزٹیر الہ آباد، مطبوعہ ۱۸۸۲ء، (جلد ششم) صفحہ ۱۶۱۔ لے صفحہ ۲۶۹۔ لے بحوالہ سیاحت نامہ ذکر کہ رسل مین، حصہ دوم، صفحہ ۲۷۵۔ لے ریسس اینڈری گلسنس، جلد دوم، صفحہ ۱۰۱۔

Unconquered America نے اُسی جگہ سے دیا تھا۔ وہ اپنے نوٹ میں لکھتے ہیں کہ ”یہ بیان بہت زیادہ عمومیت رکھتا ہے۔ بنارس، الہ آباد (پریاک) اور بہت سے اور بڑے بڑے قصبے اور اہم شہر مندروں کے تو کبھی ویران نہیں ہوئے، باوجود تمام انقلابات کے آباد و بارونق قائم رہے ہیں۔ صحیح اسی قدر ہو گا کہ خاص خاص مندر اکثر مقامات پر ضائع یا خراب کر دئے گئے اور زیادہ تر مسجد بنادے گئے تھے۔“

برہمن کرامت بت خانہ مولا کے شیخ کہ چوں خراب شود خانہ خدا گردد اس جگہ مندر یا کسی پرانی عمارت کا کوئی نشان پایا نہیں جاتا۔ بخلاف اس کے یہ واقعہ پیش نظر آتا ہے کہ یہ عہد تو کبر کا تھا، جس نے مسٹر نیول *Mr. H. P. Newell, I.C.S.* اور اُن کے گزٹیر (سلسلہ جدید سالانہ) کی روایت کے بموجب ”الہ آباد کے پرانے مندروں کو بھی قائم رکھا، کوئی دست اندازی نہیں کی، اور قلعہ بھی تعمیر ہو گیا۔ اس سے بڑھ کر کوئی نمایاں اور قابل تسلید مثال اس نیک نفس بادشاہ کی مذہبی رواداری اور اعتدال پسندی کی کیا ہو سکتی ہے۔“

ڈاکٹر فوربر *Dr. A. Fickner* کی روایت سے بھی اس کی کچھ اصلیت پائی نہیں جاتی۔ وہ لکھتے ہیں کہ ”کبر نے یہاں قلعہ بنایا، شہر بسایا، الہ آباد اس نام رکھا، جو بعد کو الہ آباد ہو گیا۔ ہرن پریاک پرانا نام اور پرانا مقام ہے۔ شہر سیاح ہیوین تسانگ *Hsueh Tsang* جو ساتویں صدی میں آیا تھا، یہی نام لکھتا ہے جو بگمان غالب افشاکہ کے وقت سے چلا آتا ہے۔“

لے نوٹ ذیلی، صفحہ ۱۱۰۔ صفحہ ۲۱۱۔ *District Gazetteer, Allahabad* سے ملکہ مغربی دشنامی دادودھ کے صنادید قدیمہ اور اُن کے کتابے صفحہ ۱۶۷۔ ۱۷۷ اس نامور شخص کی سیاحت ۱۶۶۹ء میں شروع ہوئی تھی۔ اس نے جاکے ملک کی ہر چیز کو غور و احتیاط سے دیکھا ہے۔ اور اُس زمانہ کے زاویہ نظر اور تعلقہ نگاہ کے مطابق ضروری تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ فاضل مورخ الفنسٹن *Elphinstone* نے اپنی تاریخ کے فیصلہ ۹، جلد چہارم میں اس کے مفصل حالات تحریر کئے ہیں۔ نیز اکثر اہل قلم نے پرنس ڈسٹرکٹ گزٹیر کا صفحہ ۱۳۳ بھی ملاحظہ کیا ہے۔ یہ مختصر تاریخ اہل ہند، مولانا ڈاکٹر ہنٹر، صفحہ ۷۲۔ ۷۳ ہندوستان کا شہر متقدم فرماؤ اور اشوک جناب مسیح سے دو سو چالیس سال پیش گزر رہا ہے۔ اس کا ہم عصر انطاکیوس (انٹی اوکس *Antiochus*) تھا۔ (صفحہ ۱۳۴، ذکر)۔

مسٹری ڈی اسٹیل C. D. Mehta پرانے ڈسٹرکٹ گزٹ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ”اگر آباد کا موجودہ نام اکبر نے رکھا تھا اُس وقت تک اس کا نام پریاگ چلا آتا تھا۔ یہ نام غالباً پورہ نے رکھا تھا، جو بدھ کی نسل سے چھٹویں پٹی میں تھا۔ مشہور ہے کہ اسی نے پُرانے شہر کی بنیاد حضرت عیسیٰ سے اکیس صدی پیشتر ڈالی تھی۔“ اور یہ کہ ”اگر آباد کی سب سے پرانی تاریخ پریاگ ہسٹم ایسوسی ایشن Prayag Mahatmya آج بھی موجود ہے۔“

بائیں ہم مسٹر سنسنون *Senson* کو اختلاف ہے۔ اپنی کتاب ”ہندوستان“ میں فرماتے ہیں کہ ”جب تک اکبر نے اس کو شہر نہیں بنایا، اگر آباد پریاگ کوئی شہر نہ تھا۔“ بوصوف کا خیال شاید کبیر نامہ کی طرف نہیں گیا، جس سے ”تعبیر پریاگ“ کی موجودگی ثابت ہوتی ہے۔ طبقات اکبری نے، جو اکبر کے عہد اور اُس کے جلوس کے اربعہ سو سال تک کی نہایت معتبر و چشم دید تاریخ ہے، کم از کم دو جگہ پریاگ کا نام لیا اور اسے وقوع بتائی ہے۔ اور پریاگ تو وہ مشہور تاریخی مقام ہے جہاں خون کا ہمارا جہ ہر شہر و دھن مذہبی میلے اور اجتماع کیا کرتا تھا۔ یہاں کی کانفرنس مصالحت (۱۵۹۷ء) میں ہمارا جہ صائب اکبر نے اپنی اسپیچ (تقریر) میں فرمایا تھا کہ ”اگر آباد کا پرانا نام ”پریاگ“ ہے۔ وہ سنسکرت کے لفظ پریاگ سے نکلا ہے، جس کے معنی قربانی کے ہیں۔ اس سے پہلے اس شہر کا نام کوئم نگری تھا۔ رام کے سب سے بڑے بیٹے کش نے اس کی بنیاد ڈالی تھی۔“ شیخ ابوالفضل نے آئین اکبری میں لکھا ہے۔ ”پریاگ۔ امروز بہ الہاباس روشناس و از ہر طرف تابست کردہ نیایش گاہ داند عنوان بزرگ پرستش گاہ۔“

ان سب سے قدیم تر، جاگنر دو نامور فیلسوف و حکیم ابوریحان محمد بن احمد بن محمد بیرونی خلدی [مابین ۳۶۲ و ۴۲۹ھ مطابق ۹۷۳ء و ۱۰۳۸ء] گزرا ہے۔ جس کی جامع علوم و فنون کتاب ”عجائب الہند“ کا زمانہ نو سو برس سے زائد (۱۰۳۰ء کے قریب کا) قرار دیا جاتا ہے، پریاگ اور اس کے قدیم و عظیم درخت لے مطبوعہ ۱۸۸۷ء جلد ہفتم، صفحہ ۱۶۱۔ لے ڈسٹرکٹ گزٹ، جدید، صفحہ ۱۰۱۔ لے تعمیر اول، *Reconstruction* صفحہ ۲۰۷۔ لے جلد دوم، صفحات ۳۵۳ و ۳۵۴۔ لے صفحات ۳۵۸ و ۳۵۹۔ لے آئین اکبری مطبوعہ، نوکشر، صفحہ ۱۶۷، جلد سوم۔

”وٹ“ کا ذکر کرتا ہے۔ وہ اس درخت کو مرکز مستقل مان کر بعض مقامات کا فاصلہ فرسخ کے حساب سے (فرسخ چار میل یا ایک کروہ) بتاتا ہے۔ اُس جگہ کا بھی حوالہ دیتا ہے جہاں جَوْن (جمنا) کا پانی لنگا سے مل جاتا ہے۔ اور جہاں ہندو طرح طرح کی ریاضتیں اور مشقتیں خود برداشت کرتے ہیں۔ اُن کا کسی قد صراحت کے ساتھ اُس نے ایک باب میں بیان فرمایا ہے۔ اس بڑے درخت ”وٹ“ اس کی ٹہنیوں اور زمین بوس شاخوں کی نسبت بھی لکھا ہے۔

کچھ دن ہوئے ایک ممتاز دانش آموز نے الہ آباد اور الہ باس کی بحث ایک کثیر الاشاعت مقامی اخبار میں پھیرتی تھی، اور اپنی نازک خیالی اور بلند نظری کے ساتھ اس کو بڑھانا چاہا تھا۔ لیکن جہاں تک مجھے علم ہے، اہل علم نے اعتنا نہیں فرمایا اور ساکت رہے میں بھی اس کو تردد ہی سمجھتا رہا ہوں۔ تاہم یہ قضیہ زہرہ کہہ کر سامنے آجاتا ہے کئی سال ہوئے ایک خوش طبع انشا پرداز نے الہ آباد کے متعلق کچھ شذرات لکھتے ہوئے عرفانہ انداز میں یہ فرمایا تھا کہ ”ان حضرات (عمائد شہر) نے بادشاہ (راجا)، الہ آباد نہیں کیا، جو الہ آباد ALLAHABAD کا داستانِ بانی ہے۔ وہ جس کو مسلمانوں کی فتح کے بعد لگا کر اللہ آباد بنالیا گیا ہے۔“

یہ قصہ آج کا نہیں، بہت پرانا ہے۔ خلاصۃ التواریخ میں مرقوم ہے کہ اکبر نے قلعہ تعمیر کرایا الہ باس نام رکھا۔ شاہ جہاں نے الہ آباد کر دیا۔ مسٹر بی۔ بی۔ اکیڈم شریج ابوالفضل کے حوالہ سے مفتاح التواریخ میں راوی ہیں کہ یہ شہر الہ آباد، آباد ہو گیا تو الہ باس نام رکھا گیا۔ دوسرے موقع پر نقل کرتے ہیں کہ قلعہ الہ آباد کی بنیاد رکھی گئی۔ الہ باس نام قرار پایا، شاہجہاں کے عہد میں الہ آباد شہر ہوا۔ غالباً ان کی سند خلاصۃ التواریخ کی تحریر ہے۔ میر غلام حسین خان طباطبائی کے الفاظ ”شہرے تباہی کی

لے اصل عربی مطبوعہ لندن ۱۹۱۰ء، صفحات ۹۸ و ۹۹۔ ترجمہ انگریزی اردو اکرا لٹریچر ڈسٹریوٹ (شیخو) جسنی، مطبوعہ ایندھرا، ۱۹۱۰ء، جلد اول، صفحہ ۹۸۔ و۔ جلد دوم، صفحات ۲۴۰ و ۲۴۱۔

۱۹۱۰ء۔ ۱۹۱۱ء اخبار لٹریچر مرقوم، ۳۱ اگست ۱۹۱۰ء، روزِ شنبہ، صفحہ ۸۔ ۱۹۱۱ء قلی موجودہ کتب خانہ مولوی حکیم سید منظور احمد مرحوم، واقع قصبہ صمدن، ضلع فرخ آباد۔ ۱۹۱۱ء، صفحہ ۲۵۶، طبع اول، ۱۹۱۱ء۔ ۱۹۱۱ء، صفحہ ۲۸۵، طبع اول۔

احداث فرمودہ الہیاس نام گزاشت^۱ اسی کی صدائے بازگشت ہیں۔

شمس العلماء آزاد دہلوی دربار اکبری میں فرماتے ہیں کہ ”خلاصۃ التواریخ کا لکھنے والا ہندو ہے“ (صفحہ ۵۱۹)۔ پھر لکھتے ہیں کہ ”بٹاوی صاحب خلاصۃ التواریخ سے تعجب ہے کہ ملک پنجاب میں بیٹھ کر کتاب لکھی، اور شاہجہاں اور عالمگیر کا زمانہ پایا“ (صفحہ ۵۳۲)۔ ”یہ اکبر کی جدت پرستی اور ہندو پسندی تھی کہ منشیان دفتر الہ آباد کو بھی الہیاس لکھتے تھے۔“ (صفحہ ۸۰)۔ وہ اس سے پیشتر لکھ چکے تھے کہ ”مسئلہ جلوس میں عمارت کا کام ختم ہوا تھا۔ پھر وہ الہ آباد سے الہیاس ہو گیا۔“

آپ نہ لالہ سبحان راے بھٹنڈاری ”منشی المناشی“ سرکاری کے قول پر اعتماد کریں نہ جناب آزاد کے کہنے پر۔ بلکہ خود اکبر اور اس کے ارکان حکومت اور عزیزین عالی منزلت کے طریق عمل پر نظر ڈالیں جب یہاں قلعہ بنا اور شاہزادوں اور امراء دولت کے لئے محلات و قصور تعمیر ہوئے تو ٹکسال بھی قائم ہوئی۔ اسی ٹکسال سے اکبر کے الہ آباد نام رکھنے کا ثبوت ملتا ہے؛ جس کے سکون پر شریف سردی کا یہ شہر مقبول ہو کر مشغوش ہوا تھا۔ ہمیشہ چوں زر خورشید و ماہ روشن باد بہ شرق و غرب جہاں سگد الہ آباد

سیرے نزدیک یہ بھی کوئی بخت قاطع نہیں ہو سکتی۔ مسٹروائٹ ہیڈ R. B. Whitehead کے قابل قدر مقالہ ”ہندوستان کے مثل شاہنشاہوں کے ٹکسال و شہر“ سے واضح ہے کہ برٹش میوزیم میں جہاں الہ آباد کا سکہ موجود ہے، وہاں اسی عہد اکبری کا اسی عجائب خانہ میں ایک سکہ AE دارالغریب الہیاس کا بھی محفوظ ہے جو ۱۸۹۷ء میں داخل ہوا تھا۔

اکبر کے عہد میں اس نام (الہ آباد) کے مقبول عام ہونے کا ثبوت ایک اور ملتا ہے۔ رمضان ۹۷۸ھ (مارچ ۱۵۷۱ء) میں اکبر نے جہان پور و آسیر (ملک خاندیس) فتح کیا تو عادل شاہ کی نو تہ تبرع جامع مسجد واقع جہان پور کے عقبی مینار پر میر محمد معصوم، نامی شخص مشہور درباری شاعر اور خطاط نے یہ کتبہ لگایا :-
”تاریخ آہی عبارت است از زمان جلوس حضرت شہنشاہ ظل اکبر بادشاہ غازی کہ ز تائید جو ان بخت خویش قلمہ کسیر کشاد۔“

۱۔ سیر المتأخرین، طبع الہ آباد، صفحہ ۱۳۹۔ ۲۔ دربار اکبری، صفحات ۱۲۲ و ۱۲۳۔ ۳۔ دربار اکبری، صفحات ۱۳۲ و ۱۳۳۔ ۴۔ حیات جمیل، مؤلفہ مقبول، جلد دوم، نوٹ نمبر ۱۰، صفحہ ۱۲۸، مطبوعہ ۱۹۲۹ء۔ ۵۔ صفحہ ۴۲۹، رسالہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال (سلسلہ جدید ۲، جلد ہشتم، نمبر ۱۲۹)۔ ۶۔ سنہ ۹۹۹ھ = ۱۵۹۰ء۔

گشت آباد اسیر ازاں نامی سنہ بیشش بگفت الہ آباد، بلے..

سال الہی نفل اللہ، آباد اللہ سے اللہ کے سنی اور اللہ آباد کی مناسبت روشن ہو جاتی ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ اللہ اور اللہ میں لفظاً و معنیاً کوئی فرق نہیں۔ ساسی زبان کی تمام شاخوں میں 'ا' اور 'آ' کا مادہ کسی نہ کسی ترکیب سے معبودیت کے لئے استعمال ہوتا چلا آیا ہے۔ کلدانی اور سریانی کا "الہیا"، عبرانی کا "الوہ"، عربی کا "الہ" سب اسی سے نکلے ہیں یہی "اللہ" حرف تعریف رائل کے اضافہ کے ساتھ اللہ ہو گیا۔ جو اسم ذات کے طور پر خدا کے لئے مستعمل ہوتا آیا ہے۔ اس کی کسی خاص صفت کے لئے نہیں بولا جاتا۔ اللہ کے نفوی معنی کے بارہ میں مہلکے لسان و اشتقاق فرماتے ہیں کہ اس کی اصل "آلہ" یا "ؤلہ" ہے۔ آلہ اور وؤلہ تجرود و ماندگی کو کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ پروردگار عالم و عالیشان کے متعلق جو کچھ ہم جانتے، یا سمجھتے، یا جان سکتے ہیں، وہ عقل کی نارسائی اور فہم و ادراک کے تحیر کے سوا اور کیا ہے۔

ربی اللہ باس یا اللہ آباد کی بحث حکماء زمانہ میں تو یہ شہر تمام غیر زبانوں اور ایشیا کے اکثر ممالک میں اللہ آباد ہی کے نام سے شہرت پا گیا ہے۔ عرب و مصر کے جغرافیوں کو لیجئے۔ ان میں ہم کو عربی املا اور نحوی ترکیبات کے لحاظ سے "اللہ یاد"، "ور اللہ آباد"، ہی لکھا ملتا ہے۔ پروفیسر محمد ثابت مصری کے الفاظ پہلے نقل کر چکا ہوں تھے۔ جو دو جگہ اللہ آباد لکھتے ہیں تو ایک جگہ اللہ آباد۔ وہاں کے ایک اور ممتاز جغرافیہ نویس نے بھی "اللہ آباد" ہی لکھا اور یہاں کی شہریت و استحکام، دریاؤں کے ملنے کی جگہ، تعمیرات، نقل و روٹی کی وسیع تجارت، یونیورسٹی، اور بہت سی ریلوے لائنوں کے اتصال کا ذکر کیا ہے۔

ہندوستان کی ہڑپائی تاریخوں اور تحریروں میں "اللہ باس"، اور "اللہ آباد" دونوں ملتے ہیں۔ ہمارے اعتبار سے اللہ باس زیادہ، اللہ آباد کم۔ آئین اکبری میں مگسال کا نام اللہ باس، صوبہ کا نام

۱۔ صفحہ ۲۴، رسالہ نگار، نمبر اول، جولائی ۱۹۲۹ء۔ ۲۔ صفحہ ۱۱ کتاب ہذا۔ ۳۔ ڈورس الجغرافیہ، جزو اول، صفحہ ۷۴۔ ۴۔ صفحہ ۷۹۔ ۵۔ الجغرافیہ الحدیث، تالیف احمد خان، جزو ثالث، مطبعہ ہندیہ، قاہرہ، صفحہ ۳۲۷۔ ۶۔ مطبوعہ منشی نو کشور، جلد اول، صفحہ ۱۹۔

الہاباس، سرکار کا نام الہاباس، حویلی کا نام الہاباس ملتا ہے؛ محال جلال آباباس؛ جو شاید شاہی لقب جلال الدین سے منسوب ہو۔ لیکن آگے چل کر وہی صوبہ الہ آباد، اور شہر بھی الہ آباد ہو جاتا ہے۔ خود مؤرخین الدولہ شیخ ابوالفضل نے کسی جگہ پیاگ اور الہ آباد کا حال لکھا ہے۔ ایک کا نقل کر دینا کافی ہوگا۔ ”صوبہ الہ آباد۔ الہ آباد، پیشیں نام پیاگ (بفتح با سے فارسی) گیتی خداوند بدل نام روشناس گردانید۔ و سنگین قلعه با نیام رسید۔ و گزین کاہا افزائے آمد۔ اور پادشاہ معابد انکارند۔ نزد آں گنگ و خون و سستی بہم پیوندند۔ لیکن پسین را پیدائی نہ بود۔“

(یعنی) صوبہ الہ آباد میں۔ الہ آباد۔ پڑانا نام پیاگ تھا۔ (پے کو زبر ہے)۔ اکبر بادشاہ نے اس نام (الہ آباد) سے شہرت دی۔ پھر کا قلعہ بنوایا۔ اچھے اچھے بلند محل تعمیر کرائے۔ یہ تیرتھوں کا بادشاہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کے پاس گنگا جمن اور سستی ملتی ہیں۔ مگر ظاہر میں سستی کپتہ نہیں۔

یہی حالت اقبال نامہ معروف بہ اکبرنامہ کی ہے، اکبرنامہ کی جس کا جزو خاتم ہے۔ اس میں پہلے تو الہاباس ملتا رہا، پھر الہ آباد ہو گیا، اور وہی رفتار پوری قوت کے ساتھ آخر تک قائم رہی۔ حتیٰ کہ آغاز ہی سے اس کو الہ آباد قرار دے دیا۔ ”بسعادتِ نجستہ اساسِ شہر الہ آباد نہادند۔“ باوجود اس کے کہ الہاباس یا الہ آباد نے صوبہ کا صدر مقام ہو جانے سے سرکاری و دفتری اقتدار حاصل کر لیا تھا، لیکن کرطے کی اہمیت اس وقت تک باقی اور نمایاں تھی۔ اکبرنامہ میں صوبہ کرطہ اور گزر کرطہ اور آئین اکبری میں سرکار کرطہ، سرکار کرطہ، غری، حویلی کرطہ اور طرہ کرطہ کا نام جایجا آتا ہے۔

۱۔ مطبوعہ منشی نوکشور، جلد دوم، صفحات ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱،

کنیل می لیسن E. B. Malletson بھی لکھتے ہیں کہ بابر اور اکبر کے وقت میں کڑا بہت آباد و بارونق تھا۔

مسٹر جبرٹ H. S. Jarrett نے آئین اکبری کے ترجمہ میں بھی یہی خیال ظاہر کیا ہے کہ اکبر کے عہد میں جب کڑے کی بجائے آباد کو مرکز حکومت بنادیا گیا تھا تو کڑہ کی اہمیت جاتی رہی۔ تاہم اُس کی پُرانی تاریخ عظمت برقرار تھی۔ وہ تغلقوں کے زمانہ میں ہندوستان کے اہم شہروں میں سے تھا۔ صوبہ کا نام بھی یہی تھا۔ مصر کے نامور مورخ و جغرافیہ نویس شیخ ابوالعباس احمد نے اپنی زندہ رہنے والی کتاب صبح الاعشی فی صناعة الانشاء میں اس کو صاحب ہند کی مملکت کے تینیس اقلیموں میں سے ایک اقلیم بتایا ہے۔ بہت سے تاریخی واقعات اس قطعہ زمین سے وابستہ ہیں۔

اسی آئین اکبری میں جہاں ”بزرگ پرستش گدھا“ کے عنوان سے بڑی بڑی تہذیب گاہوں کا ذکر ہے، لکھتے ہیں: ”پٹیگ۔ امرزہ الہاباس روشناس۔ وازہ مہر طت تالیست کر وہ نیایش گاہ دانند۔ گویند کہ آدمی بہ خواہشے دیں جافرو شود در دیگر زاد کامیاب آید و تر دامن گردد۔ ہر کہ خود را بکشد بزبان زدگی شترنگ گراید گردیں جافرواں تو اب اندوزد۔ و ایں را ہنگی سال بزرگ داشت نہاوند۔ لیکن در ماہ ماکہ بیشتر۔“

مقدمین میں سے مولانا غلام الدین احمد ہروی نے جو اکبری دربار کے کن رکن اور ممتاز دامودر عہدہ دار و مورخ گزرے ہیں ”طبقات اکبری“ میں ہر موقع پر ”الہاباس“ لکھا ہے۔ ایک جگہ یہی صراحت ہے کہ اکبر اور سلطنت مغلیہ کا عروج، صفحہ ۳۳، نوٹ۔ ۱۔ جلد دوم، صفحہ ۱۶۷ حاشیہ۔ ۱۔ تاریخ ظفر اللہ، جز ثانی، صفحات ۲۳۳، ۲۳۴ و غیرہ۔ و تاریخ مبارک شاہی، صفحات ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸،

کی ہے ”پیگ، کہ الحال بہ الہاس موسوم و مشہور است“ دوسرے محل پر فرماتے ہیں: ”دپیگ بجائے کہ
آب جوں و گنگ بہم ہی رسد، شہر تینا فرمودہ و قلعہ چند بر روے ہم طرح انداختہ آں شہر را بہ الہاس نام کردہ
بود۔“

”منتخبات ابو الفضل علّامی“ میں خان خانان سپہ سالار کے نام فتح کا ایک خط موجود ہے،
جس میں امن آباد الہ آباد تحریر کیا ہے کہیں اُس سے یہی شہر مراد نہ ہو۔

جہانگیر کے عہد کو دیکھئے۔ مرحوم مولوی خدایت بخش خاں کے مشرقی کتابوں کے عجائب خانہ (پٹنہ)
میں ایک چھوٹا سا خوش خط نسخہ دیوان حافظ کا محفوظ ہے۔ اس کے حاشیہ پر کچھ عبارت خود
جہاں پناہ کے قلم سے تحریر ہے، جس میں ”الہاس“ لکھا ہے۔ اقبال نامہ شکر گت یعنی جہانگیر نامہ میں خواجہ
ابو الحسن معتمد خان نجفی نے بعض بعض جگہ ”الہاس“ لکھا ہے اور کہیں کہیں الہ آباد بھی۔ اسی طرح
ترک جہانگیری میں الہاس اور الہ آباد دونوں نام آئے ہیں۔ دبستان مذہب میں جو شاہ جہاں کے
زمانے یعنی ۱۰۵۹ھ (۱۶۴۹ء) کی ایک مشہور و معتبر کتاب ہے اور جس کا حوالہ کیننگم صاحب بھی دیتے
ہیں تیرتھ (محل بزرگوار) کی تعریف اور تمثیل میں تحریر ہے ”پیگ کہ کنوں مشہور بہ الہ آباد“
اور نگ زیب عالمگیر کی تمام تحریرات میں جو اُس نے شاہ جہاں کو زمانہ سعادت میں بھیجی تھیں

۱۵ صفحہ ۲۸۰۔ ۱۶ صفحہ ۳۵۹۔ ۱۷ مطبوعہ نوکشتور، ۱۸۴۹ء، صفحہ ۱۱۶۔ ۱۹ چشم دید۔ ۲۰ مطبوعہ نوکشتور،
۱۸۹۷ء، صفحات ۷۹۱ و ۷۹۲ و ۷۹۳ و ۷۹۴۔ ۲۱ صفحات ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶،

الہ آباد طائفہ

راجہ کندن لال بہادر، اشکی جو ایک گرامی منش، محتاط انسان اور عہد امجد شاہی میں سلطنت اودھ کے میئر بنی تھے، اپنی نفیس و مستند تاریخ (منتخب تنقیح الاخبار) میں مولایت الہ آباد، اور اُس کا ”دار الحکومت الہ آباد“ لکھتے ہیں۔ صوبہ کا نام بھی ”الہ باس“ نہیں بتاتے۔ حالانکہ آگرہ کے متعلق صوبہ کا نام آگرہ اور اُس کا دارالصدر اکبر آباد تحریر فرمایا ہے۔

البتہ منشی سجان رائے نے باوجود کہ شاہجہانی فرمان اور باقرار خود، تبادُل نام سے آگاہ تھے، اپنی کتاب (خلاصۃ التواریخ) میں ہر جگہ ”الہ باس“ لکھا اور بنفیب و بدنام اور نگ زیب نے مواخذہ و تعرض بھی نہیں فرمایا۔

سرکاری گزٹیر میں بحوالہ تاریخ الغنشن لکھا ہے کہ اکبر نے شہر کی بنیاد ڈالی اور الہ باس نام رکھا تھا۔ پھر الہ آباد بدل دیا اور یہی سبکوں پر بھی لکھنوا گیا۔

سٹرنو، H. Furneaux، ایڈیٹر ٹائٹلس آف انڈیا اپنی ضخیم و عظیم الشان کتاب *The Colonization of India* ”ہندوستان کی جھلک“ میں تحریر فرماتے ہیں کہ الہ آباد کا نام ۱۵۵۷ء میں اکبر نے الہ آباد رکھا تھا۔ جس کے معنی ”دی اے بوڈ آف گاڈ“، *The Abode of God* (خدا کے ٹھکانے کے) ہیں۔ میری رائے قابلِ مترجم کی ذہانت و ذکاوت لائقِ داد ہے کہ ”الہ آباد“ اور ”اے بوڈ“ کی بے تکلف و برجستہ آمد اور معنی و تلفظ کی یکسانی سے ایک مستحقِ ستائش بات پیدا کر دی۔ دوسرے موقع پر لکھتے ہیں کہ ”الہ آباد اگرچہ ابتدا میں ہندوؤں کا مقام پر یگ نام تھا، تاہم شہر اُس کو مغلوں نے بنایا۔۔۔۔۔ اور انتہا سے عروج پر اُس کو اکبر نے پہنچایا۔“

لے رفات عالمگیر، مطبوعہ دارالمصنفین، جداول، صفحہ ۲۱۷۔ ۲ مطبوعہ ۱۲۶۷ھ، سلطان المطابع، صفحہ

۳۵۔ ۳۷ ایضاً، صفحہ مذکور۔ ۲ قلمی کتب خانہ محمدن۔ ۵ ڈسٹرکٹ گزٹیر جدید، جلد ۲۳، صفحہ ۱۶۶۔ د۔

تاریخ الغنشن، جلد پنجم، صفحہ ۵۱۳۔ ۷ صفحہ ۲۲۵۔ مطبوعہ فیلاڈلفیا، ۱۸۹۵ *Philadelphia*

S. A. ۷ ۷ صفحہ ۲۵۔

نواب نصیر حسین خاں، خیال کا خیال ہے کہ الہ آباد (شہر) لگھا، جننا کے سنگم پر تھا۔ مگہ سیلے میں ایشور
(خدا) کا نام وہاں لیا جاتا تھا۔ اس مناسبت سے وہ الہ باس پکارا اور یوں اردو بنایا گیا،^۱
یورپ کے اہل قلم نے جن کا سلسلہ زیادہ تر عہد جاگیر سے چلتا ہے، ہمیشہ الہ آباد لکھا ہے۔
انگریزوں کی عملداری کے آغاز بلکہ آمد کے وقت یہ تحریک کی جاتی تو شاید ”الہ باس“ کا پھر رائج ہو جانا
بہ آسانی ممکن تھا۔ جیسا کہ الہ آباد سے انگریزی کا الہ آباد *Allahabad* ہو گیا ہے۔
بہر حال دسویں صدی سے انگریز جو کچھ لکھ رہے ہیں سب کو معلوم ہے۔ سرکاری تحریکات سے ایک
پُرانی نظیر پیش نظر ہے جس زمانہ میں کہ یونانی حکومت کا آفتاب لب بام تھا اور یہاں کا زبردست
مرہٹہ سردار بے دست و پا سا ہو رہا تھا تو مادھو لال ناراین پیشوالے ایسٹ انڈیا کمپنی کی وساطت سے
ادومہ کے نواب وزیر سے درخواست کی تھی کہ الہ آباد کے میلوں کے موقع پر ہندو جاتیوں سے محصول
اور جنگی کم لی جائے۔ ارل کارنوالس *Earl Cornwallis* سپہ سالار افواج شاہی و
کمپنی نے ۸ اگست ۱۷۸۱ء کو اپنے (انگریزی) وکیل سید نور الدین حسن خاں بہادر کی معرفت یہ جواب
دیا تھا۔

”حقیقت محصول تیر چہ پر گئی یعنی الہ آباد کہ بہ نظر آرام و رضا جوئی زائران بہ نسبت
ایام پیشین خیلے تخفیف نمودند برائے اطلاع مخلص لطف فرمودہ اند و مخلص بہ مقتضائے
محبت و واداعقل افراد مرسلہ نواب صاحب مدوح بہ قید ہر قسم پیش آں مشفق
ارسال می دارد۔ ورجے وائق کہ ارادہ نواب معظم الیہ بہ ہاں طریق از فورج و شفقت
کہ ملو بر اطمینان و حفاظت زائران است بوجہ احسن جلوہ نہور خواہد یافت۔“^۲
اس میں پرانگ تیر چہ اور الہ آباد کے ساتھ ساتھ، دکن کے ایک ہندو سردار کی خواہش و استدعا
اور ادومہ کے مسلمان حکمران کی رواداری و مروت، انتظام اطمینان و حفاظت اور اپنی ہندو دھار یا
لے مثل اور اردو، صفحہ ۱۱۔ لے کتابت و مراسلات فارسی ایسٹ انڈیا کمپنی باور بار پیشوا۔“ جن کو بھارت
اتہاس منشود یک منزل نے شائع کیا ہے۔

اور جاتریوں پر نظر مہر پر روش قابل توجہ باتیں ہیں۔ اسی کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب خود الہ آباد میں اشرف میونسپل کمیٹی نے اقتدار و اختیار پایا تھا تو ہندوؤں کے مردوں پر عجیب و غریب ٹیکس لگا دیا تھا یعنی جتنی لاشیں لگتا اور جتنا کے کنارے پر جلائی جائیں ان کے لئے فی لاش ڈھائی روپیہ لیا جاتا تھا۔

باوجود رسمی مغرط و توجہ بلوغ پر ویسٹر کوشل کشور "الہ باس" کے صحیح اور واقعی معنی معلوم کرنے اور اس (شاید سنسکرت نژاد) "الا" کے ماخذ و اصل کی تحقیق سے قاصر رہے۔ وہ اس کو ایک چستان مان کر اہل ذوق و تلاش کو صلائے کرم دیتے ہیں۔ اس دعوت خاص میں مقبول بے نوا بھی محدود کچھ آہنگ و ہم نوا ہے۔ ان کے نزدیک یہ اُس "الا" کی طرف بھی منسوب ہو سکتا ہے جس کا تذکرہ "پرانو" میں ہے اور جو بنی آدم کا ابوالآبار تھا۔ یا یوں کہئے کہ حقیقتہً اس کی فطرت و جنسیت شنبہ ہے۔ کیونکہ بعض اس کو اُم اللہات بھی کہتے اور بتاتے ہیں۔ نیز لنگا کے ایک تیرتہ کا نام "ایل" ہے۔ قیاس پہنچا ہے کہ اسی "ایل" کے اشتقاق تو مصیٰفی سے "الا" ہے۔ مکنتہ نواز و دقیقہ رس پارگریٹر صاحب اسی "ایل" سے آریا کو ماخوذ اور اس جہت سے اگر تمام نوع بشری کا نہیں، تو کم از کم کل اصناف و اقوام "آریا" کا تہمد و گہوارہ الہ آباد کو سمجھتے ہیں۔ لیکن دشواری تو یہ ہے کہ اس وسیع ملک میں بہت سے مقام الہ آباد اور الہا باس سے موسوم ہیں۔ ضلع مظفرنگر ہی میں اسی نام "الہ باس" کا ایک مشہور گاؤں موجود ہے۔ تو یہ عظمت و تقدس اور دیرینہ سالی کا خلعت کس کس کو پہنانا جائز ہوگا۔

رہے "ایل" کے معنی۔ یہ بھی سُرپانی زبان میں خداے پاک کے ناموں میں سے ایک ہے۔

شیخ الامام محی الدین ابن محمد عبد القادر القرشیؒ نے اپنی مبسوط و مستند تالیف الجواہر المصیٰفی فی طبقات الخفیہ میں لکھا ہے کہ اللہ، اللہم اور الہ کے سوا "ایل" بھی اسماء الہی میں سے ہے۔ امام راغب اصفہانی المفردۃ طہ رسالہ اردو، ماہ اپریل ۱۹۳۵ء، صفحہ ۲۷، جلد ۵۔ انتخاب کل الاخبار دہلی بکوار پائیر الہ آباد سنہ ۱۳۵۷ھ اخبار ریڈر موزہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۵ء۔ ڈاکٹر کز شیر مظفرنگر، جلد سوم، طبع ۱۹۳۵ء، صفحہ ۲۵۲۔ لکھ صاحب تصانیف کثیرہ ائمہ فقہاتہ تحفہ سنہ ۱۳۵۷ھ میں وفات پائی۔ سنہ ۱۳۵۷ھ کی رقم، صفحہ ۷۔ موجود کتاب خانہ رسولی سید منظور احمد صاحب مرحوم واقع معدن ضلع فرخ آباد۔ [اس کا ایک مکمل و صحیح نسخہ پبلک لائبریری الہ آباد میں بھی موجود ہے۔ نمبر فرسٹ ۳۱۱]

فی غریب القرآن میں تحریر فرماتے ہیں کہ ”ایل اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔“ لے
 جتنے منہ اتنی بات۔ حال میں ایک صاحب علم نے اچھا خاصا رسالہ تصنیف فرما کر یہ دکھایا
 ہے کہ ”ایل“ ایک قوم تھی جس سے مغل اور ترک تو میں نکلی ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی
 کے ایک برگزیدہ فرد تھے۔ بظاہر یہ تحقیق پر و فیسر کنسل کشور کے نظریہ سے زیادہ قریب پائی جاتی ہے۔
 باقی ناموں اور لفظوں کے متعلق آئین اکبری کے فاضل مقدمہ نویس اور حاشیہ نگار کی تحریر
 نقل کر دینا ضروری ہے فرماتے ہیں:-

”پریاگ و پیگ، در ہندی وصل و اتصال۔ الہا باس والہ آباد، بمعنی جلے ظہور قدرت اسم
 ذات بمعنی باش و بود آئمہ بمعنی جائے فرو آمدن و ظہور بودن در اس مکان والہ آباد یعنی آباد کردہ
 حق سبحانہ تعالیٰ۔ و الہا باش یعنی جاے ماندن حق جل جلالہ۔“

(ترجمہ) پریاگ و پیگ کے معنی ہندی میں ملنے، مل جانے کے ہیں۔ الہا باس اور الہ آباد قدرت
 کے ظاہر ہونے کی جگہ، اسم ذات کے، رہنے بنے کے معنی میں بھی آیا ہے۔ بمعنی اترنے کی جگہ کے، اور
 اُس مکان میں ظاہر ہونے کے۔ اور الہ آباد یعنی حق تعالیٰ کا آباد کیا ہوا اور الہا باش، خدا کے رہنے کی جگہ۔
 پریاگ اور سنگم، سنسکرت کے لفظ ہیں جس سے غالباً اس عربی دان فاضل کو واقفیت نہ تھی۔
 دوسروں کا بتایا ہوا لکھا ہے، یا یہ کہ اُس وقت ان لفظوں اور ناموں کا یہی مفہوم مانا جاتا ہو۔ مجھ
 سچ ملاں کو بھی اس زبان میں درک و دخل نہیں۔ غیروں سے حاصل کی ہوئی معلومات کی صحت کا
 دعویٰ کون کر سکتا ہے؟

پریاگ پیر **प्रिय** اور یگ (یگ) **यग** سے بنا ہے۔ پریا، پیرے، سنسکرت میں پیارے
 کو کہتے ہیں اور یگ ہون کو جو معروف عام ہے۔ پریاگ کے سننے ہوئے جہاں یگ پیارا ہو یعنی جہاں
 بڑے بڑے ہون ہوتے ہوں۔ (प्रियाग)۔

ملہ مطبوعہ، صفر، صفحہ ۳۰۔ ملہ تبصرہ ایلیہ، از مرزا اسد علی بیگ برلاسی۔ ملہ آئین اکبری از شیخ ابوالفضل علامی۔
 منشی نول کشور۔ لکھنؤ۔ جلد دوم، صفحہ ۱۱، حاشیہ اول۔

سن اور گم ng سے سنگ مرکب ہے۔ سن = برابر گم = پہنچ، جہاں دونوں برابر پہنچیں۔
 میل کی جگہ۔ باس bas کے معنی سنسکرت کے اہل لغت نے متعدد لکھے ہیں۔ یہاں، بنے کے،
 استھان، ٹھکانوں، جگہ کے صادق آتے ہیں باس، نواس اور استھان ہم معنی و مترادف لکھے ہیں سیکونت
 یارہنے کی جگہ۔ باش فارسی ہے۔

خوب ہوا کہ اس تاریخی چھپرے چھاپے سے الہ باس اور الہ آباد کی قدامت، تسمیہ اور اصیلت کے متعلق
 کچھ ذکر آگیا اور پرانی کتابوں کی درق گردانی کر لی گئی، ورنہ کون اس طرف توجہ کرتا اور تحقیق و تدریق پر آمادہ
 ہوتا ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ آسان طلبی و سہل انکاری کے موجودہ دور میں الہ آباد کو الہ باس بنالینے کی تحریک
 محض بے سود ہے۔ جس طرح چند صدیاں پیشتر، باوجود حکومت کی قوت و پشت پناہی کے، زمانہ کی زبان
 بنارس کو محمد آباد، متھرا کو اسلام آباد، پرندین کو موہن آباد، بنگالے کی لکھنؤ کو جنت آباد، صوبہ بہار کی سرکار
 مولگیر کو فرخ آباد، اور پنجاب کے گجرات کو اکبر آباد بنا کر شہرت نہ دلا سکی، یہی بھی ناکام رہے گی۔ اس لئے
 ایسی باتوں کے چھپڑنے سے جو جماعتی اختلافات اور تلخیوں کو بڑھائیں، احتراز مناسب ہے۔

از سن عشق و جنوں پر سس نظیری دیریت دل و دین و سرکیش نہ دارم
 کسی تاریخ سے یہ بھی پتہ نہیں چلتا ہے کہ باغ کب نصب ہوا تھا۔ کس نے نصب کیا تھا۔ ابتدائاً
 نام کیا رکھا گیا تھا۔ البتہ یہ مشہور و زبان زد عام ہے کہ باغ بہت پرانا ہے، جس کی پیدائش (یعنی معنی
 میں) اکبر کے قلعے کے ساتھ ہوئی تھی۔ اور اکثر مورخ اس بارہ میں متفق ہیں کہ قلعہ کی بنیاد اکبر کے اہل
 نے تاریخ بنارس از حکیم منظر حسن، مطبوعہ ۱۹۱۷ء، صفحہ ۵۵، جلد اول۔ لے متھرا کا ڈیوٹریٹ گریٹر مٹھرا ۱۹۱۷ء، صفحہ ۱۹۷
 ۱۹۷۱ء۔ مشہور قلعہ بٹالی کا چڑنا نام بھی موس آباد ہے جو امیر خسرو کا مولد و موطن تھا۔ ترجمہ انگریزی ماہر الامار،
 مطبوعہ ۱۹۱۷ء، صفحہ ۳۳، لے آئن اکبری، جلد دوم، صفحہ ۵۴، لے آخر کے مغل "مستند" ولیم آروین، صفحہ ۲۰۰۔
Lal Bahar by William Irvine حیات جلیل، مؤلفہ مقبول؛
 حصہ اول، صفحہ ۲۳۴۔ نوٹ ۲۰۳۔ لے منتخب الغباب، حصہ اول، صفحہ ۲۳۶۔ ورنہ بار اکبری، صفحہ ۱۲۲۔
 وفتح التواریخ، صفحہ ۲۸۵، طبع ۱۹۱۷ء۔ ورنہ التناخیز (انتخاب مغلیہ)، مطبوعہ الہ آباد، صفحہ ۱۳۹۔

سال جلوس (۱۸۹۷ء) یا حسب روایت ڈسٹرکٹ گزٹیر (۱۸۹۷ء) میں پڑی تھی۔ اور اوراقِ تاریخ اس باغ کو اہم بتاتے اور امتیازِ خاص دیتے ہیں۔ کبھی یہ ایک سادی سی جگہ فرحت و سیر کی تھی۔ اس کی زمین، اس کے چمنوں اور روشوں نے اُس وقت بھی اکبر کے قدم چومے تھے۔ اس کے پھولوں اور غنچوں نے اس عظیم الشان شہنشاہ کے دماغ کو معطر کیا تھا۔ شاہزادہ دانیال جب الہ آباد کا گورنر تھا تو یہاں آکر لطف اندوز ہوتا تھا۔ جہانگیر اس کے درختوں کے سایہ میں تنکان دور کرتا تھا۔ تعب سیر و شکار کے بعد کرام و راحت پاتا تھا۔ وہ مرث نگ یہاں رہا تھا۔ سلطنت کی ضرورتوں یا اپنی ہنگامی شوریہ سری کے تقاضے سے کبھی باہر بھی جانا چاہتا تو یہاں کی دلچسپیاں عنان گیر ہوتیں۔ جلد سے جلد بیخ کر واپس لے آتیں۔ جہانگیر کو منانے اور سمجھانے کے لئے جب اُس کی والدہ سببی، مہر و قدس سلیمہ سلطان بیگم

لے ڈسٹرکٹ گزٹیر (۱۸۹۷ء)، صفحہ ۱۷۵۔ ۱۷۶ طبقاتِ اکبری، صفحہ ۳۵۹۔ ۳۶۰ منتخب السباب خانی خاں احمد اول، صفحہ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵۵۔ ۱۳۵۶۔ ۱۳۵۷۔ ۱۳۵۸۔ ۱۳۵۹۔ ۱۳۶۰۔ ۱۳۶۱۔ ۱۳۶۲۔ ۱۳۶۳۔ ۱۳۶۴۔ ۱۳۶۵۔ ۱۳۶۶۔ ۱۳۶۷۔ ۱۳۶۸۔ ۱۳۶۹۔ ۱۳۷۰۔ ۱۳۷۱۔ ۱۳۷۲۔ ۱۳۷۳۔ ۱۳۷۴۔ ۱۳۷۵۔ ۱۳۷۶۔ ۱۳۷۷۔ ۱۳۷۸۔ ۱۳۷۹۔ ۱۳۸۰۔ ۱۳۸۱۔ ۱۳۸۲۔ ۱۳۸۳۔ ۱۳۸۴۔ ۱۳۸۵۔ ۱۳۸۶۔ ۱۳۸۷۔ ۱۳۸۸۔ ۱۳۸۹۔ ۱۳۹۰۔ ۱۳۹۱۔ ۱۳۹۲۔ ۱۳۹۳۔ ۱۳۹۴۔ ۱۳۹۵۔ ۱۳۹۶۔ ۱۳۹۷۔ ۱۳۹۸۔ ۱۳۹۹۔ ۱۴۰۰۔ ۱۴۰۱۔ ۱۴۰۲۔ ۱۴۰۳۔ ۱۴۰۴۔ ۱۴۰۵۔ ۱۴۰۶۔ ۱۴۰۷۔ ۱۴۰۸۔ ۱۴۰۹۔ ۱۴۱۰۔ ۱۴۱۱۔ ۱۴۱۲۔ ۱۴۱۳۔ ۱۴۱۴۔ ۱۴۱۵۔ ۱۴۱۶۔ ۱۴۱۷۔ ۱۴۱۸۔ ۱۴۱۹۔ ۱۴۲۰۔ ۱۴۲۱۔ ۱۴۲۲۔ ۱۴۲۳۔ ۱۴۲۴۔ ۱۴۲۵۔ ۱۴۲۶۔ ۱۴۲۷۔ ۱۴۲۸۔ ۱۴۲۹۔ ۱۴۳۰۔ ۱۴۳۱۔ ۱۴۳۲۔ ۱۴۳۳۔ ۱۴۳۴۔ ۱۴۳۵۔ ۱۴۳۶۔ ۱۴۳۷۔ ۱۴۳۸۔ ۱۴۳۹۔ ۱۴۴۰۔ ۱۴۴۱۔ ۱۴۴۲۔ ۱۴۴۳۔ ۱۴۴۴۔ ۱۴۴۵۔ ۱۴۴۶۔ ۱۴۴۷۔ ۱۴۴۸۔ ۱۴۴۹۔ ۱۴۵۰۔ ۱۴۵۱۔ ۱۴۵۲۔ ۱۴۵۳۔ ۱۴۵۴۔ ۱۴۵۵۔ ۱۴۵۶۔ ۱۴۵۷۔ ۱۴۵۸۔ ۱۴۵۹۔ ۱۴۶۰۔ ۱۴۶۱۔ ۱۴۶۲۔ ۱۴۶۳۔ ۱۴۶۴۔ ۱۴۶۵۔ ۱۴۶۶۔ ۱۴۶۷۔ ۱۴۶۸۔ ۱۴۶۹۔ ۱۴۷۰۔ ۱۴۷۱۔ ۱۴۷۲۔ ۱۴۷۳۔ ۱۴۷۴۔ ۱۴۷۵۔ ۱۴۷۶۔ ۱۴۷۷۔ ۱۴۷۸۔ ۱۴۷۹۔ ۱۴۸۰۔ ۱۴۸۱۔ ۱۴۸۲۔ ۱۴۸۳۔ ۱۴۸۴۔ ۱۴۸۵۔ ۱۴۸۶۔ ۱۴۸۷۔ ۱۴۸۸۔ ۱۴۸۹۔ ۱۴۹۰۔ ۱۴۹۱۔ ۱۴۹۲۔ ۱۴۹۳۔ ۱۴۹۴۔ ۱۴۹۵۔ ۱۴۹۶۔ ۱۴۹۷۔ ۱۴۹۸۔ ۱۴۹۹۔ ۱۵۰۰۔ ۱۵۰۱۔ ۱۵۰۲۔ ۱۵۰۳۔ ۱۵۰۴۔ ۱۵۰۵۔ ۱۵۰۶۔ ۱۵۰۷۔ ۱۵۰۸۔ ۱۵۰۹۔ ۱۵۱۰۔ ۱۵۱۱۔ ۱۵۱۲۔ ۱۵۱۳۔ ۱۵۱۴۔ ۱۵۱۵۔ ۱۵۱۶۔ ۱۵۱۷۔ ۱۵۱۸۔ ۱۵۱۹۔ ۱۵۲۰۔ ۱۵۲۱۔ ۱۵۲۲۔ ۱۵۲۳۔ ۱۵۲۴۔ ۱۵۲۵۔ ۱۵۲۶۔ ۱۵۲۷۔ ۱۵۲۸۔ ۱۵۲۹۔ ۱۵۳۰۔ ۱۵۳۱۔ ۱۵۳۲۔ ۱۵۳۳۔ ۱۵۳۴۔ ۱۵۳۵۔ ۱۵۳۶۔ ۱۵۳۷۔ ۱۵۳۸۔ ۱۵۳۹۔ ۱۵۴۰۔ ۱۵۴۱۔ ۱۵۴۲۔ ۱۵۴۳۔ ۱۵۴۴۔ ۱۵۴۵۔ ۱۵۴۶۔ ۱۵۴۷۔ ۱۵۴۸۔ ۱۵۴۹۔ ۱۵۵۰۔ ۱۵۵۱۔ ۱۵۵۲۔ ۱۵۵۳۔ ۱۵۵۴۔ ۱۵۵۵۔ ۱۵۵۶۔ ۱۵۵۷۔ ۱۵۵۸۔ ۱۵۵۹۔ ۱۵۶۰۔ ۱۵۶۱۔ ۱۵۶۲۔ ۱۵۶۳۔ ۱۵۶

الہ آباد آئی تھی تو جہانگیر نے دو منزل بڑھ کر استقبال کیا، اور ملکہ عالم و مائیں کو یہاں اتارا تھا۔ تاریخ کا ایک اندویش واقعہ بھی اسی مقام سے وابستہ ہے۔ سلیم کے اشارہ سے اکبر کے دانشمند شجاع اور بہ ہرن کامل و ماہر شیخ ابوالفضل علامی کا سرکاٹ کر راجہ زرسنگ دیو (یا انگریزوں اور ہندوؤں کی مشفقہ تحقیق سے، 'برسنگ دیو') بوندیلہ نے جہانگیر کے حضور میں الہ آباد بھیجا تھا تو اسی جگہ پیش کیا گیا تھا۔

زمانہ حال کا ایک ممتاز انگریز عہدہ دار جس کا نام ادبا و احرار کا لینا مناسب نہیں (خسرو باغ کو ایک اور شرف دینا چاہتا اور لکھتا ہے کہ جب جہانگیر شہ کے قریب الہ آباد کا گورنر تھا تو اُس کا بیٹا جوخت نشین ہو کر شہا جہاں ہوا، نیز اُس کا بڑا بھائی "خوش رو" نام وہیں پیدا ہوئے تھے۔ اسی دوسرے نام یعنی 'خوش'

لے تختہ الباب، صفحہ اول، صفحہ ۳۲۳۔ ۳۵ تاریخ اکبر از میلس، صفحات ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸ و۔ ترجمہ آئین اکبری جلد اول، صفحہ ۳۳۳۔ میلس ڈکشنری، صفحہ ۲۰۵ و۔ اگرہ ہینڈ بک، صفحہ ۲۴۷۔ مستند خاں نے اقبال نامہ میں اس راجا کو زرسنگ دیو تبدیل لکھا ہے (صفحہ ۱۸۸)۔ آزاد دہلوی نے بھی انکارستان فارس میں زرسنگ دیو تحریر کیا ہے۔ (صفحہ ۱۱۷، نیز سیر التاخرین، جلد اول، صفحہ ۲۰۸۔ مشربیل نے اپنی ڈکشنری میں صفحہ ۲۰۵ پر زرسنگ دیو راجہ بندیلہ کے نام سے حالات لکھے ہیں، مگر صفحہ ۱ پر زرسنگ دیو بتایا ہے۔ سید نجیب اشرف ندوی، مقدمہ رذعات عالمگیر (صفحہ ۱۳۷، نوٹ) میں لکھتے ہیں کہ میر سنگ کو عبد الحمید فیرو نے غلطی سے زرسنگ لکھا ہے۔ حالانکہ اُس کے بنائے ہوئے نالاب کا نام خود میر ساگر لکھا ہے۔ اس کی سوانح عمری "میر سنگ دیو چتر" نام ہے۔ (تاریخ جہانگیر، مؤلفہ ڈاکٹر بینی پرشاد، ضمیمہ ج، صفحہ ۷۱)۔ ۳۵ تاریخ جہانگیر (ڈگلیڈن) صفحہ ۹ نیز نوٹ ۳، صفحہ مذکور و۔ صفحہ ۴۳ و۔ میلس بیگرافی کل ڈکشنری، صفحہ ۱۷۔ ویٹرٹ گزٹیر تھمرا، صفحات ۱۹۳ و ۱۹۶۔ المیٹ صاحب کی تاریخ ہندوستان جلد ہفتم، صفحہ ۱۸۴۔ رفات الغزنی کا ایک نفیس قلمی نسخہ طبع میں لکھا ہوا پبلک لائبریری الہ آباد میں موجود ہے، مصنفہ امین الدین خاں بن سید ابوالکارم بن امیر خاں الحسینی الہروی۔ اس میں بھی ورق ۲۳۱ (جز اول) پر دو جگہ 'برسنگ دیو' لکھا ہے۔ ۳۵ سیر التاخرین، جلد اول، صفحہ ۲۰۸ و۔ املہ سے ہنود، صفحہ ۳۴۹ و۔ دیباچہ ترک جہانگیری صفحہ ۱۰ و۔ میلس ڈکشنری، صفحہ ۱۶ و۔ ستاح التواریخ، صفحہ ۲۹۹ و۔ تاریخ بنیدل کھنڈ، قلمی، از مولوی سید منظور احمد خاں مرحوم۔

سے خسرو باغ منسوب ہے۔ یہ صاحب اپنے ماخذ اور ذریعہ معلومات کا حوالہ نہیں دیتے۔ خسرو کو خوش رو قرار دینا اور اپنے اہل زبان کو اس کے معنی "فیر فیس" *Fair face*۔ اچھے چہرے والا بتانا مذہبات و نکتہ آفرینی کی ایک عجیب و غریب اختراع ہے۔ بہت ممکن ہے کہ ان صاحب کو ملا غیاث الدین رام پوری کی تحقیقات و موشگافی سے یہ خیال پیدا ہوا ہو۔ جنہوں نے اس لفظ کے متعلق غیاث اللغات میں اچھی خاصی بحث کی ہے، اور مولف ہمارے علم اور ان کے استاد کے حوالہ سے یہ خوشگوار فیصلہ کیا ہے کہ صحیح لفظ خسرو ہے، زیر کے ساتھ نہ کہ پیش سے؛ اور یہ خسرو کا معرب ہے جس کے معنی 'خبرو' ہیں۔ بہر حال میں موصوف کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ خسرو کوئی نیا وضع کیا ہوا لفظ نہیں ہے۔ اس کی نسبت ڈاکٹر ونسنٹ اسمتھ نے بھی سرسوم پٹی این کے سیاحت نامہ میں لکھا اور اس کا یونانی املا "گریک فارم" *CHOSROES* بتایا ہے۔

واضح رہے کہ یہ دون ایشیا کے ساحلوں کی تحریرات میں سب سے پرانی، ابطالیہ کے پٹوڑیلاویئے *Pietro Della Valle* کی ہتی ہے جس نے ۱۶۳۳ء میں اپنے ملک و زبان کے تلفظ و املا کے مطابق "سلطان خسرو" کو *Sultan Chosroa* اور *KHOSRO* حوالہ دیا تھا۔ تھامس یہی تہی سطرچی ہیورز *G. Havers* نے اپنی انگریزی ترجمہ مطبوعہ ۱۶۶۳ء میں قائم رکھی۔ لیکن سطرچی اور ڈگری *Edward Grey* نے اس جدید مستشرقانہ تحقیق پر عمل فرما کر نئے ترجمہ مطبوعہ ۱۸۹۲ء میں خوش رو *KHUSRU* بنادیا۔

جس شرقی نوادہ ڈاکٹر ایڈورڈ سٹونہاؤس *Edward C. Stonehouse* نے ترجمہ کتاب "ہند" (پیرونی) میں خسرو کو *KHUSRAU* لکھا ہے۔

رہا خسرو باغ اور شاہجہاں کی ولادت۔ اس بارہ میں اسی قدر کچھ دینا کافی ہے کہ شاہجہاں کے مقرب اور درباری سوس خلیفہ محمد لاہری نے "بادشاہ نامہ" میں اس کے زائچہ کی نقل و صورت کے یہ اضافہ کیا ہے

۱۔ فصل خاتمہ مع سبب ۳۷۔ ۲۔ ریسبل اینڈری کلشنس، جلد اول، صفحہ ۱۶۶، تعلیق تحتی۔ ۳۔ سیاحت نامہ مطبوعہ لندن، صفحہ ۵۲۔ *THE TRAVELS* ۴۔ ایضاً، صفحات ۵۵۔ ۵۸۔ ۵۔ مطبوعہ ایڈمبر، صفحہ ۳۴، جلد اول۔

کہ کشا جہاں دار السلطنت لاہور میں پیدا ہوا تھا۔ مسٹر بیل بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ شاہزادہ خسرو کے منقول تذکرہ میں لکھ چکا ہوں کہ خسرو کے مولد ہونے کا فخر بھی لاہور کو حاصل ہے، الہ باس اس شرف سے محروم ہے۔ ڈاکٹر گٹ گزٹیر کی یہ روایت کہ ”زمانہ قیام و سکونت الہ آباد میں یہ باغ جہانگیر کا نہایت گاہ تھا“ واقعات و تحریرات سے صحیح معلوم ہوتی ہے مگر اس کا دوسرا جزو کہ جہانگیر کے بعد اس کے باغی بیٹے خسرو کو دے دیا گیا تھا، ماننے کے قابل نہیں۔ اس داد و دہش کی تائید نہ تاریخ کے صفحات سے ہوتی ہے نہ قرآن و قیاسات سے۔ اکبر کے جیتے جی خسرو اس کے پاس آگرہ میں رہتا تھا۔ اس کے تمام معاون اور حامی امرا موقع مناسب کے انتظار میں اس کو وہاں گھیرے رہتے تھے۔ جہانگیر کے تخت پر بیٹھنے کے ساتھ ہی خسرو نظر بند کر لیا گیا۔ شاہ برج (قلعہ آگرہ) میں مقید تھا۔ چھ مہینہ بعد بھاگا۔ رطابکھا گیا۔ اور پھر زندگی بھر اس کو رستگاری و خلصی نصیب نہیں ہوئی۔

یہ مختصری ہے اس کی سوانح عمری ہمیشہ وقف ستم ہائے روزگار رہا
مسٹر فرنیو اپنی دلچسپ و عالمانہ کتاب ”گلیمپسز آن انڈیا“ *Glimpses of India* میں لکھتے

”میں ہمیشہ شاہ نشین شہر حلا آتا ہے۔ اکبر اور جہانگیر جب کسی اہم یا سرور تفریح کے سفر کو جاتے تھے تو دوم سربے شاہی کو کسی قریبی عزیز یا مقرب امیر یا راجا کے زیر نگرانی یہاں چھوڑ جاتے تھے۔ ”جلد اول“، ”دور اول“، صفحہ ۱۶۔ ”نیرنگاری“، ”دکشنری“، صفحہ ۲۴۵۔ ”تاریخ ہندوستان“، جلد ہفتم ادولوی ذکار اللہ و سیر المصنفین، جلد دوم، صفحہ ۲۸۸۔ ”سیر التاریخین (انتخاب سلطنت مغول)“، صفحہ ۱۲۵۔ ”تہ طبقات اکبری“، صفحہ ۳۷۱۔ ”تاریخ فرشتہ“، جلد اول، صفحہ ۲۶۶۔ و۔ ”سیر التاریخین“، جلد اول، صفحہ ۱۸۷۔ ”دیباچہ نرنک“، صفحہ ۶۔ ”منتخب اللباب“، حصہ اول، صفحہ ۲۴۵۔ ”سلسلہ قدیم“، صفحہ ۱۶۵۔ ”سلسلہ جدید“، جلد ہفتم، صفحہ ۲۰۳۔ و۔ ”ڈاکٹر نوہر کی تاریخ یادگار ہائے قدیم“، جلد دوم، صفحہ ۱۳۔

The Monumental Antiquities and Inscriptions
N. W. P. & O. By A. Führer
شمارہ ۲۰، مذکور بالا۔ ”منتخب التواریخ“، صفحہ

۳۱۱۔ و۔ اکبر اور سلطنت مغلیہ کا عروج، صفحہ ۱۳۱۔ و۔ آوریگ زیب اور سلطنت مغلیہ کا زوال، از اسٹینٹیلین پول

ہیں کہ شاہزادہ سلیم جو اکبر کا بیٹا تھا، اور بعد کو مشہور شاہ جہانگیر ہو گیا تھا، وہ بھی اپنا وقت یہاں (خسرو باغ میں) صرف کرنے کا شوقین تھا،^{۱۸۰}

شاہ عالم ثانی (کا تیسرا نام بلکہ سکونت ال آباد میں لکھا گیا تھا)۔ تو وہ بھی خسرو باغ کا دلدادہ اور حاضر باش تھا۔ مرزا جہانگیر جو اکبر شاہ ثانی، بادشاہ دہلی کا (بقول سٹرن) بڑا بیٹا، اور ولی عہد سلطنت تھا، جس نے ۱۸۰۰ء میں سٹرن *Stearn* ریزیزٹ متعین دہلی پر تپانچہ (پستول) کا فیکر کیا تھا، اور اسیر سلطانی کی حیثیت سے الہ آباد بھیج دیا گیا تھا، یہاں خسرو باغ میں کئی برس رہا تھا۔ اُس نے اکتیس سال کی عمر میں ۱۸۳۶ء (۱۲۵۴ھ) میں وفات پائی۔ کہتا تھا خود شباب کہ مرنے کے دن نہ تھے

شاہزادے کے سالہاے عمر کے شمارے، دفن کے وقت قلعہ الہ آباد کی فصیل سے اکتیس ضرب توپ کی ماتی شلگ سر کی گئی۔ وہ اسی باغ میں سپرد خاک کیا گیا تھا۔ گر بعد کو معمر بادشاہ کی خواہش اور اصرار پر ۱۸۳۲ء میں لاش نکال کر دہلی منتقل کر دی گئی اور حضرت نظام الدین اولیاء کے مزار کے صحن میں دفن ہوئی۔^{۱۸۱}

نکالی جا رہی ہیں پتھریاں کچھ قید خانے سے ہوئی ہے ختم عیاد آج پابند سلاسل کی سرولیم تلی مین نے ۱۸۰۰ء میں شاہزادہ کو یہاں دیکھا تھا۔ وہ سٹرن کی طرح اُس کو دلی عہد اور اکبر دوم کا فرزند اکبر (اول) نہیں بتاتے لیکن اپنے سیاحت نامہ و تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ ”یہ شاہزادہ الہ آباد میں اسرو جس کی حالت میں نہ تھا، صرف دہلی واپس جانے کی ممانعت تھی۔ اُس کا مکان شاندار تھا۔“

آمدنی معقول تھی اور اُس کے مرتبہ و شان کے حسب حال تمام اعزاز برقرار تھے۔“

مرزا جہانگیر کے مزید حالات آخر کتاب میں اپنی جگہ پر ملیں گے۔

ہندوستان کی بغاوت ۱۸۵۷ء کے زمانہ میں بھی امباب سیاست کی نگاہیں خسرو باغ کی طرف

^{۱۸۰} لے مطبوعہ نلیڈ ٹیلیا (امریکا) ۱۸۹۹ء صفحہ ۳۲۸ لکھ کر ٹیڈر سٹی صفحہ ۱۴۶۔ وصال، صفحہ ۱۸۲۔ ۱۸۰۰ء بیارگری کل ڈکشنری، صفحہ ۱۲۸۔

^{۱۸۱} یہ صاحب ریزیزٹ شاہ جہاں آباد پر ۱۸۰۰ء (۱۲۵۴ھ) میں مقرر ہوئے تھے (تاریخ جلد ہیہ، صفحہ ۵۲۳)۔

^{۱۸۲} ڈیٹیل بیارگری کل ڈکشنری، *Oriental Biographical Dictionary*

صفحہ ۱۲۸۔ و قاسوس الشاہیر، صفحہ ۱۸۳۔ ۱۸۰۰ء جلد دوم، صفحہ ۱۶۷۔

لگی ہوئی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ تاریخ اپنے کو دہراتی ہے۔ ”سٹر اسٹیل C. D. Steel اور ان کے رفقاء قلم کے بقول ”خسرو باغ اگر پونے تین سو برس پیشتر تک بغاوت کیش و سرکشہ شاہزادے کا مامن و مسکن تھا، تو شہر میں بھی اُس نے ایک شوریدہ سرفتنہ گر کو پناہ دی تھی۔“

یہ شوریدہ سرفتنہ گر مولوی لیاقت علی باشندہ نہ گاؤں پر گئے چاہل، ضلع الہ آباد ہیں، جن کے تقدس و افتاء کا شہرہ دور دور تک تھا۔ بغاوت کے شروع ہی سے ضلع الہ آباد کے اُس علاقہ میں جو مابین دو آب گنگ و جمن واقع ہے، ان کا بڑا اثر تھا۔ وہاں کے آشفتنہ مزاج، شورش پسند، خیرہ سرزمینداروں کو حسب روایات سرکاری ایک ایسے رہنما کی ضرورت تھی جو قتل و خون و غارت گری و تالان میں اُن کا پیشوا بن سکے۔ نظر انتخاب مولوی لیاقت علی پر پڑی۔ وہ بڑی آن بان اور سردارانہ ترک و احتشام سے کوچ کر کے الہ آباد آئے۔ بادشاہ دہلی کی فرماں روائی و حکومت کا اعلان فرمایا۔ گورنر الہ آباد کی حیثیت سے اپنا جھنڈا بلند کیا۔ خسرو باغ میں قیام پزیر ہوئے۔ یہیں سے تمام احکام صادر و نافذ ہوتے تھے۔

وسط جون میں مولوی لیاقت علی اور اُن کے متبعین اور پیروں کی جماعت نے انواج انگریزی سے خشکت کھائی۔ بھاگ کھڑے ہوئے مولوی صاحب کچھ زمانہ تک مغرور و روپوش رہے۔ شہر میں الہ آباد میں گرفتار ہوئے۔ اور مدۃ العمر محبوس رہنے کے لئے بیورو دریاے شور بھیج دئے گئے۔

قانون کی نگاہ میں، اور سرکاری طور پر ان کے جرائم کیسے ہی ناقابلِ دگرزد اور نظم و ملکہ کے لحاظ سے شدید مواخذہ و باز پرس کے مستوجب رہے ہوں، مگر میں نے بعض سرن رسیدہ، ممتاز و فہیم مسلمانوں کو ان کا نام ادب و احترام کے ساتھ لیتے ہوئے سنا ہے۔ ان کے ذکر میں خود گزشتہ بیوروں کا ہجے بھی چنداں تلخ و درشت نہیں پایا جاتا۔

۱۔ سلطان سلیم پسر اکبر سے مراد ہے۔ ۲۔ ڈاکٹر گزٹیر سالی صفحات ۱۵۲، ۱۶۵، ۱۶۷۔ ۳۔ جلد ۱، صفحہ ۱۸۲۔ ۴۔ نہ گاؤں، الہ آباد سے چودہ میل، یکھم بڑی سڑک (پختہ) پر واقع ہے۔ ۵۔ ”بہادر شاہ کا مقدمہ“ مطبوعہ دہلی، ۱۹۲۲ء سے پایا جاتا ہے کہ مولوی لیاقت علی ضلع الہ آباد سے آئے تھے اور مستقل گورنر قرار دیئے گئے تھے۔ کسی اور جماعت سے کوئی اور درخواست نہیں آئی تھی۔ ۶۔ ڈاکٹر گزٹیر مطبوعہ ۱۸۸۲ء، صفحہ ۵۲۔ ۷۔ گزٹیر سلسلہ جدیدہ، ۱۹۱۱ء، صفحہ ۱۸۲۔

خسرو باغ کی تاریخ میں وہ دن بھی یادگار رہے گا، جب سترہ سالہ ولی عہد پرنس آف ویلس بہادر کی صحت یابی کا جلسہ یہاں منعقد ہوا تھا۔ اس مبارک و مسودہ موقع پر لاہ آباد کے شاعر شہید مولوی غلام امام شہید اور اور ممتاز حضرات نے تہنیت کے قصیدے پڑھے تھے اور مبارک باد کی تقریریں فرمائی تھیں۔ عوام نے بھی اپنی مسرت و شادمانی کا اظہار کیا تھا۔

خسرو باغ، لاہ آباد کے ایسٹ انڈیا ریلوے اسٹیشن (جنکشن) سے ایک تیر پر تاب یا انگریزی اصطلاح میں ایک اسٹون (پتھر) پھینکنے کے فاصلہ پر شہر سے ایک میل واقع ہے۔ باغ نہایت وسیع، طویل و عریض ہے۔ اس کی وسعت و گنجائش اُس دور کے بادشاہی باغات کے مساوی اور نمایاں شان کھٹی گئی تھی یعنی انگریزی پیمائش سے چالیس ایکڑ ستر سول۔ پوری تفصیل اور رتبہ کی موجودہ تقسیم مقبروں کے ذیل میں ملے گی۔

خسرو باغ کے متعلق تفصیلات و جزئیات کے بیان کرنے سے پہلے فنِ نگینہ دی و باغبانی کی نسبت اس قدر کہہ دینا ضروری ہے کہ کسی وقت یہ ایک مستقل شہر تھا۔ ہندوستان میں اس کا شوق، مسلمان ایران اور وسط ایشیا سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ دنیا کے تاریخ داں ملتے ہیں کہ انھیں کے ایک پیشرو منوچہر شہید لاونے سب سے پیشتر باغ لگوائے اور قلعہ و خندق بنوائے تھے۔ سلاطین اسلام اور ان کے ارکانِ دولت نے خاص کر اپنے ذوق، رنگِ طبیعت، ملک کی آب و ہوا اور رسم و رواج یا (بہ لفظ واحد) "ضرورت" کے موافق و مناسب تغیرات کر کے اُس کو خوب ترقی دی۔ سیریتی و پرورش فرمائی۔ دلکش اختراعیں اور دل آویز اصلاحیں کیں حتیٰ کہ اپنا خانہ زاد، ہندوستان پر ور بنالیا۔ اُن کے تصور و ایوانات کے ساتھ پائیں باغ، خانہ باغ، کم از کم چمن صحن کا ہونا لازم و ملزوم تھا۔ فیروز شاہ تغلق جو باجماع سوزین، منصف مزاج، خوش انتظام اور صاحبِ علم حکمران گزرا ہے اور جس نے "فتوحاتِ فیروز شاہی" کے نام سے اپنے عہد کے مہات کی تاریخ خود لکھی ہے، سینتیس سال کے قریب (۱۲۹۶ء تا ۱۳۱۶ء) سے لے کر ۱۳۱۶ء (۱۳۱۶ء) تک کچھ دن چھوڑ کر [فروں روارہ] اور فی البدھ اس وقت وفات کے ساتھ بسر کی۔ اس نے اپنے مستقر سلطنت میں جو دہلی سے زیادہ فیض آباد کے نام سے اُس وقت شہرت

لے وفات ۱۵ ایشوال ۱۲۹۶ھ (۱۸۸۹ء) مقام ودفن لاہ آباد۔ ۱۳۱۶ء سوانح عمری مولوی سمیع اللہ خاں۔ صفحہ ۱۳۸۱ و ۱۳۸۲

محمد ذکار اللہ، صفحہ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ تاریخ جاگیر لڑکانہ پٹنہ پر شاد، صفحہ ۱۳۲۔

رکھتا تھا، سنو باغ نصب کرائے تھے۔ زمانہ کا زبردست وتباہ کار ہاتھ ان سب کو مٹا چکا ہے۔ آج ایک کا نشان بھی نہیں بتاتا۔

اک نقش مٹ گیا ہے روتے نشان ہیں
دل میں ہیں داغِ حسرت تھے زبان پر ہیں

سلطان سکندر لودی نے ۹۵۷ھ (۱۵۸۹ء) سے ۹۷۵ھ (۱۵۷۱ء) تک سلطنت کی۔ اس کا عہد بہت سی اصلاحات ملکی و مالی کے لئے شہرت رکھتا ہے، حتیٰ کہ سب سے پہلے اسی کے زمانہ میں ہندوؤں نے عربی فارسی شروع کی تھی۔ ورنہ اُس وقت تک تو دھرم دان ہندو اس کو انگش و دیا کہتے تھے۔ اس نے ۹۷۵ھ یعنی مرنے سے کچھ پہلے اگر ۹۷۵ھ سے دھول پور تک منزل بہ منزل محلات تعمیر کرائے اور باغات لگائے تھے۔

منظلوں کے زمانہ کو لیتے۔ بابائے جب ہندوستان فتح کیا تو دہلی چھوڑ کر اُس نے بھی اگر کو مرکز حکومت بنایا۔ اپنے دل پسند نوادہ بلخ، بلخ، ونا، واقعہ کابل کی یاد تازہ تھی، اُس کی نقل یہاں بھی کرنا چاہی۔ ”چار بلخ“ یا ”بلخ گل افشاں“ کی بنیاد ڈالی۔ اپنے مالوں وطن کے سوا، بخارا، راد، بدخشاں اور بہت سے پہاڑی مقامات سے چل پھول کے درخت اور بیج منگائے۔ اُسے شکر کی پودہ، انار، سنگترب اور شفتالو آگائے۔ مگر کمریلی زمین اور ناہموار سطح نے شکست دی۔ کوشش رائگاں گئی۔ بہادر شاہ نے ہمارے جتنا کہ

لے بیس بیارنی کل ذکر شری، صفحہ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ دربار اکبری، صفحہ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ اگر کو سب سے پیشتر اسی بادشاہ نے تخت عمار بنایا (ابن کثیر شری، صفحہ ۱۲۶) اور بی امی اور پرانا نام ہے۔ شاہ جہاں کے عہد سے اکبر آباد کہا جانے لگا، ورنہ اس سے پہلے اکبر اور جہانگیر کے زمانہ کی تمام کتابوں، تذکرہ، اور فرمانوں میں کہ رقبوں میں بھی اس شہر کا نام اگر وہی لکھا

ہے۔ تاریخ اگر انمولی سید احمد، صفحہ ۲۵۰ نوٹ ۲۵۷۔ تاریخ اکبر آباد یا تاریخ اگر صفحہ ۵۷۸۔ ترک باہری، صفحہ ۱۲۳۔ تاریخ حیات، مولانا فرخ، جلد دوم، صفحہ ۵۱۔ اسی بارغ کے ایک حصے میں جو جوڑی ”کہا لاکھ کابل جانے سے پیشتر بار کا تابوت دین، ہاتھ۔ تاریخ تاج افغانی، حسین الدین مرحوم، صفحہ ۱۴۰۔ و۔ سین، الآثار، صفحہ ۱۵۰۔ دکن صاحب کی اگر وہی مذکور، جلد ۱۔ ایک شاہی ایوان بھی عہد باری کا تھا۔ مذکور صفحہ ۵۰۔ یہ تمام سلاطین چغتائی ملک موروثی کہہ کر بخارا اور سمرقند کے نام پر مل دیتے تھے اور غزنویوں اور اس کی چیزوں کی یاد سے دل کو یوں ہی خوش رکھتے تھے۔ (دربار اکبری، صفحہ ۱۲۳)۔ یہ ایک اعلیٰ نام فیر الدین محمد تھا۔ تیمور لنگ سے محبت تھی شیخ محمد بادشاہ فرخاد کا بیٹا تھا۔ فرخاد سمرقند کے پورب واقع ہے۔ چغتائی قبیلہ کا ترک تھا۔ اگرچہ مومنین نے اس کو اور اس کے اخلاص کو مغلوں میں شمار کیا ہے۔

پُر فضا کندے، نیلگوں پانی کی موجوں سے مٹھنے والی ہواؤں سے سمور مقام پر آرام باغ آباد کیا۔ آزاد دہلوی کہتے ہیں کہ پہلے اسے ”چار باغ“ کہتے تھے۔ پھر ”بشت بہشت“ ہوا۔ باغ نے نئی بنیاد ڈال کر نور انشاں اکملوایا۔ اب ”رام باغ“ کہلاتا ہے۔ اس کی انناس کی سالانہ پیداوار کسی وقت حد و شمار سے باہر تھی۔ اسی دل نشین سرزمین یعنی خاک نور انشاں نے باغ کے جسم خاکی کو چھ مہینے تک اپنی آغوش میں رکھا تھا۔ بعد ازاں حسب وصیت یہ امانت کا بل کو منتقل کر دی تھی۔

باغ خوش نصیب و نیک نیت تھا کہ سارے چار سو برس گزر جانے پر آج بھی اس کی ایک اور دلچسپ یادگار محفوظ اور ”باغ باغ“ کے نام سے کابل کی موجودہ آبادی سے باہر ایک پہاڑ کے دامن میں موجود ہے۔ دامن میں باغ اور فوارے ہیں اور اس سے اونچائی پر بلغ کی عمارت ہے اور اس سے اوپر پہاڑی کے بالکل نیچے وہ احاطہ ہے جس میں شاہ باغ کا کھلا مزار ہے۔ بلدیہ (میونسپلٹی) کا بل کے تفریحی جلسے، امداد عوام کی برکھٹ پارٹیاں اکثر اسی روح پرور و حیات افروز مقام پر ہوتی ہیں۔

میں نے یہ پورا حال اس لئے نقل کر دیا ہے تاکہ اہل نظر اگر وہ یا ہندوستان کے کسی بلغ کا کابل سے مقابلہ کر سکیں اور اندازہ فرمائیں کہ باوجود اختلاف نوع زمین، اور آب و ہوا، دونوں میں کس قدر یکسانی اور خوش خالی پیدا کی جاتی تھی۔ پھر اپنے شخص کے ہاتھوں، جسے گھوڑے کی پیٹھ اور زم و ہر دو کے میدان کے سوا کبھی زمین پر قدم رکھنے کی بھی مہلت نہیں ہوتی تھی۔

اکبر اعظم نے بھی اچھے سے اچھے باغ نصب کرائے تھے۔ کون جتا سکتا ہے کہ ”بلغ فرح بخش“ اور ”باغ

۱۔ کین صاحب کی آگرہ ہیڈ بک صفحہ ۲۰۳۔ لیکن منشی صاحب کی تحقیق یہ ہے ”آرام باغ“ جہانگیر نے نور جاں کے لئے نصب کرایا تھا۔ کابل کے باغ نور انشاں کی نقل ہے۔ صفحہ ۱۳۰ مذکور۔ ۲۔ دربار اکبری، صفحہ ۳۳۲۔ ۳۔ تاریخ آگرہ از مولوی سعید احمد، صفحہ ۸۸۔ ۴۔ مفتاح التواریخ، صفحہ ۲۱۸۔ ۵۔ دیسٹر، ڈکشنری، صفحہ ۲۵۲ آگرہ ہیڈ بک مرتب کین و ڈکن، صاحبان، صفحہ ۲۰۴۔ ۶۔ مسٹر این بی نیویل فرماتے ہیں کہ ”باغ“ دس کوہ میں کابل کے پاس نشاۃ باغ میں تاجی و فوارہ ریفہ حیات کے مجموعہ ہے۔ یہ وہی باغ ہے۔ ۷۔ شہد عظیم الشان تعمیرات فرشتہ نے لکھا ہے کہ ”۱۔ قصہ ہند، حصہ دوم، صفحہ ۵۲۔ ۲۔ سفر افغانستان از مولانا سید سلیمان ندوی۔ رسالہ مہکات نمبر ۱۳، جلد ۳۳، صفحہ ۱۹۵۔“

ارم اساس لکھا ہو گئے۔ آج صفحہ کاغذ کے سوا ان کا نام بھی کہیں باقی نہیں رہا۔

روٹے ہیں ہمیں دیکھ کے دشمن بھی ہار آتی ہے تباہی مگر ایسی نہیں آتی

احمد آباد کے پاس، جہاں سلطان مظفر گجراتی پر اکبری لشکر نے فتح پائی تھی، وہاں مرزا عبد الرحیم

خان خاٹاں نے ایک باغ لگایا۔ باغ فتح نام رکھا تھا۔ یہ مسلمان سلاطین ہندوستان کا قابل رشک

کارنامہ تھا کہ ایران و توران میں جہاں فتح ہوتے وقت گلہ میٹناڑ مقتولوں کے سروں کے بنائے جاتے تھے،

یہاں سرسبز باغ نصب اور آباد ہوئے لگے۔ جہاں گہرے بھی اس کو دیکھا تھا۔ لکھتا ہے کہ تو باغ خان خاٹاں نے میدان

کارزار پر بنایا ہے، دیائے سامترھی کے کنارے پر ہے۔ عمارت عالی اور بارہ درسی موزوں و مناسب چوتروہ

کے ساتھ دریا کے رخ پر تعمیر کی ہے۔ تمام باغ کے گرد پتھر اور چونے کی مضبوط دیوار کھنچی ہے۔ ایک سو تیس

جیب کا رقبہ ہے۔ خوب سیرگاہ ہے۔ دو لاکھ روپے خرچ ہوئے ہوں گے۔ مجھے بہت پسند آیا۔ ایسا باغ عام

گجرات میں نہ ہوگا۔ دکن کے لوگ اسے ”فتح باغی“ کہتے ہیں۔“

باغوں کے لگانے میں جہاں گہرے اپنے پر داد مرزا بارسے کچھ کم سلیقہ و ذوق نہیں پایا تھا، بلکہ اطمینان

اور امن و امان نصیب ہو جانے سے اس نے دل کھول کر اپنا شوق پورا کیا۔ کابل اور کشمیر کے بعض سرسبز و

سطح میدان اس کے لئے موزوں اور قدرتی طور پر مناسب تھے، جن کو اس نے سرایا بہار یا گلزار ارم بنادیا

تھا۔ وہ ۱۰۷۰ھ (۱۶۵۹ء) میں کابل گیا تھا۔ پر دادا کی فہر کی زیارت کی حکم دیا کہ بڑا لمبا چوڑا باغ ”شہر اراک“

لے مذکرہ ہفت تعلیم۔ درمختار التواریخ، صفحہ ۲۶۹۔ لے پرائس صاحب Price نے اپنی تاریخ ”جہانگیر“ میں صفحہ

۱۱۱ پر اس کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے۔ اس ضیافت کا حال بھی تحریر فرمایا ہے، جو خان خانان کی بیٹی خیر النساء نے جہانگیر کی

اس باغ میں کی تھی۔ لے مسلمان تاجداران ہند، جلد اول، مطبوعہ ۱۹۲۵ء، صفحات ۱۳۵، ۱۳۶۔ آج کل سابریتی

ہسٹوری اور کبھی جاتی ہے۔ لے دربار اکبری، صفحہ ۶۳۸۔ درجہ ننگ از بیورٹیج *Beveridge*

جلد اول، صفحات ۲۶۹ و ۲۷۰، نوٹ۔ لے تاریخ جہانگیر از گلیدون، *Clauvin* صفحہ

۳۹۔ لے الآباد کا شہر اراک کبھی اسی کی ایک خوش نمانقل تھا۔ آج ایک نیم دیوان محلہ اور چند دفتروں

کا نام ہے۔

کے متصل نصب کیا جائے اور جہاں آرا باغ، نام رکھا جائے۔ دیائے کا بل کاٹ کر ہزنکالی جائے۔ اس

باغ کے خیا بانوں میں چوگر گردے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

گرداس بن گیا صحرا کا دامان، دیکھ کر پاؤں پھیلائے ہیں ہم نے بھی سیاہاں دیکھ کر

اور یہ دونوں باغ "شاہ لالان" کے نام سے شہرت یاب ہوئے۔ راجہ کنن لال اشکی منتخب متع الاضہر میں لکھتے ہیں کہ اس باغ "جہاں آرا" کی بنیاد ۱۵۱۷ء یا سبست ۱۶۴۳ء میں پڑی تھی۔

کشیر ایک توفرت کاٹ کی عطار و موہبت سے خود ہی گل و گلزار ہو رہا تھا، اس پر جہانگیر کے زرباش

ہاتھ اور نکتہ آفریں دماغ کی مدد و تمکین سے کیا ہو گیا۔ یہاں کے باغات میں پھل پھول کی وہ کثرت ہو گئی

جس کی تفصیل سے میر تقی میر عاجز اور کاغذ کا میدان تنگ ہے۔ بانچوں میں پھول، دولت خانوں میں پھول،

جام مسجدوں کے چھتوں پر پھول، غرض ہر طرف اللہ ہی لالہ نظر آتا تھا۔ دودھ باش کے مکانات کی چھتیں تو

حسب معمول لکڑی کی ہوتیں، لیکن ان کو خاک پوش بنا کر سال برس سال ان پر گل کھلائے جاتے۔ ایک منیل ہی

خدا معلوم کتنے تسم اور رنگ کی ہوتی تھی، صندلی بھی، نیلی بھی، سفید بھی۔ اور نہایت خوشبودار۔ اسی طرح اور

ہزاروں تسم کے پھول پھل اگائے جاتے تھے۔ اکبر کے زمانہ سے پہلے ہندوستان میں شاہ آلو نہیں ہوتا تھا۔ نہ زرد

آلو۔ محمد قلی افشار نے کابل سے لاکر پیوند گادے شہر آ کرے کابل سے مرزائی نام ناشپاتی لگا کر لگائی گئی۔ کابل،

بدرشاہ، سمقند سے منتخب چیزیں اور پودھیں لائی گئیں شہنشاہ پر کریم پور چڑھایا اور کریم بنانے کا سامان

کر دیا گیا۔ ایک بڑا خوبصورت باغ یہاں کشیر میں اکبر نے لگایا تھا۔ جہانگیر نے اس کی اصلاح و درستی کی نگہداشت

کا اتمام کیا۔ نورافزا نام رکھا۔ اس نے بہت سی سیرگاہیں، عمارتیں اور حوض ان اطراف میں بنائے تھے جن کا حصر

و شمار آج کون کر سکتا ہے۔ پھولوں سے جہانگیر کے عشق کی نسبت مٹھرنہری بیورج کا امین میگرین

Indian Magazine میں ایک سیر حاصل آرٹکل نکل چکا ہے، اس پر ملاحظہ کی ضرورت نہیں۔

۱۔ میر (متاخرین) (انتخاب منول) صفحہ ۲۰۱، مطبوعہ الآباد۔ ۲۔ ادنیٰ منول، صفحہ ۳۵۱۔ ۳۔ مطبوعہ ۱۲۳۷ھ، سلطان اطلاق

صفحہ ۴۶۔ ۴۔ ترجمہ بھگت جہانگیری، جلد اول صفحہ ۶۔ ۵۔ اقبال نامہ جہانگیری، صفحات ۱۲۴ و ۱۲۵۔ ۶۔ اقبال نامہ

جہانگیری، صفحہ ۱۴۹۔ ۷۔ ایضاً، صفحہ ۱۵۵۔ ۸۔ بابۃ ماہی ۱۹۰۷ء۔

جہانگیر کی مشہور ہنرمند خوش سلیقہ ملکہ نور جہاں کے شوق اور نام کے استباب سے بھی متعدد باغات، نور انشاں، نور پری وغیرہ لگائے گئے تھے۔ نور منزل یا ڈیرہ باغ مشہور (۱۶۱۷ء) میں نصب ہوا تھا۔ بلند باغ یا تیس کعبہ نے پچپن ہیکڑ زمین گھیری تھی۔ ان کے واسطے آمدور دور سے عمدہ پھولوں اور پھلوں کے درخت تلاش کر کے بیچتے تھے۔ شمعیر کے اُس حصہ سے جہاں زعفران پیدا ہوتی ہے ٹٹی لاکر ڈالی جاتی تھی۔ ایک دل پسند مقام کیلئے (حال) واقع ضلع مظفر نگر میں جہانگیر کا ایک مقرب امیر مغرب خاں نام، اچھی سرزمین اور سازگار آب و ہوا کو دیکھ کر منتخب وہے شل آسوں کا باغ نصب کرتا ہے۔ گجرات، دکن اور اور دورد مالک سے، جہاں جہاں کے آسوں کی تعریف مستطاب ہے، بیج اور بیجہ منگا کر لگاتا ہے۔ ایک سو چالیس ہیکڑ رقبہ کے گرد پختہ دیوار کھینچتا ہے۔ کیاریوں اور خیابانوں کا فرش کرتا ہے۔ باغ کے وسط میں دو سوئیں لگاتا، دوسو گز چوڑا حوض بنواتا ہے۔ حوض کے اندر ماہتابی و صفا بانیس گز مربع رکھتا ہے۔ سرور و سرور گم ہر قسم کے درخت لگاتا ہے تو اُس بے قدر قیمت زمین کی یہ قدر عظمت ہو جاتی ہے کہ شاہی روزنامہ چوں اور نیم سرکاری تاریخوں میں اُس کا اندراج کیا جاتا ہے۔

ملہ یار کے گل انشاں باغ کی تقلید تھی۔ (صفحہ ۸۸) نور انشاں کا رقبہ چالیس ہیکڑ چار سو پختہ یا بانیس ایکڑ تین رو تیس پل تھا (مرق اکبر آبادی تاریخ نگار، از مولوی سعید احمد صفحہ ۹۷)۔ ۱۵ ایضاً، صفحہ ۲۲۔ ۱۶ ایضاً، صفحہ ۹۷۔ و ترجمہ نزک جہانگیری از ہجوید، صفحات ۶۷ و ۹۵۔ ۱۷ ایضاً، صفحہ ۹۷، اگر ہینڈ بک، صفحہ ۲۰۔ ۱۸ ایضاً، صفحہ ۸۸۔ ۱۹ ایضاً، صفحہ ۷۷۔ ۲۰ جہانگیر نے برہان شاہ زادگی خطاب دیا تھا (نزک، صفحہ ۱۲) اور اپنی کتاب میں متعدد جگہ اس کا ذکر کیا ہے۔ (صفحات ۶۳ و ۷۸)۔ مشہور ہجوید ۱۵۷۵ H انگریزیاں دھندھ اسی کی صوبہ داری بہا کے زمانہ (جولائی ۱۶۲۰ء) میں پڑنے آئے تھے۔ اس نے بہت اچھی طرح سے اُتارا۔ جن سلوک کے ساتھ پیش آیا ہو جو مہاراجہ کے خطوط سے پایا جاتا ہے کہ اُن پر مقرب خاں کا رعب بہت غالب تھا۔ تاہم وہ شکر یہ کے جذبات سے بہرہ نظر آتے ہیں۔ اپنے خطوط میں نواب کے بہت سے حالات لکھے ہیں۔ ۲۱ اقبال نامہ جہانگیری، صفحہ ۱۷۵۔ لیکن ڈسٹرکٹ گزٹیر، مظفر نگر، جلد سوم، مطبوعہ ۱۹۰۷ء، صفحہ ۲۶۸ میں تحریر ہے کہ ”مکہ مقرب خاں شاہ جہاں کا طیب خاص تھا۔ بادشاہ نے اس کو یہ کیز جاگیر میں دیا تھا۔ یوں کہنے کے گہری وقت یعنی شاہ جہاں کے عہد سے کیلئے کی ترقی اور رونق پڑی ہے۔ حکیم (۱۹۰۷ء، صفحہ ۳۵، ملاحظہ)“

خشک مزاج و خشک دماغ اور نگ زیب مالگیر کے وقت کو بھی دیکھ لیجئے ایک ادنیٰ مثال
 فدائی خاں کا لگایا ہوا پنجر کا باغ خشک کے راستے (ٹھیلہ کے علاقہ) میں موجود ہے۔ یہ امیر بادشاہ کا لڑا دروغی اور
 بقیہ صفحہ ۱۳۸) نے یہاں بہت سی عمارتیں بنوائی تھیں اور یہ خوبصورت باغ بھی۔ جو اب بھی قصبہ کے شمال و شرق میں موجود
 ہے۔ اس میں اچھے سے اچھے یہ وہ دار درخت منگیا کر لگائے تھے اور یہاں کے آم تو سب روایت تاج الماثر قوں تک
 دہلی میں مشہور و مرغوب رہے۔ بارہ درمی جو مقرب خاں نے باغ میں بنوائی تھی، اب بے مرست ہو رہی ہے۔

[ہرم کو اس سے مطلب: تاج کو کیا شکایت! میرا مٹانے والا مجھ کو مٹا رہا ہے]

مقرب خاں نے نوے برس کی عمر پائی۔ یہ ہی امیر ملا سواد اللہ التلخیص بہ سماعیہ کی انوی مشہور و مشہور کا مربی تھا
 جنہوں نے رام اور سیتا کے سوانح مری کے شعلی ناری میں مثنوی لکھی تھی۔ مقرب خاں نے ان کو بتائے کیا تھا نیز ملاحظہ ہو
 بیل صاحب کی ڈکشنری، صفحہ ۱۱۰۔ دوسرے موقع پر (صفحہ ۵۰) گریٹر اضافہ ہوتا ہے کہ مقرب خاں کا اصلی نام شیخ حسن یا حسن تھا اور
 باپ کا نام شیخ بنایا جھٹیا۔ پانی پت کے باشندے تھے۔ مجددی گہری میں شہرت و قدرت پائی اسی کے ساتھ مقرب خاں خطاب ملا۔
 باپ بیٹے دونوں سرخون یعنی جراج پیشہ تھے۔ شہر میں اکبر کے ایک زخم کا علاج کیا تھا جو ہرنوں کی لڑائی میں پہنچا تھا۔ مقرب خاں
 پہلے شاہزادہ سلیم کا حکیم تھا، جس کو تخت نشینی کے بعد اس نے نگرہات کا گورنر مقرر کر دیا تھا۔ ۱۶۱۷ء میں شاہزادہ شاہ جہاں وہاں
 بھیجا گیا تو یہ بارہنچا ۱۶۲۳ء میں اگرہ کی حکومت پر سر فراز ہوا۔ شاہ جہاں تخت پر بیٹھا تو مقرب خاں کو نیشن دے دی اور
 کیرانہ یعنی خود اس کا سکون مع اطراف کے پگڑوں کے جاگیر میں ملا۔ اس کا لڑکا رزق اللہ بھی شاہ جہاں کے نانا میں طیب او
 ہشت صدی منصب دار تھا اور نگ زیب نے خطاب خانی مرحمت فرمایا تھا۔ ۱۶۲۹ء میں رزق اللہ نے وفات پائی۔

اس کی تائید سیر التائین سے ہوتی ہے۔ کثیر سے واپسی کے بعد لاہور کے قریب چاندنی رات میں اکبر ہرنوں کی لڑائی کا
 تماشا دیکھ رہا تھا۔ ناگہاں ایک اجوا اپنے حین کو چھوڑ کر اکبر کی طرف جمعیتا اور اس کی دونوں رانوں کے بیچ میں سیٹک مار دیا۔
 زخم ہو گیا۔ اس بھی۔ در درخت سے ہوتا تھا۔ ابو الفضل کی رائے سے مقرب خاں معروف بہ شیخ جھٹیا جرج صاحب میں
 شمول ہوا۔ ایک ہیند سات دن بعد پوری صحت چمکی۔ ابو الفضل اور مقرب خاں جنہوں نے کمن دونوں بڑی خدمت
 کی تھی۔ مورخانیات و الطاف شاہی ہوئے (انتخاب مطبوعہ لاہور، ۱۹۴۷ء)۔

صفو نڈا۔ لہ پنجر ہاں بدست تاریخی مقام ہے۔ سلاطین ظلی کے عہد میں اس کی اہمیت اور شان خاص کر
 بہت طبعی ہوئی تھی۔ سہناج سراج کی طبقات نامہ میں اس کو ہستانی جگہ کو خوب نمایاں کیا گیا ہے۔

لاہور کی شاہی مسجد کا متمتع تعمیر تھا۔ اس باغ کے نصب کرتے وقت اس کو جو دشواریاں پیش آئیں وہ قدرتی موانع سے زیادہ انسانوں کے ہاتھ سے تھیں۔ راجاؤں نے ہوشیاری و چالاکی کے ساتھ مخالفت کی۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کر جسمانی امراض میں مبتلا کر پیکر باغبان اور کشاورز فراہم کئے جن کو دیکھ کر محل کی ٹھیکس اور کینٹینس ہم گئیں پھر آب و ہوا کی روایت و خرابی کے عجیب و غریب ٹیمپ تقے اور بے بنیاد انسانے سنا سنا کر دل برداشتہ و خوف زدہ بنادیا۔

سٹر فرینچ *Mr. French* نے دوران سفر سرکاری میں دہلی سے شملہ جاتے ہوئے اس کو دو مرتبہ ۱۸۳۸ء میں دیکھا تھا۔ اس کے احاطہ کی بلند دیواروں کی جو سنگ و شست کی تھیں اور شاندار دروازہ کی تحسین کی ہے۔ فراتے ہیں کہ باغ مختلف حصوں میں منقسم ہے جو ایک دوسرے سے کچھ چھٹ سے لے کر سولہ سولہ فٹ تک اونچے ہوں گے۔ زمین کا بڑا رتبہ گھیر رکھا ہے۔ حوض بھی ہیں فوارے بھی۔ ہر ایک پر جدا جدا عمارتیں گنبد و ابنی ہیں۔ چڑخانان کے لئے طاق ہیں۔ ایک عمارت تو س قزح کے رنگوں کی تیار کی گئی ہے۔ یہ نمونہ جنت باغ نزہت و لطافت کا ایک دھندلا سا خاکہ یا ایک بگڑا سا نقشہ رہ گیا ہے۔ سیلابی دہلی جاتے، حریت و جبر کے ساتھ دیکھتے اور یہ کہہ کر چلے آتے ہیں۔

یہ مسجد لاہور کی بہترین عمارتوں میں سے ہے۔ ۱۸۳۸ء (۱۲۵۸ھ) میں چھ لاکھ روپے کے خرچ سے تعمیر ہوئی تھی۔ پھر اور تمام سامان پہلے سے فراہم تھا۔ ان کی قیمت اس کے علاوہ ۱۸۳۸ء کے شدید زلزلہ میں بعض برجوں اور آخری سترلوں کو نقصان شدید پہنچا تھا۔ حتیٰ کہ ان کو شہید کرنا پڑا۔ یہ عمارت بعض خصوصیات کے لحاظ سے بھی ممتاز ہے۔ اس کا نقشہ اس تکلف سے بنایا گیا اور یہ ایسے موقع پر اس اہتمام سے تیار کی گئی ہے کہ اگر تفرجہ جہانگیر کے کسی مینار پر سے اس کے مناروں کو دیکھا جائے تو صرف تین منارے نظر آتے ہیں، چوتھا نگاہ سے اور جھل رہتا ہے۔ مسلمانوں کے کمال فن اور ترقی و ترقی و ترقی کے بے مثال یادگار ہے۔ سٹر فرینچ *C. J. French* اس زمانہ میں رائل آرمی ایل آف انکلیٹڈ *Earl of Auckland* جی سی بی، گورنر جنرل ہندوستان کے لشکر کیپ میں متین تھے اسی حیثیت سے بلائی ہندوستان کا دورہ ۱۸۳۸ء میں کیا تھا اور روزنامہ کہتے کہتے تھے، جو معلومات تاریخی و مقامی سے مالا مال ہے۔ یہی ہی سیاحت نامہ ۱۸۳۸ء اس قلم سے شائع ہوا۔ اس کی نوچ پر کتبچہ میں وصیب جو حضرات کے ملاحظہ کے لئے ایک مبلغ آموز و عبرت افزا نقطہ انگریزی میں لکھا ہوا ہے۔ ۳۸ سیاحت نامہ، صفحات ۱۳۸ و ۱۳۹۔

سُربینش تھی گردِ راہِ شاہوں کے لئے خوابِ گاہِ ناز تھی توجہِ کلاہوں کے لئے
کج ہیں تیری فضائیں سرِ آہوں کے لئے

باغات کی نگہداشت، درستی حال و شادابی، درختوں کی آرائشی، پھولوں کی پردہ نش، نہروں کی حفاظت و روانی کے بارہ میں خود اور نگِ زیب عالمگیر کو جس قدر قدرن تھا اُس کی تحریرات و خطوط سے ظاہر ہے۔ عمدۃ الملک امیر الامراء اسد خان طراز المہام کو دار الخلافۃ کے متعدد باغوں کے نام سے لے کر تاکید کرتا اور حکم دیتا ہے کہ ”روزانہ جا کر اُن کو دیکھ لیا کرو۔ نہ نہت و شادمانی کا خیال رکھو حوض کی صفائی پر بھی توجہ مغرطہ نہ پناہئے۔ میں جب تک وہاں رہا ہوں ہر ایک کو خود دیکھتا اور منتظمین کو تاکید و تنقید کرتا رہتا تھا۔“

دھول پور کے قریب، چوالا سرائے سے دو میل پر موضع نور آباد کے متصل وہ خوشنما و پر فضا و سج بلانوی و پوجا عالمگیر نے تعمیر اور نصب کرایا تھا۔ پھاگ کی پیشانی پر کتبہ لگا ہے۔ لفظ تاریخ ”دہہ باغِ حال“ سے اعلان کیا گئے ہیں یہی سالِ حجری تھا۔ ۱۰۸۸ھ کے مطابق ہوتا ہے۔ بعد کو ۱۰۹۰ھ میں ایک شاہزادی گناہگیر سے منہن ہوئی تھی بقرہ یادگار ہے ۱۰۹۰ھ لطیف اور حکایت اور ازتر کفر مغلوں کے باغات کا تاریخی حصہ، باوجود رسمی اختصار کسی قدر بڑھ گیا اور صبرِ حسی۔ موضع تشہ رہا۔ ادبی و تاریخی، روحانی و اعتقادی اور مذہبی، (مختلف) پہلوؤں سے نگاہ نہ ڈالی جاسکی۔

جن حضرات نے عہدِ گزشتہ کے نیک نام اور بقائے دوام والے مغل بادشاہوں کے دیرانِ باغوں کی رعنائیاں اور فردسِ نظری دیکھی ہے، جن کو اُن کی ٹوٹی بھوٹی عمارتوں اور اینٹ پتھر میں کسی دکھائی کا سامنا نظر آتا ہے، جو ان عظیم الشان کھنڈروں کی ہیبت و جلالت سے متاثر ہوتے ہیں، جن کو اُن کے بچے کچھے، اُجاڑ گلداروں کی مٹی ہوئی شان میں بھی حُسنِ مطلق کا جلوہ دکھائی دیتا ہے، اُن کے دلوں سے پوچھا جائے۔ اُن کی آنکھوں سے دیکھا جائے۔ مغربِ محض آرٹِ جاننا اور تیار کر سکتا ہے، فوجی اُس کا دین و ایمان ہے بلکہ معبود و سجد و مصنوعی نیگی و خوش الوانی اُس کی زندگی کی روح ہے اور نشاطِ حیات۔ شرقِ اس کو سراسر نماش و تکلف سمجھتا ہے۔ ان بیچ و بیچ نقوش اور مخلوط الوان میں حقیقی درِ بانی کی جھلک بھی نہیں پاتا۔ بیچ یہ ہے کہ تخلیقِ حُسن اور جمالِ آخری کے اسباب بھی مغرب کے دسترس اور اُس کے تمام مصنوعات سے دور بلکہ کسیر مفقود ہوتے جاتے ہیں۔ اس فنِ شریف پر باغبانی کا عروج و کمال جس کو دیکھنا ہو، وہ کشمیر کو

دیکھیے۔ وہاں کے باغات (نشاط، شالی، مد، پشتم، شاہی، مدھی، ناک، وغیرہ) کو دیکھیے۔ نور الدین جہانگیر اور نور جہاں کے محسن سلیقہ اور ذوقِ سلیم کی ستائش کرے۔ وہ ان کو محسنِ محض اور فردوسِ مکمل پائے گا۔

اور کچھ دوست تقریر بڑھادے یا رب سنئے، ہمارے ہر اک اب مرا افسانہ جدا

اگر اس قدر تھیں یا زحمت نظر بھی گوارا نہ ہو تو مسز اسٹیوارٹ Mrs. C. M. Steward کی نہایت دلچسپ و نفیس کتاب ”سلاطینِ محل کے باغات“ Gardens of the Great Moghals اور ستر نا مال ہمتا کے فاضلانہ مکتبہ Cont. tribution of Islam to Indian Culture ”ہندوستان کے تمدن میں اسلام کی امداد“ پر ایک نگاہ ڈال لینا کافی ہو گا۔ نیز ریڈٹ آنڈر کول کا دلچسپ رسالہ جو کشمیر کے باغات ارضی آثارِ قدیمہ کے متعلق ہے اور اس رسالہ کی تہذیب و جو سسٹروی این ہمتا کے شکیبار قلم سے کشمیر کے باغات اور ہندو و محل روایات پر نگلی ہے ملاحظہ طلب ہے۔

ہندوستان کے باغات میں خواہ وہ مسلمان بادشاہوں کے لگائے ہوں یا ان کے حلقہ بگوش راجا ہمارا جاؤں کے چند خصوصیات و کمزریات پائی جاتی ہیں۔ جلنے والے گن کو بنیادی اصول قرار دیتے ہیں۔ اوگ ایک ستمگ چار دیواری سے باغ کا محصور ہونا، خواہ مربع ہو خواہ مستطیل۔ عظیم الشان مرتفع پھاٹک، شایانِ موقع، اور کھڑکیاں۔ دوسرے آبیاری و آبپاشی کا خود ساختہ و خود اختیاری، دیر پائے نظام، باغ کے اندر بہتی ہوئی نہروں اور دیگر مصنوعی و غیر قدرتی ذرائع سے کیا جانا۔ ان کی تفصیل یوں کی جاسکتی ہے کہ باغ کا پانی کہیں درختوں میں سے ہو کہ کہیں آبشاروں کی شکل میں گزرتا ہے کہیں صاف شفاف چادر میں لپٹا ہوا اور وسیع و عریض حوض میں گرتا ہے۔ ترک سے پایا جاتا ہے کہ شہنشاہ باغِ پانی کے بارہ میں بڑی کاوش اور توجہ رکھتا تھا۔ ہندوستان میں زوالِ پانی کے نہ ملنے کی مہس کو بڑی شکایت تھی جگہ کا انتخاب اس کا مخصوص اولین نقطہ نظر تھا۔ اچھے سے اچھا اور بہتر سے بہتر موقع تلاش کے اپنی پسند و اطمینان کے مطابق پانی کی بہ افراطِ بہم رسانی

۱۹۳۵ء، جنوری، ص ۷۰۔ ۲ Archaeological Remains

in Kashmir by Pandit Anand Kaul and its Introduction by Mr. E. N. Mehla.

کا بندہ بست کر لیتا، متب کام شروع کرنے دیتا تھا۔

اسی طرح شاہ جہاں نے جب اپنی استراحت واپسی کے لئے اسی سرزمین اگرہ کو پسند کیا، متب باغ کی بنیاد ڈالی۔ شاہانہ تعمیرات و کلفات و اہتمامات شروع ہوئے، تو پانی کا انتظام مقدم سمجھا۔ کنوئوں کا ایک سلسلہ بنا ڈالا۔ اس کے حوضوں، فواروں کے مقامات، تالیوں اور نہروں کے ساتھ ساتھ نو بجے بٹے کنوئیں اب تک قائم و برقرار ہیں۔ ان دو کے بعد تیسرا تھارنگ دیو کا تناسب اور لطیف استزاج حسین و جمیل ترتیب و ترکیبات کے ساتھ ان کی آراستگی۔ درختوں کے لگانے میں یہ امر نظر رہتا تھا کہ طرفہ العین میں باغ کی ہیئت و حیثیت مجموعی یا اس کا نقشہ نگاہ کے سامنے آجائے۔ باغ کے تمام حصے اور ٹکڑے مریخ اور بجائے خود مکمل ہوتے تھے۔ گرد اگر دھریں رُؤاں چوئیں ہر قسم کے پھولوں کے درخت بکثرت ہوتے تھے، بالخصوص ایوانوں کے قریب۔ بہشت بریں کی نقل یا قدر رب مطلق کے عمل کی ہیئت و تقلید میں ان نمونہ بہشت باغوں کے حصے بھی آٹھ رکھے جاتے تھے۔ یہ تعداد اگر کسی وجہ سے پوری نہ ہو سکتی، تو بھی سداوی و یکساں حصوں میں تقسیم کیا جانا لازم تھا۔

باغ کے وسط میں درہ کسی دوسرے سوزوں محل پر ایک نفیس و خوبصورت بارہ دری یا گوشک کا تعمیر کیا جانا آرایش و آسائش کے لئے ناگزیر تھا۔ برسات میں اور گرمیوں میں بالخصوص، ٹیگات اور ٹہڑاواں، سلطانین اور شہزادے اس بارہ دری میں یا باغ کے سایہ دار ٹھنڈے ٹھنڈے سرسبز چوڑوں پر استراحت فرماتے گرمی کی تپش و کلفت دور کرتے۔ نہروں کا خوشگوار شیریں پانی کوثر و تسنیم کی طرح گزینا دی و فانی حوضوں سے نشاۃ انگیز و کلاخان ہوتا، سیل آب اور فرحت بخش تموج لطف اندوز کرتا۔ فرخ مند جنگ آزما بڑے بڑے سرو کے جمیل کرسفر و تلب اور تحمل مشاق و مصائب کے بعد سکون و راحت کا ٹھکانا یہاں پاتے۔ سرو و شمشاد کے درخت اپنے نیچے خوشنما زمر دین کیا ریوں میں مختلف قسم کے پھولوں اور خوشبو بخشنے والے گٹھار کے ایک فرش رنگ و بو بچھا دیتے۔

لے کہین صاحب کی اگرہ ہینڈ بک، صفحہ ۷۸۔

لے تاریخ تاج وغیرہ از منشی معین الدین احمد، صفحہ ۵۔ اگرہ کی ہینڈ بک، مؤلفہ کہین صاحب، صفحہ ۱۸۸۔ لے منشی صاحب اسی تاریخ تاج (انگریزی میں) کہتے ہیں کہ اگرہ کی اور شاہی غملاٹ کی طرح اس ہتھاب باغ کی قیمتی چیزیں اور تہہ رجاؤں نے ڈیگ اور بھرت پور بھیج دئے تھے۔ جو بچ رہے تھے بچ ڈالے تھے۔ (صفحہ ۱۱۰)۔ لے تاریخ مختصر، اگرہ ہینڈ بک، صفحہ ۲۰۔

قدرت کا رنگ و نور جلوہ فرما ہوتا۔ نکتہ بین و کیفیت کو رسم و صبا سے، تھکا ہوا دماغ مسطر و تازہ ہو جاتا۔ سبز و گل کے تختے نگاہ کو شاداب کر دیتے۔

مست کر دیتی ہے مجھ کو فصل گل میں بوئے گل و حد میں لاتی ہے حالت سبز و دامن شبار کی
 بھیجی بھیجی ہائے وہ نابغ کے پھولوں کی بُو جس پر سوجائیں خدا ہوں طلبا، عطا کی
 دو رکیوں جائیے۔ اپنے ہی صوبہ (ستحدہ) میں ہندوستان کے پڑنے پایہ تخت آگرہ کو دیکھیے۔ اس گئی گزری
 حالت میں بھی بہت سے باغات یا طے ہوؤں کے نشانات و آثار ملیں گے۔ (۱) اچانک باغ جو چار باغ،
 سے ایک میل کے قریب جمنائے ادر ہے مشہور ہے کہ بابر کے عہد میں لگایا گیا تھا۔ (۲) باغ خان عالم (در بابر خوردار)
 جو اکبر و جہانگیر کا مستند اور مقرب امیر تھا۔ (۳) اعتماد الدولہ کے روضہ کائیں سو برس سے زائد ہوئے، نور جہاں نے
 لگایا تھا۔ (۴) مہتاب باغ، جس کو شاہ جہاں نے اپنی پس مرگ راحت کے لئے تجویز اور بنا کیا تھا۔ (۵) بہشت
 آباد و سکندریہ کو ملاحظہ کیجئے۔ جس کا باغ اور صحن پیش باغ، جو تاروں سے گھرا ہوا ہے اور محفوظ ہے اس قسم کے
 احاطے اور اضافے پڑنی دفتری اصطلاح میں مفاہندی کہلاتے تھے، بحکمہ باغات کی تازہ ترین سرکاری
 رپورٹوں میں اس کا رقبہ ۵۰، ۱۰۱، ایکڑ لکھا ہے۔ سٹرٹونکن انجینیر ۱۲۳ ایکڑ کہتے، کرنیل ہیویل ۵۰ ایکڑ بتاتے
 ہیں، اور اس کی سنگین دیواروں کو چوبیس فیٹ بلند منشی معین الدین باغ کی وسعت ڈیڑھ سو ایکڑ اور اس کے
 جنوبی پھاٹک کی رفعت شرفٹ سے زائد تحریر فرماتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس پنج منزلہ عمارت کی

لے عہد باری کی یادگار اور آرام گاہ ہے۔ ہمایوں کا قیام بھی یہاں رہا تھا۔ منشی معین الدین کی تاریخ تاج، صفحات ۷۷، ۷۸

۱۰۹۔ لکھنؤ، جہانگیر کا شجاع امیر سپہ سالار اور شیر تھا۔ شاہ جہاں نے شش ہزاری منصب پر فروزا کیا تھا۔ تاریخ تلج، انگریزی، منشی
 معین الدین، صفحات ۹۷، لغاتہ ۱۰۰۔ لکھنؤ، تاریخ ذکر، صفحات ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴

تکمیل کی نوبت ۱۳۱۷ء میں جہانگیر کے ہاتھوں پہنچی، مگر اس نے ایک مرتبہ اس کا پورا نقشہ بھی بدل دیا تھا۔ مگر دراصل اگرچہ نے اپنا مقبرہ اپنی زندگی میں تعمیر کرنا شروع کیا تھا۔ بے سوچ سے ہی تاہم یاد کرنے کے قابل بات ہے کہ تین ہزار سے زیادہ آدمی دس سال تک روزانہ لگے رہے۔ پندرہ لاکھ سے زیادہ صوف ہوا۔ یہ عمارت ہندوؤں کے طرز تعمیر سے مشابہ ہے، اور اس وسیع و عریض کشور کی تمام تعمیرات میں ہندوستانی وضع و شان کی نمود کے لحاظ سے بے مثل و بے نظیر مانی جاتی ہے۔ جہاں گرو سیاح سٹریٹوارڈ *W. H. Steward* کا بیان ہے کہ یہ یادگار چوبیس

لے تاریخ جہانگیر از پروفیسر تینی پرشاد، صفحہ ۷۷، و۔ تاریخ تاج از منشی معین الدین، صفحہ ۱۳۸۔ لکھ آگرہ ہینڈ بک، صفحہ

۲۱۳ جواہر ترک جہانگیری۔ سٹریٹوارڈ سیوارڈ کا دنیا کے گرد سفر، صفحات *Travel around the world by W. H. Steward*

۲۱۳۔ پیل صاحب کی اورنٹل بیانگرافی کل ڈکشنری، صفحہ ۳۱۔ نیز سٹراس ہربرٹ کی تحریر *Sir Thomas Herbert*

جنہوں نے ۱۶۲۷ء (عہد جہانگیری) میں اس کو دیکھا تھا۔ حال کے اکثر تاریخ نویسوں کی

روایت یہ ہی ہے۔ لیکن موجودہ کتبوں اور ترک جہانگیری یا اسی عہد کی کسی فارسی تاریخ سے اس کی تصدیق

نہیں چوٹی کر اکر نے اپنے مقبرہ کی بنیاد خود ڈالی تھی اور بہشت آباد نام بھی خود رکھا تھا۔ جہانگیر نے سٹریٹوارڈ کے

سماخ میں اس کی تعمیر کا حال لکھا ہے، نیز دیگر ترسیلات و اصلاحات و تفرقات جدید کا، جو سٹریٹوارڈ کا وقوع میں

آئیں۔ البتہ اقبال نامہ جہانگیری (صفحہ ۱۳۵) میں بہشت آباد و روضہ اکبر اور پندرہ لاکھ روپیہ خرچ اور بعض ترسیلات تعمیر کا

مذکور ہے۔ لیکن صاحب انجینیر لکھتے ہیں کہ آج کل کے حساب سے مصارف تعمیر کا اندازہ نوے لاکھ ہوتا ہے۔ یہ کپتان

ولیم ہاکنس *Captain William Hawkins* نے چودہ سال لکھے ہیں، جو سٹریٹوارڈ

سے ۱۶۱۱ء تک آگرہ میں رہے تھے۔ لے تاریخ جہانگیر، ص ۷۷۔ نیز خیر کپتان ولیم ہاکنس۔ لے تاریخ تاج، صفحہ

۱۳۸۔ ترک جہانگیری، مطبوعہ علی گڑھ، صفحہ ۷۳۔ لے مصر کے تین منابر یا اہرام بہت زیادہ مشہور ہیں۔ یہ اہرام

فراعنہ مصر کی خواہاں ہیں یا مقبرے ہیں، جن میں کبھی جنوب کی ہوئی لاشیں رہتی تھیں، جواب یہ کہ عجیب خافوں کی

زینت ہیں۔ یہ قدامت و دراز کے باعث سے اہرام (عبرانی کہن سال) کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ ان میں سے چوبیس

سب سے زیادہ شہرت رکھتا ہے۔ اس کے دو تعلق اور بھی ہیں؛ ہنسی آتیس اور کوبیس۔ یہی ”ہرم اعظم“ یا ”ہرم کبر“ کہلاتا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۴۶ پر)

روڈ ۳۹ میل اور بروے رپورٹ سالانہ ۲۵-۱۸۸۶ ایکڑ رقبہ پایا ہے۔ مگر یہ بعد انقلاب کی مالی تہی اور وسیع و وسیع ملک تھی یا حقیقتہً ان بزمیہ مسلمانوں کی یادگار جنہوں نے ناماقت اندیشی سے سرکار انگریزی سے بغاوت کی سازت کہ برسات۔ اس کی پاداش میں اپنے علاقہ و جائداد سے محروم ہوئے۔ گاؤں ویران کر دئے گئے۔ گھروں پر گردے کا ہل چل گیا۔ البتہ دس بارہ برس بعد شاہزادہ عالی تبار ڈیوک آف ایلنبرگ کی بدولت ملنے والوں کو یہ فخر کرنے کا موقع ملا۔

نہ ہونماقت شمار گنجیں، اسی سے قائم ہے شان تیری

دور گل ہے اگرچہ میں، تو اور دامن دراز ہو جب

یہ تو زبانی اور مقامی روایات تھیں۔ سرکاری گزٹیر کا بیان ہے کہ جب ڈیوک نے اپنے قدموں سے سرزمین پر یاک کو عزت بخشی تو اس مبارک واقعہ کی یادگاریں سنہ ۱۸۸۶ء میں، اس پارک کی بنیاد ڈالی گئی۔ پہلے یہاں چھاؤنی تھی، مگر اس کی آب و ہوا ناقص اور خراب رہتی تھی۔“

یہی ایک قابل تشکا حقیقت ہے کہ جس سال ایک حقیر متنفس یعنی راقم سطور نے اس عالم آب و گل میں قدم رکھا تھا، اسی سال اس نہ بہت گاہ نے صفحہ ہستی کو اپنے ظہور سے رونق بخشی تھی۔

خسوع ۱۸۸۶ء کی بلند اور چوڑی چٹکی مضبوط چار دیواری جو اس ٹرسٹ اور فراخ رقبہ کو گھیرے ہوئے ہے، جہانگیر کے واصلہ اور سلیقہ و تمیز کی یادگار ہے۔ باغ کے ہر طرف پختہ ٹرک کافی وسیع موجود ہے۔ مقامی روایات اور سطوریل کی تحریر سے پایا جاتا ہے کہ یہ عظیم و عریض سنگین احاطہ، عہد شاہزادگی میں جہانگیر کے حکم سے قلعہ کے باقی ماندہ مصلح سنگ و خشت اور چونے سے بنا تھا۔ مسلمان مورخ اس بارہ میں قطعاً خاموش ہیں۔ ایک باغی شاہزادے کی،

۱۔ رپورٹ سالانہ باغات سرکاری بابہ ۳۰-۱۹۲۹ء، صفحہ ۵۷۔ ۲۔ گزٹیر سابق، مطبوعہ ۱۸۸۳ء، صفحہ ۷۷۔ ۳۔ گزٹیر سابق، مطبوعہ ۱۸۸۳ء، صفحہ ۷۷۔

۴۔ ۱۸۸۶ء، صفحہ ۷۷۔ ۵۔ کلام دستور ملقب بقبول احمد، مطبوعہ نئی دہلی، ۱۲۹۷ھ، صفحہ ۲۷۔ ۶۔ گزٹیر سابق، مطبوعہ ۱۸۸۳ء،

صفحہ ۱۶۵۔ ۷۔ ڈاکٹر فہرہ کی تاریخ یادگار ہائے قدیمہ اور ان کے کتبہات، جلد دوم، صفحہ ۱۳۰۔ ۸۔ مفتاح التواریخ، صفحہ

۳۳۵۔ ۹۔ تاریخ جہانگیر، ڈاکٹر بنی پرشاد، صفحہ ۳۴۰۔ ۱۰۔ پریگ یا الہ آباد کی ہینڈ بک، مرتبہ ناڈن رپوبو آفس، صفحہ ۵۰۔

۱۱۔ مفتاح التواریخ، صفحہ ۳۳۵۔

اگرچہ تقدیرات ازودی سے وہ بعد کو شہنشاہ ہو گیا تھا، اُس کے عالم شباب کی سرسری مشوریدہ سرری اور سرکشی کی کسی مستقل یادگار کا اپنی کتاب میں ذکر کرنا زمانہ شناس جاہ طلب اہل قلم کی شان کے منافی اور اُس کے عقائد کے سراسر مخالف تھا اور اُن مصلحت بینی کا ناقابل غفوی سیاسی جرم۔

یہ ڈر لوگوں پہ غالب ہے کہ حالت میری ظالم ہے مثنیٰ کا ذکر کیا آنکھوں کی دیکھی بھی نہیں کہتے اُس زمانہ کے یورپین ستاروں کے نزدیک بھی یہ جگہ محض آگے، دیکھنے اور گزر جانے کی چیز ہی ہوگی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ سرایہ دیگان عصمت و عفان سلطانی کی اقامت کی وجہ سے بے چاروں کا گزر بھی یہاں نہ ہونے پاتا ہو۔

ایک مشہور روایت یہ ہے کہ خسرو باغ سے قلعہ تک اندر اندر جاتے آئے کے لئے زمین دوز راستہ بہت ہوا تھا۔ شاہنژادہ خسرو کی قبر کے قریب کی ایک کھڑکی اُس کا دہانہ بتاتی جاتی ہے۔ یہ روایت خواہ کسی ہی بقول عام اور دیرینہ کیوں نہ ہو مگر اس کی تصدیق نہ تو کسی تحریر سے ہوتی ہے نہ پیران کہن سال۔ نہ اُس کے نشان و آثار نظر آتے ہیں۔ ممکن ہے کہ آگرہ و دہلی کی بعض عمارات کی طرح یہاں کے متعلق اولاد کی بھی کچھ بنیاد یا اصلیت رہی ہو مگر مجھے تو خسرو باغ کے اندر اور باہر ہر طرف گھوم پھر کر دیکھنے اور توجہ و غور کرنے سے کسی گہرے ننگ یا اندر اندر دوز تک جانے والے راستہ کا پتہ اس وقت تک نہیں چلا۔

بحالت موجودہ یہ فرخ بخش دسرت خیز باغ ایشیا اور یورپ دونوں کے کمال فن اور باغبانی و چمن آرانی کا نفیس اور مستعمرانہ نمونہ ہے۔ ایک طرف اہل ہلاتے ہوئے شاداب و سرسبز قطعات باہر اور جہانگیر کی تختہ بندی اور گلکاریوں کی یاد دلاتے ہیں۔ دوسری طرف صناعان ننگ کی ٹھنڈی اور طرز جدید کی نظریہ نخل بندی و سبز کاری و مرغزاری کے نمونے پیش کرتے ہیں۔ ان سب پر متراد و اثر و کس کے لیے چوٹے خوش طبع تالاب ہیں، جو صاف و شفاف اُترت (پانی) سے لبالب بھرے ہوئے بہشت بریں کی پاک و پاکیزہ نہروں اور حوضوں کی طرح موجیں مارتے اور باشندگان شہر و مصافحات کے لئے آبِ خضر و آبِ حیوان کا کام دیتے ہیں۔

لے بریگ یا ان آباد کی ہیڈ کوارٹر، سلطوبہ، ماڈرن ریویو آفس، مضفر ۵۰۔

۳۔ جوئے شہد، ڈیو، جے، بادہ ہم درد بہشت کفر نصرت ہاست تنہا دل بہ کوثر داشتن

ہمارے صوبہ کے نامور اُستاد اور انشاپرداز پیٹرن منہر لال زوشی نے عہدہ دارانِ تعلیم کی مجلس میں اُن کی ضروریات و فرائض پر توجہ دلاتے ہوئے فرمایا تھا کہ ”الہ آباد کے کتنے ایسے معلم ہیں جو خسرو باغ جاتے ہیں، جو عہدہ خلیفہ کی نہایت دلچسپ باقیات سے ہے۔ جو اُس کو دیکھتے اور اُس کی خوبصورتی سے لطف اٹھاتے ہیں“ لے

زیرک و فرزانه سید جوا بھی قلعہ معلّے سے وہ اکبری ایوان اور جہانگیری قصر جن میں تین سو سال کے قریب تیسرے صاحبِ قرآن کی اکل اولاد اقامت پذیر و راحت گزیر رہی تھی، دیکھ کر آ رہا ہے۔ انسانی فطرت کے اقتضاء اور کارگاہِ عالم کے مشاہدہ و تجربہ سے اُس کے دل میں ایک خیال پیدا ہوتا ہے۔ وہ بے اختیار پوچھ اٹھتا ہے۔

اے اہلِ شہر! مَن ایں دو دماں کجاست خا کم بہ فرق، خوا بگِ خسرواں کجاست؟

غریب الدیار کچھ جواب پاتا اور اسی پتہ پر چل دیتا ہے۔ وہ قلعہ یا پورب کی سمت سے آ رہا ہے۔ شہر کے باہر بڑے قبرستانوں، پھر شہر کے کچھ قدیم اور مقابِلہ کم آبادیہ روفق محلوں سے گزرتا ہے۔ پھر شاندار و فلک بوس محلات، اور کچھ پتی مہانجوں کی گلیوں اور دولت مند تاجروں کی دُور و بے دُکانات، سیٹھ ساہوکاروں کے مالامال ایوانات دیکھتا جا رہا ہے۔ بڑی اور خوب پن دو سیلج سرگ کے کوتوالی پولیس اور متنوع و مختلف امراض اور شکایتوں کے متعدد دُشفاخانوں کے سامنے سے ہوتا ہوا ضلع آباد کے بڑے اور فراخ و کشادہ احاطہ میں داخل ہوتا ہے۔ جس کو اُنیسویں صدی سچی کی کاروباری و منتظم حکمران جماعتوں نے روپیہ کی ضرورت اور آمدنی کے لالچ سے ایک بڑے بازار یا باغِ نقاب بردہ فرسٹنی پر شاؤ پچھلی بازار کی شکل میں مُنقل کر رکھا ہے۔ اُس کے دونوں جانب بھاری بھاری پچھاٹک موجود ہیں۔ پچھم وائے پچھاٹک کا کتبہ خود شاہ ہے، گھر اس کی تعمیر جہانگیر کے حکم سے ہوئی تھی۔

لے اخبار لیڈر، ۱۷ جنوری ۱۹۳۱ء۔ لے ہندوستان کے منغل بادشاہ براہِ راست جمہور یا مہارنگ کی نسل سے مانے جاتے ہیں جو فاتحِ ہند تھا؛ لیکن دراصل اُس کے پردے پر کچھ خیال سب سے پہلے پیدا ہوا تھا کہ اُس نے اپنے ملک و جاگیرات کو جو ازبک تاجمار (عرفِ توران) میں واقع تھیں جمہور گُرس سے کم دشوار و زیادہ راحت بخش ہندوستان میں قیام اختیار فرمایا۔ لے تاجخِ جہانگیر، صفحہ ۳۲۰۔ لے ڈسٹرکٹ گزٹیر قدیم ہضفہ ۱۶۶۔ جدید، صفحہ ۲۰۲۔

بفرمانِ شہنشاہِ جاگیر
کے زیرِ مکش ازہ تابا ہی
بنا شد ایں سرے آسمانِ تدر
[کہ باد آباد خلد آباد شاہی]
آبادی شہر کا یہ حصہ ”خلد آباد“ اسی مناسبت سے کہلاتا ہے۔

چوتھے مصرع کے ”باد آباد خلد آباد شاہی“ سے عدد ۹۷۰ نکلتے ہیں۔ اگر ”دک“ کے عدد بیس اور اضافہ کر لے جائیں جو فنِ تاریخ گوئی میں مذکور ہے تو ۹۹۵ ہو جائیں گے۔ یہی خسرو کا سال ولادت ہے۔ اور ”ہ“ کے پانچ ملا کر ایک ہزار۔ چہا گیارہ سو وقت تک نہ شہنشاہ ہوا تھا، نہ ملک کا حکمران مطلق تھا۔ البتہ آگے چل کر باپ سے باغی و طاعی ہو کر اس نے تمام شوکت و شانِ ملوکانہ اختیار کر لی تھی۔ لیکن ہے کہ اسی رعایت سے یہ قطع کہا گیا ہو۔ [خلد آباد کا مزید تذکرہ اور اس نام کے متعلق بیٹھ ”مقبورہ خسرو“ کے ذیل میں کی جا چکی] گرینڈ ٹرنک روڈ یعنی بادشاہی عہد کی بڑی سڑک بھی خلد آباد کے اندر سے ان ہی پھاٹکوں میں

لے اکبر اور سلطنتِ مغلیہ کا عروج، از کرنل بی بیسن *Maheon*، صفحہ ۱۳۸، مطبوعہ آکسفورڈ، ۱۹۱۸ء۔
و تاریخِ چہا گیارہ سو، انگلیڈن، صفحہ ۹۔ و گریٹر ہندو، صفحہ ۱۶۹۔ ۱۷۰ شائع اعظم یا گریٹر ٹرنک روڈ، شہنشاہِ بانی سلطنتِ افغانہ کی یادگار ہے۔ موصوفین اس کا عہد دولتِ شوال ۱۱۸۹ھ (جنوری ۱۷۷۶ء) سے رجب الاول ۱۱۹۲ھ (مئی ۱۷۷۸ء) تک شمار فرماتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس نے اٹھارہ سال میں اپنی سلطنت کا بلع آباد کیا تھا۔ پانچ برس سے کم اس کا لطف اٹھایا۔ اسی حال میں بنگالے سے لے کر مہاراشٹر (شاہی آباد، دارالامارہ، مالوہ) تک پختہ سڑکیں بنوائیں۔ ان پر ڈاک چوکیاں بٹھائیں۔ خود پنجاب میں ہوتا تو بھی بنگالہ کی رپوٹیں اور خبریں اس کو دوسرے دن پہنچ جاتی تھیں۔ عوام کی آرام کے لئے تین ہزار میل تک سڑک کے دونوں طرف آم اور کھرنی کے سایہ دار میوؤں سے لطف ہونے درخت لگے جسے۔ کوس کوس بھر پر پختہ مسجدیں، کوئٹیں اور سڑکیں موجود تھیں۔ ایک دروازے پر ہندو دوسرے پر مسلمان تعینات تھے جو اردو و صادر کو بانی پلائے اور ہر قسم کی راحت پہنچاتے تھے غریب مسافروں کے لئے دونوں وقت انگر جاری رہتا تھا۔ انتظام و حفاظت کا یہ حال تھا کہ راستوں پر ایک بوجھیا بھی سونا اچھائی چلی جاتی تھی۔ جہاں چاہتی، اپنا مال و متاع رکھ کر سوجاتی، چور مار بزن کی مجال نہ تھی کہ کبھی نیت میں فتور آجائے۔ (بیل صاحب کی مکتبہ شری، صفحہ ۲۵۸۔ و مفتاح التواریخ، صفحہ ۲۷۷۔ و دربار اکبری، صفحہ ۱۵۷)۔ لیکن (باقی صفحہ ۵۲ پر)

میں ہوتی ہوئی جاتی ہے۔ بحالت موجودہ یہ سفرگ پھاٹک کی اصلی سطح ارضی یا فرش آستان سے نمایاں طور پر اونچی ہو رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ دروازوں کی ابتدائی اور نظر پسند بلندی میں اتنی ہی کمی ہو گئی ہے۔

خلد آباد کے یہ دونوں پھاٹک کم و بیش اب بھی اپنی اصلی حالت میں برقرار ہیں۔ ایک شرقی، باغ کے داہنے یعنی شہر و قلعہ کی طرف مد و سر اُغری، جو بائیں کو یعنی نچ پڑا اگر وہ دہلی کی جانب ہے۔ یہ دھری ڈھانٹوں پر محرابی بنائے گئے تھے۔ ان کے بیرونی سمت یا بغل میں وہ اصناف بھی ہیں، جو بعض مقامات میں ڈیوڑھی اور بعض جگہ گھونگھٹ کہلاتے ہیں۔ ایک حصہ میں دوسرے سے گنجائش زیادہ ہے پتھر کے موٹے موٹے ٹکڑوں اور ڈھیلوں کو نہایت مضبوط اور چربا بنانے کے لئے چونے کی موٹی موٹی ٹھوں میں جڑا اور پیوست کر دیا ہے مگر اب ان میں شکستہ حالی نمودار ہے۔ جوڑ گھلتے جاتے اور ایک دوسرے کو چھوڑ رہے ہیں۔ بڑی بڑی جھالیاں اور اچھے خاصے درخت ان پر کھڑے ہیں۔ گھانسی بھی جی ہوئی ہے۔ سارا بالائی حصہ سبز پوش اور پیل زار بنا ہوا ہے۔ سفرگ کے رفته رفته بند ہوتے جانے سے ان کی اونچائی میں بھی واضح فرق ہو گیا ہے۔ بادی النظر میں محسوس ہوتا ہے کہ باہر والا یعنی کچھ طرف کا دروازہ شہر کی طرف والے سے اونچا کو کسی قدر کم گر چڑا کچھ زیادہ ہو گیا ہے۔ ان دونوں پھاٹکوں پر خوبصورت، ہلکی پھلکی کھلی ہوئی بڑیاں (گلدستہ نما) دونوں طرف ایک ایک بنی ہیں مگر چاروں شکستہ اور بوسیدہ ہو رہی ہیں۔ پتھر نکل گئے ہیں۔ جھال اور چھجوں کے ٹخنے گر رہے ہیں۔ شہر والے دروازہ پر کوئی تحریر نہیں ہے۔ نہ ان دونوں میں سے کسی پر نقش و نگار یا اہتمام آرائش و تکلف کیا گیا تھا۔

خلد آباد کی سرکار اصلی (آبادی کی سمت کا) پھاٹک اب باقی نہیں۔ یہ باغ کے پھاٹک کے بالکل مقابل واقع تھا اور اسی طرز و شان کا تعمیر ہوا تھا۔ کب گرا اور کیسے؟ چند پیر تو بوڑھے بوڑھے آدمی بھی نہیں بتا سکتے۔ اپنی یاد سے پہلے کی بات سنی سنائی کہتے ہیں کہ ہنگامہ بغاوت کے فرویا و پیش ہونے کے وقت باغیوں کے ہتھیار کے لئے فوجی جنگی ضرورتوں یا مصلحتوں سے حکومت نے دستِ شفقت پھیرا تھا۔ درخت ظاہر ہے کہ ایسی بلند و

خبرشاہ سے پہلے بھی مسلمان بادشاہوں کو اس قسم کا شوق رہا ہے۔ سکندر لودی نے ۱۵۹۱ء (۹۹۹ھ) میں اگر وہ دھوپوڑ
مک منزل بہ منزل حکمت اور بغاوت تعمیر کرائے تھے۔ (دربار اکبری، ص ۵۹۸۔ مختصر تاریخ مغل، صفحہ ۲۷۸)۔ ڈاکٹر گزنیئر

سخت کم عمارت کا گر جانا یا گرایا جانا آسان نہ تھا۔ بہر صورت

آپ کا تھا گناہ گار، میں نہ کہ ابر و باد کا میرا مزار تھا جہاں، اب وہ زمین صاف ہے شاید دنیا ادھل دنیا کا یہی دستو چلا آیا ہے۔ کلکٹری سترہ کی عمارت جس مقام پر بنائی گئی ہے یہاں حال پور کا مشہور زبردست ٹیلا تھا۔ اور اس پر ایک چھوٹی سی مسجد بھی تھی۔ جس کی بدولت یہ جگہ ہمیشہ انہدام و بربادی سے محفوظ رہی تھی۔ لیکن بغاوت کے زمانہ میں فوجی اغراض سے یہ مسجد گرا دی گئی۔ اور بعد کو بنیادیں کھود کر بظاہر دیا کہ مسجد بھی کسی تباہ شدہ مندر کے خرابہ پر تعمیر ہوئی تھی۔

مگر اس دروازہ کے انہدام کے متعلق کوئی تحریر یا سند نہیں باقی جاتی۔ اس وقت یہ جگہ ایسی ہی صاف و ہموار ہو رہی ہے کہ کسی عظیم الشان عمارت کے کبھی یہاں ہونے کے آثار بھی باقی نہیں ممکن ہے کہ خود رو تعمیرات اور بے سلسلہ و بدقطع مکانات کے نیچے دبے ہوئے ہوں۔ بیشپ ہمیر صاحب کی تحریر اس کے موجود ہونے اور دیکھنے پر دلالت کرتی ہے۔ نئے ڈسٹرکٹ گزیٹیر نے اپنے ماخذ اور ذریعہ علم و استناد کا حوالہ نہیں دیا۔ پڑانے گزیٹیر میں صاف لکھا ہے کہ دوسرے دروازے پر یہ قطعہ ناری لگا تھا۔ جو خسرو باغ کے اصلی پھاٹک کے کتابہ کے بالکل سامنے تھا۔ اسی کتاب میں اُس قطعہ (نفران والے) کا چوتھا مصرع بھی مندرج ہے۔

خدا آباد کی سرکار کو مہابادری ہمیر صاحب نے ۱۸۲۵ء میں ایک گئی گزری بلکہ گری پڑی حالت میں دیکھا تھا۔ تاہم اس کی نسبت لکھتے ہیں کہ ”یہ ایک نوبل (والی شان) مربع ہے جس کے چار عمدہ کاٹھک وضع کے پھاٹک ہیں۔ جس کے گرد قلعہ بند دیوار ہے۔ اور جس کے اندر دار و مدار کے قیام و راحت کے لئے

لے ڈسٹرکٹ گزیٹیر صفحہ ۲۹۔ ۲۵ ڈسٹرکٹ گزیٹیر سابق، مطبوعہ ۱۸۲۵ء، صفحہ ۱۶۲۔ ۳۵ ایضاً صفحہ

۱۶۲۔ ۳۵ سیاحت نامہ، جلد اول، صفحہ ۴۴۳۔

Narrative of a journey through the Upper Provinces of India from Calcutta to Bombay in 1824-25, London, 1828, by Rt. Revd. Reginald Heber, D.D., Lord Bishop of Calcutta.

مُحَرَّرے بنے ہیں۔“

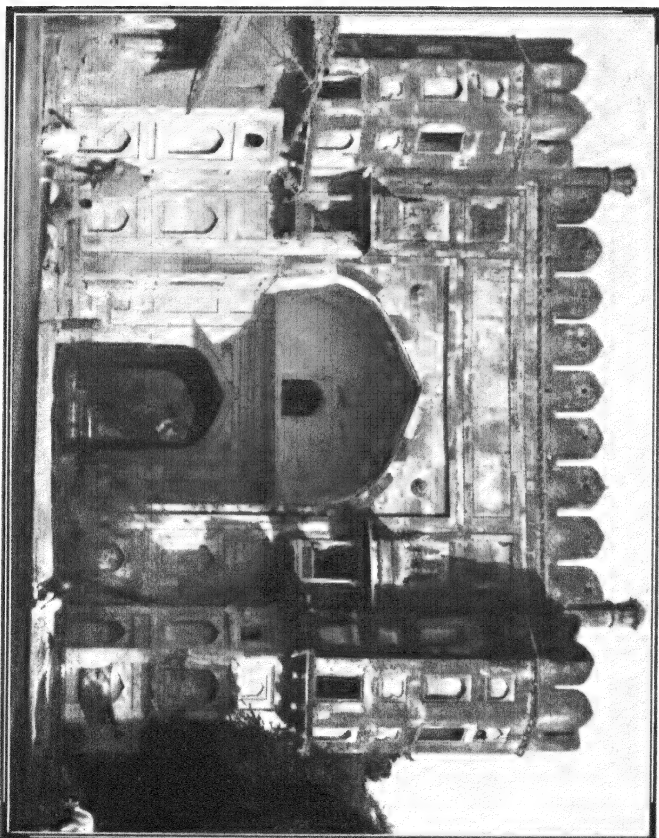
ایک صدی اور گزرنے پر یہ حالت ہے کہ سرکاری پرانی سنگین دیوار تین سمت کی باقی ہے، مگر خود سراجا بجا گر گئی ہے۔ زمانہ کی روش بدل جانے اور آئندہ زندگی عارضی ضرورت قیام باقی نہ رہنے کی وجہ سے اس فرودگاہ عوام کا اصلی مقصد بھی منقود ہو چکا ہے۔ کاروانسرا کا کچھ حصہ جو مہتمیاروں کے تصرف میں پڑا ہے وقتوں سے چلا آتا تھا، اب بھی ہے۔ جس طرح شاہی زمانہ سے معافی تھی، بدستور ہے۔ ان کو ٹھہروں کی نگہداشت و مرمت بھی انھیں کے ذمہ ہے۔ باقی جو کچھ ہے، نزول اور سرکاری مقبوضہ ہے، وہ نیوسپلٹی کے متعلق ہے۔ بلدیہ کے زیر اہتمام سرائے وسط (محسن) میں کھانے پینے کی چیزوں اور موٹی پھلوں اور پیداواروں کی ہاٹ لگتی ہے۔ اس (بلازار) کی آمدنی چار ہزار سالانہ ہوتی ہے، جو نیوسپلٹی لیتی ہے۔ سرائے وسطیٰ و فراخ محسن میں موقع بہ موقع مختلف قسم و وضع کی کچھ خوشنما اور کچھ نازیب عمارتیں اور دکانیں بن گئی ہیں، اور بنتی جاتی ہیں۔ سڑک والا دروازہ پشت کی جانب سادہ اور پُرنا ہے۔ خصوصاً باغ کی طرف اس وقت کوئی دروازہ نہیں ہے۔ نہ دیوار ہے، نہ کوئی روک ہے۔ سرائے کی رخ نکھلا ہوا ہے۔ بڑی سڑک رواں ہے۔ سڑک کے اُس سمت جدھر کبھی سرائے کا بڑا پھاٹک رہا ہو گا کچھ معمولی طرز کی دکانیں باغ کے رخ جا بجا بن گئی ہیں۔ جو باغ کی دلچسپی، پھاٹک کی شان اور باب حل و عقد کے سلیقہ و التفات پر بدنام داغ ہیں۔

اسی گزرنے والی سڑک کے پورے پچھم دونوں جانب دروازے ہیں، جو خلد آباد کے پھاٹک کہلاتے ہیں، جن کا ذکر ابھی کر چکا ہوں۔ قطعاً تاریخ کے صرف تین مصرعے اس وقت لکھے ہوئے ہیں۔ چوتھا (یعنی آخر کا) غائب ہے۔ کبھی مجھ سے ایک بروغلط مدعی واقف کاری نے کہا تھا کہ ایک بڑے حاکم کی آمد کے ہنگامے یا گریختل کے وقت درستی کی ضرورت سمجھی گئی تھی۔ حسن اتفاق سے معمولی مرمت کی نوبت بھی پہنچی تھی۔ لیکن اس طرح کہ اس ٹکڑے پر بدناما ستر کرنے میں پورا ایک مصرعہ غائب ہو گیا۔

ہم دل میں خوش کہ سبزہ تربت ہرا ہوا وہ اس ادا سے روئے کہ پلکیں بھی نم نہیں
اُس بدگمان نااندیش کا یہ کہنا کہ یہ چاروں مصرعے ایک سیدھی لائن میں ایک بڑے لمبے پتھر پر کندہ
ہوئے تھے مرگیا غلط ہے۔ پہلے ہی نظر ڈالنے سے اس نظریہ کی نوعیت روشن ہو جاتی ہے۔ پہلے تینوں مصرعے

(۲)
خسرو باغ کا بڑا پھاٹک

تاریخ اسلام آباد



مستقبل صمدی

(ایفران۔ یکہ زیرید۔ پناشد) ایک بڑے اور لمبے مگر کم چوڑے تختے پر پتھر کے، نہایت خوش قلم، ملی، ابھرے ہوئے حروف میں، بخط نستعلیق کندہ ہیں۔ درست حالت میں ہیں۔ کچھ فاصلہ سے بھی صاف پڑھ جاتے ہیں۔ ہر مصرع ایک جلاگانہ خوشنما جدول کے اندر مصور ہے، جس کے دائیں بائیں دونوں پہلوؤں پر سیل بنا کر ایک لطف پیدا کر دیا گیا ہے۔ ان کی ایک لائن ہے۔ طرز تحریر گنجان ہے۔ چپ و راست مساوی، ہاتھ ہاتھ بھر کے قریب جگہ چھٹی ہوئی ہے۔ پنج والا یعنی دوسرا مصرع ٹھیک محراب کی نوک پر دروازہ کے پھول کے اوپر وسط میں آیا ہے۔ اس مکتوب و منقوش پتھر کے نیچے ایک سادہ اور کچھ لمبی پٹری پتھر کی لگی ہے جس کی ہیئت و کیفیت کو گاہے کہ یہ بھی اسی وقت کی ہے۔ بعد کو بدلی یا لگائی نہیں گئی ہے۔ نہ اس پر کچھ لکھا ہوا تھا۔ نہ ان دونوں پتھروں پر کوئی استرکاری ہوئی ہے۔ ممکن ہے کہ سڑکے گرائے ہوئے پھاٹک پر ثبت رہا ہو مگر اس میں کچھ شبہ نہیں کہ مصرع اخیر وہاں شروع ہی سے نہیں لکھا گیا تھا، ورنہ مصرعوں کی ترتیب اور تحریر کی نشست ٹکیتہ جدا ہوتی۔ آخر کیوں چھوڑ دیا گیا۔ کون سی ضرورت یا مصلحت اس کی داعی تھی، ایک حل طلب ٹکائے۔ یہی طور پر اس کے متعدد و مختلف وجوہ ہو سکتے ہیں۔ ایک فلسفی چاہے تو ان پر طبع آزمائی کرے۔ مورخ کا کام صرف گزرے ہوئے طشت از بام واقعات کو بے کم و کاست راست راست نقل کر دینا ہے۔ اہیت اشیا و کا تجسس اور راز ہائے سر بستہ کی جستجو اور ان کا ادراک، اس کے دائرہ عمل سے خارج ہے۔ وہ کہہ دے گا کہ چوتھا مصرع بخوبی معروف و مقبول عوام ہے۔ اس کو یاد رکھنے کے لئے اب قلم و سیاہی کی مدد درکار نہیں جس طرح سارے تین سو برس سے سینہ بر سینہ محفوظ چلا آتا ہے۔ ابھی صدیوں تک زبان پر رہے گا۔

سرا کے سامنے وسط میں پینچتہ ہی شمالی جانب خسرو باغ کا بلند بادشاہی پھاٹک پیش نظر ہوتا ہے۔ اس عمارت کا انداز تعمیر خوش و ضمنی و خوش نمائی، یورپ کے نامور سیاحوں اور انجینروں سے خراج تحسین وصول کچلی ہے۔^۱

میں نے دیکھا ہے کہ یہاں پینچ کر صاحب نظر سیاح متحیر ہو جاتا ہے۔ پھاٹک کی رفعت و عظمت، بلندی و شان، اس کو بہتوت بنا دیتی ہے۔ اب نہ وہ جہانگیر مافی ہے، جو کبھی بلند ارادہ شاہزادہ تھا۔ جو شاہانہ نمکنت،
 لہ ڈکٹر کٹر ریٹر جدید، صفحات ۲۰۲-۲۰۳-۲۰۴-۲۰۵۔ و۔ پریاگ یا الہ آباد کی ہینڈ بک، صفحہ ۵۰۔

اقتضام و جلالت سے الہ آباد میں وقت گزارتا، اور ہندوستان کے تاج و تخت کے خالی ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ اولوالعزم و مصلح مندر خسرو سلطان نظر آتا ہے جو مرتے دم بھی سلطنت اور حکومت کا سودا اپنے سر میں لے گیا۔ اس وقت ہرات خاموشی و سکون چھایا ہوا ہے۔ لیکن دیکھنے والا اگر زندہ برانداز نہیں ہو جاتا، تاہم یہاں کی مجموعی کیفیت سے متاثر و مرعوب ہوتا، اور اُس کے جزو و کل پر بڑی عبرت و حسرت کی نگاہ ڈالتا ہے۔

یاد ہے وہ مبارک صبح جب میں پہلے پہل اس موقع پر پہنچا تھا۔ دروازہ کی نشان و غفلت سے نظر اُڑاؤ اوزیم دیرکن باغ کی نسیم و صبا کے جھونکوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ یہ اشارے اختیار کر کے۔

اے باد بادادی! خوش آمدی بہ شادی پیوند روح کردی، پینام عیش دادی

بر بوستان گزشتی یاد بہشت بودی شاد آمدی و حرم، خزندہ بخت دادی

تامن دیں سلیم اس در ندیدہ بودم کامر و پیش چشم، در بوستان کشادی

اس رفیع و منع پھاٹک کے مقابلہ میں عہد مغلیہ کے دو دروازے پیش کئے جاسکتے ہیں، ایک

فتح پور سیکری کا بلند دروازہ۔ جو اکبری تعمیرات میں خاص شرف و فضیلت کا مالک ہے اور فتوحات دکن کی

یادگار میں بنانا تھا۔ مسٹر فرگوسن کہتے ہیں کہ شاہانہ غفلت و جلالت رکھتا ہے اور دنیا کے بڑے سے بڑے

دروازوں میں اس کا درجہ ممتاز ہے۔ جس کی نسبت مسٹر فرنج گھٹے ہیں کہ جنوب میں ایک عجیب و غریب

چیز ہے۔ یہ ایک عظیم الشان پھاٹک ہے، جو دنیا بھر کے سب سے بڑے اور سب سے زیادہ جلالت والے پھاٹکوں

میں ہے۔ تمام پھاٹکوں سے زیادہ عظیم الشان ہے۔ ”بقول مسٹر نیل یہ پھاٹک ”بلند دروازہ“ یا ”دروازہ

کلاں“ کے نام سے بالکل جا مشہور ہے۔ تھکے متھکے مورخ منشی عین الدین کا بیان ہے کہ ”بلند دروازہ“ خوشگامی

لے دو کر زنی سے پیشتر۔ لے اگر ہندو ملک، صفحہ ۲۴۸۔ خواجہ ابوالحسن محمد خاں نے جہانگیر نامہ میں صفحہ ۱۱۹ پر پوری تفصیل

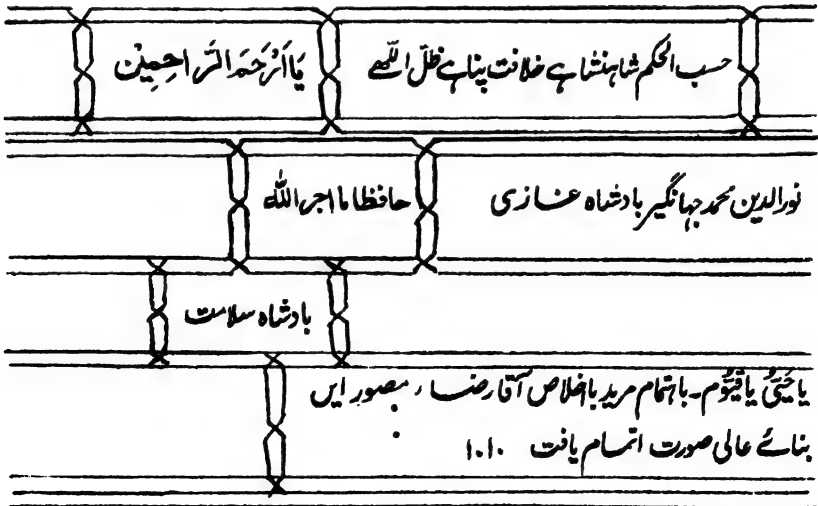
اور بڑی تعریف لکھی ہے۔ مسٹر ایڈمز اسٹہ *Edmund Smith* نے اپنی کتاب ”فتح پور سیکری“ میں اور مسٹر

بیورن نے ترجمہ ترک جہانگیری، طبع ۱۹۱۳ء حصہ دوم، صفحہ ۷۲، نوٹ میں موجودہ جلالت و تفصیلات نقل فرمائے ہیں۔

یہی دہلی دروازہ بھی کہلاتا ہے۔ (۲۶) کی نمبر ہے۔ سیاحت نامہ بالائی ہند، صفحہ ۱۲۱۔ مگر مفتاح التواریخ،

رفت و منزلت میں اپنا نظیر نہیں رکھتا۔ اُس کے ارتفاع اور شان کو دیکھ کر
 یہ کس رشکِ مسیحا کا مکاں ہے زمیں جس کی چسارم آسمان ہے
 بے ساختہ زباں سے نکل جاتا ہے۔ فی الواقع یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا قدرت نے ایک پہاڑ پر دوسرا
 پہاڑ کھڑا کر دیا ہے۔“ ۱۷

دوسرا شادی آباد مانڈو (مالوہ) کا مانگیڑی دروازہ۔ عہد اورنگ زیب میں جب شہر نیاہ کی مرمت و درستی
 ہوئی تو یہ دروازہ بڑھا یا گیا تھا۔ پروفیسر عبداللہ چغتائی لکھتے ہیں کہ بلندی و خوبصورتی میں یہ بھی فتح پور والے دروازے
 سے کسی طرح کم نہیں۔ ۱۸
 شاہی شارع اعظم اس پھاٹک کے سامنے گزرتا ہے مگر اس وقت سطح آستان اور باغ کی زمیں سے بہت
 اونچا ہو رہا ہے جس سے دروازہ کی شان و زنت اور کسی قدر خوبی و خوش خانی میں فرق آگیا ہے۔
 یہ ٹھونس عمارت ابتدائی زمانہ مغل کی عمارت کی وضع پر ہے جس میں افغانی اور ہندوستان طرز تعمیر کی آمیزش
 نمایاں ہے۔ جو خصوصیات اکبری و جہانگیری عہد کی تعمیرات کے ساتھ وابستہ ہیں یہاں بھی کافی وادائی ہو چکی۔
 پھاٹک پر یہ پتھر نصب ہے جس سے واضح ہے کہ اس کا تہتم تعمیر آقا رضا اُس عہد کا شاہی سمار تھا۔
 پوری تحریر تو ایک ہی سطریں ہے مگر جابجا نقوش و جدول بنادینے سے کئی ٹکڑے ہو گئے ہیں۔



جدید گزٹیر کا سؤل فکٹا ہے کہ اس پھاٹک کا تعمیر کنندہ شاہی مہار آغا رضا کا شاگرد تھا۔

”مرد با اخلاص آقا رضا“ کے اور کیا معنی کوئی بتا سکے گا؟ مگر فی الواقع یہ ذی علم کریٹل (نوبل) کی ذہانت نہیں، بلکہ اُس با استعداد دفتر کے اہلکار یا بابو کی خوش فہمی و لیاقت ہوگی جو فارسی کے کتابوں کو پڑھنے اور اُن کے ترجمے کے لئے مامور ہوا ہوگا۔

آقا رضا مصور و نقشہ ساز تھا۔ ہندس و معمار نہیں۔ تاہم اپنی ذہانت و کمال فن و دستکاری کی ایسی یادگار چھوڑ گیا ہے جو ابھی صدیوں تک اُس کے بقائے نام کی ضمانت رہے گی۔ لیکن باغ کے آنے جانے والوں میں سے کتنے ایسے شخص نکلیں گے جن کو اس بالکمال کے حالات سے آگاہی ہو، یا جانتے کے خواہشمند ہوں!

وہ سیکس ہیں، ہمیں دُنیائے چھوڑا، ہم نے دنیا کو نہ عالم ہم سے واقف ہے نہ ہم واقف ہیں عالم سے اس لئے خسرو باغ کی تاریخ لکھنے والے کا اولین فرض ہے کہ اس ہنرمند کو تخصیص و تقدیم کے ساتھ یاد کرے۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ اس کے حالات، ہماری متداول و متعارف تاریخوں میں نہیں ملتے۔ بہت سی فارسی اور انگریزی کی کتابوں اور رسالوں کی ورق گردانی کے بعد اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ ایک مصور تھا، جہانگیر کے داس دولت کا ممتاز وابستہ اور عہد شاہنشاہی کی کامقرب مگر اپنے خاندانی جوہر اور کمال سے بھی مالا مال تھا۔

اس کا باپ، یہ خود، اس کا بیٹا تین اپنی اپنے زمانہ کے لحاظ سے نامور و صاحب فن گزرے ہیں تعجب خیز اسی قدر ہے کہ خود اس کے تذکرہ سے زیادہ آقا رضا کے باپ اور بیٹے، دونوں، کا ذکر مختلف تاریخوں میں موجود

۱۔ ڈکٹر گزٹیر، ص ۲۰۲۔ ۲۔ ارنسٹ کانجسگرین، اگست ۱۹۳۷ء۔ ۳۔ ایضاً اگست ۱۹۳۵ء۔

3. Lauree Bignon's "The court painters of the Grand Moguls."

4. Lauree Bignon's "The Persian Painting."

5. Journal of the Royal Asiatic Society, for April, 1935.

محفوظ ہے۔ آقا رضا کے باپ مولانا علی اصفہرکاشی تھے جن کی نسبت مرزا اسکندر (مفتی شاہ عباس بزرگ) نے عالم آرائی عباسی میں تحریر فرمایا ہے کہ وہ سلطان ابراہیم مرزا کے قتل میں خدمت تھے۔ اسماعیل مرزا نے کتب خانہ کی نگہداشت سپرد کی تھی۔ وہ بے مثل استاد اور پاکیزہ ساختہ مصور تھے۔ تصویروں کے درست کرنے اور رنگ بھرنے میں یکتا تھے۔ پہاڑوں اور درختوں کے بنانے میں تمام برابر والوں سے بڑھے ہوئے تھے۔

آقا رضا کا بیٹا ابوالحسن بھی مصور تھا جس نے جہانگیر کے دربار میں نشینی کی تصویر بنا کر پیش کی تھی۔ اور نادر الزمانی خطاب پایا تھا۔ جہانگیر نے اس تصویر اور اس مصور کی جس قدر توصیف و تحسین کی ہے اُس کی مثال کسی دوسری جگہ پائی نہیں جاتی۔ اُس زمانہ تک کے ماضی و موجود نامور ترین مصوروں میں سب سے بڑے بتایا ہے، حتیٰ کہ باپ (آقا رضا) کی ہنرمندی کی حقیقت بھی کھول دی ہے لکھا ہے کہ ابوالحسن کا باپ آقا رضا ہی مردی زمانہ شاہزادگی میں میری ملازمت میں داخل ہوا تھا، اس لئے ابوالحسن کو میری درگاہ کی خانہ زادگی کا شرف حاصل ہے۔ لیکن بیٹے کو باپ کے کام اور ہر سے قطعاً کوئی مناسبت حاصل نہیں، یہاں تک کہ دونوں کو ایک عالم سے شمار نہیں کیا جاسکتا۔

تزک کے اصل نقروں پر رش آقا رضائی مردی در زمان شاملزدگی میں بخدمت میں پیوستہ تھے ایک لفظ "مردی" میں اختلاف ہے سید احمد خاں مرحوم نے اس کو مردی (مرد کا) پڑھا اور چھاپا ہے۔ سٹر ہنری بیورنچ Henric Beversleben تزک کے انگریزی ترجمہ میں فرماتے ہیں کہ قلمی نسخوں میں "مردی" (مرد کا) لکھا ہے۔ جامع ادراک کے آبائی کتاب خانہ کے مخطوطہ میں "مردے" (ایک مرد پڑھا جاتا ہے)۔

بہر حال باپ کا خاں کار ہا، خود آقا رضا اصفہان کا، وہ دارالسلطنت میں مرد سے پہنچا ہوا ہوا ہوا ہے؛ اُس کی اصل نسل کا کہیں مذکور نہیں۔ ہندوستان آنے سے پہلے اُس کی حالت اور گزران کیسی تھی؟ مولف عالم آرائی کا بیان ہے کہ آقا رضا نے فن تصویر و صورت کشی و کیم (سنگ) سازی اور چھو کشتائی میں بڑی ترقی

۱۔ جلد اول، صفحہ ۱۲۸۔ ۲۔ مطبوعہ علی گڑھ، صفحہ ۲۳۵۔ ۳۔ ترجمہ رابیکر نیڈر ارجس Alexander Rogers صفحہ ۲۰۔ ۴۔ مطبوعہ علی گڑھ، صفحہ ۲۳۵۔ ۵۔ مطبوعہ لندن، ۱۹۱۲ء۔ حصہ دوم، صفحہ ۱۲۰ نوٹ۔
۶۔ موجودہ قصبہ صمدن ضلع فرخ آباد۔

کی ہے۔ وہ عجوبہ وقت ہو گیا ہے اور اس دورِ زمانہ میں مسلم الثبوت ہے۔ انشا اللہ سے مجبور ہے۔ باوجودِ زکاوتِ قلم ہمیشہ زور آزمائی اور مدّش گیری میں مصروف رہتا اور اسی طبع کی باتوں سے محظوظ ہوتا ہے۔ اہل علم و فن کی محبت اور استعداد والوں سے دور رہنے اور پہلوانوں سے میل جول اور ارتباط رکھنے کا خواہش ہے۔ ہمزاجی، تنگ حوصلگی، سرد اخلاقی اس کا شیوہ ہے۔ طبیعت میں استغناء اور اوجھا ہوا ہے۔ اس طرف کچھ دن سے اپنی ہرزہ در آئی وہ بے ہودگی سے تو باز آ گیا ہے، تاہم کام کی طرف توجہ کم ہے۔ بارگاہِ شاہی، دہلی، ایران میں پہنچ کر موردِ دعا و اظہار بھی ہوا اور بڑے اعزاز و مراتب پائے گئے۔ لیکن اپنے ناخوارلو اور کی بدولت رسوخ و اعتبار حاصل نہ کر سکا ہمیشہ غفلت و پریشانی رہا۔ ایران کے قیام سے دل برداشتہ اور شکی رہتا ہے۔

طالبِ مہم شاہانِ جہانند و مرا در صفا ہاں جگر از ہر معیشت خون شد
اس کے ہندوستان پہنچنے کے سبب ظاہر ہے۔ وہ اسی ملک میں کہیں پیوندِ خاک ہوا ہو گا، جس کے بتانے سے صفحاتِ تاریخ قاصر ہیں۔

آقارضا کے متعلق، رابیل ایشیاٹک سوسائٹی کے حالیہ مقالہ میں مسٹر نکولس این مارٹینوویچ *Nicholas N. Martynovitch* کی تحریر کے بعض اجزاء پر تحقیق و محنت کے محتاج ہیں۔ فاضلِ مستشرق کو کیا خبر تھی کہ مسئلہ میں یہ چابک دست نقاشِ آقارضا، الہ آباد میں وار د تھا۔ وہ موقلم صورت کشی اور رنگ افروزی و دروغ آرائی چھوڑ کر سنّتِ خشت سے سرگردا اور ہماری دواستوا کاری میں مشغول و مصروف تھا۔ وہ زمانہ کہ ۱۱۰۰ لکھنے کے بجائے ہند میں پورا لکھتا تھا۔ وہ جہانگیر کے تیرہویں سال جلوس سے پہلے دنیا اور اہل دنیا سے رخصت ہو چکا تھا۔ مسئلہ یا اُس کے قریب کی تصویریں اُس کے قلم کی نہیں ہو سکتیں۔ یہ صحیح ہے کہ کم از کم سات مصور خطاط اُس زمانہ میں رضا نام کے گارے ہیں۔

خسرو باغ کے بیرونی جانب فصیل یا چار دیواری سے ملحق، پچاس لاکھ کے دونوں طرف سنگین دکانیں

تاریخِ عالم آراء عباسی، جلد اول، صفحہ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔ جرنل رابیل ایشیاٹک سوسائٹی لندن، بابۃ ماہ اپریل ۱۹۳۵ء،

برابر بنی ہوئی تھیں، جو کسی نہ کسی حال میں اب بھی موجود ہیں۔ ان کی وضع و ساخت سے پایا جاتا ہے کہ باغ کے متعلق تھیں۔ سرے غلط آباد کا جو نہ رہی ہوں گی۔ یہ دکانیں یا دھڑے ٹھہرے شہر کی آبادی کے اندر ہونے سے کم بیش اب تک آباد ہیں پہلی ہی رونق البتہ باقی نہیں۔ نہ ان میں کوئی اعلیٰ قسم کا سامان تجارت یا عمدہ مال و اسباب رکھا جاتا ہے۔ جاے سکونت کے طور پر محتاجی پیشہ دروں کے مصروف میں ہیں۔ اس لئے مصغرائی اور مستحقان مفقود ہے مغربی و شکستہ حالی نمودار۔

اے سبزہ سربرہ از جوہر پاجبہ نالی؟ در کیشِ روزگاراں گل ہم ہرساندارد
پہاٹک کی عظیم انصاف عمارت متزیلایا ہیں کہئے کہ زیادہ تر معمولی سنگِ سرخ کی ہے جو کم بیش ان اطراف میں آبسائی دستیاب ہو جاتا ہوگا کہیں کہیں کچھ نئے ٹیلے رنگ کے یا خاک کی بھی پائے جاتے ہیں۔ سنگ کھسواں زرد مرمری استعمال کیا گیا ہے۔ ان سب کی مقدار و تعداد کا فرض قابلِ تخمینا ہو جاتی ہے۔ عمارت سادہ ہے، یعنی ہر قسم کے تکلفات و نمایش و دلالت سے سحر۔ نہ اس میں سنگ مرمر کی جھلکیں ہیں نہ سیاہ پتھر کی تحریریں۔ نہ منبت کاری ہے نہ پچی سازی۔ شروع سے باغ تھا، ادب باغ ہی رہا۔ اس لئے گوشہ نشینوں کا سا اہتمام و انتساب یہاں نہیں پایا جاتا۔ نہ تسبیح خانہ ہے نہ مسجد کا نظارہ۔ نہ کہیں اسمائے حسنیٰ لکھے ہیں، نہ آیات قرآنی کندہ ہیں۔ نہ فلک چیمائی کے لئے منارے ہیں۔ غرض کہ اکثر اسلامی خصوصیات یہاں ناپید ہیں۔

دروازہ میں داخل ہونے پر دونوں جانب وسیع شہ نشین ملتے ہیں۔ چھ سات برس پہلے ان (بغلی دالانوں) میں نیچے اوپر دونوں طرف پولیس کی چوکی تھی۔ اب خالی رہتے ہیں۔ اوپر جانے کے لئے دائیں بائیں دو طرفہ زینے ہیں۔ سڑکیاں کسی قدر تنگ ہیں مگر نظیف، دھو لھر بنائیں۔ ان کے دروازے مقفل رہتے ہیں۔ تیسری منزل پر پہنچ کر دیکھنے والا سارا شہر بلکہ اس کا گوشہ گوشہ اپنی آنکھوں کے سامنے پاتا ہے۔ اوپر یعنی بالائی منزل پر بہت سی عمارت بنی ہے۔ اب بھی کافی گنجائش ہے۔ گو کہیں ہیں نہ زانہ رکانات ہیں۔ دالان ہیں۔ کوٹھریاں ہیں۔ کبھی پردگیانِ حرم سرے سلطانِ ان ہیں فروکش و راحت گیر ہوتی ہوں گی۔ پھر تجلہ نشینانِ نگار خانہ پولیس کے اعتکاف کے لئے وقف رہیں۔ اب نہ صورت بھی باقی نہیں۔ پہاٹک میں آخر قدم پرانیں ہاتھ لیک کر وہ کاسائنز بھر ڈالو، پر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس میں ”محافظانہ“ قدیمہ کا دفتر یعنی آکر کیا بوجی کل

آفس ہے جس نے پولیس کو بے دخل کر کے یہ جگہ حاصل کی ہے۔ کبھی یہاں نوبت خانہ بھی رہا ہوگا۔ پانچ وقت نوبت بجتی ہوگی مگر اب

پردہ داری سی کنڈر تھر کرے، عنکبوت بوم نوبت سی زندہ برگنبد، افرا سیاب اُھدی اور شاہی ہادی گارڈ اور یہاں کے سامان و اسباب و مراتب کے محافظ و نگراں اُن کو ٹھہریوں میں رہتے تھے جو پچھلک کے باہر دونوں جانب بنی ہیں۔ علمہ باغ اور باغبانوں کے رہنے سہنے کے واسطے بھی وافر جگہ تھی۔ لکھ چکا ہوں کہ یہ کوٹھریاں اب بھی کسی نہ کسی قندل میں باقی ہیں، مگر ان کی حالت زبون و شکستہ ہے۔ بعض اہلِ حرم یا غریب سالانہ کرایہ پر یہ پٹیوں سے لئے ہوئے ہیں۔

پچھلک کے استحکام و استواری نے ۵ ارجنوری ۱۹۳۷ء کے عظیم شرق گیر زلزلہ کا بھی مقابلہ کیا تھا۔ مگر ایک آدمہ گھن سال مروجوں کی شکست کے سوا شکست کھائی۔ محکمہ آثار قدیمہ نے مناسب و مضبوط رستی کرا دی ہے۔

مسلم ہے کہ سب تعمیرات جہاں گیر کے زمانہ قیام اور گورنری ادولی عہدی کے دور کی یادگار ہیں۔ وہ تخت پر جمادی الثانی ۱۲۸۷ھ (اکتوبر ۱۸۷۰ء) میں بیٹھا تھا۔

ڈاکٹر نور اپنی عالمانہ تاریخِ صنادیدِ قدیمہ میں لکھتے ہیں کہ ”الہ آباد میں عہدِ مسلمانوں کی باقیات صرف چند ہیں۔ وہ بھی چنداں اہم نہیں۔ سب سے ممتاز عمارت خسرو باغ محلہ زلہ آباد میں ہے۔ یہ ایک مربع ہے جس کو قلعہ ناد پورا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ یہ ۱۲۸۷ھ (۱۸۷۰ء) میں تعمیر ہوا تھا۔ آئیے اس کو بھی دیکھ لیجئے۔“

لکھ چکا ہوں کہ نایکوں سے خسرو باغ نام رکھے جانے کی وجہ یا نام رکھنے والے کا پتہ نہیں چلتا۔ گریس غالب ہے کہ یہ نام عہدِ جہاں گیر میں بھی شہزادہ زبانوں پر رواں تھا۔ اس لئے کہ پیر منڈے صاحب نے شاہزادہ کی موت و تدفین کے تعلق ۱۲۶۳ھ میں یا اس کے قریب لکھا تھا کہ ”خسرو آگرہ میں سپرد خاک کر دیا گیا تھا مگر نور جہاں کے ابراہم و دلچاز سے وہاں سے ہٹا کر ”مردہ آباد“ یا ”گزرہ آباد“

یا حقیقتہً الہ آباد اس کو منتقل کر دیا گیا ہے۔“ ہندوستان کے پڑنے جغرافیہ اور الہ آباد کے نواحی و اطراف میں کوئی

۱۔ بل صاحب کی دانشوری، صفحہ ۱۲۸۔ ۲۔ جلد دوم، ممالک مغربی و شمالی داودہ، صفحہ ۱۳۰۔ ۳۔ سیاحت نامہ، جلد دوم، صفحات ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴

مقام ان دونوں ناموں سے شہرت نہیں رکھتا۔ ہو سکتا ہے کہ ایک غیر ملک کے باشندے نے ناواقفیت زبان و عدم صحت سے خلل آباد کو مرہ آباد لکھ دیا ہو۔ اور کزرد کو صان طور پر خسرو کا انگریزی املا اور تلفظ اور باد باغ کی تحریف یا اس کا بدل معلوم ہوتا ہے۔

شاہ بیگم اور خسرو کے مرنے اور یہاں دفن ہونے کے بعد خسرو باغ کا نام بدل جانا چاہئے تھا، مگر ایسا نہیں ہوا۔ شاید بد شکونی مانع آئی۔ اور نگ آباد دکن میں عالمگیر کی مشہور ملکہ رابعہ دہانی کا مقبرہ ہے۔ اہل تاج نے اس کا تذکرہ باغ بیگم کے نام سے کیا ہے۔ خزینہ و قیاس مقتضی ہے کہ ملکہ کے دفن سے پیشتر ہی اس کا بدل رہا ہوگا۔ اس لئے اس کے پیوند خاک ہونے کے بعد بھی وہی نام قائم رہا۔ لیکن لالہ سیتا رام فانی، آصف جاہی کی دستخطی نسخہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا نام بھی کسی وقت بیگم کا مقبرہ پڑ گیا تھا۔ نواب آصف جاہ نے ایک روز بیگم کے باغ کی سیر کے لئے تشریف لے جانا چاہا۔ مناسب حال قیاریاں کی گئیں۔ انتظام مکمل ہو گیا تو دار و دریاہ خانہ نے عرض کیا کہ حسب ارشاد بیگم کے مقبرہ میں اہتمام ہو گیا ہے۔ معلوم نہیں کہ نواب اس وقت کس خیال میں تھے۔ برہم ہو کر فرمایا کہ ”مقبرہ تمہیں کوسبارک ہو۔ تم ہی وہاں جاؤ“ تشریف بری موقوف کر دی۔ سامان آسائش و آرائش جو بھیجا گیا تھا، واپس منگالیا۔ اسی دن سے یہ لازم ہو گیا کہ حضوریں اس جگہ کا نام جب کبھی آنا تو مقبرہ میں ہمیشہ باغ بیگم ہی کے نام سے یاد کرتے تھے۔ اسی کتاب سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ آصف جاہ کے حضور میں کسی کے مرنے کی فوراً اطلاع نہیں کی جاتی تھی۔ بلکہ تیسرے دن (درجہ) کے بعد عرض کیا جاتا کہ فلاں امیر یا درباری نے صحت کلی پائی۔ جو شخص کہ نماز جنازہ میں شریک ہوا ہو، تین روز تک نواب کے سامنے جانے نہیں پاتا تھا۔ اور اب بھی بقول میر شروکت بلگرامی ”فرماں روا سے دکن کی غفلت و جلاالت کی شان اس سے بہت ارفع اور اعلیٰ ہے کہ کسی مقرب اور عزیز کی رحلت پر بھی اس کی جانب سے تعزیت کی جائے۔ جہاں موت کی اطلاع بھی اگر بہت ضروری ہوتی ہے تو ان لفظوں میں کی جاتی ہے کہ فلاں شخص کو دوا کارگر نہیں ہوئی“، سلاطین مغلیہ اور شاہان اودھ کے یہاں بھی یہی دستور تھا۔ کسی کے مرنے کی اطلاع دی جاتی تو عرض کیا جاتا کہ فلاں شخص تصدق ہو گیا۔

موت اور مرنے کا منحوس لفظ محلات کے اندر اور درباروں میں آنے نہیں پاتا تھا۔ اسی طرح چنتائیوں کا آئین یہ تھا کہ جب کسی شاہزادہ یا امیر کی وفات کی اطلاع دینا ہوتی تو اس کا سرکاری وکیل اپنے بازو پر نیلا رد مال باندھ کر دربار میں حاضر ہوتا تھا۔ اور کورنش بجالاتا تھا۔ کہنے پر کوئی آمادہ نہ ہوتا تھا۔ (ابو الفضل کے مارے جانے کی اطلاع بھی اسی طریق سے اکبر کو دی گئی تھی) حاجی میر اکھنئی اُنٹ خانی اپنی تالیخ گجرات موسوم بہ ظفر الوالہ بمظفر و آلہ میں لکھتے ہیں کہ فیاض الدین خلجی موت خیر میں سے بہت دور ہوتا تھا حتیٰ کہ تمام عمر کوئی ایسی چیز نہیں سنی جب اُس کا داماد مر گیا تو اُو القرب نے اطلاع دینے کے لئے حیلہ اختیار کیا یعنی شاہزادی سفید لباس پہن کر سامنے آئی، جیسا کہ اہل ہند کی عورتوں کا دستور ہے۔ بادشاہ نے دیکھا تو کہا کہ شاید اس کا شوہر فوت ہو گیا ہے۔ ان حالات اور ایسے خیالات کے ہوتے ہوئے خسرو باغ کا تبادلہ نام کیسے ہو سکتا تھا؟

اسی قدر نہیں، بلکہ بعض اطرد و رؤسار نے اس سے شگون نیک لیا اور یہی نام رکھا ہے۔ نواب کلب علی خاں کی تعمیر کردہ کوٹھی، نہایت شاندار اور رام پور میں 'خسرو باغ' کے نام سے یادگار ہے۔

سٹرکین بچہ انڈر گوس صاحب، ناقل ہیں کہ ہندوستان کے منل اہل تاتار کی نسل ہیں۔ "تاتار والے اپنے مقبروں کو اس طرز سے بناتے تھے کہ اُن کی زندگی بھر تو خود اُن کے اور اُن کے دوستوں کے لئے جگہ سہرہ سردار بادشاہ یا امیر جو اپنے واسطے قبر کا انتظام کرنا چاہتا اُس کے لئے طریق معمول یہ تھا کہ دیوار شہر کے باہر ایک باغ کا حصار کھینچتا۔ اُس کے وسط میں ایک بلند مربع چوڑہرہ ایک عمارت بناتا جس پر گنبد جوتا۔ بانی کے جیتے جی یہ مرکزی عمارت بارہ دی گھماتی اور خود اُس کے نیزہ پار و احباب

لے تاریخ جہانگیر از ڈاکٹر جی بی شاہ، صفحہ ۵۴۔ ۵۵ ترجمہ انگریزی ماکزائلرا، انزہری بیوریج، مطبوعہ کلکتہ۔ ۱۹۱۱ء، صفحہ ۱۲۳۔

۳۵ دفتر اول، مطبوعہ لیڈن، مطبع بریل، ۱۹۰۷ء، صفحہ ۱۰۹۔ ۱۱۰۔ آبی بقا، صفحہ ۱۱۳، مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ ۱۹۰۷ء سٹر جیمز فرگوسن James Ferguson نے ۱۸۶۶ء میں وفات پائی۔ اُن کی تعریف میں سٹر

ڈکنن کا ایک ہی فقرہ نقل کر دینا کافی ہے کہ وہ عصر حاضر کے سب سے بڑے ماہر آثار قدیمہ و مستند شخص تھے۔ ان کی تاریخِ تعمیر "لاہور اور ہیشہ باقی رہنے والی ہے۔ اس سے بھی زیادہ بیش بہا و نفیس اُن کی "ہندوستانی اور شری تعمرات کی

تاریخ" ہے جو ۱۸۷۰ء میں شائع ہوئی۔ (اگر ہینڈ بک، صفحہ ۱۰، نوٹ [

کے لئے سیر و تفریح اور دعوت و ضیافت کی جگہ رہتی۔ بعد وفات اُس کا مصروف و مقصود بدل جاتا۔ بنانے والے کی میت اسی مرکزی گنبد کے نیچے دفن کی جاتی..... البتہ جب ایک مرتبہ دفن قرار پایا جاتا تو اس کے اندر مسرت و اہتمام کی صدا بلند ہونا تو درکنار کان میں بھی پڑنے نہیں پاتی تھی۔“ اسلئے

اس تجویز یا عندیہ کا حد تکمیل تک پہنچنا تو پایا نہیں جاتا۔ نہ خسرو باغ کی صورت ابتدائی یا دوم بننا کا پتہ چلتا ہے۔ لیکن خود باغ، اُس کے حوالی کی چیزیں اور مقبروں کے کتبوں اور سنین وغیرہ کے بغور مقابلہ سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ باغ کی تکمیل و ترتیب یقیناً پہلے ہو چکی تھی، جس کا موقع اور مرکزیت شاہد مطلق ہے۔ خلد آباد کے پہلا ٹک ۹۹۵ھ (۱۵۸۷ء) میں بنائے گئے۔ باغ کا پہلا ٹک ۱۰۱۷ھ (۱۶۰۱ء) میں تعمیر ہوا۔ شاہ بیگم کا انتقال بروایت جہانگیر آخر ۱۰۱۷ھ (وسط ۱۶۰۵ء) اور حسب تحریر لوح مزار ۱۰۱۷ھ (۱۶۰۴ء) میں ثابت ہوتا ہے۔ جہانگیر اُس وقت الہ آباد میں موجود بھی نہ تھا، شکار کو گیا تھا۔ باغ تیار تھا۔ بیگم اُس میں دفن کر دی گئی۔ مقبرہ ایک دو سال بعد تیار ہوا ہوگا۔

خدا معلوم، اس آغاز کا انجام کیا ہوتا،
چھڑا تھا سازِ ہستی مبتلا سے بے خبر ہو کر



خُسر و باغ کے مقبرے وغیرہ

سنگِ آستان پر (پچھانک میں) قدم رکھتے ہی سامنے چار مقبرے نظر آئیں گے، مگر ان تک پہنچنے میں تین سو قدم کے فریب فاصلہ طے کرنا ہوگا۔

ان کا سفر مجموعاً نہایت دلکش، دلآویز و نگہ فریب ہے۔ سسٹر نیویل Neave اور اور ویدہ اہل قلم کا قول ہے کہ یہ عمارات انتہائی عمدہ کی خوبصورت اور مغلوں کے عہدِ مسعودی و نگ آمیزی کا بہترین نمونہ ہیں۔ سسٹر اسٹیل Steel ایک موقع پر لکھتے ہیں کہ ”یہ مقبرے الہ آباد کے عملہ آئنا و صنایع قدیمہ میں بڑے نمونہ کی چیزیں ہیں۔“

اس فن کے ایک نو آموز و کم آشنا کی حیثیت سے مجھے بھی اس بارہ میں غور کرنے اور ان چیزوں کو اپنی نظر استعداد سے مطالعہ کرنے کا اتفاق ہوا ہے۔ ان بھریں کی رائے سے کئی اختلافات کر سکتا ہے؛ یہ صحیح ہے کہ خسرو کا مقبرہ اکبر کے مقبرہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ دونوں عمارتیں ایک ہی شخص کے حکم سے بنی ہیں؛ مگر فرق یہ ہے کہ الہ آباد والا گنبد اُن فرسودہ و بوسیدہ پتھریوں کو آغوش میں لئے ہے جو باپ سے بگڑ گئے، ہمیشہ گرفتارِ بلا رہنے والے بیٹے، اور بھائی (شاہجہاں) کے محسوس بھائی کی تھیں۔ جو بُرہان پور دکن سے لگھڑکے یہاں لائی اور دفن کی گئی تھیں۔ سکندر کا بے مثل مقبرہ ایک نیک نام و عظیم الشان شہنشاہ کی دائمی زندگی یا دگار کے طور پر ہے، جو اُس ہی جیسے اُوالا العزم و دقت شناس شہنشاہ نے بنوایا تھا۔ دادا اور پوتے میں جتن قدرتی فرق ہوتا اور ہو سکتا ہے یہاں بھی نمایاں ہے۔

مغلوں کے ابتدائی زمانہ کی تعمیرات میں، جس میں اکبر اور جہانگیر کے عہد کی عمارتیں بھی داخل ہیں، بعض خصوصیات ہوتی تھیں، جو کچھ نہ کچھ ان مقبروں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ یعنی بلند اونچے گردنوں پر ایرانی

لے ڈسٹرکٹ گزیٹیر سابق، صفحہ ۱۶۹۔ لے ڈسٹرکٹ گزیٹیر جدید، صفحہ ۲۰۲۔ لے ڈسٹرکٹ گزیٹیر سابق، صفحہ ۱۳۸۔ ۵۴

دکن صاحب کی اگرہ ہیڈنگ، صفحہ ۲۹۰۔ ۵۵ ایضاً۔ صفحہ ۲۹۰۔

وضع کے گنبد۔ اس طرز کی عمارتیں بیشتر کی بنی ہوئیں عمارتوں سے دو باتوں میں بالخصوص ممتاز و متبائن پائی جاتی ہیں (۱) اس امر کی صاف و صریح کوشش کہ ہندوؤں کے مختلف منتخب طرز تعمیر پر غیر مسلمانوں کے مخصوص طریقے اور وضعیں متحد و یکجا کر دی جائیں۔ (۲) زیادہ کٹھنٹے ہوئے رنگ دینا۔ اس کے لئے عام طور پر سفید سنگ مرمر زیادہ استعمال ہوتا تھا۔ پھر حسب موقع و ضرورت بیش قیمت رنگین پتھروں کا اخراط کے ساتھ خرچ اوڈ اور کھیت۔ بے شبہ بعض عمارتوں کے متعلق محض اندرونی ساخت سے یہ تمیز (اصل) کر لینا دشوار ہوتا ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ چیزیں جن کے مکانات و محلات میں موجود ہونے یا نہ ہونے سے بعض باتوں کا فیصلہ یا امتیاز ہو سکتا ہے مقبروں اور دروضوں میں اکثر نہیں ہوتی ہیں مثلاً لکڑی کا قطعاً استعمال میں نہ آنا یا سیدھے سادے نمونہ کی عمارتیں کم ہونا وغیرہ۔ مجھے اعتراض ہے کہ خسرو باغ کے مقبرے میں بیٹل و بے نظیر نہیں ہیں۔ نہ ان میں ہالیا کے مقبرے (متصل دہلی) کی سی شان اور لطافت و زاکت تعمیر و نقاشی پائی جاتی ہے۔ نہ مقبرہ اعتماد الدولہ واقع آگرہ کی سی پرچین سازی اور منبت کاری۔ نہ مقبرہ شیخ سلیم چشتی، قصبر بنع پور سیکری، کی طرح سنگ مرمر پر سرتاپا باریک، نازک اور بے نظیر نقاشی و شجر کاری نظر آتی ہے۔ نہ کوئی خاص قابل ذکر صحن وضع و تعمیر ہے۔ نہ مقبرہ اکبر (سکندرہ) کی رفعت و عظمت اور عہدیت و جلالت پیدا کرنے والی شان نمایاں ہے۔ تاہم چار مختلف الوضع عمارتوں کا ایک سیدھی لائن اور ایک ہی محاذ میں یہ یک نظر، نظر آنا، ایک کیفیت خاص پیدا کر دیتا اور عجب دلکشی رکھتا ہے۔

نامور فزگرسن سلطان التمش کے روضہ واقع پُرانی دہلی کو ہندوستان کا سب سے پرانا مقبرہ بتاتا اور کہتا ہے کہ یہ مقبرہ ضرور ہے لیکن اس میں ہندوؤں کی صنعت کے نفیس و بہترین نمونے جہاں تک کہ اسلامی شعائر، خصائص اور شوکت کے مناظر و منافی نہ تھے مناسب حال و شایان شان صرف کر دئے گئے ہیں جن سے یہ نہایت وجہ خوبصورت و دلآویز ہو گیا ہے۔ راقم سلور بلکہ یقیناً ہر ہوشمند دیکھنے والا یہ یک نگہ کہہ سکتا ہے کہ خسرو باغ کے مقبرے بھی اگرچہ مختصر ہیں، لیکن ان کی مجموعی کیفیت، مختلف وضع و متنوع طرز عمارت ایک خاص قسم کی

۱
 History of Indian and Eastern Architecture by Fergusson, 1876.

دلکشی اور جذبِ نظر اپنے اندر رکھتی ہے۔ اور ہر ایک میں کمالِ سادگی کے ساتھ ساتھ کمالِ فن و نہر بھی خود آتا۔ سب سے پہلے جس فرض شناس حکمران نے ہماری صوبہ کی عمارتِ قدیمہ کی طرف توجہ مبذول فرمائی، وہ (مالک مغربی و شمالی کے ٹنٹنٹ گورنر) سر جان اسٹریچی *John Strachey* تھے۔ اولِ اول ۱۸۷۱ء میں روضہ ممتاز محل پر عنایت کی اور مرمت کرا دی۔ پھر اگر وہ الہ آباد کی دیگر بادشاہی یادگاروں پر نگاہِ التفات ڈالی۔ اپنے صوبہ کی آمدنی و مالیر سے بہت سارے پیسے دے کر تعمیر کے پُرانے کرتے ہوئے مندر کو سنبھال لیا، درست کرا دیا، خسرو باغ اُن کے دارالحکومت میں ایک ممتاز مقام تھا اور پبلک کے کام کی چیز۔ بقدر ضرورت اُس کی مرمت و دھرتی بھی ہو گئی۔ دلکش باغ اُس وقت بھی اپنے گزرے ہوئے دنوں کی دستِ بُرد اور امتدادِ زمانہ کی تاخلف و تاراج کو ناقدری و حقارت کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا جو اپنی جوتیہائے شیریں یعنی میٹھے پانی کے حوضوں اور بڑے بڑے کنوؤں اور چشمہ فیض باغی سے سارے شہر کو سیراب کر رہا تھا۔ جس کے ستمورے اندازِ زمین بندی و تناسبِ اجزائی اُس وقت بھی داخلِ ہر تہی جس کا ایک ایک پھول اور ایک ایک پتہ، جس کے مقبروں کا چرخچہ و شکستہ پتھر اپنے شاہانہ تکلفات اور نازک ترتیبات کا آئینہ دار تھا۔ عروسِ البلاد الہ آباد میں گرمی کی شدت و تابش اور بعض اوقات سردی کی افسردگی و انجامد بھی، کائنات کی حسنین و جمیل چیزوں کو مردہ کر دیتی ہے، مگر خسرو باغ کی معطر جواووں کے حیاتِ بدامن جمونکے اُس وقت بھی تازہ زندگی پھونک دیتے تھے۔

دُنیا بدل گئی ہے، وہ ہیں ہمیں کرا ب تک اپنے مقام پر ہیں، اپنے مکان پر ہیں

لے ہیڈ بک اگر وہ تاج، از مسطر ہریمل، صفحہ ۴۶۔ لے ڈسٹرکٹ گزٹیر ستمبر ۱۹۱۷ء، صفحہ ۲۴۴۔ لے الہ آباد اور الہ آباد

کی گرمی کو بعض شہر نے بھی اپنے اپنے مزاج خاص سے یاد کیا ہے۔ ایک بذکرہ نسخہ کہتا ہے

زگرتی محبتِ ایں شرف زار الہ آباد، مہشتہ اذر آباد

مرزا غالب ایک قصیدہ منقبت میں فرماتے ہیں

نفس بہ لرزہ زیادِ نہیبِ کلکتہ نگاہِ خیرہ زہنگامہ الہ آباد

(کلیات، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۷۱ء، صفحہ ۱۹)۔

اس کے چھپیس ستائیس برس بعد ”منزل اعظم“ کے صحیح جانشین اور اس کی عظمت و سلوت رفتہ کے وارث و قابض لارڈ کرزن آنجہانی نے دیرینہ سال مہمات کے بعد دوبارہ داخت میں وہ سہی مفرط فرمائی جس کے لئے ہندوستان کے باشندے، بالخصوص احسان شناس مسلمان ہمیشہ زیر بار داشت و شکر گزار رہیں گے۔ نبیوں ہیکم کے گنبد کا خالی کر دینا اور اس کے عوض میں سوپرٹنڈنٹ باغات الہ آباد کے لئے ایک تھری ٹکٹ ہتیا کر دینا اسی بلند حوصلہ امیر کا کام تھا جس کا ذکر مناسب موقع پر مغرب آئے گا۔

تم نے نگاہِ لطف سے رکھ لی ادب کی شرم و نہ لبوں تک آہی چکا تھا گلا ابھی مقبروں کی نگہداشت اور خسرو باغ کی آبپاری و آرائشگی اس وقت حکومت کے دستِ کرم کی تحویل میں ہے۔ باغ کے مصارف معقول نفع کے ساتھ خود اس کی پیداوار سے پورے ہو جاتے ہیں۔ پھل پھول، پودوں، ہر قسم کے درختوں اور قلموں سے اچھی خاصی آمدنی ہوتی ہے۔ یہاں کے گلاب اور گلاب کی قلیں شہر اور بڑی قدر کی چیزیں ہیں۔ الہ آبادی امروہوں کی پودہ اس باغ کی قابل اعتبار اور اچھی سمجھی جاتی ہے۔ منطین نے تین تین ایکڑ کے قطعے سیوہ کے درختوں اور پودہ کی پرورش گاہ اور پھل پھول کی چسار دکھانے کے لئے محفوظ رکھے ہیں۔

انگریزی پیمائش سے باغ کا کل رقبہ ۴۰۶۷۰ ایکڑ ہوتا ہے۔ انتظامی ضرورتوں اور ہولت کارروائی کے لئے اس کی تقسیم دو حصوں میں کر دی گئی ہے۔ ایک قطعہ ۱۶۷۰ ایکڑ کا محکمہ زراعت و زمین آریکالوجی کل ڈیپارٹمنٹ کے نام سے ہے۔ دوسرا سینتیس ایکڑ کا زیر اہتمام و انتظام محکمہ زراعت ہے۔ عملی طور پر دونوں قطعے اور ان کی نگرانی محکمہ زراعت کے ایک ذمہ دار افسر کے ہاتھ میں ہے۔ اور محکمہ مذکورہ کی سالانہ رپورٹوں میں دونوں کے بقدر ضرورت حالات اور درستی و ترقی کی کیفیت مندرج و شائع ہوتی رہتی ہے۔ دونوں محکموں سے آریکالوجی کل اور زراعتی کا ذکر جداگانہ حصوں میں ہوتا ہے۔ آریکالوجی کل حصہ کی ترتیب جدید حال میں

۱۔ ڈسٹرکٹ گزٹیر جدید۔ صفحہ ۲۰۳۔ ۲۔ ڈسٹرکٹ گزٹیر جدید، صفحہ ۲۰۳۔ ۳۔ رپورٹ باغات سرکاری بابہ ۳۰۔ ۱۹۲۹

صفحہ ۴۔ ایضاً، صفحہ ۹۔ ۵۔ ایضاً، صفحہ ۱۰۔ ۶۔ ایضاً، صفحہ ۹۔ ۷۔ رپورٹ انتظامی باغات

سرکاری، صوبہات متحدہ، بابہ ۲۹۔ ۱۹۲۸۔ صفحہ ۱۰۔

عل میں آئی ہے اور چار پانچ سال ہوئے ختم ہوئی ہے۔ پڑائی سڑک جو فاصل تھی دور کر دی گئی، جس کی نسبت کہا جاتا تھا۔

راہ ہے انسانہ ماضی کو دہراتی ہوئی مقبروں کے درمیان سے بچ دغم کھاتی ہوئی نئی سڑک ایک دلکش روش پر ہوا، اہل سطح کے برابر نئی ترتیب کے مناسب حال بنائی گئی ہے۔ پائپ کی لائن نئی قائم کی گئی ہے۔ نوازے لگائے گئے ہیں۔ تاجی عملات کے لئے موزوں و مناسب ترمیم کی گئی ہے اور نہایت دلکش و دلآویز ماحول تیار کر دیا گیا ہے۔ پرائی باؤلی کے متصل دیواروں پر بیلیں بٹھائی گئی ہیں۔ اس کے لانوں کے شکستہ حال ٹکڑوں کی مرمت کر دی گئی ہے خسرو کے مرکزی مقبرہ کے گرد جو کبھی پھولوں کی کھدیاں تھیں، ان میں اب سرسبز و شاداب، سدا بہار پھولواطمی لگا دی گئی ہے۔ باغ کے گلشن، نقارہ و تفریح سے محکمان اور محکوم جماعتیں اور اعلیٰ اور ادنیٰ طبقے دونوں یکساں شغف ہوتے ہیں۔ اس محکمہ کی رپورٹ انتظامی میں اس کا اندراج ”تاجی یادگاروں کے باغ واقع خسرو باغ“ کے نام سے کیا جاتا ہے۔

زراعتی حصہ ۳۷ ایکڑ کا ہے، اس کا شمار پرائیوٹ گارڈنس کی میں ہوتا ہے۔ اس کی کراسنگی و وسائل آمدنی کا ابھی تذکرہ کر چکا ہوں۔ اس کے لانوں پر نئی گھاس نئے قسم کی لگائی گئی ہے۔

اس سبزہ زار باہرے بھرے گھاس کے بے چڑے قطعات پر پہنچ کر مجھ ایسے پریشان خیال سیلابی کا دھیان خود بخود ایک دوسری طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ یہاں دو اکبر گردے ہیں۔ ایک اکبر اعظم، دوسرا اکبر اکبر۔ اکبر اعظم نے اس شہر کی بنیاد ڈالی۔ بسایا۔ اور اللہ پاس یا اللہ آباد بنایا تھا۔ یہ تو تو نگری و دشت، دولت کی فراوانی اور شوکت و قوت سلطانی کا کرم تھا۔ اس کو پونے چار سو برس ہوئے۔ دوسرے یعنی اکبر اکبر نے اپنی سخن سنجی و شیریں کلاسی اہل ذہنی و دماغی کمال سے اس کی دائمی شہرت و بقا کی ضمانت فرمائی۔ یہ ہماری آنکھوں کے سامنے کی بات ہے۔ مروج اکبر جب اس جگہ پہنچا ہے تو بے اختیار چیخ اٹھا تھا۔

لائی ٹینس کے لئے بن گئے شاہی گلزار ساتھ سبزہ کے ہجوم گل و سوسن نہ رہا سب سے پہلے جس یورپین سیاح کے قدم یہاں آئے اور جس نے کم و بیش یہاں کے حالات قلمبند

کے وہ پادری پٹرینڈ *Peter Mundy* ہیں۔ انھوں نے ۱۶۳۲ء میں اس مقام کو دیکھا تھا اور شاہزادہ خسو کے مقبرے اور اُس کی ترتیب و تزئین کا ذکر کیا ہے۔ اُن کے دو سو برس بعد ۱۸۲۵ء میں شپ پیر *Revd. Reginald Heber, D.D.* ۱۸۷۱ء تقریب لائے اور وہ باتیں صفحات

تاریخ پر چھوڑ گئے تھے جن کا بتانے والا ان سے پہلے کوئی گزرا تھا، ان کے بعد آیا۔ شہر انگریزی صنایع اور آرٹس سٹرٹاس ڈانیال *Thomas Daniell* بھی ستی صد شکر و ستائش میں، جنھوں نے اپنے دورانِ سفر و سیاحت میں یہاں کی بعض عمارتوں کے خوبصورت نقشے تیار کئے۔ یہ سلسلہ میں یا اُس کے قریب خوش رنگ شائع ہوئے تھے ماہِ آج بھی بڑے بڑے کتب خانوں اور اُمراء کے ایوانات و قصور کی زیب و زینت ہیں۔ ادب و فضل کی دیوی، حسین و جمیل اشیاء کی شیلیاں غفلتوں میں تصویر کشی دینے والی فنی پارکس *Fanny Parkes* بھی یہاں آئی تھیں اور وائٹنگس آن اے

۱۷ سفرنامہ، جلد دوم، صفحہ ۱۰۱۔ ۱۵ ہندوستان کے بالائی ممالک کا ٹکڑا سے بہتی نیک کا روزنامہ، سیاست، مصلحت لندن ۱۸۳۷ء، جلد اول، صفحہ ۲۲۳۔ *Narrative of a journey through the Upper Provinces of India from Calcutta to Bombay in 1824-25. London. 1828.* ۱۵ اٹھارہویں صدی کی سبکی کے رُخ، انیسویں

صد ہندوستان اُن کے تھے اور سارے ملک کا دورہ کیا تھا تمام قابلِ دید عمارتوں اور چیزوں کی تصویریں تیار کی تھیں۔ ولیم ساتھ ساتھ روزنامہ بھی لکھتا جاتا تھا ہوائس ہے کہ اب تک شائع نہیں ہوا۔ درج بہت سی قابلِ نگاہی باتیں خسرو باغ اور الہ آباد کے متعلق اُس سے معلوم ہو جاتیں۔ اُس کے بعض فتوحات اور کھیلوں متعلق طویل طرز پر مضمون ہیں۔ بنگال پوسٹ اینڈ پرنٹ "Bengal Past & Present" میں لکھان کاٹن *Eliza Evan Cotton* نے دونوں کا منتقل حال بھی لکھا ہے۔ قُرب دریا کی مقامات کی تصویریں مریا سے کھینچی جاتی تھیں نزع گوہر کیپ از سٹریٹس ایل دوئیس، صفحہ ۲۲۴۔ *Mr. W. H. Wallace* ۱۸۷۱ء امیر الدولہ گورنمنٹ انٹرنیٹ لکھنؤ میں شاہجہاں کے مقبرے، دیوار اور کنوئیں کا رنگین نقشہ وغیرہ۔ ۱۵ مسٹر فنی پارکس بڑی وسیع النظرا اور چوتھنہ ذی استعداد تھیں۔ قلم و کاغذ کے ساتھ شغف والی اپنے صاحب (بقیہ صفحہ ۷۲ پر)

پاکستان میں بعد قلیل حال لکھ گئی ہے۔

فارسی میں سب سے پہلے جن صاحب نے خسرو باغ کے حالات (مختصر سی) مگر قلیدند کے وہ ستر پیل
مؤلف مفتاح التواریخ ہیں۔ موصوف نے اس باغ اور مقبرہ کا ذکر سلطان خسرو کے ذیل میں اپنی انگریزی کتاب
میں بھی فرمایا ہے۔ مگر اس کو برائے نام کہنا چاہئے۔ پھر انگریزی میں جہانگیری سوانح کے سلسلہ میں ذی علم
مستشرق بلاک مین J. H. Blochmann صاحب کا دلچسپ آرٹیکل اکتوبر ۱۸۶۹ء کے گلکے ریویو
میں نکلا۔ اس کے بعد سٹریٹ وک Eastwick نے کتبوں کی طرف بھی توجہ فرمائی اور
ان کا منظوم متفقہ ترجمہ کر دیا، جو مرصع صاحب کی ہیڈنگک صوبہ بنگالہ Murragh's Handbook
for Bengal etc. میں موجود ہے۔ صاحب موصوف نے تحریر نہیں فرمایا کہ ان قطعات کی

(بقیہ صفحہ ۷۱) سیف و ظم روشن خیال باپ بھڑائی سی آر جی E. C. Archer, Major سے ارث
میں پائی تھی۔ وہ لارڈ کیمبرجیر Lord Combermere کے اے ڈی سی رہے تھے۔ ۱۸۳۲ء میں ان کا
سفر نامہ "نورس ان ابراہامیہ" Tour in Persia and India کے نام سے دو جلدوں میں چھپا تھا۔
ان کے اس دورہ میں ۱۸۳۸ء میں لارڈ اکلینڈ کے ساتھ ہوا تھا۔ سیم صاحب بھی بہر کا بقیہ سیم صاحب کے شوہر سٹر
سی سی پارس C. C. Parkeo بشال یول سروں کے تعلق سے ۱۸۱۷ء تا ۱۸۴۶ء تک ہندوستان میں رہے
تھے۔ وہ ۱۸۳۶ء میں الہ آباد میں کٹر کٹر تھے۔ سیم صاحب اپنے چھوٹے سے خوش ملاجرب پرگٹا اور جٹنا کا صیانی سفر سی جگہ سے
کیا کرتی تھیں۔ انھوں نے تمام اہم اور ضروری مقامات کو بڑی توجہ اور دلچسپی سے دیکھا تھا۔ شہر و ممتاز لوگوں سے ملی بھی
تھیں۔ انھوں نے اپنے سیاحت نامہ میں جو کچھ لکھا ہے اس کی نسبت متفقہ فیصلہ ہے کہ ہندوستان کی زندگی کے متعلق
جتنی کتابیں اب تک شائع ہوئی ہیں ان میں سب سے اچھا اور قابل دید ہے۔ اس میں تمام حالات پوری تفصیل سے لکھے
ہیں۔ اسی کی بدولت سیم صاحب کو بڑی شہرت و عزت نصیب ہوئی ہے۔ (ماخوذ از فریج کو لکھ کپ، مولانا مٹو پٹیس ایم سی)۔
۱۷ پرگٹ یا الہ آباد کی ہیڈنگک مرتبہ ماڈرن ریویو آف ۱۷۸۸ء - صفحہ ۱۷۸ - لہ دو جلدیں ۱۸۲۲ء سے ۱۸۲۶ء تک۔
andering of a Foreigner andering of a Foreigner ۱۸۲۹ء، صفحات ۳۳۲، وغیرہ ۱۸۲۹ء بلس پانگنی کل
ڈکشنری، صفحہ ۱۵۷ - ۱۵۸ وغیرہ، مطبوعہ ۱۸۸۲ء، صفحات ۳۶۳، ۳۶۴۔

نقلیں اُن کو کہاں سے دستیاب ہوئی تھیں مگر ترجمہ کی حالت اور اصل سے مطابقت کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ بیل صاحب کی کتاب سے لئے گئے ہیں۔ سب سے آخر ہمارے زمانہ کے مشہور علم دوست مسٹر ہنری بیورج Henry Beveridge نے اس طرف التفات فرمایا اور رایل ایشیاٹک سوسائٹی کے رسالہ جولائی ۱۹۰۸ء میں ایک عالمانہ مقالہ شاہنوازہ خسرو اور اُس کے مدفن اور متصل کے مقبروں کی نسبت تحریر کیا۔ یہ لندن میں بیٹھ کر لکھا گیا تھا۔ اشداد قطعات کی نقلیں ہندوستان سے سرچر ڈبرن ہنری Richard Burn کی معرفت حاصل کی گئی تھیں۔ سرمایہ علم و واقفیت کافی اور ذرائع آگاہی و صحت قابل اطمینان نہ تھے، اس لئے غلطیوں کا رُخ جانا ناگزیر تھا۔ خود اُن کو اعتراف تھا کہ ان قطعات (تاریخ) کی زبان کسی قدر مشکل ہے۔ اس وجہ سے اپنے ترجموں پر چنداں اعتماد و اعتبار بھی نہ رکھتے تھے۔ اطمینانِ غلطی کے لئے ہمہ دان و ہمہ زبان سرچر ایس الیٹ محمد رحیم محمد رحیم کو دکھالیا تھا۔ انھوں نے پوری توجہ اور قابل قدر اعانت فرمائی تھی۔ زبان و مفہوم کا جہاں تک تعلق تھا ترجمہ تو درست ہو گیا، مگر بیل صاحب اور سرچر ڈبرن کے کاتب کی غلطیوں کا ازالہ کیسے ہوتا۔ دورِ حاضر کے عظیم النظیر فاضل و زبان دلس مسٹر ڈیوڈ سٹارٹ نے صفحات ۷۵۹ تا ۷۶۲۔ ۷۶۳ سرچر ایس الیٹ کے نام پر مشرق اور عربی کے مسخر فاضل گزرے ہیں۔ عبید اسدی اور عاصر کے دو قدیم و نایاب وہانوں کو تلاش کر کے بڑے تحقیق و تدقیق سے مدون کیا اور ۱۹۱۳ء میں لپٹن میں چھپوایا تھا۔ حکومت کے دست و بازو اور ہندوستان کے قابل و زائد شناسا شناسین سے تھے۔ ۱۹۱۳ء میں اس جلیل القدر و عظیم المرتبت شخص نے ۷۶۳ دسمبر ۱۹۱۳ء کو انتقال فرمایا۔ چھیانوے سال عمر تھی۔ چالیس سال ہوئے میرے وطن فرخ آباد میں حاکم ضلع تھے۔ بیل صاحب و تعلق سے اس سچ مان پر بے حد لطف و کرم فرماتے تھے۔ اکتوبر ۱۹۲۹ء کے جرنل (رسالہ) میں رایل ایشیاٹک سوسائٹی لندن کی استدعا پر ایسی کتاب حیاتِ جلیل پر تنقید فرمائی تو مکمل عورت و احترام سے یاد کیا اور میرا اور میرے خاندان کا ذکر لکھا۔ حالانکہ میں ایک مدت سے سلسلہ مراسلت قطع کر کے خاموش ہو چکا تھا۔ وہ اُس زمانہ میں بھی عربی، فارسی، فلسفہ و غیرہ کے مختلف و متعدد مدارج و مقامات میں سند فراغت حاصل کر چکے تھے۔ تاہم بلند تر نصابوں کے طے کرنے کا شوق و ولولہ دامن گیر تھا، جن کی تیلہ یوں میں برابر مشغول و مہمک رہتے تھے۔ حتیٰ کہ ملوم و مخزون مشرق کا یہ سرچر چشمہ جلد سے جلد بڑھ کر فضل و کمال کا ایک محتاج و زلفار سمندر بن گیا۔ ان کا حافظہ قوی تھا۔ خوب مضبوط تھے۔ جن کو شغف و

A. P. Dewhanna نے جب مدوح حسن اتفاق سے الآباد میں قیام کریں تھے، اُن پر نظر ڈالی اور سوسائٹی مذکور کے رسالہ جولائی ۱۹۰۹ء میں اُن کی تصنیف اور بحالت ضرورت جاریا توضیح کر دی۔ بعض غلطیاں تو فاش تھیں، محض طہائپ کی، مثلاً ”سلسلی“ کی جگہ ”سلسلی“۔ ان کے نقل یا بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

یادش بخیر مسٹر طاس ویم ہیل J. W. Beech نے سب سے پہلے مورخ ہیں، جنہوں نے اپنے زمانہ کی ایک رائج ملک زبان (فارسی) میں خسرو باغ اور اُس کے سفار کا ذکر مفتاح التواریخ میں لکھا اور اُس کے بعد ایک اد کا آمد جامع اور مفید کتاب اور نیٹیل بیارگری کل ڈکشنری، تحریر فرمائی۔ جس میں مشاہیر شرق کے ضروری اور بڑے معلومات مآثر انگریزی میں لکھ دئے ہیں۔ مسٹر بیورج کو اس کی کا احساس ہے، کہ مسٹر کین نے ہیل صاحب کی کتاب (ڈکشنری) کو ترجمہ اور ایڈٹ تو کیا مگر تاریخوں کو چھوڑ دیا ہے، ہاں کو انسوس ہے کہ ہیل صاحب کی کتاب پھر ۱۸۷۵ء کے بعد طبع نہیں ہوئی۔ مسٹر بیورج کا خیال ہے کہ ”مسٹر ہیل یوریشین رہے ہوں گے“ اور ضرور فارسی کے بڑے فاضل ہوں گے۔ ”مسٹر کین H. C. Keene لکھتے ہیں کہ یہ بہت بڑی عمر کا ۱۸۷۵ء کے سویم گرامیں بمقام اگرہ فوت ہوئے جہاں صدر بورڈ

(صفحہ ۷۳) ریاضت جمائی سے قوی تر بنائے رہتے تھے۔ سولہ سال ہوئے سرکاری منصب اور چارے ملک کو فریاد کہہ کر انگلستان چلے گئے۔ آکسفورڈ میں قیام اختیار فرمایا، جہاں آفاذ شباب اور طالب علمی کا کچھ وقت ریاضیات کی تکمیل میں گزرا تھا۔ مسٹر ڈیوہرسٹ کی سی قابلیتیں اور فضل و کمال کسی فرد واحد میں کم جمع پائے گئے ہیں۔ شریقات کے جملہ شعبوں میں ان کا کمال مستمّم اور عظیم المثال تھا۔ یہ تمام آریائی اور سامی زبانوں پر یکساں عبور و تبحر رکھتے تھے۔ سنسکرت اور آوستا پر ان کی قدرت اگر غیر معمولی اور تعجب انگیز نظر آتی تھی تو عربی و عبرانی کے فضلا اور اہل زبان اُن کے تجربے متبحر و شہد جو جاتے تھے۔ تلامذہ کی کثرت، درس و تدریس کی حالت بھی ویسی ہی حیرت افزا تھی ایک طرف ہندوستان کی یسول سروس کے لئے انگریز نوجوانوں کو ہندوستانی کی تعلیم دیتے تھے، تو دوسری طرف سودان کی طلبت کے خواہشمندوں کو عربی کے امتحانات کے واسطے تیار فرماتے۔ اسے مشرقیہ کے اسکول میں متعلین کو ”آئرز“ کے قابل، قابل بناتے تھے۔

صفحہ ۷۴۔ ۱۵ صفحات ۴۶، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱

مال کے دفتر میں محض ایک کلرک کی حیثیت سے ملازم تھے۔ لیکن ڈھاکہ کے ٹیلر صاحب *Farooq* ہمارے کرپین صاحب *Richardson* اور ناشر ایمان (معروف بہ حاجی مصطفیٰ - *M. Ramond* مترجم سیر المتأخرین) کی طرح کئے ایسے زندہ جاوید نام ملیں گے جو بہت سی مستقل اور ہمیشہ رہنے والی کارنامہ اور سفید تالیفات چھوڑ گئے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں بہت سے بلند مرتبہ یورپین انسروں کی کیا عزت ہو سکتی ہے۔ سرزہری ایلٹ صاحب کی تاریخ کا اختتام پیل صاحب کی تاریخ کے ذکر اور ان کی قلبی اعانت کے اعتراف پر ہوا اور بالکل بجا ہوا ہے۔ اُمید ہے کہ ان کے مدفن کا پتہ اور علم ہوگا، اور اس پر پتھر بھی ہوگا۔ نامور فاضل سٹریٹری (بی۔ ایسٹ) دک (اسی۔ بی۔) نے ٹرے کی ہیڈنگ *Eastwick* میں *Murtagh Handbook* کی قلم کار *Catherine Beale* کی قبر کا ذکر کیا ہے، جو اگست ۱۸۵۷ء میں فوت ہوئی تھیں۔“

پروفیسر ڈوسن *Dosson* نے بھی اپنی تاریخ ہند کی آٹھویں جلد میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ مسٹر پیل کے اس تذکرہ پر بعض مغرب پرست حضرات چین بچیں ہوں گے اور یہاں شاید بے محل قرار دیں گے۔ راقم ہچکچاں کے خیال میں کسی علمی یا تاریخی تحریک کو محض پٹواری کی کھٹونی نہ بنانا چاہئے جس کی خانہ پرری بلاز و دا دھرنے کافی دوائی سمجھی جائے اور فلاح و مددنی مستوجب باز پرس منظور ہو۔ جس زندہ جاوید شخص نے اپنی جنبش قلم سے خسرو باغ کو مصغرات کا فزیر حیات تازہ بخشی، کیا وہ اس قدر اعتبار و التفات کا بھی مستحق نہیں ہے۔ وہ جو نہ صرف خسرو باغ، نہ صرف الہ آباد نہ صرف ہندوستان، بلکہ پورے مشرق، براعظم ایشیا سے بھی کچھ زیادہ کا تحسن و خدمت گزار ہے!

انسوس ہے کہ ان مقبروں کے حالات تفصیل کے ساتھ درکنار، برائے نام بھی کسی پرائی کتاب میں

لٹریچر کیلکٹری، سبکوہ ۱۸۵۷ء، تمہید، صفحہ اول۔ سٹہ یہ تینوں صاحب مملووا النسل تھے اور کسی بڑے عہدہ تک نہیں پہنچے، مگر علمی و ادبی سرپرستی چھوڑ گئے ہیں۔ سیر المتأخرین کے ترجمہ سے زیادہ اُس کی تمہید اور شیریں زبان قابل مطالعہ و تحسین ہے۔ ایک پیوندی فرانسیسی اور ایسی پیاری انگریزی! وہ جس کی عمر ہندوستان میں گزری تھی یا کچھ برس حجاز و عرب میں! اٹھ تاریخ ہند خود اہل ہندو زمین کے قلم سے، سبکوہ ۱۸۵۷ء، ترجمہ کہانی۔

نہیں ملے۔ اور سٹرپل نے جس قدر زخمی ہوئے ہیں، ان سے کسی قسمہ تحقیق و تجسس کی تسکین نہیں ہوتی۔ ان کی مختصر تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں چار روئے ہیں جن پر عالیشان گنبد بنے ہیں:-
 (۱) چھوٹا سا، پچھم طرف، معلوم نہیں کون دفن ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ بی بی تبوں کا روضہ ہے۔
 (۲) عمارت سنگین و گنبد، مادر خسرو کا مزار ہے۔

(۳) روضہ وسط باغ میں، بڑے دروازے کے مقابل۔ سلطان خسرو کی ہمشیرہ ^{۳۳} نے اپنے دفن ہونے کے لئے یہ عمارت بنوائی تھی کہیں اور مرنے کی مصلحت سے لکھے ہیں۔
 (۴) روضہ سمت مشرق، مرقہ خسرو۔

گزٹیر سابق کے ڈی علم پولیفین کی جماعت نے جو سٹرپل، سٹرٹز اور سٹر حال سہا جان پر سیکورٹ
 C. D. Allee, J. H. Finken & J. P. Hewett ہیوٹ
 پر مشتمل تھی صرف امور ذیل کے لکھنے پر قناعت کی۔

(۱) اس راجپوت ملک کی قبرستانوں کی ٹیٹی اور بیٹے خسرو کے مقبروں کے خسرو باغ میں واقع ہے۔

(۲) سرگ کے دوسری طرف وہ مکان ہے جس میں سو پٹنڈنٹ باغ کی بود و باش ہے۔ عام روایات کے مطابق تبوں کی بیگم کا مکان کہلاتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ وہی شاہزادی ہو جو فتح پور سیکری میں استانبولی بیگم کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔

جدید گزٹیر میں کرنل نیویل نے اسی قدر لکھا ہے کہ ”خسرو کی ماں“ ”رائی“ نے انیوں کھائی۔ وہ اس باغ میں دفن ہے۔ اسی جگہ خسرو اور اس کی بہن کے بھی مقبرے ہیں۔“ دوسرے موقع پر اضافہ فرماتے ہیں:-
 ۱۔ خسرو یہاں کے چاروں مقبروں میں سے بالکل اخیر و رب کے مقبرہ میں دفن ہے۔

۲۔ دوسرا مقبرہ، خسرو کی بہن کا ہے جو ۱۶۲۵ء میں مری تھی۔ اس میں بہت سے کتبے ہیں، مگر اکثر ناب

لہ مفتاح التاریخ، صفحات ۳۳۵ غایت ۳۳۷۔ ۳۴۰ ڈسٹرکٹ گزٹیر سابق، صفحہ ۱۳۸۔ ۳۵۰ ایضاً صفحہ ۱۶۵۔ ۳۵۰

ڈسٹرکٹ گزٹیر جدید، صفحہ ۱۶۵۔ ۳۵۰ ایضاً صفحہ ۲۰۳۔

شکستہ حالت میں ہیں۔

۳۔ تیسرا، خسرو کی ماں کا ہے۔

۴۔ باغ کے عین وسط میں جو تھا مقبرہ ہے، جو تمبولن کا کہلاتا ہے کچھ عرصہ تک انٹرمنٹلم باغ کا سسکن ہوا تھا۔

ان صاحبوں نے اور جو دو ایک باتیں کام کی لکھی ہیں، وہ ہر مقبرہ کے جدا گانہ حالات میں نقل کی جائیں گی۔

ڈاکٹر ڈیلو ڈیلو ہنٹر *Henrich Henrich*۔ مکہ ڈاکٹر کٹر جنرل اسپیرٹل گریڈیئر آف انڈیا نے بھی صرف چند نقلوں میں خسرو باغ کا تذکرہ ختم کر دیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ ”یہ باغ اور دوسرا شاہزادہ خسرو، ریلوے اسٹیشن کے متصل ہے۔ مقبرہ پر ایک خوبصورت گنبد دار عمارت تاج کے طرز کی بنی ہے، اس کے اندر پھولوں اور پتھریوں کی تصویریں ہیں۔ دو اور چھوٹے چھوٹے مقبرے اُس کے متعلق ہیں۔“

تاج کی نظیر شاید اُس کی بے نظیر شہرت و نام کے سبب سے آپ نے پیش کی ہے، مدد نہ تو سہا ہائے دہاز کے بعد بنا ہے۔

آپ نے دیکھا گریڈیئر والوں نے کس اختصار سے کام لیا ہے! منتقلات و تاریخ ہو یا کوئی ہیڈنگ بلکی گریڈیئر ان کی تحریروں میں فرق محض طرز ادا کا ہے۔ بیل صاحب لکھتے تو اسی طرف سے اور فارسی میں ہیں، مگر مغربی انداز پر پہلے بائیں جانب نظر ڈالتے اور بائیں ہی سے شروع کرتے ہیں۔ مسٹر اسٹیل یاد جو بائیں مغربی و آفرنگی جبلت وضع کے پہلے داہنی سمت دیکھتے اور اُسی طرف اسے لکھتے لگتے ہیں۔ کرنیل نیویل نے جو قلم اور تلوار دونوں پر کیساں قدرت و قوت رکھتے ہیں، اس ہمہ میں جادہ کہن یعنی اسٹیل صاحب کی مختصر نگاری کی فرسودہ روش سے ہٹنا گوارا نہیں فرمایا۔ ایک متوجہ یا سقتلہ کی طرح قدم بہ قدم چلے اور ایک ناقل کے طور پر انہیں کے الفاظ کم و بیش دہرائے ہیں۔

ڈاکٹر فوہر اپنی کتاب ”منادیدہ ہند“ میں اتنا لکھ کر خاموش ہو گئے کہ یہاں خسرو اُس کی ماں اور بہن کے مقبرے اور تمبولن، بیگم کا مکان ہے۔“ اس تحریر میں نہ کوئی سلسلہ ہے نہ ترتیب۔ نہ اچھا کہتے ہیں نہ بُرا بھرو کوئی کیا کہہ سکے گا! مسٹر برویج، ایسٹ وک صاحب کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ فوجہاں کا بھی ایک خالی مقبرہ

۱۔ مطلوبہ صفحہ ۱۸ کے صفحہ ۱۹، جلد اول۔ اور صفحہ ۱۸ پر بھی ذکر ہے، مطبوعہ ۱۸۸۷ء۔ ۲۔ جلد دوم، بابۃ ماک مغربی و شمالی و

اودھ، صفحہ ۱۳۰۔ ۳۔ جرنل رائل ایشیائیٹک سوسائٹی، جولائی ۱۹۰۷ء، صفحہ ۷۰۷، نوٹ ۲۔

یاسینوٹاٹ *Cenotaph* خسرو باغ میں تھا۔ موصوف نے خیال نہیں فرمایا کہ نور جہاں کب ابد کہاں مری ہے۔ اُس کا تاجدار رفیق کتنے دن پہلے دنیا سے رخصت ہو چکا تھا، اور کون ایسا درد مند و شہت شناس باقی تھا جو کوئی یادگار تعمیر کرنا پھر الہ آباد سے نور جہاں کو تعلق کیا تھا؟

ایک کارآمد و راحت رساں چیز جو اگلے زمانہ کی اہم اور ضروری تعمیرات میں داخل تھی اور یہاں بھی موجود تھی، ایک شاندار باؤلی، تھی۔ حال کے موصوفین نے وطنی جوں یا مسافر اُنس کے بارہ میں کچھ نہیں کہا۔ صرف پریٹرنٹڈے صاحب نے جو ۱۹۳۲ء میں یہاں آئے تھے تحریر فرمایا ہے:-

خسرو باغ کے پاس ہی ایک خوبصورت باؤلی یا کنواں ہے۔ اس میں ایک سو تیس^{۱۲۰} سے زیادہ سیرھیاں ہیں۔ خوشنما شہین اور محرابیں ہیں۔ پُچو کے درخت ہیں۔ گرمی میں رہنے پہننے کے لئے سردخانے اور ٹھنڈے ٹھنڈے ہو دار مکان ہیں۔ جن کی دیواروں (کے نازقہ نازقہ بلاسٹرز) کو پرتھو اور پرتھو نقش و نگار بنائے گئے ہیں۔ اوپر سے نیچے تک پیچھے کے راستہ اندر ہی اندر ہے۔ یہ راستہ وسیع و کشادہ، آسان گزار اور خوب روشن ہے۔ حتیٰ کہ ایک چھوٹا سا بچہ بھی نیچے چلا جاتا اور اپنے ہاتھ سے پانی لے لیتا ہے۔ ٹھیک اسی مقام کے اوپر جہاں کہ پانی ہے ایک کنوئیں کا اجتماع سامنے ہے۔ یہاں سے لوگ اپنے بزنوں، بیللیں اور اور طریقوں سے پانی کھینچ لیتے ہیں۔“

سٹرڈائیل نے اپنے نقشہ میں ایک موقع رانی یا شاہ بیگم کے مقبرہ کے متصل چھم کو دکھایا ہے۔ جس میں ہندو جوترا اور دین وغیرہ بھی صاف نمایاں ہیں۔ بہت سے تماشائی، نیز حاجت مند، مرد و عورت، پانی لے جانے کے مختلف بزنوں اور جانوروں کے ساتھ، کھڑے، بیٹھے، چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ گرے جگہ باؤلی کی نہیں، بلکہ باغ کے اندر کے کنوئیں کی معلوم ہوتی ہے۔ باؤلی کا انجام اُس کے مقام پر تحریر کیا جائے گا۔

ہریاگ یا الہ آباد کی ہینڈلک مرتبہ ماڈرن ریویو آفس میں اسی قدر لکھا ہے کہ پڑنا کنواں اور پانی کی نہریں اور نہالیاں ایسی خوبصورت ہیں کہ گن کی تصویریں پیش کی جاتی ہیں۔“

۱۔ خالی مقبرہ جو کسی شخص کی یادگار میں جو کہیں اور دفن ہو، بنا دیا جائے۔ ۲۔ سفرنامہ پریٹرنٹڈے، جلد دوم صفحہ ۱۰۱۔ اور
مرے صاحب کی بنگالہ کی ہینڈلک، صفحہ ۳۶۴۔ نیز برٹش انڈیا کی تاریخ جہانگیر، صفحہ ۳۴۰۔ ۳۔ موجودہ امیر الدولہ
گورنمنٹ لائبریری لکھنؤ۔ ۴۔ صفحہ ۵۰۔

ہیورج صاحب فرماتے ہیں۔ ”کہا جاتا ہے کہ خسرو کے دو بیٹے بھی خسرو باغ میں دفن ہیں۔“

سلطان خسرو اور شاہ بیگم کے پہلوؤں میں متعدد چھوٹی بڑی قبریں موجود ہیں۔ کوئی کتابہ نہیں نہ کسی تاریخ میں تذکرہ ہے۔ اس لئے ان شاہزادوں کے مرتد کا وثوق و محنت کے ساتھ تعین کرنا اس وقت دشوار ہے۔ آج کل کے بعض کم محنت آسان پسند لوگوں کا شیوہ بلا تحقیق و تلاش ہر بات میں دخل و مقولات کرنا اور اپنی ہمدانی کے انہماک کے لئے کچھ نہ کچھ لکھ دینا ہے۔ میرے نزدیک یہ کوئی مستحسن اور پسندیدہ روش نہیں۔ ورنہ یہ کہدینا سہل نیز قرن قیاس ہوتا کہ خسرو کی قبر کی بنفلوں میں جوڑکے دفن ہیں، یہی شاہزادے ہیں۔ کب سے اور کس عمر میں۔ خسرو سے کتنے دن بعد۔ کیا نام تھا۔ آج ان سوالات کا جواب شافی کون دے سکتا ہے؟

باغ کے اندر داخل ہونے کے بعد، بلکہ پھاٹک میں قدم رکھنے کے ساتھ ہی، ان عمارات پر مری نگاہ دفتہ جس سلسلہ و ترتیب سے بڑی تھی حوالہ قلم کرنا ہوں اور وہ کرنیل نیویل کی تحریر کے مطابق ہے۔

دائیں طرف سے سرگک کے ایک جانب،

پہلا خسرو کا مقبرہ۔ گنبد دار، رفیع و وسیع، کواڑ بھی ہیں۔ بنفلوں میں دوڑکے۔ پھر کچھ ہٹ کر سنگین حوض ہشت پہل مع خوارہ۔ ویران و خشک اسی لائن میں۔

دوسرے (حسب روایات زبانی و ناقابل اعتماد بلکہ نوا) خسرو کی بی بی کا۔ بلند گنبد۔ بیلی بیگم کہلاتی ہے۔ قبر کا نشان ندارد ہے۔ سر پہل اور گنبدیوے اس کو خسرو کی بہن، سلطان النساء یا سلطان بہار بیگم کا کہتے ہیں اور یہی قرن قیاس و قابل قبول ہے۔

بہرہ دیساہی ہشت پہل سنگین حوض اور خوارہ۔

تیسرا شاہ بیگم کا۔ سر منزلہ مختصر قبرہ اوپر ہے۔ بیگم کی دائیں طرف، دو قبریں۔ بائیں جانب دو پہلو کی صحنچیوں میں بھی قبریں ہیں۔ کواڑوں سے محفوظ ہے۔

ان مقبروں کے پچھے حوض کی پشت پر قد آدم پرہ کی دیوار جس سے کبھی پانی کے جھرنے اور آبشار رواں رہے ہوں گے۔

دوسرے قطعہ میں کچھ طرف۔ اس قطار سے علیحدہ، تمبروں یا تمبروں بیگم کا۔

ان کی تیسری ترتیب تو قدرتی، یعنی قیروزمانہ تعمیر کے لحاظ سے یہ ہونا چاہئے تھی۔

۱۔ شاہ بیگم - ۱۰۱۲ھ

۲۔ خسرو - ۱۰۳۱ھ

۳۔ سلطان بہار بیگم - ۱۰۳۲ھ

۴۔ تمبولن کا۔ لا معلوم،

پہلی قبر بنانے وقت کس کو خیال ہو گا کہ یہاں اور شاہ نژادے اور بیگیس بھی کبھی دفن ہوں گی۔ بعد کی نیرت میں بھی سو اتفاق سے کوئی سلسلہ و ترتیب ملحوظ نہ رکھا گیا۔ محض گنجائش پر نظر ڈالی گئی جہاں جگہ پائی آباد کر دیا۔
دو چیزیں اور باقی رہ جاتی ہیں:-

ایک، شاہزادہ خسرو کے مقبرہ کے پائین، استقلیل چبوترہ۔ جہاں مرزا جہانگیر مرنے کے بعد دفن ہوئے تھے، پھر لاش دہلی بھیجی گئی تھی۔ عوام کا لانعام کی طاقت و جہالت سے یہ جگہ اب خسرو کے گھوڑے کی قبر کہلاتی ہے۔ اس کے بارہ میں مناسب موقع پر تفصیل کے ساتھ بحث کی جائے گی۔

دوسرا، ہشت پہل چبوترہ، جو سلطان بہار کے گنبد اور خسرو کے مقبرے کے سامنے، روش کے اُس طرف، دوسرے قطعہ میں بیڑا، اسٹینڈ، بنا ہوا ہے۔ یہاں والوں کی زبان میں ”باجا بچکر“ کہلاتا ہے۔ تین چار برس پہلے تک یہاں بڑے دن (دسمبر) کے سلسلہ میں اور بعض اور موتوں پر سیر و تفریح کے جلسے اور کھیل تماشے ہوا کرتے تھے۔ اسی چبوترہ پر باجا بچتا تھا۔

زبانی روایت ہے کہ یہ چبوترہ ہمیں کے مصالح اور پتھروں سے بننا تھا۔ اس کی سنگتراشی اور نقاشی کی یکسانی بھی، شاہد حال ہے۔ اب یہ انگریزی کھیل تماشے دوسری دوسری جگہ ہونے لگے ہیں، تو گورستانوں کے ایسا سا سکوت اور ستانا اس محل خاص و شام میں بھی ہمہ وقت وہمہ حال چھایا رہتا ہے۔ منفرد و منفرد زائر و سیاح یا شہر کے بعض بے فکرے کبھی کبھی آنکلتے ہیں۔ اب نہ کوئی چہل پہل ہونے پاتی ہے نہ زندگی کے آثار نظر آتے ہیں۔ تاہم

اے عروسِ شرق! میری شب کو جب آتا ہوں میں

مجھ کو نازش اپنے جلودں میں تجھے پاتا ہوں میں

دانی مان بائی - ”شالا بیگم“
(شاهنشاہ جہانگیر کی پہلی بیگم - چہوری)



عمل آقا رضا مصور جہانگیر دی -

مدرس نشین شیخ محمد حسین رئیس قنوج کے ذخیرۂ نوادر سے حاصل کی گئی

شاہ بیگم

پرسکونِ حسن و محبت کا یہ اک طوفانِ دیکھ جس کے حُسن و عشق و عنوان ہیں رومانِ دیکھ
 سب سے پہلا جنازہ جو اس محلِ زمین پر اُتارا گیا، وہ شاہ بیگم کا تھا۔ شاہ بیگم جے لہدی راج کھدی
 جہانگیر کی پہلی بی بی اور شاہزادہ خسرو کی ماں تھی۔ شاہ بیگم کا پہلی نام کسی پُرانے مورخ نے نہیں لکھا۔
 مسٹر نیل جودہ بانی ہمارے ہیں۔ لیکن انھوں نے خسرو کے چند مختصر حالات لکھنے میں بھی چنداں تحقیق
 اور کاوش و احتیاط سے کام نہیں لیا۔ پروفیسر کونسل کشور نے ”بڑی بیگم“ اور ”رحمت آرا بیگم“
 لکھا ہے۔ بڑی بیگم مایکہ کا ہندو نام نہیں ہو سکتا۔ مزید براں ”بڑی“ کا لفظ اُس وقت تک
 حرمِ سرے سلطانی میں داخل نہیں ہوا تھا۔ ”زنِ کلاں“ رائج تھا اور تارخوں میں یہی ملتا ہے۔
 الامفضل نے ”آئینِ اللوس مغول“ میں ”حرمِ کلاں“ لکھا ہے اور محمد شفیع لکھنوی نے اپنی
 کتاب ”مرآتِ دارالہند“ میں ”سرخیل زوجات“ لکھتے آرا بیگم کسی ترکیب سے نہ زندوں کا نام
 ہو سکتا ہے نہ مردوں کا لقب۔ رحمت کی آرائش کیا معنی رکھتی ہے۔ رحمت النساء تک لکھتے تو
 ماننا پڑتا، کیونکہ عالمگیر کی ملکہ نواب بانی راجہ راجو والی ریاست راجوری ملک کشمیر کی بیٹی کا نام تھا۔

۱۵ تاریخ جہانگیر از ڈاکٹر بی بی پرشاد، صفحہ ۶۴۔

۱۶ مختلف التواریخ، صفحہ ۳۳۵۔

۱۷ آرکھل مندرجہ اخبار لیڈر مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۷۷ء و عنوان قصاید، اخبار مذکور ۱۸ اکتوبر۔

۱۸ آگرہ ہیڈنگ از ڈکن صاحب، صفحات ۱۹، ۲۱، ۲۲ سلطانہ رقیہ بیگم زنِ کلاں و نزک صفحہ ۴۱۔

۱۹ اکبر نامہ، جلد سوم، صفحہ ۵۸۲۔ مرآتِ دارالہند، برٹش میوزیم، نمبر ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵۔

۲۰ ممتاز محل دفتر آصف خاں کہ سرخیل زوجات آن خسرو شیریں کردار بود ۷۵ مقدمہ تعارف عالمگیر مطبعہ دارالمنصفین صفحہ ۱۵۵۔

ڈاکٹر بینی پر شاد نے ”مان بائی“ تحریر کیا ہے۔ وہ مان سنگھ کی بہن تھی۔ اس لئے قرین قیاس ہے۔ اُن کی تحریر راجپوتانہ کی تاریخوں اور روایات پر مبنی ہے۔ مٹھرنسین گلیدون Francisco Gonsalves نے بھی مان بائی لکھا ہے، اور دوبار لکھا ہے۔ اُن کی تاریخ ۱۸۷۷ء کی تصنیف ہے۔ لارڈ کارنوالس کی سربراہی میں شائع ہوئی۔ مسٹر ونسنٹ اسمتھ اس کی بڑی تعریف کرتے اور اُس کو عمدہ جاگیر کا سنجیدہ و صحیح اور حسب واقعہ احوال بتاتے ہیں۔ پرنسپل ریگن سوامی اینگریہ جاگیر کے متعلق بہت سی باتوں میں گلیدون صاحب کی تحقیقات اور تحریرات کو قابل ستائش، اور اُن کی تاریخی وقعت بے حد لکھتے ہیں۔ یہاں کے سابق حاضر باش خادموں کی حالت یہ ہے کہ جتنے مُنہ اتنی بات۔ کوئی جو دھابائی کہتا ہے کوئی جیارانی، کوئی پر سیا۔ اگر ان کا کنا اپنی موروثی معلومات اور پشتینی روایات پر مبنی ہوتا تو یقیناً آج کل کے بعض غیر محقق مورخوں سے ان کی بات زیادہ ماننے کے قابل ہوتی۔ مگر شاید جیارانی اس کی بھیجی اور ساس ملکہ مریم زمانی کا عرف تھا۔ اسی طرح جو دھابائی اسکی چھوٹی سوت جگت گوشائیں باباں متی (شاہ جہاں

۱۷ تاریخ جاگیر صفحات ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱

کی ماں کا عرفی نام ثابت ہوتا ہے رہا پرہیز۔ ممکن ہے کہ کبھی پرہیزا کلاتی ہو مگر کسی تاریخ میں نظر سے نہیں گزرا۔ یہ لفظ ان اطراف میں بہترین قانون کے معنی میں مستعمل ضرور ہے اور عورتوں میں عزت و ادب کے ساتھ دیکھا جاتا ہے۔

مصمم الدولہ شاہ نواز خاں کا آثار الامرایں یہ لکھتا کہ "سلطان خسرو اودے سنگھ عرف موٹا راجہ کی نان سٹی، نامی لڑکی کے بطن سے متولد ہوا تھا" ایک فاش بلکہ فاحش غلطی ہے۔ مان سٹی، یقیناً بال سٹی کی کتابت کی عالم آشکار خرابی ہے سو ہی اودے سنگھ فرمانروا کے بارہاڑ کی بیٹی تھی۔ جس سے خسرو نہیں غورم پیدا ہوا تھا۔ معاف رکھئے سوانح نویسوں، اور اُس مقبور و بے بس بندے سلیم کو جو کہنے کو اُس وقت بھی دلی عہد اور کشور ہند کا آئینہ شمشاہ تھا جس پر عہد شباب میں معصیت کو شہی، ہوس رانی اور ہوا پرستی کا الزام ہمارا اختیار ناحق لگاتے ہیں۔ یہ حقیقت بیچارہ و مجبور محض معذور تھا۔ جس کی عافیت اور کھٹھی جوانی بلکہ زندگی ہر حال صالح ملکی، تبدیلیات سیاسی و انتظامی، تدابیر مملکت و جہانداری کی قربان گاہوں پر نذر چڑھانی جاتی تھی۔ جس کو اپنے بے ترس و ناخدا شناس باپ کی حکمت عملی، مرضی و خواہش پر روز روز تصدیق ہونا پڑتا تھا۔ جس کے لئے کم عمری و حداشت سن میں بھی خود کام اُمر لے دولت کے عجز و نیاز، اظلم سلطنت کی جاہ طلبی اور ناپائیدار پر بی بیوں کی بھرتی جاری رہتی تھی۔

۱۵ اورینٹل بیگزرفی کل ڈکشنری، صفحہ ۳۵ - ڈکٹن کی آگرہ ہینڈ بک صفحات ۱۹ و ۲۰ -

۱۶ جلد دوم، صفحہ ۱۸۱ - سیر المتاخرین (سلطنت مغلیہ)، صفحہ ۱۶۹ -

۱۷ یورپ کے درباروں اور بادشاہوں کی عشرت کو شہی و عیش طلبی اور دہاں کے امرا اور دیاروں کی عصمت فردوشی اور طبع جاہ و مال کے سامنے یہ الزام و انتہام کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا۔ [نوٹ چرام لا حظ ہو وزیر صفحات ۱۱۵ و ۱۱۶] -

۱۸ اکبری عہد کی تاریخوں میں اس کے متعلق بہت سی تفصیلات ملتی ہیں۔ ایک اکبر نامہ جلد سوم کو لےجے۔

لیکن ایام شاہزادگی میں ماسی کی شبستانِ عشرت میں سات (تصوف) لائیاں داخل کی گئی تھیں۔
 اُن کا پتہ چلانا، نام و نشان بتانا کیا آسان بات ہے؟ تنہا صمصام الدولہ اور ستریل ہی نہیں
 بلکہ بہت سے لکھنے والے ایسی ہی غلط فہمی و غلط انکاری کا شکار ہوئے ہیں۔ کاش! تاریخ کے
 کسی ہوشیار مطالعہ کرنے والے کو توفیقِ رفیق ہو اور دودمانِ گورگان کی حریمِ عشوہ و ناز،
 سراہِ بردہ خلوت و ناموس میں بار یا بی۔ تاکہ اُن درونِ پردہ، محرمانِ راز سلطنتِ اربعِ رانیوں
 کا تذکرہ لکھے اور مہملیٰ مہملیٰ غلطیوں کا ازالہ کر دے۔

خسرو باغ کی خاموش مگر مستقل آبادی کی بنیاد اسی عالیٰ نژاد، نیک ہناد شاہزادی کے
 دمِ قدم سے پڑی، اس لئے اس باغ کی تاریخ میں اُس کی شادی اور آمد کے تذکرہ و
 احتشام نیز اند دھناک انجام کا کسی قدر تفصیل کے ساتھ ذکر ہونا لازم ہے۔

خونخائے عشق و شورِ جنوں، ماجرائے عقل افسانہ تو قصہ نو، داستانِ تست

عصرِ جاگیر کے تمام مورخ اس بارے میں متفق ہیں کہ جہانگیری کی پہلی شادی ہندو
 سولہ سال کی عمر میں ہوئی۔ اور بڑے اہتمام اور تذکرہ و احتشام کے ساتھ رچائی گئی تھی۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ) اللہ! نور جہاں بیگم حسنِ مہدی کے ساتھ خوبی ہائے سنو بھی بے شمار رکھتی تھی۔ اس کی
 سانی طبع و دستی سلیقہ و شوخ و شوخ اور فکرِ بریدہ بچانہ زبانہ تھیں۔ بادشاہ کما کرتا تھا کہ جب تک وہ میرے
 گھر میں نہیں آئی تھی، میں زینت خانہ اور کدِ خدائی کے سامنے بھٹتا ہی نہ تھا۔ اکثر زیور اودھاس
 اور اسبابِ تزیین و تعلق کہ جو ہندوستان میں سو ڈیڑھ سو برس پیشتر رائج و معمول تھے اسی کی منتزع
 ہیں، جیسے دو دامنی پیشواز کے لئے اور پنج ترمیہ اٹھ سنی کے لئے، اور بادلہ و کناری، اور عطرِ کلاب
 جو عطرِ جاگیر سے موسوم ہے، اور چاندنی کا فرش۔ یہ بھی اُسی کا وضع کیا ہوا ہے۔ مرزا عبدالقادر
 خان ادیباقِ منغل (صفحہ ۴۵۶) میں نور جہاں کی دستکاری، ہنرمندی و نہانت کی بڑی تعریف
 کرتے ہیں۔

حقیقتہً تفصیلات کے بیان میں بھی کچھ فرق نہیں کرتے۔ جو کچھ فرق ہے وہ طرزِ ادا، سخنِ طرازی اور انشا پر دازی کا پایا جاتا ہے۔ ہر اہل قلم اپنے معاصر یا متقدم سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتا اور ایک نقشِ رنگینِ اداستہ و پیراستہ کرنا چاہتا ہے۔

شاہنشاہی تاریخ۔ نویس ابو الفضل علامی نے "آراستہ شدن بزمِ کدخدائی شاہزادہ سلیم" کے عنوان سے اس مبارک تقریب، اس کی مصلحتوں اور اس کے اہتمام کو مع ضروری تفصیلات کے اپنے شاندار طرزِ ادا اور لاجواب انداز سے اکبر نامہ میں خوب لکھا ہے۔

۲۹۔ جلوس ۱۵۹۷ء ہلالی۔ دریں ہنگام بعض ہمایوں رسید راجہ بیگنوت واس پکھواہہ کہ از عقد تمدنی بہ پایہ والائے امارت برآمد و باگزین نسب شرافتِ حسبِ راکہ ستودہ خواست فراہم آوردہ و خترے دارد گوہر پارسائی بہ پیرایہ بزرگ تشرافی اوست بسیرت و صورت آراستہ آرزوئے ایں خاندان آنکھ آں پاک سرشت بدای مشکوئے ینوشال بیونہر جادوانی یا بدہ شریار قدر دان خواہش پذیرفت و گردہے راشادی آمو د گردانید و از آنجا کہ پیشینان ایں راز منائی بر ملا اندازند و ہنگامہ آرایند اور نگ نشین اقبال بر اسے جشن آرائی کار نشاسانِ جد گزین نامزد فرمود۔ و کمر زمانے دولتِ خانہ خاص و عام لائین مبتن و نظار گیان دشوار پسند رادل از دست رفت بیشن ہاے شوق افروز و مجلس ہاے غم زدا انتقام گرفت و بخشش و بخشایش را روز بازار شد۔ عشرت و شادمانی را پایہ بلند گشت و سوم و ساجی و نثار و دیگر نیک عادت ہا و پوش بزرگان والاہمت پدید آمد۔ پنجم اسفند از فرکشور سران ملک و بزرگان دولت منزل راجہ بفروغ قدسی لزوم روشنی افروزد و بیوند یک جہتی بگزیدہ آئین انجام گرفت و ہاں روز آں بیکر قدسی را لبشستان اقبال آوردہ و طرب کدہ ترافت آراستند۔۔۔ امید کہ ایں پیوزر بمانی فروغ افزاے اقبال گردد و فرزندان والا خرد بر خیزند۔

ایک دوسرے جلیل المرتبت مورخ مولا نظام الدین ہروی صاحب طبقات اکبری مستطعی
یا آخر سال ۹۹۹ھ کے احوال میں فرماتے ہیں۔

”دریں اثنا ارادہ جشن طوسے حضرت شاہزادہ سلطان سلیم از غلام حضرت بادشاہ جہاں
برو و جہت ایں بہت عظیم پر تو آفتاب عنایت بادشاہانہ بحال راجہ بھگوانداس تافصیحیہ
اورا لائق و مناسب ایں رابطہ عظیم دانستند و حسب الحکم مجلس نشان بہشت بریں آرایش یافت
و جہت اہتمام ایں آں حضرت خود بہ نفس نفیس و منزل راجہ بھگوانداس تشریف قدم ارزانی داشتہ
مجلس عقد رہا نمائندہ بجزوفضات و اشرف منعقد گردید و مبلغ دو کروڑ تک مہر مہدیہ راجہ مقرر
شد۔ و از خانہ راجہ بھگوانداس دو گویہر افشانہ تیار می کردند۔“

نہر چیدنش دستا مانده شد زبس گوہر و زر کہ افشانہ شد
و راجہ بھگوانداس از اقسام بہتر از طلا آست و پار چہائے نفیس و اقمشہ و طویلہای
اسپان و یکصدہ تخمیر فیل و غلامان و کنیزکان حبشی و چرخس و ہندوستانی چنداں بنظر اشرف
گزرانید کہ محاسن و ہم اندیشہ از احصاء آں عاجز آمدند مجلس بزرگمانہ و جشن خسروانہ
آراستہ شد۔“

شریف الملک متغافل ترک کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ انیسویں سال طوس
اکبری میں شاہزادہ کی عمر جب پندرہ سال کی ہوئی تو ۹۹۳ ہجری (۱۵۸۵ء) میں
راجہ بھگوانداس کی بیٹی (لمن سنگھ کی بہن) سے اُس کی خواستگاری و نسبت

۱۷ طبقات اکبری، صفحہ ۶۶۔

۱۸ صفحہ ۶۹۔

۱۹ مشرقی کچھی کھین نے ”مثل ایمازہ“ صفحہ ۱۱۱ میں ۱۵۶۶ لکھا ہے۔ فارسی تاریخوں سے ہجری کا
ماہ دوم تحقیق ہونے کے بغیر میں اس کی مطابقت و تصدیق سے قاصر ہوں۔

کی گئی تھی۔ راجہ نے بھی اس موقع پر نیاز و پیشکش کے تمام لوازم ختم کر دئے اور اس قراہت و شادی کو اپنے اسلاف و اخلاف کے اعزاز و افتخار کا وسیلہ سمجھا۔ تمام شاہزادوں اور بیگمات اور امراء و سرداران شاہی اور ملتان خدمت کو ان کے شایان شان سامان ضیافت بھیجا۔ شاگرد پیشہ اور اہلیوں (بادمی گارڈ) کو نام بنام سراپا (خلعت) بھیجے۔ اس تقریب کی عظمت و جلالت اور مورخ کی تحریر کا انداز شوکت خود اسی کا مختصر نویس قلم ظاہر کر سکتا ہے۔

”میں قدسیہ راجہ بنگو انداس را کہ اذا عاظم امر اسے اس دولت ابد مقرون بود و در زمرہ راجہاے نامدار بہ مزید شوکت و اعتبار اختصاص داشت، بہمت آں حضرت خواستگاری نمودند و دولت خانہ خاص و عام را آئین بستہ جشن بلو شاہانہ ترتیب دادند۔ حضرت عرش آشیانیؑ پور و مقدم اقبال تو ام منزل راجہ را پایہ آسمانی بنجیدند و آں بالا کو مجد و عصمت و عفت را بگوہر یکتا سے رطافت و سلطنت عقید از دوارج نجمتہ امتیاز (تسلیع) بستہ بدولت سراسے جاوید آوردند۔“

غلام شاہ بنگو انداس سلطنت کے بڑے امیروں میں سے تھا۔ نامور راجاؤں میں شمار ہوتا بلکہ اُس کی خصوصیت اور اُس کا اعتبار اور اس سے زیادہ تھا۔ راجا کی بیٹی جہانگیر کے لئے مانگی گئی۔ دولت خانہ خاص و عام کی آئینہ بندی کی گئی۔ بادشاہانہ جشن منایا گیا۔ خود اکبر

۱۵ دربار اکبری، صفحہ ۵۲ تاریخ فرشتہ جلد اول، صفحہ ۲۲۶۔ سیر المتاخرین، جلد اول، صفحہ ۱۸۶۔

مسٹر دکن آگرہ ہینڈ بک، صفحہ ۲۶۔ کرنل میسٹر، اکبر اور سلطنتِ مغلیہ کا عروج، صفحہ ۲۸۔ تاریخ

تاج از منشی معین الدین، صفحہ ۴ ٹوٹ۔

۱۶ دیباچہ ترک جہانگیری، صفحہ ۵۔ نیز آثار الامراء، ج ۲، ص ۱۳۰۔

۱۷ مرنے کے بعد اکبر بادشاہ کا لقب قراہ پایا تھا۔

”دہم دریں سال صبیہ راجہ بھگوانداس راطوسے و جشن عظیم کردہ بعقد شاہزادہ محمد سلیم کو در۴
شاہ نواز خاں کہتے ہیں کہ ”سال بسبت و نہم دختر عفت بہر شہت راجہ رابا شاہزادہ سلیم
بیوند پیو گانی بستند۔“

یہ راجہ بھگوانداس کچواہہ دالی جے پور اکبر کا امیر الامرا بڑا مقرب و متعمد آرمودہ کار
سپہ سالار اور بد برو منظم صبیہ دار تھا۔ بہت سے کارہائے نمایاں کئے اور بارہا شجاعت و بہت
کئے جو ہر دکھائے تھے۔ اُس کی تعریف اسی قدر کافی ہے کہ راجا بھارل کا بڑا بیٹا اور مرزا
راجہ ملن سنگھ فتح سیواڑ دگورز کابل و بہار کا نامور باپ تھا۔ [لالہ سجان رائے ان دونوں
ناموں کو بالترتیب بھگونت داس اور بہاری مل لکھتے ہیں۔]۵

شیخ عبدالقادر بدایونی نے اس تقریب شاہانہ کی دھوم دھام اور آرائشوں کے
حالات کسی قدر زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں۔ بدایونی نیز بہادر شاہی کا بیان ہے
کہ اکبر نے مصالح ملکی اور مہام سلطنت کے لحاظ سے ۹۹۳ھ ہجری میں تجویز کیا کہ شاہزادہ
ولی محمد (جہانگیر) کا عقد قرابت نامور خاندان کچواہہ سے کیا جائے۔ یا جیسا کہ بقول
علامہ شبلیؒ بعض اہل راز کی روایت ہے ”راجہ بھگوانداس نے اپنی بیٹی دینا از خود اپنی مرضی
دعاشی سے منظور کیا تھا۔“

”مجاہد کیوں ہے! میں ضامن اوھر دیکھ شہیدانِ تگہ کا خون بہا کیسا!!
جوان دولت، جوان نجات، جوان سال شاہزادہ (سلیم) سوگہ برس کا تھا۔ بادشاہ

۵ آثار الامرا جلد دوم، ص ۱۳۰۔

۶ خلاصۃ التواریخ، صفحہ ۳۹۲۔

۷ مجموعہ کلام شبلی، صفحہ ۵۱۔ و۔ آثار الامرا، جلد دوم، صفحات ۱۱۱، ۱۱۲۔

۸ پروفیسر بی بی پرشا و اپنی تاریخ جہانگیر (صفحہ ۲۹) میں لکھتے ہیں کہ شادی کے وقت سلیم کی عمر
پندرہ برس پانچ مہینہ تیرہ دن تھی۔ علامہ امین ہر دی رشتہات الفضول میں سولہ سال کا سن بتاتے ہیں

مع تمام اہل اور دیباہوں اور خدم و حشم کے راہ کے گھر گیا۔ مجلس عقیدیں ایک طرف شرفاً اسلام مفتی وقاضی رونق افزا تھے؛ دوسری طرف ہندو عمامہ پر دھت، برہمن اور چٹت جلوہ افروز پہلے مسلمانوں کے طریقے پر نکاح ہوا، خطبہ پڑھا گیا۔ دو کروڑ تھکے (یا حسب تحریر آثار الامرا) دو کروڑ روپیہ کا مہر باندھا گیا۔ پھر ہندوؤں کی ساری زمینیں انجام دی گئیں۔ پھیرے پڑے۔ ہون ہوا۔ جملہ گاہ عروسی یعنی دھن کے گھر سے دھاک کے عشرت کدہ تک خود بادشاہ سلامت (اکبر) عروسی محاذ (چوڈلہ یا پالکی، نالکی) پر اشرافیاں بچھا کر تالا یا پالکی کو ایک طرف بادشاہ کندھا دئے تھا، دوسری جانب شہزادہ۔ راستہ بھر قیمتی اور پرتکلف ریشی کپڑوں کا فرش بچھا تھا۔ راہ سے سنے جینے بھی دل کھول کر دیا۔ اہطل کے اہطل خالی کر دئے۔ ان میں عراقی بھی تھے، عربی بھی، کچھی بھی، ترکی بھی، کہ اُس زمانہ میں گھوڑوں کی اچھی سی بھی نسلیں بھی سمجھی جاتی تھیں۔ سوہاگنی تھے اور سیکڑوں لوڈی غلام۔ ہندوستانی بھی حبشی بھی، صنعتی دھت چکرس بھی۔ مرصع و مختل آلات و زیورات، سونے چاندی کے ظروف، طح طرح کے برتن اور اسباب غرضکہ سب کچھ دیا اور بہت کچھ دیا۔ امرائے شاہی اور سرداران ہرہای کو بھی حسب مرتبہ وحیثیت خلعت اور گھوڑے مع بیش قیمت زمین اور جڑاؤ ساز و سامان کے عطا کئے۔ ادیاق ضل میں بھی یہی اہتمام اور داد و دہش اور جہیز کا تکلف مذکور ہے۔

۱۷۰۰ء کرنل می لین، جو الہ شج ابو الفضل و مشر بلاغ مین (نوٹ صفحہ ۱۶-۱۷ آئین اکبری) تحریر کرتے ہیں کہ ایک تنکے کا وزن دام کے پانچویں حصہ کے برابر ہوتا تھا۔ دام ایک سی سکھ تھا، جو ایک روپیہ کا چالیسواں حصہ مانا جاتا تھا (ایضاً صفحہ ۳۱)۔ بیس ملین تنکے = دو لاکھ ساٹھ ہزار روپیہ (اکبر اور سلطنت منلیہ کا عروج صفحہ ۱۲۱-نوٹ)۔

۱۷۰۰ء آثار الامرا، جلد دوم، صفحہ ۳۰ تاریخ جہانگیر از ڈاکٹر مینی پرشاد، صفحہ ۲۹۔
۱۷۰۰ء محمود کا مشہور غلام (ایاز بھی حقانی الاصل تھا) (فرشتہ) مگر چھ صاحب سیر المتاخرین (جلد اول، صفحہ ۱۰۰) کا بیان ہے کہ وہ آئی کشمیر کا بیٹا تھا اور ایک شاہزادہ۔
۱۷۰۰ء صفحہ ۳۳۔

’شعراے دولت نے مبارک بادیں پیش کیں۔ ابو الفیض فیضی نے یہ قطعہ تاریخ ندر دیا، جس کے ہر مصرع سے تاریخ نکلتی ہے۔^{۵۱}

زہے عقد درپاش سلطان سلیم کہ پر تو درہ سال اُمید را
ز پروردین آفتابِ دَول قرآنے شدہ ماہ وناہید را (۱۹۳۳ء)
ابو الفضل نے عرض کیا:-

دین و دنیا را مبارکباد کیں فرخندہ عقد از برائے انتظام دنیا و دین بستہ اند
دنگارستانِ دولت نور چشم شاہ را جملہ چوں پردہاں دیدہ رنگین بستہ اند
شیریں زبان و شیوا بیان شبلی نے بھی اس تقریب کو تین سو برس بعد یاد کیا ہے۔ اُن
کے دلاویز قطعہ کے بہت سے شعر زبانوں پر رہتے ہیں (اول و آخر چھوڑ کر)
قرابتِ راجگانِ ہند سے اکبر نے جب چاہی

کہ یہ رشتہ عروسِ کشور آرائی کا دیور تھا
تو خود فرماندہ جے پور نے نسبت کی خواہش کی
اگرچہ آپ بھی وہ صاحبِ دیہیم و افسر تھا
ولی عہدِ حکومت اور خود شاہنشہ اکبر

گئے انبیر تک جو تخت گاہ ملک دکشور تھا
اُدھر راجہ کی نور دیدہ گھر میں حملہ آرا ہتی
ادھر شہزادے پر چترِ عروسی سایہ گستر تھا

دُھن کو گھر سے منزل گاہ تک اس شان سے لائے
کہ کوسوں تک زمین پر فرشِ دیباے مشجر تھا

۵۱ مفتاح التواریخ، صفحہ ۲۷۷ - واکینامہ جلد سوم، صفحہ ۳۵۶ -

۵۲ مجموعہ کلام شبلی، صفحہ ۵۱ - (ہمارا طرز حکومت) -

دھن کی پالکی خود اپنے کندھے پر جو لائے تھے

وہ شاہنشاہ اکبر اور جہانگیر ابن اکبر تھا
نواب نصیر حسین خاں خیال نے اس واقعہ کو دلچسپ انداز اور شیریں عبارت میں لکھا ہے
بتغیر خضعت اس کا نقل کر دینا ناگزیر ہے۔

مُطایانِ عہد نے لاکھ گھوڑا اور نظریں لگائیں مگر جو ہونے والا تھا وہ ہو کر رہا۔ یہ (ہندوں
اور مسلمانوں) کا عقد اتحاد بندھا اور خوب بندھا۔ رشتہ مضبوط ہو گیا۔ شہزادہ سلیم دولہا بنا۔
بادشاہ خود بیابنے گیا۔ رچوتوں کی عزت بڑھائی۔ برات جمی اور رچی۔ منڈھا چھوایا اور خوشی کا
یہ گیت گایا گیا۔

پرست بانس کٹا مورے بائیل نئے کا منڈھا چھوائے رے
منڈھے اوپر گھلس برا بے دیکھیں راجا راءے رے
ان بولوں کے ختم پر دھن کا چنڈول آیا۔ بادشاہ آگے بڑھا۔ دولہا (سلیم) کو بلایا۔
اُس سے نالکی اُٹھوائی۔ پھر خود کندھا لگایا۔ سب کا دل بھر آیا۔ راجہ راؤ سامنے آئے۔
ہاتھ باندھ کر اس عزت افزائی کا شکر یہ ادا کرنے اور بھرے دل سے کہنے لگے۔

ہماری بیٹی تمہارے محلوں کی چیری ہم ہاند گلام ہے

ہماری تمہارے لوٹدی بندے غلام

بادشاہ اس پر بالیدہ ہو کر جواب دے رہا تھا۔ نہیں، نہیں

تمہاری رے بیٹی ہمارے محلوں کی رانی۔ تم صاحبِ سر وار ہے۔

تمہاری ہمارے

اس پر ایک کوک پڑ گئی۔ دُلسن رخصت ہوئی۔ اور رچوتوں کی بیٹی اکبر کی بہو اور ملکہ ہند بنی

پارٹ رائی کلائی ۷

شاہ نوار خاں نے آثار الابرار میں اس تقریب کو تقریباً پوری تفصیل (مندرجہ بالا) کے ساتھ درج کیا ہے۔ مگر جیسا کہ اُن کی اور بعض اور مسلمان مورخین کی روش ہے کہ اس وادی میں پھونک پھونک کر قدم رکھا ہے۔ لکھتے ہیں کہ

”عرش آشیانی بفضوح قدم، منزل راجہ را روشنی افزود۔ اوسٹن خسروانہ ترتیب دادہ جہاز عروس با پیشکش از نظر گزارانید۔ کہ تفصیل آن محمول بر سبالنہ می شود۔“

صاحب مفتاح التواریخ (سٹریبل) نے بھی تقریباً یہی سب واقعات اپنے متقدمین کی تحریرات سے کم و بیش نقل کر دیے ہیں۔ ”امر لے ہندو“ میں بھی یہی تفصیل مرقوم ہے۔^{۷۵} کرنل میلی سن اپنی تاریخ اکبر اور سلطنت مغلیہ کے عروج میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ شادی فتح پور سیکری میں بڑے احتشام اور پورے مراسم کے ساتھ انجام دی گئی تھی۔ بڑی خوشیاں منائی گئی تھیں۔^{۷۶}

شیخ ابوالفضل، مولانا نظام الدین اور تمام معاصر مورخین کی تحریرات سے راجہ بھگونت داس کے یہاں بادشاہ کے تشریف لے جانے اور محفل دیہات کی رونق بڑھانے کی متفقاً تصدیق ہوتی ہے۔ لیکن اکبر صرف اپنے ہی شاہزادوں کی شادیوں میں خود نہیں جاتا تھا، بلکہ ہندو

۷۵ جلد دوم، صفحہ ۱۳۰۔

۷۶ صفحہ ۲۷۶۔

۷۷ صفحہ ۸۲۔

۷۸ صفحہ ۱۳۸۔

۷۹ اکبر نامہ، دفتر سوم، صفحات ۳۵۶، ۵۰۹۔

۸۰ طبقات اکبری، صفحہ ۳۶۶۔

امیروں اور عزیزوں کی تقریبات میں بھی اسی طرح بے تکلف و تامل شرکت کرتا تھا۔ اکبر نامہ سے پایا جاتا ہے کہ سلطنتِ جلوس یعنی فستلہ میں اس نے رام داس کی ٹوکی کی شادی سام سنگھ سے کی تھی تو خود دہلی والوں کے یہاں گیا تھا۔ عزت افزائی کی تھی۔ پانچ لاکھ روپیہ مرحمت فرمایا تھا۔^{۱۵}

آج کل کی دنیا شاید اس کو حکمتِ عملی یا مصلحت کو شے سے تعبیر کرے یا اکبر کی ہمہ گیر و مصلح اندیش پالیسی سے مگر واقعہ یہ ہے کہ اکبر کا یا کسی اور بادشاہ کا بیٹے کی سنگائی کے لئے، یا شادی بیاہ کے موقع پر سہمی کے یہاں جانا آئینِ شرافت اور دستورِ قرابت کا پہلا باب تھا، اور اب بھی ایشیائی ممالک کے رسوم و آداب میں اُسی قدر ضروری و اہم سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ اسی تقریب کے سال بھر بعد، یعنی جب جہانگیر سترہ برس کا ہوا، تو سلطنتِ ہند میں اس سے بھی زیادہ رفیع و الیام، کو کتبہ و احتشام، جماعت و ابنوہ، فرو شکوہ، شوکت و شان اور آن بان کے ساتھ اس کا نقش ثانی تیار کیا گیا۔^{۱۶} اور نہ تنہا اکبر بلکہ تمام بیگمات و خدرباتِ محرم سراے سلطانی، دہلی کے لینے کے لئے، اُس کے گھر گئیں۔ خانی خاں لکھتے ہیں:۔

”خوش فرخندہ اختر راجہ اودے سنگھ پسر راجہ مال دیو زمر زبان مار و اڑم کہ در حسب و نسب

۱۵ اکبر نامہ، دفتر سوم، صفحہ ۸۴۶۔

۱۶ دیباچہ ترک، صفحہ ۵۔

۱۷ کین صاحب اس شادی کا سال ۱۵۷۸ء اور شاہزادہ خرم کی ولادت ۱۵۹۲ء میں، اور

رائی کلاہ فی نامِ مجددہ بانی بتاتے ہیں (مغل ایسٹری، صفحہ ۸۱) تاریخ ہندوستان از مسٹر ڈی لافوس،

صفحہ ۹۸۔ سیرالست آفرین، ج ۱، ص ۱۸۶۔ دکن صاحب کی اگرہ ہیبت ٹیپک،

ص ۲۶۔

۱۸ مقب اللباب، حصہ اول، صفحہ ۲۴۵۔

دولتِ موروٹی، برہمہ راج ہائے عالی تبارِ افتخار داشت، بعقد آں گوہرِ بحرِ سلطنت و جہانبانی
 نیز در آوردہ خود بذاتِ شریف و ہمہ جملہ نشینانِ سرچہ عصمت، رونقِ افزائے خانہ و کاشانہ
 راجہ گر دیدند۔ و بخورِ رتبہ و دستورِ سرور آریان ہند لوازمِ شادی بہ تعہدِ رسائیدند
 راجہ مال دیوکا بیٹا راجہ اودے سنگھ (والی مارواڑ) حسب و نسب اور موروٹی دولت
 میں تمام بلند مرتبہ راجاؤں سے ممتاز و مغتر تھا۔ اُس کی لڑکی کے ساتھ شاہزادہ کا عقد ہوا۔
 بذاتِ خود بادشاہ اور تمام بیبیاں اور بیگیں، راجہ کے یہاں گئیں اور ہندوستان کے بادشاہوں کے
 رتبہ اور دستور کے مناسب لوازمِ شادی انجام پائے۔

میر غلام حسین خاں سیر المتاخرین^{۱۵} میں راوی ہیں کہ (اودے سنگھ عرف) مٹا راجہ نے
 اپنی عزت و آبرو بڑھانے کے لئے بڑی شاندار مجلسِ ترتیب دی اور آراستہ کی تھی۔ خود بادشاہ
 کے آنے کے واسطے درخواست کی تھی۔ اکبر نے پاس عزت کر کے اُس کی خواہش قبول کی اُس
 کے گھر بگیا اور اعزاز و افتخار بڑھایا۔

شبلی کی تربت منور رہے، سچ فرمایا ہے۔^{۱۶}

یہی ہیں وہ شہیم انگیزانِ عطرِ محبت کی کہ جن سے ہندوستان تک معطر تھا
 تذکرہ خسرویں لکھ چکا ہوں کہ ان مخلوط و مختلط قراتوں کے متعلق دوست و دشمن سب
 یکساں رائے رکھتے ہیں۔ رہا باہمی طریقِ عمل اور سلوک و مروت۔ اور اقی تاریخِ شاہد ہیں کہ حق
 پسند و منصف مزاج دوست بھی اعتراض و حوت گیری سے معاف نہیں رکھتے۔ بر ملا سب کچھ
 کہہ ڈالتے ہیں۔ مگر اس کا کیا علاج کہ ہر حال میں اپنے، اپنے سمجھ جاتے ہیں۔ ان کے اقوال
 کی آپ کے یہاں وقت نہیں۔ میرے نزدیک ضرورت نہیں۔ اس لئے

صرف بعض مصلحت شناس و باخبر انگریز مورخین کی تحریرات نقل کر دینا کافی ہو گا۔

کرنیل نیلین اپنی تاریخ اکبر میں لکھتے ہیں کہ سلیم کی شادی اوجے سنگھ راجا جودہ پور کی لڑکی، مار شاہ جہاں سے ہوئی۔ اسی شاہ جہاں کی بدولت راجپوتی خون کو وہ منزلت و مکت حاصل ہوئی جس سے ہندوستان میں کوئی آگاہ نہ تھا۔ اور اس شادی سے کیسے کیسے اچھے نتیجے حاصل ہوئے۔ کرنیل ٹاڈ لکھتے ہیں کہ اکبر نے رشوت دے کر اس کو حاصل کیا تھا۔ یعنی چار صوبے مرحمت فرمائے تھے جس سے مارواڑ (جودہ پور کے محاصل دو چہند ہو گئے تھے۔

مشرایج جی۔ کین، "مغل ایمپائر" میں لکھتے ہیں "اکبر نے وسط ایشیا سے تعلقات قربت و ازدواج قطع کر دئے اور امیر کے کچھواہہ خاندان سے شادی بیاہ کر کے اتحاد و یگانگی کی بنیاد قائم کی۔

اس نے ہندوؤں سے رسم و راہ پیدا کر کے اپنی رعایا کے لئے عمل و موافقت کی ایک شاہراہ دکھادی۔ دوسرے موقع پر لکھتے ہیں کہ نہ تو اکبر نے، نہ جہانگیر نے اپنی ہندو رانیوں یا بیبیوں کو تبدیل مذہب کرایا۔ نہ اسلام اختیار کرنے کی ترغیب دی۔" انجینئر ڈکن صاحب ان بادشاہوں کی مذہبی رواداری رانیوں کی ہندوانہ پرستش اور آزادانہ عبادت گزاری کی تحسین کرتے اور محلات سلطانی میں ان کی ضروریات اور ہوجا پاٹ کے مناسب حال تعمیرات کا ذکر فرماتے ہیں۔ نامور میکس مولر نے اپنی نفیس تصنیف "سائنس آف ریلیجین"

Science of Religion کے حصہ اول میں اس بارہ میں سیر حاصل بحث کی اور مشہور کتاب فرینڈس اینڈ فوے۔ *Friends & Foes* (دوست و دشمن) سے اقتباسات و نقابات دئے ہیں۔

ٹامس کارپٹ صاحب *Roman Company* تو اس درجہ تک بڑھ کر کہہ گئے ہیں کہ جہانگیر اُن لوگوں کو پسند ہی نہیں کرتا ہے جو اپنا مذہب بدل دیتے ہیں۔ وہ اپنے خود ساختہ مذہب کے سوا

۱ صفحہ ۱۸۳۔ نیز ۲۳۔

۲ صفحہ ۱۱۰۔

۳ آگرہ کی پیٹریک صفحہ ۶۲۔

۴ ایضاً صفحات ۲۲، ۲۹، ۲۲۹ نوٹ ۲۳۹۔

بت شکن بھی حجت اسلام ہے بت گر بھی ہے فقہ شہابی میں مسجد ہے جہاں، مندر بھی ہے۔
۵ منقول از منزل ایسا پر صفحہ ۱۱۶۔ اصل کتاب کا نام *Creed and Creed* "خامیاں" ہے۔ اور اسکی تحفہ بندی نہیں ہے۔

کسی دوسرے دین کا پابند ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُس کی سلطنت میں تمام مذاہب کا یکساں احترام ہے، "کیون صاحب کہتے ہیں کہ درجہ انگیر جب ولی عہد سلطنت تھا تو اکبر نے اُس کی ہندو رانیوں کے لئے فتح پور سیکری میں مکانات بنوائے تھے اور بقول فرگسن صاحب ان محلات پر ہندوؤں نے خصوصاً جین وضع کی آرائش و تزئین کرائی تھی۔" مسٹر اسٹینلین پول اپنی تاریخ "قرون وسطیٰ کے ہندوستان" میں راوی ہیں کہ اکبر کی جے پوری دھن آزادی کے ساتھ اپنے مذہب دہلت کے تمام رسوم و ارکان ادا کرتی تھی۔ اور ہندوؤں کی معینہ قربانیاں بھی کرتی تھی۔ ونسٹ اسٹمہ صاحب کا قول ہے کہ مذہبی معاملات میں جہانگیر اپنے باپ ہی کی طرح رواداری برتنا تھا۔ مسٹر وھیلر بحوالہ منوکی لکھتے ہیں کہ عالمگیر کی ملکہ ایک راجپوتانی شاہزادی اُس کی پہلی اور جوانی کی بی بی تھی حرم سرسے شاہی میں بڑا سوخ اور اثر رکھتی تھی۔ محل کے اندر اپنے بتوں پر خوشبوئیں عطا کرتی تھی۔ اس کا شوہر اگرچہ سخت پابند مذہب تھا، لیکن اُس کے دینی معاملات میں دست اندازہ نہ ہوتا، دخل نہ دیتا تھا۔ اور نگ زیب اور زوال دولت مغلیہ میں بھی کم و بیش ایسا ہی تحریر ہے۔ سچ ہے پر دانہ چراغ حرم دیر نہ اند۔

خانی خان متعب اللباب میں لکھتے ہیں کہ اورنگ زیب کی بی بی نواب بائی بیگم، شاہ میر نام ایک سیدی بیٹی تھی۔ کشتوار (علاقہ کشمیر) کے راجہ نے اپنی بیٹی سید کو دے دی تھی۔ سید نے اُس کو مسلمان کر کے عقد کر لیا۔ ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی راجہ نے تربیت و عنقراری کی۔ سید صاحب جج کو تشریف لے گئے اور وہیں وفات پائی۔ راجہ نے اُن بچوں کی اپنے طور پر پرورش کی۔ شاہ جہاں نے جب اُس راجہ کی بیٹی اور بانج و خراج چاہا تو یہی لڑکی سید زادی جو حسن صورت اور سیرت و ذکاوت میں موصوف تھی مع جہیز

نلہ آگرہ بینڈ بک صفحہ ۷۱۔

نلہ صفحہ ۲۵۱۔

۳۵ نوٹ نمبر ایک، سلی بن صاحب کی کتاب پر، صفحہ ۴۰۵، جلد اول۔

۳۶ تاریخ آگرہ از خان بہادر سید محمد لطیف، صفحہ ۴۹۔

۳۷ سلسلہ حکمرانان ہند آکسفورڈ صفحہ ۲۱، نوٹ۔ درجہ سواراج عمری اورنگ زیب، صفحہ ۳۱۶۔

۳۸ ملا نظام الدین جہروی نے طبقات اکبری میں لکھا ہے کہ ولایت مکتواری کا نام کشتوار تھا۔

اور بیشک کے بیچ دی گئی۔ شاہ جہاں نے معلم اور انگلہ مغلانیاں آداب سکھانے کے لئے معین کیں اور شاہزادہ اورنگ زیب سے عقد کر دیا۔ اسی کے بطن سے شاہ عالم، بہادر شاہ تھانے۔

اسی بد نصیب و بد نام اورنگ زیب کے مآثر میں مشر و نکلن تحریر فرماتے ہیں^۱ کہ شاہزادہ دلی عہد محمد معظم کی ماں راجپوتنی تھی۔ واقعہ ذیل اُس کی یادگار ہے۔ حرم شاہنشاہی کی ملکہ دالکہ پہلے شہنشاہ کی بہن روشن آرا بیگم تھی۔ اُس کا درجہ ورتبہ سب سے بلند تھا۔ مگر افسوس ہے کہ اُس نے اپنی عظمت و وقار کو قائم نہ رکھا۔^۲ ۱۶۶۱ء میں اورنگ زیب بیمار پڑا۔ موت کا اندیشہ سب کے پیش نظر تھا۔ اسی حال میں بیگم نے بادشاہ کی مہروالی انگوٹھی چپکے سے اڑالی۔ شاہزادہ محمد معظم کو محروم کر کے اُس کے بھائی محمد اعظم کو جو صرف چھ برس کا تھا تخت و تاج دلانے کی سازش میں شرکت کرنے لگی۔ کیونکہ یہ بچہ ایک مسلمان سلطانہ کے بطن سے تھا۔ بیگم کا مقصد یہ تھا کہ اعظم جب تک نابالغ ادا نہ قابل حکمرانی رہے گا عنان سلطنت میرے ہاتھ میں رہے گی۔ اور میں فرمانروائے مطلق بنی رہوں گی۔ معظم کی راجپوت ماں نے محافظان شاہی (گارد) کو رشوت دے کر اپنے خاوند کے کمرے تک کسی نہ کسی طرح رسائی حاصل کی۔ لیکن بادشاہ اُس

۱۔ منتخب اللباب، حصہ دوم، صفحہ ۴۰۲۔

۲۔ اگر آہ بنید بک، صفحہ ۴۲، نوٹ نمبر ایک۔

۳۔ روشن آرا بیگم شاہ جہاں کی سب سے چھوٹی بیٹی، اورنگ زیب کی بہن اور بڑی خیر خواہ و وفا شعار تھی۔ شاہزادہ مطابق ۱۶۶۹ء میں فوت ہوئی۔ شاہ جہاں آباد میں اپنے ہی لقب کردہ باغ موسوم بہ باغ روشن آرا میں دفن کی گئی۔ (ایلیس ڈکسنری، صفحہ ۲۲۵) موزین لکھتے ہیں کہ عالمگیر و شاہ جہاں کے معاملات کو سلجھانے اور عالمگیر کو تاج و تخت دلانے میں ایک حد تک اُس کی ساعی جیلہ بھی شامل و شریک تھیں۔ عالمگیر نے بھی حق مہر و محبت ادا کرنے میں دریغ نہیں کیا۔ آگے مرتبہ و اعزاز کیا تھا۔ حرم سرانے سلطانی کے جلوس کے سلسلہ میں برنیر نے اُس کے ترک و احتشام کا بھی ذکر کیا ہے۔ لکھتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے آپ اپنے خیال کو وسعت پر وسعت دیجئے۔ آپ کے قیاس میں کوئی مرقع ایسا نہیں آسکتا جو اس سے زیادہ دل پر اثر ڈالنے والا اور شاندار ہو جو اُس وقت پیش نظر ہونا تھا۔ جب روشن آرا بیگم کی سواری ایک عظیم انسان ہاتھی پر بٹکتی تھی۔ فیروزہ بٹے ہوئے سونے کے میڈل مبر (ہودجہ) میں سوار پیچھے پیچھے پانچ چھ ہاتھیوں کی قطار۔ ان پر دیسے ہی جگہ گاتے ہوئے میڈل مبر کے ہونے اور ان میں ملکہ کی خواہشیں بھی ہوئیں، ان کے پیچھے امرائے دربار کی بیگمات کی سواریاں۔ سب ملاکر ساتھ ساتھ ہاتھیوں کی ایک قطار ہوتی تھی۔“ (سوانح عمری اورنگ زیب، ترجمہ اردو صفحہ ۲۰)۔

وقت بیہوش و بدحواس پڑا تھا۔ اُس کو پہچان بھی نہ سکا۔ روشن آرائی اس کو برأتِ یجا اور وصلِ نار و اقرار دیا۔ راجپوتی کو اتنا بڑا کیا کہ اُس کا چہرہ داغدار ہو گیا۔ کمرے سے سختی کے ساتھ نکلا دیا۔ اور نگ زیب نے صحت پائی اور یہ حال سنا، تو شاہزادہ ولی عہد کی ماں کی اہانت و سوء ادب کو برداشت نہ کر سکا۔ بہت بُرا مانا۔ مہر شاہی کا چڑا لینا ایک ایسا جرم تھا جس کو اُس نے کبھی عفو نہیں کیا۔

اور نگ زیب کی ایک اور عظیم کی نسبت مسٹر اسٹینلی لین پول فرماتے ہیں کہ کام بخش کی لُ اوڈے پور بانی تھی۔ یہ ہی ایک عورت تھی جس کے ساتھ شاہنشاہ کو بیہ عدالت و تفریق تھا۔ اس ملکہ کی اصل دسل اور جذبات و فدا کے بارہ میں جو کچھ مجھے تحقیق ہو سکا ”حیاتِ جلیل“ میں گوارش کر چکا ہوں۔

مولف ”امراے ہندوستان“ اور ”تاریخِ آگرہ“ کا بیان ہے کہ آگرہ کے قلعہ کے محل میں ایک طرف پرکھا اور دوسری طرف مندر کے آثار اس وقت تک موجود ہیں جہاں معلوم ہوتا ہے کہ محلات شاہی میں راجاؤں کی بیٹیوں کو اپنے مذہب کے رسوم اور عبادت کرنے کی پوری آزادی حاصل تھی۔ بالافاضل میر بدایونی یہ راج کماریاں تخیروی قلعہ میں آنے کے بعد اپنے دھرم کے مطابق پوجا پاٹ کرتی تھیں۔ ٹھاکر جی کو محل پھول چڑھاتی تھیں۔ تلک لگاتی تھیں۔ پر کرما کرتی تھیں۔ ہون کرتی تھیں۔ مسٹر کین شاہجہاں کے بارے میں بہت سی باتیں الفنسٹن صاحب سے اور کچھ اپنے مشاہدہ و مطالعہ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ یہ امر قابلِ تحریر ہے کہ شاہجہاں نے ہندو خواتین کے ساتھ شادی بیاہ کا رواج اٹھا دیا جو اُس کے پیشرووں نے قائم کیا تھا۔

مسٹر ڈکن فرماتے ہیں کہ ”ترقی اسلام کی سرگرمی میں شاہجہاں کی نقصان رساں روش کا ثبوت اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے کہ اُس نے وہ طریقہ جو اُس کے متقدمین نے ہندو خواتین کے ساتھ

لے اور نگ زیب اور دولت علیہ کا زوال۔ از آئینہ ملی لین پول (سلسلہ فرما تروایان ہندوستان) مرتبہ سر ولیم دس ہنٹر
مطبوعہ آکسفورڈ، صفحہ ۲۰۱ نوٹ زیر ترقیہ اردو صفحہ ۳۱۶۔

۱۵ حیاتِ جلیل حصہ اول، صفحہ ۱۰۷ نوٹ ۸۲۔ ۱۵ صفحہ ۵۰ ۱۵ صفحہ ۷۹۔

۱۵ مغل ایمپائر، صفحہ ۱۲۱۔

۱۵ آگرہ، شہید بیک، صفحہ ۳۹ (نوٹ)۔

شادی کرنے کا نکاحا تھا باندہ کر دیا۔ اُس کی سب بی بیان مسلمان تھیں۔
یہ صحیح ہے کہ شاہجہاں کی کوئی بی بی ہندو نہ تھی۔ مگر یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ اُس کے محل میں کتنی
بگیں تھیں، خود مسٹر ڈکن بمشکل چار کا پتہ دے سکے ہیں۔ مسٹر بیل بھی اس سے زیادہ نہیں بتا سکے۔ پہلی،
منظفر حسین مرزا صفوی کی بیٹی۔ ایران کی شاہزادی، قدحاری بیگم خطابؑ جس کے رجب ۱۶۱۹ء (ستمبر
۱۶۱۰ء) میں شادی ہوئی تھی۔ پھر ہرنانو بیگم اسی کے بطن سے تھی۔ دوسری، ارجمند بانو بیگم، دختر آصف خان
مخاطب بہ ممتاز محل جس سے ۱۶۲۱ء (۱۶۱۲ء) میں نکاح ہوا تھا تیسری، شاہ نواز خاں سپر عبدالرحیم
خان، خان خانان کی بیٹی جس سے بقول ملا عبد الحمید لاہوری مولف بادشاہ نامہ ۱۶۲۷ء (۱۶۱۸ء) میں
محض بہ تقاضاے مصالح ملکی عقد کیا گیا تھا شاہزادہ جہاں افروز جو سال بھر کا ہو کر جاتا رہا اسی سے پیدا
ہوا تھا۔ چوتھی، فخروری بیگم یا فتح پوری محل جس کی اگر ۱۶۲۵ء اور دہلی کی فخروری مسجد میں دگا ہیں۔ بڑی سخی و دیندار
تھی۔ اور ایک اکبر آبادی محل جس نے آخر وقت تک رفاقت کی۔ اغرا انسا نام مقام ذی الحجہ ۱۶۲۷ء
(۱۶۷۷ء) کو اس جہاں سے رخصت ہوئی۔ سرسید احمد خاں اور مسٹر فرینچؑ نے صرف دو دو بیگموں کا ذکر
کیا ہے۔ منشی معین الدین ایک اور ملکہ سرہندی بیگم کا بھی نام لیتے ہیں، جس کا روضہ اکبر آباد میں موجود ہے
یہ سرہندی کے رہنے والی اور بڑی حسین و جمیل تھی۔

پھر شاہ جہاں پر اعتراض کرنے والوں کو بھی (ڈکن صاحب، صفحہ ۳۷) تسلیم ہے کہ شاہجہاں ایسا

۱۔ اگر بیڈیک صفحات ۳۶ - ۳۷ - ۱۸۵ -

۲۔ تاریخ مرقع، اگرہ، صفحہ ۴۱ - ۳۵ تاریخ مرقع، اگرہ صفحہ ۴۱ - بیلز، کٹنری صفحہ ۵۳ -

۳۔ معین الآثار، صفحہ ۱۱۶ - ۱۔ اگرہ بیڈیک صفحہ ۱۸۵ - ۲۔ آثار اصفادیہ، صفحہ ۲۷ -

۴۔ تاریخ تاج، انگریزی، صفحات ۸۷، ۸۲ - معین الآثار ۱۱۵ - ۱۔ اگرہ بیڈیک، صفحہ ۱۸۵ -

۵۔ بیل حمادی، کٹنری صفحہ ۸۹ معین الآثار، صفحہ ۱۱۶ - ۳۵ تاریخ مرقع، اگرہ صفحہ ۴۱ - نیز ڈاکٹر جی کاتر، تاریخ فتح، صفحہ ۱۳۲

۶۔ تاریخ تاج، صفحہ ۷۵ - آثار اصفادیہ، صفحہ ۱۹ - ۱۔ آثار اصفادیہ، صفحہ ۷۵ - ۲۔ سیاحت نامہ
بالای، صفحہ ۱۸۸ - مرقع، اگرہ صفحہ ۴۱ - ۳۔ ترجمہ فرخ بخش، ۱۲۸ -

۷۔ تاریخ تاج، صفحہ ۷۶ - ۱۔ معین الآثار، صفحہ ۱۱۲ -

سچا، پاکباز اور مدائی شوہر تھا کہ اگرچہ بڑے باؤ کی وفات (دسمبر ۱۹۲۹ء) تک اُس نے کسی دوسری طرف نظر نہ کی۔ وہ ادھیڑ عمر کی عورت جو شوہر سے بھی کچھ دن بڑی تھی اور پودہ بچوں کی ماں تھی ہو چکی تھی، کیا ہوس رانی و نشاط انگیزی اور عشرت پسندی کا ذریعہ ہو سکتی تھی!۔

بہر کیف میں نہیں سمجھتا کہ ان صاحبوں کی تحریر کس تحقیق یا اطلاع پر مبنی ہے۔ ہندوستان کی تاریخ اس کے خلاف شہادت دیتی ہیں۔ یہ سلسلہ جوان بے پوری، بودہ پوری اور انہوں کی دم قدم سے چلا تھا، فرخ سیر تک ختم نہیں ہوا۔ سب سے اخیر راجپوتی ہمارا جد اجیت سنگھ کی بیٹی تھی، جو دلی کے لال قلعہ میں آکر گھنہ بنی تھی۔ اس سیدہ طالع سیدہ قدم راجکمار کی شاندرا آمد شوہر کی معزولی و ہلاکت اور اُس کی ناشاد زندگی کے بارے میں ”حیات جلیل“ کے بہت سے درق سیا کر چکا ہوں۔ یہ صبح ہے کہ اکبر محل میں پانچ ہندو رانیاں بغیں اور جہانگیر کے یہاں سات۔ شاہجہانی جمن دیسی بھولیوں کی بہار اور نوشیرو سے ضرور خالی رہا۔ لیکن اس کے بھائی پر دیز، اس کے دونوں بیٹوں، مراد اور شجاع، کی محل سراؤں میں راج، دلا ریاں راج کماریاں رونق افرا تھیں۔ خود عالمگیر اورنگ زیب کی دو بیگیں راجپوت تھیں۔

شاہ جہاں سے شادی کرتے وقت جہانگیر نے ممتاز محل خطاب دیا تھا۔ مٹر کین نے اس کے مٹن و جمال، سلیقہ و کمال، ہمدردی، انسانی، سساکین و غریبا کی پرورش، یتیمی کی نگہداشت و حمایت، نیک، دلی دین داری کی مددیت و توصیف فرمائی ہے۔ (آگرہ ہیڈنگ بک، صفحہ ۱۲۸) محمد شفیع ٹکیتوی بھی بڑی تعریف کرتے اور لکھتے ہیں کہ ممتاز محل دختر نواب آصف خاں کہ مغریل زوجات آں خسرو شیریں کردا بود..... (مرآت دارالسننہ خطی عجائب خانہ برطانوی)۔

۱۵ بادشاہ ناسرہ عبدالحمید لاہوری، جلد اول، صفحات ۳۸۳ تا ۳۹۲۔

سوانح عمری اورنگ زیب، اردو (سلسلہ شاہسیر فرماں روا یاں ہند) صفحہ ۲۳ نوٹ۔

اورنگ زیب اور سلطنت مغلیہ کا زوال از اسٹینلین پول، صفحہ ۱۴۔ آگرہ ہیڈنگ بک، صفحہ ۳۷ (نوٹ)۔

تاریخ تلخ انگریزی از فیض معین الدین، صفحہ ۱۲۔ ترجمہ ماکٹر الامرا، از یو رنج، صفحہ ۲۹۴۔

۱۵ ماکٹر الامرا، خانی خاں، آثار عالمگیری، امراسے ہندو، میل، مجددانہ سرکار۔

۱۵ حیات جلیل، حصہ دوم۔ صفحہ ۶۳، تھوٹوے فرخ سیر از میر عبد الجلیل بلگرامی۔ زبدۃ الاخبار، قلعہ، صفحہ ۱۰۹۔

امراسے ہند، صفحہ ۷۱۔ میل کی ڈکشنری، صفحات ۱۳۰ و ۱۳۱۔ کین کی ہیڈنگ بک، مرحمہ، دکن، صفحہ ۴۷۔ گلستان ہند، دفتر دوم، صفحات ۲۱۶ و ۲۱۷۔

ایک راجہ کشنوار (کشمیر) کی پٹی یا حسب روایت منتخب اللباب) نواسی جس کے بطن سے بہادر شاہ تھا۔ دوسری اُدسے پوری، جس نے مرتے دم تک اپنے تاجدار سرتاج کا ساتھ دیا اور حق و دفا ادا کیا۔ اسی طرح اور تیموری شاہزادوں کو لیجئے۔ داراشکوہ کا فرزند سیلان شکوہ عالمگیر کے چاروں بیٹے، پوتے اور پرپوتے سب اسی شاہانہ سوغات سے مستفید و فیض یاب تھے۔ گورگانی یا صاحب قرانی شجرہ نسب میں ایسی سات راینوں کے نام روشن نظر آتے ہیں، جن کے ”پنی“ بھی مکٹ دھاری تھے اور ”مپتر“ بھی مکٹ دھاری ہوئے۔

آئے۔ اب ہم اور آپ خود بھی تو ان مختلط دیوندی قزاقوں کے قبائخ، محاسن، فوائد و نتائج پر نگاہ ڈالیں اور غور کر لیں۔

جبکہ صحنی الاسلام کی فصل اول میں علامہ احمد امین نے تحریر کیا ہے ”فاتح و مفتوح قوموں کی آمیزش حضرت عمر بن الخطابؓ کے عہد خلافت سے شروع ہو گئی تھی اور اس ازدواج باہمی یا بین الاقوامی سے ایک نئی قسم پیدا ہوئی تھی جس میں عربی و غیر عربی دونوں خون تھے۔ بلکہ اُس میں اُن تمام قوموں کی خصوصیات جمع ہوتی تھیں جن سے اس کا خمیر بڑا تھا۔ خواہ یہ خصائص جسمانی ہوں، عقلی، فطری ہوں یا روحی“ حضرت شہربانو اور سادات حسینی ان کی اولاد کو دیکھ لیجئے۔ اور یہ تو کھلا ہوا راز ہے کہ مختلف قوموں کے بایکدگر ازدواج اور مختلف افکار و خیالات کے باہمی امتزاج سے ادب و شعر، علم، عمل، ہنر، فن، وضع و قطع جتنے کہ مساوی و تکلفات اور روحانیت و الہامات ہر چیز میں عروج و ترقی ہوتی رہی ہے۔“

۱۵ فانی خاں حصہ دوم، صفحہ ۶۰۳۔

۱۶ پوری تحقیق ملاحظہ ہو۔ ادبیاتِ معل، صفحہ ۵۵۱۔ اور نگ زیب اور نوال حکومتِ مغلیہ، صفحہ ۲۰۱

نوٹ۔ نیز ترجمہ صفحہ ۳۱۶۔

۱۷ مطبوعہ مصر۔

انگلستان کا مشہور فلاسفر اور ادیب برنرڈ شاخلوٹنسل کے متعلق حسب ذیل نظریہ پیش کرتا ہے۔

”میں انگلستان کی بہتر نسل پیدا کرنے کے لئے اس امر کا قائل ہوں کہ اگر ماں ایک قوم کی ہو تو باپ دوسری قوم کا ہونا چاہئے۔ اگر اس اصول پر عمل نہیں کیا جائے گا تو نسل بتدریج کمزور اور خراب ہوتی جائے گی۔ انگریزوں کی نسل کو دیکھو جس میں غیر ملکی اقوام کے خون کی آمیزش پائی جاتی ہے۔ عام طور پر یہ آمیزش جس قدر زیادہ ہوگی، اُسی قدر اُس کے نتائج بہتر نظر آئیں گے۔“

کرنیل می لین ”اکبر اور سلطنت مغلیہ کے عروج“ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اکبر کے عہد تک راجپوت شاہزادے حقارت کے خیال سے مذہب اسلام کے شاہزادوں کے ساتھ اتحاد و ازدواج کرنے کا خیال چھوڑے ہوئے تھے۔ انکار تھا۔ مگر اکبر کی آرزو تھی کہ دونوں ایک ہو جائیں۔ نسل و مذہب کے اختلافات کسی انسان میں کوئی اختلاف پیدا نہیں کر سکتے۔ وہ اس اصول پر کاربند ہوا اور عمل میں لایا۔ اُس کو بہت سے تعصبات راہ سے ہٹانا پڑے۔ وہ غالب آیا، خصوصاً اُن پر جو راجپوت شاہزادوں کی طرف سے پیش ہوتے تھے۔ ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں کہ اپنے مقاصد اور اتحاد کے حاصل کرنے کے لئے اکبر نے جو وسائل و ذرائع اختیار کئے، اُن میں سے ایک تو وہ شادیاں تھیں جو اُس نے خود اپنی نیز اپنے خاندان والوں کی، اُسی ملک کے شاہزادوں کی بیٹیوں سے کیں۔ وہ جانتا تھا کہ شادی سے زیادہ کوئی ذریعہ مساوات کا نہیں ہے۔ اکبر کو حکمرانی کرتے زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا کہ اُس نے اس امر کی اہمیت کا اندازہ کر لیا کہ راجپوتانہ کے ہندو شاہزادوں کو اپنے تخت کے ساتھ ایسی گرہ سے وابستہ کر لے جو دوستی محض سے کہیں زیادہ قوی و قریبی ہو۔ یہ لکھنا کس قدر دلچسپی کا باعث ہے کہ اُس نے

راجستان کے اعلیٰ شاہزادوں کی طبیعتی و اندرونی تعصبات پر غالب آنے کا کیا انتظام کیا۔ وہ بھی ایسے اتحاد پر کیسے رضامند ہو گئے جس کو ان کی کثیر جماعت اپنے دل میں اپنی تحقیر و بے عزتی سمجھتی تھی۔^{۱۵}

شاہزادہ خسرو کے کتابی تذکرہ میں میں نے سیر حاصل بحث کی اور تاریخوں کی درق گردانی کر کے ان رانیوں کا ذکر کر دیا ہے جو اکبر سے بھی پہلے اسلامی فاتحین کے مشکوے حرم میں داخل ہو چکی تھیں۔ مثلاً، سلطان معز الدین سام اور راجہ اُچھ کی بیٹی^{۱۶} غیاث الدین خلجی اور رانی خورشید راجہ بھلانا کی بیٹی^{۱۷} ناصر الدین خلجی اور راجہ جھونداس کی بیٹی، جورانی بے پوری کہلائی تھی۔ نیز بھوانی داس پشور داس کی بیٹی رانی جتوری^{۱۸} جنہوں نے فرط اتحاد و محبت سے اپنے شوہروں کا طریقہ و مذہب اختیار کر لیا تھا۔ نظیری نے سچ کہا ہے۔

بیچ اکسیر بہ تاثیر محبت نہ رسد کفر آدم و دم ودر عشق تو ایماں کر دم
اس موقع پر ہنچکر کچھ صاف صاف باتیں بھی کہہ دالنا ضروری ہیں۔ اکثر مورخین و اہل قلم نے منصف مزاج ہو کر یہاں کریمہ تجویز کیا ہے کہ اکبر اور اس کے اخلاف و پس آئندگان کی یہ پالیسی نہایت کامیاب ہوئی۔ اور یہ اختلاط و ازدواج باہمی ملک و ملت راعی و رعایا سب کے حق میں نفع رساں اور نعمت و برکت ثابت ہوا ہے۔ اس سے پیشتر کیا کیفیت تھی۔ پروفیسر نجیب اشرف ندوی فرماتے ہیں۔
مجاہد کے ساتھ راجپوتوں کی بے وفائی اور کجروی خود ان کی شکست کا باعث ہوئی۔ رانا سانگھن فتح پور سیکری میں مغلوب ہوا۔ بابر و ہمایوں کی تاریخ کا ایک درق بھی ہم کو یہ نہیں بتاتا کہ ایک راجپوت نے بھی کسی وقت ان کا ساتھ دیا ہو۔ ہمایوں کی شکست اور شیر شاہ کی فتح کا سب سے بڑا سبب یہی تھا۔ بخلاف اس کے ان تعلقات و قرابت کے پیدا ہو جانے پر (بقول اسٹینلین پول) اس

۱۵ صفحہ ۱۸۱۔

۱۶ تاریخ فرشتہ، مقالہ دوم، صفحہ ۵۶۔

۱۷ تاریخ فرشتہ، مقالہ پنجم، صفحہ ۲۵۷۔ تاریخ ظفر الوالد بمظفر آباد۔ از حاجی و دیگر خود دوم، صفحہ ۲۰۹۔

۱۸ " " " " صفحہ ۳۱۲ ۵۵ طبقات اکبری، صفحہ ۵۷۳۔

۱۹ متعدد رتھات عالمگیر بطورہ دارالمنین، صفحات ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶۔

ملک کے بعض بعض راجا میں ہیں ہنر اور سوار کا لشکر لے کر اورنگ زیب کی رفاقت میں لڑے کو جاتے تھے اور ایسے راجاؤں کا شمار سو سے متجاوز تھا۔^{۱۵}

لیکن یہ نظریئے صرف بیگانہ ممالک اور غیر اقوام کے اہل الرائے بے مکالے ہیں۔ ہمارے عزیز وطن کے دانشمند مردوں نے اس کو بُری نگاہوں سے دیکھا اور ناپسندیدہ بتایا ہے۔ اس کے نتائج دونوں فریق کے لئے مُسفر اور نقصان رساں ثابت کئے ہیں۔ مولوی محمد کیئے فرماتے ہیں ^{۱۶} حقیقت یہ ہے کہ مسلمان بن حیثِ انتم اکبر کی پالیسی اور اُس کی لاندہی کو نظر استحسان سے نہیں دیکھتے۔ اور اگر غرض سے دیکھا جائے تو سلطنتِ مغلیہ کے زوال کا پیش خیمہ اکبر کی پالیسی تھی۔ اکبر نے راجپوتوں سے رشتے مانتے کر کے اُن کو اندر اور باہر سلطنت میں دخل کر لیا۔ حالانکہ محکوم قوم کا تالیفِ قلوب کرنا کتنا ہی عمدہ اور قابلِ ستائش فعل کیوں نہ ہو لیکن حاکم کو اپنی گردن اُس کے ہاتھ میں دے دینا موت اور زوال کی نشانی ہے۔ شاید یہ ہی راز تھا کہ بنی اسرائیل کی پرانی تمدن قوم غیر قوموں سے ازدواج و مناکحت ناپسند کرتی تھی۔^{۱۷} خود ہندوؤں کا خیال اس بارہ میں کیا ہے؟ اس کو بھی ایک روشن خیال تعلیم یافتہ اہل الرائے کی زبان سے سن لیجئے میرٹزا نال ملتا اپنے مقالہ موسومہ ہندوستانی تمدن میں اسلام کا حصّہ^{۱۸} لکھتے ہیں۔

”ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین بادشاہوں کی شادی بیاہ نے اتحاد کا کام نہیں دیا۔ ظاہر ہے کہ اسلام جو آزاد ہے کھائے پینے اور پریش کی بے معنی قیود کی جانب التفات نہیں کرتا بلکہ نظرِ عقارت سے دیکھتا ہے وہ کسی مستوی سطح پر ایسی سوسائٹی (جماعت) سے کیسے مل سکتا تھا جو لادبی طور پر رسمی طہارت و صفائی پر راجب ہے۔ اس لئے ہندوؤں کے نقطہ نظر سے یہ باہمی ازدواجات دوستی و محبت کے گہوارہ جنباں نہ تھے۔ بلکہ یہ اُن کی تذلیل اور خود اپنے لوگوں کو اپنے جماعتی مدارج کی حرص و ہوا کے اندر

^{۱۵} سوانح اورنگ زیب ترجمہ از مشاہیرِ فرزانویان ہندوستان، صفحہ ۱۶۰۔

^{۱۶} سیرِ المعنفین، جلد دوم، صفحہ ۲۱۹۔ مطبوعہ جامعہ پریس۔

^{۱۷} از رسالۃ الناظر، ماہِ ستمبر ۱۹۳۳ء، نمبر ۳۔

جہانگیر کی بے تعصبی اور غیر مذہب والوں خصوصاً مسیحیوں پر التفات و توجہ کے اعتراف و ستائش میں
سرنامس رو اور پٹر وڈیلا ویلے نے صفحے کے صفحے سیاہ کر ڈالے ہیں۔

باز آمد جہانگیر کی اس پہلی شادی کے پہلے ہی سال ۹۹۴ ہجری میں شاہزادی سلطانہ انسائید ہوئی
جو سلطان یگم بھی کہلاتی تھی۔ یہ تاریخ انگریزی حساب سے ۲۶ اپریل ۱۵۸۵ء کے مطابق ہوتی ہے۔ دوسرے
برس ۱۰۲۴ ہجری (۱۵۱۵ء) کو (ماہ رمضان ۹۹۵ ہجری = اگست ۱۵۸۵ء) بڑے بیٹے کی تلہ (لاہور میں) ولادت
ہوئی۔ دادا جان (اکبر عرش آشیان) نے سلطان خسرو نام رکھا۔ یہ بڑے لڑکے کا بڑا بیٹا تھا، اپنا پہلا پوتا۔
بڑے جشن منائے۔ خوب خوشیاں کیں۔ فرشتہ کہتا ہے۔

دو برس سال ۹۹۵ ہجری ولادت سلطان خسرو ولد شاہزادہ علیا شاہزادہ محمد سلیم ازختر را جہنگو انداس
روئے نمود۔ عرش آشیانی از طلوع اولین کوکب انیسرہ خوشحال شدہ در آرایش جشن بالقصۃ الغایتہ کو شید۔

مآظنام الدین احمد ہروی طبقات اکبری میں لکھتے ہیں :-

دو برس سال فرخندہ خاں (۳۳۳ھ = ۹۹۴ھ) ولادت سلطان خسرو ولد شاہزادہ جو اس تخت
سلطان سلیم از مہر عصمت و خیر را جہنگو انداس روی نمودہ و از آرایش جشن طوس ولادت میں شاہزادہ کہ

لے سیاحت نامہ صفحات ۹۸، نوٹ اور ۱۲۷ جلد اول صفحہ ۵۲ تلہ دیباچہ بزرگ جہانگیری صفحہ ۴۔ یہ شاہزادی ساٹھ
برس زندہ رہی تھی تلہ دیباچہ بزرگ صفحہ ۶۔ منتخب اللباب، عقد اول، صفحہ ۲۳۵۔ سال ولادت ۹۹۴ھ الفاظ و جملہ
دونوں میں لکھا ہے۔ ظاہراً طباعت کی غلطی نہیں ہو سکتی۔ آثار الامم جلد دوم، صفحہ ۱۳۰۔ اور منہاج التواریخ،
صفحہ ۳۴۳۔ اور قاموس المشاہیر جلد اول، صفحہ ۲۲۳ میں ۹۹۵ھ تحریر ہے تلہ سیر المتأخرین، جلد اول، صفحہ ۸۷ میں
لکھا ہے کہ راجہ جگنوت داس کی لڑکی سے سلطان سلیم کے بیٹا پیدا ہوا۔ خسرو نام رکھا گیا تھا۔ رشحات الفنون، جزو اول
میں بھی یہی مرقوم ہے۔ (دوق ۲۰ قلمی)۔ ۵۵ ترکوں میں دستور تھا کہ ایسے موقعوں پر ضیافت عام کرتے تھے۔ اور
دولت چند لوگ اپنے نوکر درں اور ملتر میں خدمت کو جوڑے دیتے تھے بلکہ جو پہلے اگر خوش خبری دیتا تو جو کچل پینے ہوتے
تھے وہ اُس کو اتار کر دیتے تھے۔ (قصص ہند، حصہ دوم، صفحہ ۸۲)۔ تلہ تاریخ فرشتہ جلد اول،
صفحہ ۲۶۶۔

اس مبارک موقع پر شاہزادہ سلیم نے اس بی بی کو شاہجہان کا خطاب دیا تھا۔ شاہ بیگم بڑی عقلی، دانشمند، نیرک و دور اندیش، دفاکیش اور غور تھی۔ اس کو اپنے شوہر سے الفت نہیں، عشق تھا۔ شوہر کی محبت بھی جنون محبت تک پہنچی ہوئی تھی۔ جس کو دوسری بی بی (جودہ بای) و ختم را جہ او دے سنگہ ابھی کم نہ کر سکی۔ اور اس کے حسن و جمال، ناز و نیاز کرشمہ و انداز کے تمام حربے بیکار ثابت ہوئے۔ ع۔

میں بھی دکھوں تو پلٹتی ہیں بنگا ہیں کیوں کر !

حالانکہ دونوں کے سوانح، لطیفے اور بادلہ سنجیاں دیکھ کر خشک مزاج و خشک دماغ "مقبول" کو بھی ماننا پڑتا ہے کہ جودہ بانی (جگت گوسایں) وہ خوش سلیقہ و خوش مزاج لکھ، وہ بھگارتاشیں، وہ عشرہ آستین تھیں، جس کی چشمکوں اور حاضر جوابی نے فتنہ ادا، ناوک انگن نور جہاں، بیگم کی خودت فہم در سائی طبع، بلکہ تابش حسن کو بھی ماند کر دیا تھا۔ جہانگیر کی ایک تیسری بیگم "صاحب جمال" امہ ہاسٹی تھی، جسے نامور اور کارگر دربار کی بیٹی۔ اکبر نے سلیم کی شادی اس سے کر دی تھی۔ یا جیسا کہ دربار اکبری میں تحریر ہے "مینا بازند

صفحہ ۳۷۱ سے منتخب اللباب حصہ اول صفحہ ۲۳۵۔ تاریخ الیث صاحب جلد ہفتم صفحہ ۲۷۸۔ ولس بیگرنی کل نوکری صفحہ ۵۲۔ وقاموس المشاہیر صفحہ ۲۴۲۔ وزیر خزانہ جہانگیری از بیورج صفحہ ۵۶۔ عشق سعید احمد لکھتے ہیں کہ بگت گوشاں؟ نام بطور سے جمعہ بانی کے نام سے مشہور ہیں نہایت دانش مند، نیک طینت خوش بیان شیریں کلام حاضر جواب اور با سلیقہ بیگم تھیں۔

راں کی حاضر جوابی کے اکثر لطیفے مشہور ہیں۔ ۱۔ امراے ہند صفحہ ۴۹ کہ کرنلی میں فراتے ہیں کہ وہ بڑے مضبوط ارادے اور دل در داغ کی شاہزادی تھی۔ (الکبراد سلطنت علیہ کا عروج صفحہ ۱۵۹۔ انصاف ہند حصہ دوم صفحہ ۱۱۷۱) سیر المآثرین میں بھی ایسا ہی مرقوم ہے۔ صفحہ ۲۰۵۔ اس قبیلہ بھیڑ بھڑاؤ کے دوسرے ایک مولوی سی بات ملک دین محتاج کے سیر مل ناس سے دومی

کئے غفلتوں میں) نقل کر دینا کافی ہے۔ نورِ مہربانِ شہزادہ لکھنے کے مگر آپ کے منہ سے ٹہری ہو آتی ہے۔ بلو شاہ نے یہ بات اپنی منگھ (۶) کی بی بی سے کسی کلمہ قلم سے غصہ کی ہو بڑی نہیں بتائیں۔ نورِ مہربان بتاتی ہے جو حبابی لہری کی ایک مود کا جو منہ سمجھے اسکو دوسرے کی ایک تیر ہو سکتی ہے۔ (صفحہ ۳۴) یہ مہربانہ فیروز پڑنگ دیکر۔ ۵۸ شہزادہ آزاد دہلوی (جنہیں ہند میں کہتے ہیں کہ محل میں راجہ مان سنگ کی بہن ہمارا مہربانہ جھ پڑ کی بیٹی) وغیرہ زبانوں اور زبانیں نہیں مگر وہ جہاں سے سب کے چہرے بن کر رہے تھے۔ (صفحہ ۱۸) یہ صحیح نہیں ہے۔ مان سنگ کی بہن تو بہت پہلے دیا نے دھت ہو چکی تھی صفحہ ۱۵۵۔

کی آمد رفت میں سلیم دجہانگیر کا دل زین خاں کو کہ کی بیٹی پر آیا اور اس پر آیا کہ عجب وہی میں نہ رہا۔ غنیمت ہوا کہ اسکی ابھی شادی نہ ہوئی تھی۔ اگر لے خود شادی کردی، لے بہر کیف شوہر کی بڑی محبوب رفیق اور چیتی بی بی تھی۔ لیکن سیوتنگا دس سے پوچھے۔ شاہ بیگم کے سامنے صاحب جمال کی کیا حقیقت تھی؟

برقی جمال مرہا پیکر ناز، آفریں !

[غند۔ پروگیاں عصمت و عفاف کے بارے میں جس خیال کی ادنیٰ سی جولانی یا قلم کی شوخی روا نہیں رکھتا لیکن یہ انہماک حقیقت حال تھا جو قلم سے بے اختیار نکل گیا۔ تہذیب جدید کی ضیا پاشی یا دور حاضر کے اثر پر محمول نہ کیا جائے۔ ابھی آپ سنیں گے کہ خود دجہانگیر شاہ بیگم سے (مومن کی زبان میں) کیا کہہ رہا ہے۔

افسوس کوئی پردہ فاشی پردہ در نہیں وہ حسن جس سے عشق ہو رسوا نہیں رہا]

لے منہیل۔ یہ واقعہ یا مضمون جنوں سے جہلوں میں پورا افسانہ !

”آزاد! تمہاری تلاش مضمون آفرینی اور سرکاری آج بھی روح کو تڑپا دیتی، دل کو گرا دیتی ہے۔“

”تاہم یہ والو! تم ہی بتاؤ کہاں ہو؟“

..... ”ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی کچھ ہمارے خبر نہیں آتی ہم نے نہ آوازہ عشق و عاشقی سنا۔ نہ کسی تعلق و عشق کی خبر ہے۔“

خانی خاں۔ ہم بھی کسی صاحب جمال کے اس تیرنگ جمال سے آگاہ نہیں۔ ہم تو کہہ چکے ”ہم دس سال قبل آگے ۹۹، دس تر خواجہ حسین ولد زین خاں برائے اس شاہزادہ عالی نژاد خواستند“ (صفحہ ۲۳۲)۔

دجہانگیر میں خود اسی عقد کہہ سکتا ہوں پرویز ازبک صاحب جمال زین خاں کو لکھتے ہیں سنگ مرزا نے کہہ دیا۔ (صفحہ ۲۳۲) البتہ سرکاری موصوفہ شیخ ابو الفضل کی تحریر سے اس کی حرف بہ حرف تصدیق ہوتی ہے۔ بے شبہ اس کی تمام تحریرات میں (شاہزادہ کے ساتھ شیخ کی مخالفت کی جو اس کی ہر جنبش قلم سے آجاتی ہے لیکن یہاں تک کہ اس واقعہ کا تعلق ہے مجھے قہر کر دینا ناگزیر ہے۔

”سنگہ مجلس۔ سنگہ دریا بزرگ شاہزادہ را بیک وقت ولایت کی بخت زین خاں کو کہہ شد و بیوگانی سنگاں از سر گرفت گیتی خداوند را زین بے روشنی دل گراں شد و چون خاطر شیخی از اندازہ بیروں دید ناگزیر دستور داد۔ و ملا بیٹھے ہر ایش گرفت و نشاط را تازہ آیت بر نہاد۔“

فراواں باد کہ بر پاسے کر دند زین را سپہ رخ انجم زائے کر دند

زہر سو پردہ بردر گاہ بستند عشق را تازہ نو را ز ما بستند

و تہ می نشین مریم مگانی فرح بر پیوند خرمی افزود و اس پار ساگوہر را بہ شبستان سپردند عہ بیوگانی۔

شادی کد عذائی، تو کی طوی بیچوک عروس۔

شاہ بیگم کا اندوہناک انجام! یا اس تصویر کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ طلب ہے۔ وہ شاہزادہ (خسر) جس کے ساتھ ساری چھپتاٹی قوم کی امیدیں اور توہمات وابستہ تھیں اس کی آمد، نشوونما اور ترقی سے بیوری خاندان کو مسرت بخئی، جو ماں و شاہ بیگم کی آنکھ کا نور اور دل کا سرور تھا، باپ سے بگڑ جانا اور قہوڑی سی سمجھ پا کر سرکشی اختیار کرتا ہے۔ دعوے سلطنت اور اکبر کی جانشینی کے خیال خام میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ درگزر کرنے والے شفیق باپ پر جو کچھ گزری اُسی کا دل جانتا ہے۔ یہاں اسی قدر کہہ دینا کافی ہے کہ ماں عزیز بیٹے کی شوخیوں اور سیاسی غلط کاریوں سے تنگ آگئی تھی، خسر کو بغاوت و سرکشی سے روکتی اور حتی الوسع باز رکھنا چاہتی تھی، مگر بگڑتہ نصیب خسر کو بماننے والا تھا۔ وہ جہانگیری کی بجائے تخت و تاج کا وارث اور حقیقۃً اہل اپنے ہی کو سمجھتا تھا۔ ماں کی کوفت اور سوزش دل بڑھتی رہی۔ اُس نے عاجز آکر ایون کھالی اور جان دیدی۔

جہانگیر لکھتا ہے:۔

واللہ اعلم و آیام شاہزادگی از تاوشی الطوائد اوضاع او، و سلوک برادر خورشید موصوئے تریاک خردہ قدر آکشت۔ از خوبی ہائے و نیک ذاتی او چہ نویسم۔ عطفے بہ کمال داشت۔ و اخلاص او بہ من در ہر جہت بود کہ ہزار پسر و برادر را قربان یک موے من می کرد۔ مکر بہ خسر و مقدمات قوشت و اوراد و لالت بہ اخلاص و محبت من می کرد۔ چوں دید کہ بیچ فائدہ نہ دارد، عاقبت تا معلوم است کہ کچھ بخر خواہ شد از غیرے کہ لادری طبعیت را چہ پاتا می است خاطر بر مرگ خود قرار دادہ۔ و چندین مرتبہ گاہ گاہے مزاج او در شورش می آمد۔ چنانچہ ایں حدیث میراثی بود کہ پدران و برادران او ہمہ یکبارہ چو انگلی خود ہا را ز اطامری کردند و بعد از مدتی طالع پذیر می شدند۔ در ایامے کہ من بشکار و توجہ گشتہ بودم، روز بیست و ششم ذی الحجہ ۱۰۳۱ھ ایون بسیار و عین شورش و مانع خورہ در اندک زمانے درگشت گویا کہ ایں احوال پسر بیعت خود را پیشتر می دیدہ است و سائل کہ غذائی

لے بیلس اور پٹیل بیگرنی کل ڈکٹری، صفحات ۲۳۴ و ۱۵۲۔ ۱۰۱۔ ۱۰۰۔ ہندو، صفحہ ۸۳۔ ڈکن صاحب صفحہ ۲۶۔

۱۵ ترک جہانگیری، صفحہ ۲۶۔ دہلیاچہ ترک، صفحہ ۱۲۔

کہ در آغاجوانی و خود دوسالی مراد نسبت او بُود۔ بعد از تولد خسرو اور شاہ بیگم خطاب دادہ بودم۔ چوں بدسلوکی ہائے فرزند و برادر را نسبت بہ من نہ توانست دید، از سر جان در وقت دماغ پریشان شدن درگذشتہ خود را ازین کلفت و اندوہ باز رہانید۔

”میری شہزادگی کے زمانے میں خسرو کی ماں بھی خسرو کے ناپسندیدہ اطوار و وضع اور اپنے چھوٹے بھائی ملا موسیٰ کے برتاؤ کے سبب سے ایفون کھا کر مر گئی تھی۔ اُس کی خوبیاں اور نیکیاں کیا لکھوں۔ انتہا کی عقلمند تھی۔ میرے ساتھ اُس کا خلوص اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ میرے ایک ایک رنگے ہر ہزاروں بیٹے اور بھائی قربان کر دیتی۔ اُس نے خسرو کو بارہا لکھا اور محبت و اخلاص کی راہ دکھاتی رہی، جب دیکھا کہ کچھ فائدہ نہیں نکلتا۔ انجام معلوم نہیں۔ کہاں تک پہنچے۔ تو غیرت کے باعث جو راجپوتوں کی طبیعت کا خاصہ ہے، اپنی جان کھودینے کی ٹھان لی۔ کبھی کبھی پہلے بھی اُس کے مزاج میں کئی مرتبہ شورش نمودار ہو چکی تھی۔ یہ تو موروٹی بات تھی۔ اُس کے باپ دادا اور بھائی سب نے ایک نہ ایک بار پاگل پن ظاہر کیا تھا اور موت کے بعد نفع ہوا تھا۔ جن دونوں میں شکار کے لئے گیا ہوا تھا ۲۶ ذیحہ ۱۰۳۸ھ کو عین شورش دماغ میں اُس نے بہت سی ایفون کھائی اور غصہ ہی دیریں چل بسی۔ گویا کہ وہ اپنے تالابین بیٹے کی حالت پہلے ہی سے دیکھ رہی تھی۔ میری پہلی شادی جو شروع جوانی یا لڑکپن میں مجھے نصیب ہوئی، اُسی کے ساتھ ہوئی تھی۔

[یاد ہیں سارے وہ عیشِ با فراغت کے مزے دل ابھی بھولنا نہیں آغا الفت کے مزے] خسرو کے پیدا ہونے پر میں نے اُس کو ”شاہ بیگم“ خطاب دیا تھا۔ جب وہ اپنے بیٹے اور بھائی کی بدسلوکی میرے ساتھ دیکھ نہ سکی تو دماغ کی پریشانی کی حالت میں اپنی جان کھودی اور اپنے کو اس رنج و تکلیف سے بچھڑا لیا۔“ اور مجھے وہ سزا دی جو محبت کے گنہگار کی تھی۔

لے ۶ مئی ۱۹۰۵ء۔ لیکن اگر سال ۱۹۰۳ء کا سال ہجری ہے تو انگریزی ۱۹۰۳ء ہوگا۔ ڈاکٹر مینی پرشاد تاج چھا گیسر

(صفحات ۹۳، ۹۴) میں ۱۶ مئی ۱۹۰۳ء لکھتے ہیں۔

مادھو سنگھ اور اُس کے خاندان والوں کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ اس سچی وقاشعار و عکسار۔ بیوی کی جدائی کا جو ماتم جہانگیر کے سادہ نگار قلم نے کیا ہے لے اُس کو نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں کلاس درود دل کے خاہر کرنے کی قوت اور کون سا انشا پرداز رکھتا ہے۔

افسانہ حُسن کا ہے اور عشق کی زباں ہے

از نفوت او بنا بر تعلیق کہ داشتیم ایامے برس گزشت کہ از حیات و زندگانی خود بیچ گونہ لذتے نہ داشتیم۔ چہار شبانہ روز کہ کسی دود پھر باشد از غایت کلفت و اندوہ چیزے از ماکول و مشروب دار و طبیعت نہ گشت پچوں ایں قصہ بہ والد بزرگوارم رسید۔ دلاسانامہ در غایت شفقت و مرحمت بدیں مرید فدوی صادق گشت و خلعت و دستار مبارک کہ از سر برداشتہ بودند ہاں طور بستہ بہ جہت من فرستادند۔ ایں عنایت آہے بر آتش سوز و گداز من زدہ اضطراب و اضطراب مرا فی الجملہ قرارے و آراے بخشید۔

وہ اُس کے مر جانے پر میرے دل کے لگاؤ کی وجہ سے مجھ پر زمانہ گزر گیا۔ زندگی و حیات کی کسی قسم کی کوئی لذت میرے لئے باقی نہ بچی۔ چار رات دن جس کے بتیس پہر ہوتے ہیں، انتہا درجہ کار بج اور تکلیف رہی۔ کھانے پینے کی کوئی چیز مُنہ تک نہ گئی۔ میرے بزرگ باپ نے جب یہ فصرنا تو بڑی شفقت و مہربانی کے ساتھ اس فدوی ارادتمند کو دلا سے کا خط لکھا، خلعت اور اپنی برکت والی پگڑی سر سے جس طرح اتاری تھی، اُسی طرح بندھی ہوئی میرے لئے بھیجی۔ میرے سوز و گداز کی آگ پر اس مہربانی سے پانی پڑ گیا۔ اور اضطراب و بے چینی میں کم یا زیادہ قرار و آرام پہنچا۔“

یہ خون کے آنسو جہانگیر کا قلم نہیں، آنکھ نہیں، دل بہا رہا ہے۔ ایک ایسی عورت کے بچ نہیں جس کی جوانی ڈھل چکی تھی۔ دماغ کے بیج و ناب نے اور بھی نڈھال کر دیا تھا۔ گلہبن جمال، ہونہار جہانگیر بھی وہی ہے، جس کی بیس بیگیوں کی فرست سٹر بلاک میں نے آئین اکبری کے ترجمہ میں پیش کی ہے۔ کپتان ولیم ہاکنس جس کی تین سو بیویاں بتاتے ہیں، اور اُن میں سے اصلی

ملکہ چارلے پادری ٹیری (Edward Terry) شہنشاہ کی عورتوں کا شمار ایک ہزار کہتے ہیں۔ جو شاہ یگیم کی دائمی عدائی کے بعد بھی بہت سی بی بیوں کا خاوند ہے۔ جس کی نسبت کین صاحب کا قلم شوخی سے کام لے کر لکھتا ہے کہ ”خود جہانگیر کو بھی ہمیشہ یہ خبر نہ رہتی تھی کہ اُس کے کون سے بیٹے کی ماں کون ہے۔“ جس کو فرنگستان کے اہل قلم مست الست بتاتے ہیں اور زندہ ہزار شیوہ جس کو طاعت حق

لے سفر رائے بحری، صفحہ ۳۲۱۔

۱۶۱۵ء پادری صاحب سمرطاس رُوسفر انگلستان کے چپ لین تھے اور انھیں کے ساتھ ۱۶۱۵ء میں ہندوستان آئے تھے جہانگیر کا دربار اور بادشاہانہ شوکت و احتشام دیکھا تھا۔ اپنی کتاب ”مشرقی ہندوستان کے بحری سفر“ ۱۶۱۵ء میں یہاں کے بہت سے حالات لکھے ہیں۔ بعض باتوں کو اپنے ملک کی باتوں سے اور شہروں کو انگلستان کے دارالسلطنت سے زیادہ آباد یا رونق بتایا ہے۔ ۱۶۱۸ء میں واپس گئے۔

۱۶۰۵ء مشرقی ہند کا سفر بحری، صفحات ۴۰۵ و ۶۔

۱۶۰۵ء شادین باطم فراموشکاران مغرب کو کتاب بینی کی علوت و کثرت زیادہ یاد رکھنے کی اجازت نہیں دیتی یا دشمنانِ نظر داری کے عملِ عزیز سے دوست اور اپنے خواہ مخواہ دور پڑ جاتے اور انھیں کے ملک و قوم کی تاریخیں اور روایتیں ان کے شرفِ مطالعہ و حوالہ سے محروم رہ جاتی ہیں۔ بہر صحت ان کے وقوف و آگاہی کے لئے دو اقتباس پیش کر دیتا ضروری ہیں۔

(۱) سر بیٹوڈورارین نے ولایت کے مشہور سال جرنل آف انڈین ہسٹری، باب۱۲ ماہ اگست ۱۹۳۶ء میں ایک عالمانہ مقالہ ڈاکٹر برتیر شاہ جہاں کے دربار میں شائع فرمایا تھا۔ اس کے ضمن میں سلاطینِ یورپ کے درباروں کی اخلاقی حالت کا دربارِ مغلیہ سے موازنہ کیا تھا۔ لکھتے ہیں۔

”میں امید کرتا ہوں کہ میں عام رائج کے خلاف کسی غلط بات کی ممانعت کرنے کا مجرم نہ خیال کیا جاؤں گا، اگر میں یہ کہوں کہ سترھویں صدی میں ”مغل اعظم“ کا دربار بہ لحاظ عیش پرستی و شاہ بازی کے نہ صرف ظاہراً مہذب اور شائستہ نظر آتا تھا، بلکہ بالعموم بھی یہ فرائض اور انجینڈر کے درباروں کی بنسبت زیادہ با اخلاق تھا۔

”محمد علیہ کی تاریخ میں اس مسرت انگیز اشتیاق کا وجود ہمیں نہیں پاتا جو انجینڈر اور فرائض کے اُمراء میں اپنی بیٹوں کی عصمت کو بادشاہ کی ہوسناکیوں پر قربان کر دینے کے لئے پیدا ہوا کرتا تھا۔ صین اُس عمر میں جب کہ پہلے خیال کے مطابق ابھی ان کو اسکول میں زیر تعلیم ہونا چاہئے تھا جو ان کو کیاں دریل یا دھڑٹ ہال بھیج دی جاتی تھیں (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

میں سجدہ کے لئے سر جھکانا بھی گراں تھا آج اپنی صنم پرستی کی بدولت گم صم ہو رہا ہے اور نیم دیوانہ اللہ ری محبت کی قربانیاں !

(بقیہ صفحہ گزشتہ) تاکہ وہ شاہی لوازمات سے ”سرفراز“ ہو کر تنہا بن جائیں۔ بقول سنیت سامن ہر والدین کی دلی تمنا یہی ہوتی تھی کہ اُن کی لڑکی سب سے بڑا انعام حاصل کرے اور بادشاہ کی معشوقہ بن جائے۔ اس معاملہ میں انگلیش کا اعلیٰ معیار کچھ زیادہ بلند نہ تھا۔

”رجب آربلا چرچل جیس (ڈیوک آف یارک) کی منظور نظر نہ تھی تو لیڈ لائڈ میکے، اُس کے والدین اس تعجب نیز احساس مسرت میں پڑ گئے کہ ایسی سیدھی سادھی لڑکی کس طرح اس شاہی معیار انتخاب پر پوری اترے گی اہل یورپ کی نظروں میں ایک شادی شدہ عورت سے بادشاہ کا عشق کچھ بھی قابل اعتراض و ملامت نہ تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب مارکوئس دی مونٹیپون کو کوئی چاروہم (شاہ فرانس) کے ساتھ اپنی بہنو کے عشق کی خبر پہنچی تو اُس نے کہا کہ ”الحمد للہ ادب تنہا ہمارے گھر میں داخل ہونے لگا ہے!“ (مترجمان قاضی احمد میاں انٹرویو ناگروہی صفحات ۶۰ و ۶۱۔ رسالہ زبان، منگول، ماہ دسمبر ۱۹۶۲ء) یہاں سے غور کیے تم فتنہ جگے ہو، چھائی کا پی ہے یہ دیکھو تو سراپا کس پر۔ (۲) دوسری حکایت تعداد و کثرت ازواج کے متعلق ہے۔ جس پر عاتقہ نبوت و ایالت کے انتشار سے مذہبی تقدس و عظمت کا رنگ بھی جلوہ افروز ہے، اس لئے ہمارے ادب و احترام کی سختی ہے مگر تقلید و اتباع کی نہیں۔

لاڈ آکسورڈ اپنی کتاب ”یاد و افکار“ *“Memoirs and Reflections”*
by Lord Oxford and Argueth-

میں لکھتے ہیں: ”یاد شاہوں کی پہلی کتاب کو میں نے خوب پڑھا ہے خاص کر حضرت سلیمان کی بابت مدان کی سات سو بی بیائیں تھیں۔ اور تین سو آشتائیں۔ (مجھے تو حیرت ہے کہ دونوں میں فرق کیا تھا!) یہ سب کی سب یا زیادہ تر غیر ملک و قوم کی مشرک تھیں۔ اس لئے انہوں نے اور سلیم (بیت المقدس) میں ان کے لئے مرقعات (altars) بنوا دیئے تھے۔ تاکہ اپنے وطن کے خداؤں کی پرستش بدستور کرتی رہیں۔ اور بادشاہ اس قدر حد سے زیادہ سہولتوں کے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک ہی بیٹا پیدا کیا تھا۔ جب تمام ناکم جس نے سلطنت کھودی۔ کیسی تفسیق تھی!“ (اخبار لیڈر، روز شنبہ، ۱۳ نومبر ۱۹۶۲ء صفحہ ۱۹)۔

کتاب مقدس کے عہد نامہ قدیم (ترجمہ عربی، بیروت، ۱۸۰۳ء) میں بھی یہی مذکور ہے۔ بی بیوں کے لئے ”میدات“ اور کینزوں کے لئے ”سمراری“ کا لفظ استعمال ہوا ہے (صفحہ ۵۰۲)۔ لیکن علامہ امین ہرودی رشتات الفنون میں لکھتے ہیں: ”سلیمان بن داؤد علیہا السلام۔ سی صدرن در عقد نکاح اولود و ہفت صد کینزک سریت داشت“ (جزو اول، دق ۱۱۱۱ھ)۔

جہانگیر کے ایسے عیش پسند و عشرت کوش کا برابر چار شہانہ روز بھوکا پیاسا رہنا، اُس کے انتہائی رنج و قلق، دل کی بے قراری اور بیچینی کی کیفیت کو اُسی کی زبان سے ادا کر گیا ہے۔

ملک رججام کے متعلق عرب کا پُرانا اور مستند مورخ شاہزادہ ابو الفدا اسماعیل بھی شکوہ گزار ہے۔
 ”رجم پسر سلیمان“ بصورت بدھ کا فاسق و کافر تھا۔ حضرت موسیٰ کی وفات کے پونے چھ سو برس بعد تخت نشین ہوا تھا“ (تاریخ - جلد اول، صفحہ ۲۶)۔

اگر یہ درد کی باتیں مقصور ہوں اور پرانی کہانیاں، تو خود ہندوستان کے ایک گوشے میں گوا کی حالت دیکھ لیجئے جو سترویں صدی (اپریل ۱۶۲۳ء) میں ہو رہی تھی اور جس کو پٹر ڈیلا دیئے *Peter Della Valle* نے اپنے سیاحت نامہ میں بڑے درد گذار کے ساتھ لکھا ہے اور جس کا پورا ایک صفحہ (۱۶۱) پر انگریزوں کی عیاشی کے نذر کر دیا ہے۔ ”اور تو بہت کچھ..... مگر یہ لوگ خود اس قسم کے معاملات (معاشرت مانعہ وود) میں نہایت بے روک ٹوک ہیں۔ اپنی قریب سی قریب کی رشتہ دار کو نہیں چھوڑتے حتیٰ کہ اپنی بہنوں کو بھی جیسا کہ میں نے سنا ہے۔ رضاعی اور گھر کے پروردہ بچوں کا کیا شمار و قطار.....“ اس محنت پر مسٹر ایڈورڈ گرے نے اضافہ کیا اور ٹی کلون کے ایکنج آف گوا *De Kloguen's Sketch of Goa* (صفحہ ۱۷۱) اور فان سیکا *Fonseca* (صفحہ ۱۶۲) پر توجہ دلاتے ہیں۔ جس نے تحریر کیا ہے۔ ”نعیش و بدکاری اوپنے اوپنے طبقوں میں فی الحقیقت راج روگ یا سلطنت فرما عیب بن گیا ہے۔ اور اُن کے اخلاق و اطوار جو اصلاح و درستی کی امیدوں کے حدود سے گزر چکے ہیں گہرے ہوئے اور شراب ہو رہے ہیں۔“

لیکن شہنشاہ اکبر بھی اس سانحہ غم سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ دلبند فرزند کی تسلی اور دلا سے
کے لئے خط لکھا۔ سرے پر لڑی اُتار کر جیسی بندھی ہوئی تھی ویسی ہی بچھدی کہ زخمِ دل کے اندام کے
لئے یہی ایک مہرِ مہقا۔

ایسی سلیقہ مند، وقارِ سرشت، نیک نہاد بیگم کی نیکیوں اور خوبیوں کا اعتراف جو انیس (۱۹) ہیں
(۲۰) سال کی رفاقت و یکجائی کا نتیجہ تھا، اور شوہر کا اُس کو اور اُس کی محبت و اخلاص کو اس طرح یاد کرنا
صنعتِ نازک کے ہر فرد کے لئے قابلِ فخر اور موجبِ شرف ہے۔ شاہِ بیگم کا خیالِ جہانگیر کے دل سے
کبھی جو نہیں ہوا۔ تزک کے اوراق پر وہ بارہا اُس کا ماتم کرنا نظر آتا ہے۔ آخر یہ کہہ کر چھپ ہو جاتا ہے۔
اُٹھیں گے آدھ ہزاروں حُسن کے تھانے سے
مے پلائیں گے نئے ساقی نئے پیمانے سے

لکھی جائیں گی کتابِ دل کی تفسیریں بہت
ہوں گی اے خوابِ جوانی تیری تعبیریں بہت

ہو ہو کھینچے گا لیکن عشق کی تصویر کون ؟
اُٹھ گیا تاوک فلکن مارے گا دل پر تیر کون !

”تہا جہانگیر ہی نہیں بلکہ اور معاصر مورخ بھی اُس کے اخلاقِ حسنہ، فضائلِ حمیدہ، پاکدامنی اور
پاکیزہ دلی کو مد نظر رکھ کر ادب و احترام کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ مرزا ہادی تزک کے دیباچے میں
لکھتے ہیں کہ ایک خلفشار کے بعد جب جہانگیر الہ آباد واپس پہنچا تو اکبر نے اُس کے لئے خلعت و انعامات
بھیجے۔ ہر طرح کا سامان تسلی و دلداری کیا۔ تب وہ کچھ روز یہاں مطمئن و فارغ البال رہ کر بسر کر سکا تھا۔
قتضاً والدہ سلطان خسرو نقاب آراے نہاں خانہ عدمِ گشت۔ تفصیل میں اجمال آنکہ وہ نیولا

۱۷ ڈاکٹر جینی پرشاد (صفحہ ۲۹) تحریر کرتے ہیں کہ یہ الفاظ بیگم کے مرنے کے دو برس بعد جہانگیر کے قلم سے نکلے تھے۔

ہوتے دردمان آں عفت سرشت بہم رسید و سودائے برمزاج استیلا یافت و چون خسرو از بیہار رومی در ملازمت حضرت عرش آشیانی ہوارہ بہ شکوہ شاہنشاہی می پرداخت۔ ایں غم سرا آں گشت۔ در روزے آنحضرت بشکار تشریف بردہ بودند پوشیدہ از پرستاران ایفون خوردہ سر بہ بالین فنانلہ و چوں سر آمدہ پروگیاں حرم سراے سلطنت بودہ اُنس و محبت تمام باو داشتند۔ خاطر قدسی مظاہر ازیں سانحہ بہ نہایت طول و بنایت اندوہ گیں شد و بد دل مہر منزل ایں مصیبت سخت گرائی کرد و حضرت عرش آشیانی از استماع ایں حادثہ ناگزیر و آشفتگی ضمیر فیض نیر فرمان از روے کمال مہربانی و غمگساری فرستادہ تسلی بخش خاطر عاطر شدند۔

«اتفاقاً قضائے الہی سے خسرو کی ماں نے دنیا سے پردہ کیا۔ ان دنوں، اُس نیک بی بی کے دماغ میں غشکی پیدا ہو گئی تھی۔ سودا مزاج پر غالب تھا۔ ادھر خسرو کی بے راہی اور تاہنجاری کی حالت یہ ہو رہی تھی کہ اکبر کے حضور میں جہانگیر کی شکایتیں کیا کرتا تھا۔ بیگم کو اس کا غم اور بڑھ گیا تھا۔ ایک روز جہانگیر ہسٹا کر گیا ہوا تھا، بیگم نے لوٹدی باندیوں سے چھپا کر ایفون کھالی اور اپنے کونٹم کر دیا۔ حرم سراے شاہنشاہی کی بی بیوں میں یہ سب سے بلند مرتبہ والی تھی۔ جہانگیر کو اس سے نہایت ملالت و محبت تھی۔ شاہزادہ کے دل پر اس سانحہ سے بڑا رنج و اندوہ ہوا۔ یہ مصیبت بڑی بھاری تھی۔ اکبر کو اس حادثے اور جہانگیر کے قلق و تاسف کی اطلاع ہوئی تو کمال مہربانی و غم خواری فرمائی۔ فرمان بھیجا اور جہانگیر کی دلداری کی۔ دلاسا دیا۔»

اسی واقعہ کی نسبت قطب اللباب میں تحریر ہے۔

درہیں آوان چوں والدہ خسرو کہ ہمیشہ را بہ مان سنگھ می شد سوداے مزاج بہم رسانیدہ بود

سلہ خانی خان حصہ اول صفحہ ۲۲۷۔

۲۷ یہ جی صاحب صفحہ ۲۲۸ پر لکھتے ہیں کہ راجہ مان سنگھ کی صبیہ (لڑکی) جہانگیر سے منسوب ہوئی تھی۔ بہن (خواہر یا ہمیشہ) لکھنا چاہتے تھا۔ ممکن ہے کہ طالع کی غلطی ہو۔ یا یہ کہ بہن کے مرنے کے بعد بیٹی بیاہ دی ہو۔ ایسا عقد شرعاً و کرداراً جائز ہے۔

ازاد ہائے قارج و اطوارنا ہوا خسرو ناخلف کہ سہ سال از شاہزادہ عالی نژاد بلند اقبال محمد خرم کلاں بود و نظر بر عنایات و توجہات جدِ بزرگوار و پدرِ نامدار کہ نسبت بہ خسرو در حقِ آن عرۃ جاہ و جلال زیادہ مبتدول می گردید از راہ حسد بخود ہوار نمی توانست بود و در خدمتِ پدر گستاخانہ و بے ادبانہ سلوک می نمود۔ و عند الفرصت مجدِ متجدد بزرگوار طریقہ خمازی از طرف شاہنشاہی بکار بردہ شعلہ افروزی عناد می نمود۔ و مادر اُور منعِ آن می کوشید و فائدہ نمی بخشید۔ علاوہ مرض سودا گردیدہ بود۔ دیں آوان روز سہ خود را از غصۃ اطوار آن فرزند بد عاقبت از ایفون مسموم ساخت۔ و بر ناستہ رفتنِ عبداللہ خاں و واقفہ والدہ خسرو معاً بعرضِ شاہزادہ نامدار رسید و باعث الم خاطر گردید۔

مدامی زمانے میں خسرو کی ماں کا مزاج سودا پی ہو گیا تھا۔ جو راہبان سنگہ کی بہن ہوتی تھی۔ نالائق خسرو شاہزادہ خرم سے تین سال بڑا تھا۔ مگر اس کے طور طریق کی کیفیت یہ تھی کہ اکبر جب خسرو کے مقابلہ میں شاہزادہ (جہانگیر) پر عنایت و توجہ زیادہ کرتا، تو اس کو بڑا رنج و حسد ہوتا تھا۔ باپ سے گستاخانہ اور بے ادبانہ برتاؤ کرتا۔ موقع پاتا تو دادا جان کے سامنے جہانگیر کی شکایتیں کیا کرتا اور دشمنی و عناد پھیلاتا۔ اس کی ماں ہر چند باز رکھنے کی کوشش کرتی فائدہ نہ ہوتا۔ اس کے سوا مرض سودا تو ہو ہی گیا تھا۔ انھیں دلوں کی جنت بیٹے کے اطوار سے غصہ ہو کر زہر (ایفون) کھا لیا۔ عبداللہ خاں کا آنکھ کر چلا جانا اور خسرو کی ماں کا واقعہ شاہزادہ نے ایک ساتھ سنا تو بڑا رنج ہوا۔

جیسا کہ جہانگیر کہتا ہے یہ سودا اور آشفتنہ سری بگیم کا خاندانی مرض تھا۔ خود اس کے نامور اور بہادر باپ امیر الامرا راجہ بھگوان داس میں جب وہ صوبہ داری کا بل پریم ۹۹ھ (۱۵۸۶ء) میں متین و سرفراز ہوا، تو دیوانگی کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے۔ حکیم نے نبض پر ہاتھ رکھا۔ راجہ محمد صر

۱۵ شاہزادہ سلیم سے مراد جسے ولی عہد مقرر کرنے کے بعد اکبر نے ”جہانگیر کا لقب دید یا تختہ شہنشاہ“

کھینچ کر اپنے مار لیا۔ زندگی باقی تھی۔ بادشاہی طبیبوں کے علاج و پرداخت سے کچھ دن بعد بمشکل شفا یاب ہوا۔^{۵۱}

جب تک درو دیوار کی دنیا میں بنا ہے افسانہ رہے گا مری شوریہ سری کا ہاں۔ ایون کھالیئے، یعنی اس طرح خودکشی کا خراب اور ناپاک عمل ہمارے ملک میں کم ہو چلا ہے، مگر اب بھی باقی ہے۔ بعض وقت طبقہ ادنیٰ کی کوتاہ اندیش نادان عورتیں جب کسی صدمہ یا رنج کو برداشت نہیں کر سکتیں تو ایون کھا کر جان دے دیتی ہیں۔ اسی کو آسان سمجھتی ہیں۔ قدیم زمانے میں اس کا رواج اونچے اونچے طبقوں میں بھی تھا۔ تین چار سو برس پیشتر کی متعدد مثالیں، عہد جمہوریت کی تاریخوں میں ملتی ہیں۔ سال سوم جلوس یعنی ۱۸۷۸ء کے واقعات میں لکھا ہے کہ جلال الدین مسعود پسر میر گیسو دراز نے جب انتقال کیا تو اُس کی ماں نے کمال دل بستگی و تعلق سے اُس کی حالت احتضار میں اُسی کے ہاتھ سے ایون کھالی اور بیٹے کے مرنے کے ایک دو گھنٹے بعد خود بھی اس جہاں سے چل بسی۔ قریب ہی زمانہ میں لعل خاں شاہی کلاؤنٹ بھی دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اکبر اس کی بڑی قدر کرتا تھا۔ لعل نے بچپن سے اُس کے زیر نظر تربیت پائی تھی۔ ملنزم خدمت خاص تھا۔ فن موسیقی خصوصاً ہندی گانے میں نظر نہیں رکھتا تھا۔ وہ پیٹھ بلکہ ستر برس کے سن میں فوت ہوا۔ کلاؤنٹ کی ایک کینز مٹی جس کی دلفریب

۱۵ آثار الامرا جلد دوم، صفحہ ۱۳۱۔ د۔ آمراسے ہند، صفحہ ۸۵۔

۱۶ اقبال نامہ جمہوریت، صفحہ ۳۳۔ توڑک جمہوریت، صفحہ ۶۷۔ ترجمہ راجس، صفحہ ۱۳۲۔ وجہ تہ آثار الامرا،

جو مرتبہ صاحب صفحہ ۵۷، ۵۸۔ اقبال نامہ جمہوریت، صفحہ ۳۳۔ توڑک جمہوریت، صفحہ ۷۱۔

۱۷ ہندوستان کا مشہور گویا اور فن موسیقی کا ماہر کمال تھا۔ جمہوریت کے جلوس کے چوتھے سال ۱۸۷۸ء (۱۲۹۹ھ)

میں اہی عالم بقا ہوا۔ (۱۔ بی۔ ایگری کل ڈکشنری، صفحہ ۱۵۹)۔

۱۸ کلاؤنٹ۔ کلاؤنٹ۔ ہندی لفظ ہے۔ مطرب اور گانے والوں کو کہتے ہیں۔

صورت کا وہ عاشق، اور فسوں سا زچہم کا مسخورتھا۔ معمولاً اُسی کے ہاتھ سے ایفون کھاتا تھا۔ اصل خاں کے مرنے پر اُس نے بھی ایفون کھائی۔ اور عدم کی راہ میں مالک کی رفاقت اختیار کی۔ جہانگیر کتنا ہے کہ مسلمانوں میں کسی عورت نے اس درجہ وفاداری کا حق کم ادا کیا ہوگا۔ سچ کہ فخر عاشقی و نازش وفا تھی وہ۔

سپر جلال کے سلسلہ میں بخشی معتد خاں (مولف اقبال نامہ جہانگیری) کا بیان ہے کہ ہندوستان کی یہ رسم تو بہت پرانی ہو چکی کہ شوہر کے مرجانے پر ہندوؤں کی عورتیں خود کو آگ میں زندہ جلا دیتی اور اپنی جان عزیز اپنی محبت و وفا کی شہادت پر دیا کر دیتی ہیں۔ بارہا ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ دس بیس عورتیں خواہ بی بی رہی ہوں خواہ باندی، آگ میں خود گھس گئی ہیں اور پورے استقلال کے ساتھ اپنے کو جلا دیا۔ مگر بیٹے کی جلدانی میں ماں کی یہ کیفیت اس سے پہلے نہیں سنی گئی۔ جہانگیر بھی تو ذک میں لکھتا ہے کہ ماؤں سے خواہ مسلمان ہوں خواہ ہندو ایسا واقعہ ظہور میں نہیں آیا۔

شاہ بیگم کے مرنے کے بارے میں یہ تودہ مسلمہ اور متفقہ بیان تھا، جو بلا اختلاف الفاظ تمام ہندو اور مسلمان مورخوں اور اُن کے ریزہ چین انگریزوں نے کیا ہے۔ مگر ایں ہمہ ایک اور روایت بھی ہے جو بدھتہ لغوار ناقابل التفات یا کسی افسانہ کی ٹوٹی ہوئی کڑی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ایک ذمہ دار و نامور اہل قلم کے قلم سے نکلی ہے، اس لئے میاں اُس کا نقل کرنا ناگزیر ہے۔ سر ولیم سٹیون اپنی دلچسپ کتاب ”سیاحت و تذکار“ میں ایک موقع پر لکھتے ہیں ۱۵۰

”جہانگیر کے بڑے بیٹے خسرو کی آنکھیں باپ کے حکم سے نکلائی گئی تھیں، کیونکہ وہ بغاوت پر بغاوت کیا کرتا تھا۔ بغاوت کی ترغیب دینے والے دو سبب تھے۔ ایک خود اُس کی خواہش کہ ماں کے قتل کا انتقام لوں۔ دوسرے اُس دامن کے بھائی ہندو شاہزادہ مان سنگھ اور خسرو کے خسر خان اعظم اکبر کے ذریعہ اعلیٰ کی یہ آرزو کہ اپنے عزیز کو تخت پر دیکھیں۔ اور جہاں سے

۱۵۰ تذکرہ جہانگیری۔ صفحہ ۱۱۰۔ ۱۵۱ ایضاً صفحہ ۱۱۰۔

۱۵۲ مجلس بیارگری کل و کثرتی، صفحہ ۲۴۴۔

۱۵۳ سیاحت نامہ و تذکرہ، صفحہ ۴۰۲ جلد اول۔

خسر کی ماں یعنی راجہ مان سنگھ کی بہن کو بلایا تھا کہ ہمارے یہاں آکر ایک کنوئیں میں جو ہماری محل سرا کے صحن میں ہے، چاندنی رات میں میرے ساتھ بھاٹکوں جب وہ بھاٹکے لگی تو اُس کو کنوئیں کے اندر ڈھکیں دیا۔ نو جہاں نے جب دیکھا کہ اس نے ہاتھ پاؤں مارنا چھوڑ دیئے ہیں تو شور مچا دیا۔ اور بات بنائی کہ رانی اتفاقاً گر پڑی ہے۔

ڈاکٹر ونسنٹ اسمتھ ساڈرٹ بن و محتاط تاریخ نویس اس پر عاشرہ لکھ کر اپنا خیال ظاہر کرتا ہے۔

”ممکن ہے کہ یہ حکایت صحیح ہو۔ مگر اس قسم کا الزام قطعاً ناممکن الاثبات ہے اور محلات کی فضا میں نشوونما پانچنے والا۔“

ایلیٹ اور ڈوس صاحبان نے تکمیل اکبر نامہ کے حوالہ سے اس خود کشی کا باعث بیگم اور اُس کی ایک سوت کے جھگڑے کو لکھا ہے۔ ڈاکٹر بینی پرشاد اس کو بھی غلط سمجھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ تاریخی واقعات کے رد و قبول میں بعض یورپین مورخ ایک روش خاص، یا ان کی اصطلاح میں ایک ”اصول“ رکھتے ہیں۔ اُن کا دستور ہے کہ مسلمان بادشاہوں اور بیگیوں کی نسبت کسی ہی بے بنیاد و بیہودہ بات بتائی یا سنائی جائے تو اُس کو باور یا بیان کرنے میں شامل نہیں کرتے۔ ممکن ہے کہ یہ آپ ہی کی طبع زاد ہو۔ مخالفت و موافقت تمام روایتوں کے مطابق جہانگیر کے زمانہ شہزادگی میں والدہ خسرو نے آخر سال ۱۵۹۷ء میں افیون کھا کر جان دی تھی۔ سرٹاس ہربرٹ، بیل اور بلاک مین صاحبان اس بارے میں متفق اللسان ہیں کہ شہسباز سے نو جہاں چونتیس (۲۴) سال کی تھی جب سنہ ۱۵۹۷ء (۱۰۱۹ھ) میں شہستان شاہی یعنی جہانگیر کے عقد میں آئی تھی۔ ظاہر ہے کہ اُس کے بعد مہر النساء کو

۱۔ نوٹ زیر صفحہ ۲۴ مذکور۔

۲۔ جلد ششم صفحہ ۱۲۔

۳۔ تاریخ جہانگیر صفحہ ۶۴۔

نور محل اور نور محل سے نور جہاں بننے میں بھی کچھ زمانہ لگا ہوگا۔ وہ سلاسلہ میں شیر اگلن کی بی بی ہتی پنجالہ میں رہی ہوگی۔ تو نور جہاں اور شاہ بیگم کی یکجائی اور جوش رقابت و عناد کو کون ہوشمند باور کرے گا!!

جو تہذیبی طرح تم سے کوئی جھوٹ بات کہتا

تمہیں مصغفی سے کہدو، تمہیں اے عبا رہونا

بعض صاحبوں نے سال وقات ۱۱۱۱ھ لکھا ہے۔ اُس زمانہ کی تاریخوں اور اصلی تحریرات و اسناد دیکھنے سے یہ غلطی کھل جاتی اور قلم کی لغزش صاف نظر آتی ہے۔

اسی طرح مسٹر نیول کا یہ خیال کہ خسرو کے معاملات میں اُس کی ماں معد و معاون ہتی، صریحاً خلاف قرائن و خلاف واقع ہے۔ خود جہانگیر کی تحریرات اور تمام معاصرین کے تذکروں سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ موصوف نے ایلٹ صاحب کی تاریخ سے دھوکا کھایا ہو۔

ان حضرات کی تلاش اور ذوق تحقیق قابلِ داد ہے۔ لیکن بعض کی ہمدانی اور احتیاط کی کیفیت بھی لائقِ اعتناء ہے۔ مسٹر ہیمرے *History of British India* اپنی تاریخ ہند برطانوی

میں پوتان محل کہلاتا ہے ورنہ ہے ایک اور صاحب جب شورش ہندوستان کی تاریخ لکھتے بیٹھتے ہیں تو رقم طراز ہوتے ہیں کہ شاہ جہاں اور اُس کی محبوب بی بی نور جہاں کا یہی رومنہ تھا۔

شاہ بیگم کی نسبت مسٹر گلیڈون اپنی تاریخ جہانگیر میں لکھتے ہیں کہ یہ شاہزادی دمان بائی بہمنیار ہتی علاوہ اس کے زیادہ سین بڑی اچھی سمجھ والی نہایت دلکش ملائم طبیعت والی تھی الطوار دلاویز شیریں تھے۔

۱۱ نور جہاں کا عروج، دیباچہ، ترک، صفحہ ۲۰۔ سیاحت نامہ سلی میں صاحب، جلد اول، صفحہ ۴۱۱، تذکرہ تہذیب،

صفحہ ۱۹۲، نوٹ، جلد اول، نور جہاں جہانگیر کے مرنے کے بعد اٹھارہ سال زندہ رہی، بہتر برس کی عمر میں ۱۰۵۵ھ یا ۶۱۴۴ھ میں دنیا سے رخصت ہوئی۔

۱۲ جہانگیر آر بی، جلد اول، صفحات ۵۵۵-۵۵۶۔ خانی خان، منتخب اللباب، حصہ اول، صفحہ ۲۲۷۔

۱۳ ڈسٹرکٹ جزیئر ال آباد، سلسلہ جدید، صفحہ ۱۶۹، جلد ۲۳۔ دیباچہ، صفحہ ۱۳۸، جلد ہفتم۔

۱۴ عبد شمس، صفحہ ۲۶۸۔ ۱۵ صفحہ ۲۳۰۔ ۱۶ صفحہ ۱۰۹۔ ۱۷ صفحہ ۱۳۔

پروفیسر بینی پر شاہ فرماتے ہیں۔ ”کس سلطنت کے بند اعراض و فوائد کے درمیان آجانے سے پولیٹیکل شادیوں سے اکثر متقا دین کی مسرت و انبساط کا خون ہو جاتا ہے۔ مگر یہاں تو کچھ اور ہی صورت تھی۔ مان بائی کے سن و جمال، ذہانت اور دلکش سلیقوں سے شاہزادہ سلیم اس پر مفتوں تھا۔ اور باوجودیکہ ایک مایوس لیاٹی رنگ یا کیفیت، اس کے خاندان میں متورث چلی آئی تھی اور جس کو مزین بیماری آسانی سے دیوانگی کے حدود تک پہنچا سکی تھی، وہ اپنے شوہر کے دل کو گرم اور زندگی کو پر لطف رکھتی تھی۔“

اگر وہ کچھ دن اور زندہ رہتی تو جہانگیر کے تاج و تخت پانے پر اُس کا مرتبہ کیا ہوتا۔ وہ سب سے بڑی ملکہ یا بانو۔ بانو یان، ہوتی اور تمام بیگمات شاہی حتیٰ کہ جودہ بانو اور نور جہاں پر اختیار و اقتدار رکھتی۔ ابو الفضل علامی کی شہادت ہے کہ ”آئین الہوس ملکی است کہ حرم کلاں در نگاہ داشت دیگر ان اختیار دارد۔“ مولانا ظفر علی خاں لطافت الادب میں راوی ہیں ”مغلوں میں قدیم سے یہ دستور چلا آتا تھا کہ خاقان اپنے شوہر کی دوسری بی بیوں کو اپنی باندیاں سمجھ کر بے چاہے بخش سکتی تھی جیسا کہ ۱۳۳۱ء میں خاقان اسان بٹا والی مادراء النہر کی بڑی بیگم سائلش خاتون نے اپنی سوکن مانگ کو جذبہ رقابت سے بیاب ہو کر ایک امیر کبیر وختوی شہزاد کے نکاح میں دیدیا تھا۔“

مرنے کے وقت بیگم کی عمر تیس برس کے قریب تھی۔ انیس (۱۹) سال دلداد و دلنواز خاوند کی خدمت گزاری، اطاعت و رفاقت میں گزارے تھے۔

نیرنگ حسن و عشق کی وہ آخری بہار تربت تھی میری اور کوئی اشکبار تھا

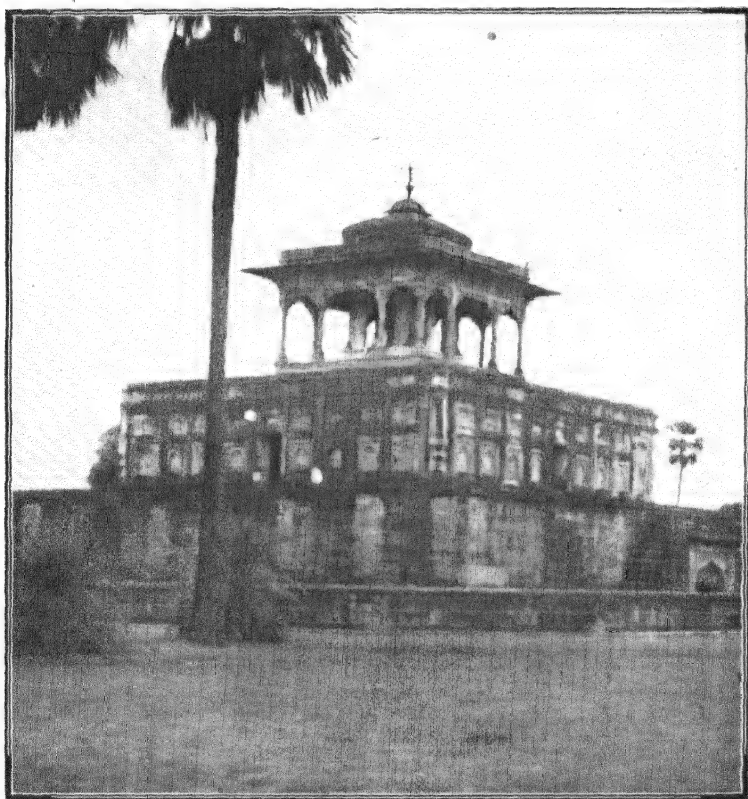
۱۵ تاریخ جہانگیر صفحہ ۲۹۔

۱۶ دی نور جہاں: جسکی نسبت خود جہانگیر نے ترک میں تسلیم کیا تھا۔ تا از نور جہاں مجلس شے میں آباد نہ شدہ ہو۔ از مرقہ خاوندی و انتظام مصلح بیت واقف نہ بودم۔ حال سردار چاہے صدر مہرم محترم من است۔“ (صفحہ تاریخ پادشاہان دہلی موسم بتاریخ نبیہ مطبوعہ ۱۲۴۳ھ، لکھنؤ مطبعہ خشی)۔

۱۷ قوم کو ترکی زبان میں کہتے ہیں تعیلہ ہندگ۔ ۱۸ اکبر نامہ، جلد سوم، صفحہ ۵۰۷۔

۱۹ مطبوعہ لاہور، صفحہ ۱۳۔

مقبرۂ شاہ بیگم



مقبول صمدی

اس کے بعد (یا اس کے سوا) جو اس قسم کی شاہی عمارت کبھی بنانی گئی تھی وہ دھاکری محل
بنی بی ایشوری کا سنگ سرخ کا مقبرہ آگرہ میں ہے۔ یہ کوئی راجپوت بیگم تھیں۔ اکبر کی ہوں یا بہانگیر
کی؟ تاریخ نہیں بتا سکتی۔

سلاطین اسلام کے مختلف خاندانوں اور مختلف دوروں کے طرز تعمیر سے صاحبان فن و اہل نظر کو اطلاع و آگاہی ہے۔ اس لئے صراحت و تشریح کی ضرورت نہیں۔ اس قدر یاد دلانا کافی ہے کہ

”اکبر جہانگیر اور شاہجہاں کے زمانہ میں عربی تعمیرات کا اثر ختم ہو کر ہندوؤں اور ایرانیوں کا اثر قائم ہو گیا تھا۔ یوں کہنے کے عربی طرز تعمیر کے بجائے ہندی طرز تعمیر غالب ہو کر جدید مغلیہ طرز تعمیر کی بنیاد پڑی تھی۔ جہانگیری طرز تعمیر میں جو مغلیہ طرز تعمیر کا وسطی یا دوسرا درجہ ہے، عربی اور ایرانی طرز کے ساتھ ہندوؤں اور ہندوؤں کا طرز تعمیر بھی نظر آتا ہے۔“ انھیں اصلاحات اور ترتیبات اور ان کے مطابق تعمیرات کو دیکھ کر وسیع النظر دینچ و ڈوہیتہ (*redwood Keash*) کو اقرار کرنا پڑا تھا کہ شاہانِ غلیہ فن تعمیر کے بھی بادشاہ ہیں۔ یہ مقبرہ اس اتحاد کی زندہ یادگار اور جہانگیری علامات میں نقشِ اولیں ہیں۔ یہ سنگین و خوشمانازک عمارت باغ کے کچھم جانب، خسرو باغ کا تیسرا مقبرہ ہے، مشربیل کے حساب سے دوسرا اور زمانہ تعمیر کے لحاظ سے پہلا۔

باغ کے صدر جنوبی دروازے سے دو سو اسی قدم کے فاصلہ پر بالکل سامنے یہ سدا منظر عمارت واقع ہے۔ اتفاق سے آج کل اس کے قریب ہی اعلیٰ کے ایک پلنے دخت کی شاخیں راستہ پر بڑھ آئیں اور پھیل گئی ہیں جس سے نگاہ کو دفعہ ٹوک جانا پڑتا ہے۔ لیکن بعض اوقات اس کا سایہ سایہ رحمت اور باعثِ راحت و فرحت ثابت ہوتا ہے۔ اور دوسرا ہی قدم یا دوسری ہی نظر ڈالنے پر مقبرہ کا سنگین چوترہ، بلند کرسی، سطحِ زمین سے ملا ہوا دروازہ، بلکہ عمارت کی ہر چیز نگہ بند مع کلس سامنے آجاتا ہے۔ پھاٹک سے یہاں تک پہنچنے کے لئے فراخ و کشادہ سڑک موجود ہے، جو تقریباً آٹھ راستہ تک خوب پختہ، سواری لے جانے کے قابل بنی ہے۔ اس کے دونوں جانب دلاؤیز روشیں، سرسبز و شاداب پھولوں کی کیاریاں، خوشنما جھاڑیاں اور جا بجا بڑے بڑے گھنے دخت بھی ہیں۔ بقید نصف راہ صرف پیادہ لے کر ناہوتی ہے۔ کیونکہ گھوڑے والوں کے لئے پختہ سڑک یہاں سے بائیں کو گھوم جاتی ہے۔ اور چند پتھر یہاں سدا رہ کھڑے کر دئے گئے ہیں۔ بائیں لے جانے

لے آکر کیا کوئی محل سرسبز آف انڈیا، جلد دوم، صفحہ ۱۵۱، ڈی ماؤنٹین انٹی کوئٹیر اینڈ انڈسٹریسٹس، مرفند ڈاکٹر لے فوہر کی لپاء
نئی مطبوعہ ۱۹۳۵ء، صفحہ ۱۳۰۔ اور پیریاگ یا الہ آباد کی ہینڈ بک، مرتبہ ماڈرن ریویو آف جھوسم۔ ڈاکٹر گزٹیر سابق الہ آباد،
جلد ششم، مطبوعہ ۱۹۵۸ء، صفحہ ۱۳۸۔ و۔ جدید لکھنؤ، صفحہ ۴۹، تاریخ جہانگیر از پروفیسر بی بی پرتشا جھوسم، ۳۱۔ متفاح التواریخ، صفحہ ۳۲۵

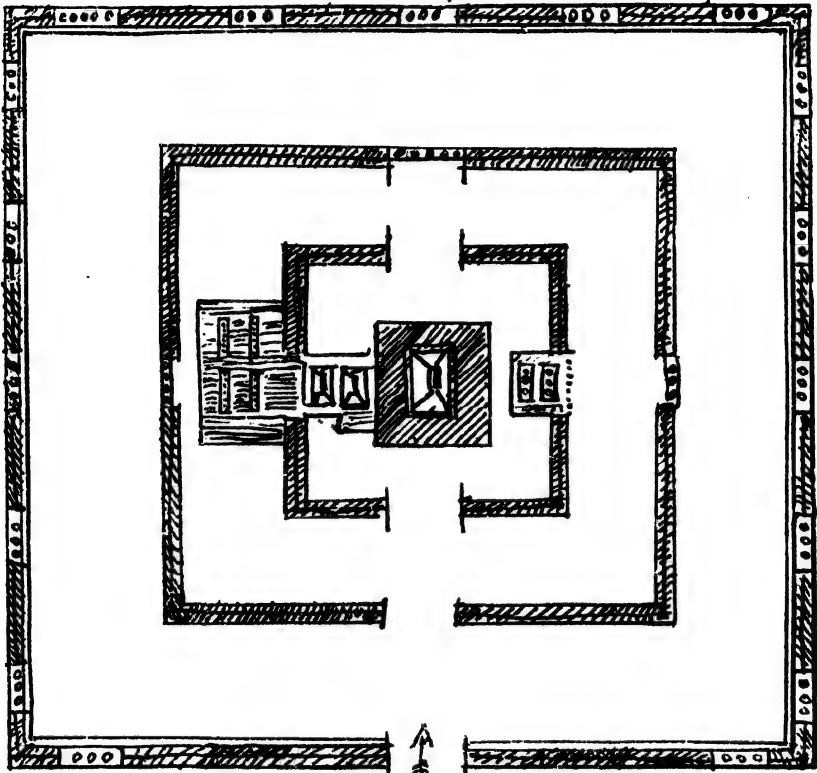
کی بھی ممانعت ہے۔ مرنے والوں کی عظمت، منزلت اور قبروں کی حرمت ادب و احتیاط کا اقتصادی تقاضا یہ تجویز پرانی ہو، یا حال کی اصلاح، ضرورت قابل تسمین و اعتراف ہے۔

اس مقبرہ اور اس کے حوالی کا ایک مکمل نقشہ صاف اور اچھا، 'خفیف رنگین'، 'امیر الدلہ گورنمنٹ لائبریری کلفٹن میں موجود ہے' جس کے نیچے ذیل کی عبارت لکھی ہے۔
Mausoleum of the Ramee wife of the Emperor Jahangir near Allahabad. Drawn and engraved by Thos. Daniell

یہ نقشہ نامور چابکدست نقاش و مصور طامس دانیال کی صناعی و ہنرمندی کا شاہکار ہے اور ڈیڑھ صدی پہلے کی نقشہ کشی و طباعت کا کارنامہ۔ پیانہ بڑا ہے۔ قرینہ ہے کہ نظری ہوگا لیکن اصل سے بالکل ملتا جلتا ہے۔ اور اصول پیمائش کے مطابق مانا جاسکتا ہے۔ مقبرہ کے کچھ پرانی دیوار اور کنواں مع تماشاخیوں اور تفریح کرنے والوں کے انوہ کے اپنی پوری شان و سامان کے ساتھ نظر آتا ہے۔ مشر و حوالی شہر کی مخلوق کا ایک جگمگایا لینے کے لئے ہر قسم کے برتن، کچھالیں، اور جانور ہمراہ لے کر آتا ہے۔

موجودہ حالت میں بھی مقبرہ کا منظر اور اس کا گرد و پیش نہایت دلہند و دلکش ہے کچھ جانب وسیع میدان ہے۔ لان (LAWN) ہیں۔ پورب کو دو عمارتیں ہیں۔ پہلی لاسکی بڑی بیٹی سلطان النساء نثار بیگم کا خوبصورت گنبد۔ دوسری اس کے تحت بگڑ سلطان خسرو کا مرقد شمال میں روشنیوں اور کھیا ریاں ہیں، اور خیابان دریا حلیں کچھ زیر زراعت زمین بھی ہے۔ سرسبز اور لہلہاتے ہوئے قطعات ہیں۔ دیوار بھی قائم ہے۔ کنواں بھی۔ مگر ایک بڑی حد تک بے مصرف۔ حوض بھی ہیں لیکن خشک۔ سرو کے پودے حال میں لگائے گئے ہیں۔ تارکے دوپڑا نے رخت بھی باقی ہیں۔ معلوم نہیں کس کی رعایتِ ذوق کا رفا ہوئی۔ کچھ اور سدا سبار درخت بھی ہیں۔

مقبرہ شاہ یگیم کا سطحی خاکہ



ترتیب و نگہداشت کے لحاظ سے بلکہ ہر حیثیت سے کوئی چیز کسی طرح انگشت نمائی کے قابل نہیں، اور یوں تو کج کیسی ہی ٹھیک بات ہو سکتی ہو اختلاف ہے۔

یہ تعمیر چار فٹ کی بلند کرسی پر کی گئی ہے، عمارت کے سب سے نیچے درجہ کا ہر پہلو اکتالیس گز ہے۔ اوپر پڑھنے کے لئے ایک ایک فٹ اونچی تین تین سیڑھیاں ہیں۔ یعنی آسائش و فراغت کے ساتھ پہنچ جانے کے لئے صدر دروازہ کے دونوں جانب ایک ایک چھوٹا سا زینہ موجود ہے۔ نیچے اوپر مقبرہ کی تینوں منزلیں جدا جدا نظر آتی ہیں، مگر یہ ایک ہی بنیاد دیا دیوار پر قائم نہیں ہیں۔ بلکہ تینوں طبقے یا مرتبے یکے بعد دیگرے بنے ہوئے ہیں۔ مرتبہ اُس عہد کی دفتری و کتابی اصطلاح میں منزل کے معنی میں مستقل ہوتا تھا۔ یہ مرتبے مختلف انداز اور جدا جدا عرض و طول کے ہیں۔ پہلے سے دوسرا اور دوسرے سے تیسرا چھوٹا، لمبائی چوڑائی اور بلندی میں کم ہوتا چلا گیا ہے۔ یہاں تک کہ تیسری منزل کی وسعت بقدر مقدور اختصار کے ساتھ نیز اُس کی انتہائی بلندی، گنبد اور گنبد کے گنبد پر پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے۔ فن ڈرائنگ کے ایک ماہر کا ارشاد ہے کہ مقبرہ کا فوٹو ایک مشائش نما چوکھٹے میں بڑی آسانی و خوبی سے آ سکتا ہے۔

باہر سے دیواریں تمام و کمال سرخی مائل سنگ سفید کی ہیں۔ کہیں کہیں زرد کھٹو مرمر میں بھڑ بھی استعمال ہوا ہے۔ نیچے والے طبقہ (منزل) میں دیواروں کے باہر اٹھارہ فٹ چار انچ چوڑا چوترا ہے۔ اس چوتراہ میں تین سمت تو پانچ پانچ سنگیں جالیاں چار فٹ نو انچ لمبی ایک فٹ چوڑی لگی ہیں۔ چوتھی طرف یعنی دکن کو، سامنے کے رخ صرف دو جالیاں ہیں۔ اور ان کے بیچ میں (صدر کا ایک) دروازہ۔ سب ملا کر سترہ جالیاں ہوئیں۔ یہ جالیاں اصول فن پیمائش و تعمیر کے مطابق بنائی گئی ہیں، اور روشنی کا اچھا کام دیتی ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس وضع و طرز خاص کو اکبر کے عقائد و ایجاد سے کچھ لگاؤ رہا ہو جسٹس العلم لومولانا محمد حسین آزاد لکھتے ہیں کہ ایک مرید خاص مر گیا تو اس کی قبر میں جالی رکھی گئی کہ آفتاب کی روشنی پہنچتی رہے بلکہ پرلغ کی کو بھی نہ کو لگائی کہ روشنی اور آگ پاک کرتی ہیں، شاہ بیگم کے معبرے میں داخلے کی کھلی ہوئی محراب یا گھونگھٹ میں دروازہ ہے۔ اس کے دلہنے

پہلو یا دیوار پر ایک پتھر پر ہندی میں "عیش" لکھا ہوا ہے۔ بے احتیاطی یا عدم التفات سے اس پر حسبِ معمول سفیدی سال بہ سال پھیری جاتی ہے۔ تاہم صاف اور نمایاں پڑھا جاسکتا ہے۔ کیا کسی نے تعمیر کے بعد اس کو یوں ہی کھود دیا تھا؟ غالباً نہیں۔ کیونکہ کسی قدر گہرا کھدایا ہے کیا تعمیر کے وقت یہ نام برکت کے لئے کھود دیا گیا تھا؟ یقیناً نہیں۔ اگر حکماً اور اطلاع سے کندہ ہوتا تو مردوت اس سے زیادہ خوبصورت اور باقاعدہ ہوتے۔

داخلہ کا دروازہ چوترہ سے گزر کر یعنی چوترہ کو کاٹنا ہوا بارہ فٹ نو انچ کے فاصلہ پر ملتا ہے۔ عمارت کے علو در فعت اور اپنے اطراف و جوانب کی بلندی و شان کے لحاظ سے آج کل تنگ اور نیچا سمجھا جاتا ہے مگر کیا کیا جانے کہ تین چار سو برس پیشتر یہی صورت پسند و رائج تھی۔ ہندو انہ تعمیرات میں یہ بات عام پائی جاتی ہے۔ موجودہ چوکھٹ اور کواڑوں کی حالت اُن کی دیرینہ سالی و کمنگی کم از کم کثرت استعمال پر دلالت کرتی ہے۔ تختے کمزور، نسبتاً تپتے، قد سے ناہموار اور ناچوبست سے ہو رہے ہیں۔ بالاسے دروازہ محراب کی بلندی اُس کی چوڑائی کی مناسبت سے نہیں، بلکہ کچھ زیادہ پائی جاتی ہے۔ اس محراب کے دونوں طرف یعنی آئنے سامنے دوسری منزل کو جانے کے لئے غیر مستقیم (کھٹے ہوئے) زریں کی دوہری قطار ہے۔



دیواریں پورا بوجھ اٹھالینے کے قابل خوب مضبوط، موٹی موٹی، اینٹ اور چوٹے کی بنائی گئی ہیں۔
 تعمیر میں یہ لحاظ رکھا گیا ہے کہ منزل زیریں کے پہلے حصہ کی کھلی چھت دوسری منزل کے لئے چھترہ کا کام دیتی ہے۔ اور دوسری منزل کی چھت تیسری یعنی سب سے اوپر والی منزل کے ساتھ کارآمد ہے۔ اندر کی تیسری دیوار پر دو منزلوں کا بار تھا اس لئے وہ زیادہ محکم اور عریض ہے۔ پہلی دیوار صرف تین فٹ سات انچ ہے۔ دوسری چار فٹ ساڑھے چار انچ۔ اور تیسری پانچ فٹ نو انچ۔
 دیواروں کا موٹا پاقدر ضرورت بتدیج بڑھتا گیا ہے۔ اسی لئے بمقابلہ پہلے حصے کی دیوار کے دوسرے اور تیسرے حصے کی دیواریں زیادہ چوڑی رکھی گئی ہیں۔ چھت یہاں دس فٹ سات انچ بلند رہ جاتی ہے۔ اس (دوسری) منزل کی دیواروں میں ہر چار طرف ہر ضلع کے وسط میں ایک ایک کھلا ہوا روانہ ہے۔ ان دروازوں میں چوکھٹ بازو نہیں ہے۔ ان کی بغلی دیواروں میں نیچے اوپر دو دو ٹکڑے لوہے کے لگے ہیں جن کی شکل یہ ہے [] قیاس ہوتا ہے کہ ان قلابوں پر کبھی کوڑا رہے ہوں گے۔ یا ان پائیزوں پر کوڑا لگانے کا ارادہ رہا ہوگا۔ مگر تکمیل کی نوبت نہیں پہنچی۔ ہر دروازے کے دونوں طرف محرابوں کے دو دو نشان بھی ہیں۔ یعنی ہر دیوار میں چار چار دروازوں کی بلندی طے کرنے کے بعد دیواروں پر ہر آٹھ محرابوں کے اوپر آرایش دربیائش کے لئے چھتریں لگھڑے ہوئے معمولی نقش دنگار ہیں۔ ایسے ہر پھول کے گرد ہر نقش کے ساتھ محرابوں سے اوپر خوشناسنگی عاشرہ نظر آفر ہے۔ نقش کاربن کے نیچے چھتریں بال بنے ہیں۔ یکل جگہ خالی اور غیر مکمل سی نظر آتی ہے۔ حتیٰ کہ دروازوں کے خشتی پہلو چوٹے کے پلاسٹر سے بھی محروم ہیں۔ اور پلاسٹر پر قلعی تو کسی جگہ نہیں پائی جاتی۔ صورت حال شاہد ہے کہ شروع ہی سے اس طرف توجہ نہیں ہوئی۔ یا یہ کہ اس منزل کے نیچے شاہزادی دفن تھی اور اس کے اوپر نقلی تربت ہے، اس لئے اس درمیانی طبقہ کو سادہ چھوڑ دیا۔ صرف بالاؤ لپست درجوں کا احترام مد نظر رکھا گیا۔ حتیٰ الوسع ہر نوع کی آرایش و تکلفات تعمیر سے درگزر کیا گیا ہے۔ معمولی محرابیں اور جدلیں کافی سمجھی گئی ہیں۔ دروازے بھی متعلق دروازوں کی ہیئت و حیثیت نہیں رکھتے، بلکہ دیواروں میں مستطیل شگاف نکاس کے لئے بنے ہوئے ہیں۔ یہ منزل

مسٹر بیل نے مضامین التواریخ میں "آئمنہ" کی جگہ "آئمنہ نو" اور مسٹر بورج نے اپنے مقالہ میں "آئمنہ نو" لکھا ہے۔ مسٹر ڈیوہرسٹ نے اپنی تحریر میں تصحیح فرمادی ہے۔ بیل صاحب نے پہلی رباعی میں "عزت" کی جگہ "غیرت" لکھا تھا شاید چھاپے کی غلطی ہو۔

باز آمدان پتھروں پر نہایت خوبصورت نستعلیق حروف کندہ ہیں۔ ہر مصرع کے گرد نفیس پھلیں اور گلکاریاں ہیں۔ یہ حروف اس قدر باقاعدہ، "مڈ دل"، "دیسز اور باہر کو ابھرے ہوئے" ہیں کہ آج کل کے موٹے موٹے انگریزی حروف جو پتیل وغیرہ کی چادروں پر ڈھالے جاتے ہیں، ان کے آگے بچ معلوم ہوتے ہیں۔ مرمیں ظرف اور نستعلیق حروف، ع

عروسِ جمیل و لباسِ حریر
ادب یعنی تعویذِ قبرِ مسطح ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان اطراف میں تخی اور قلدان کے امتیازی نشانات
بلوینے کا رواج اسوقت تک نہیں ہوا تھا البتہ بیلوں، پھولوں اور گلکاریوں سے مالا مال ہے۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ پر عالیشان مقبرہ اگرہ میں بنوایا قلعہ کے خاندان میں خوش نویسی پشتا پشت تک قائم رہی (حیاتِ جلیل، حصہ دوم، صفحات ۲۰۲-۲۰۳۔ نوٹ) اس سرد باغ کی بدایاں و نستعلیق میں لکھی ہیں، لیکن امیر الشعرا ضاقلی خان ہدایت فرماتے ہیں کہ میر عبد اللہ فتح کے بڑے خوشنویس تھے۔ باپ کا نام میر سید مظفر تھا۔ سلسلہ نسب یہاں لکھا طویل مبین شاہ نور الدین نعمت اللہ دہلوی ہاں لکھا ہے۔ ان کے آباد ایران سے ہندوستان چلے آئے تھے۔ طبقہ شعرا میں بھی ممتاز درجہ حاصل تھا۔ مگر اپنے تخلص و صفی "اکرامانی" کے لحاظ سے (یہ سلسلہ حروف تہجی جمع آخر میں جگہ پائے ہیں۔ (مجمع النسخ، مطبعہ ایران، جلد اول، صفحہ ۵۵ متعدد ثنویاں یادگار چھڑی ہیں۔

ملاحظہ فرمائیے صفحہ ۳۳۵۔ ۵۵ جو زل رائل ایشیاٹک سوسائٹی، جولائی ۱۹۰۷ء، صفحہ ۷۰۳۔

۵۵ جو زل مذکورہ بابت جولائی ۱۹۰۹ء، صفحہ ۷۰۶۔ J.R.A.S., 1909.

۵۵ تختی ایک چار گوشہ تختہ جو میں مح دشت کے ہوتا ہے جس پر ہر ملک میں کھنے کھانے کی مشق کرائی جاتی ہے مگر اب یورپ اہل یورپ کی بدلت آسکی جگہ سلیٹ لے رہی ہے۔ قلدان کو سب جانتے ہیں یعنی وہ چیز جس میں قلم و قریہ رکھے جاتے ہیں۔ مسلمان عورت کی قبر پر تختی کی اور مرد کی قبر پر قلدان کی شکل بنائی جاتی ہے تواریخ اگرہ میں مرتبہ اکبر آبادی مولوی سید محمود صفحہ ۷۰۔ اگرہ ہینڈ بک، صفحہ ۱۳۵۔

پتھر کے پھولوں پر کوئی روغن سُرخِ مائل پھرا ہوا تھا جو رفتہ رفتہ ماند ہوتا جاتا ہے۔ سنگِ بالیں ایک بلند بالا تختہ مرمر کا، لمبا چوڑا اور خوب موٹا ہے۔ خوبصورت، ولفریب پشت کی جانب چمپہل کا تراشا گیا ہے۔ اور نقش و نگار سے بھی مکلف ہے اس پر نہایت عمدہ کام ہے۔ پائینِ قبر کا تختہ بھی ایک ڈال سنگِ مرمر کا، سرہانے والے پتھر کے بالکل مشابہ اور مشکل ہے۔ اس پر بھی ویسی ہی انیس بلیں اور باریک کام ہے۔ البتہ کچھ لکھا نہیں ہے۔ یہ سنگِ بالیں کا ہر لحاظ سے پورا جواب ہے، اور خود لا جواب یہاں مرمر میں دِلہوں اور تختوں پر مختلف اقسام خصوصاً کنار کی بلیں، خوبصورت دودھری تھری ابھری ہوئی نگہ افروز ہیں۔ کہیں کہیں کچھ پتھر یا اُس کا کوئی ریزہ اکھڑ بھی گیا ہے۔ مگر اُن کے نشانات و داغ زیادہ نمایاں نہیں، کم ہیں اور خفیف۔ روغن جو یہاں پھرا ہوا تھا اب بھی جاذبِ نگاہ ہے۔ مگر اُس کی اب وہ تاب ویسی باقی نہیں رہی۔ ماند پڑ گیا ہے۔ قبہ، گنبد، محضر و ہندوانہ ہے، جینی وضع سے بہت ملتا جلتا، یا بالکل بودھوں کا سکھر جہاں ایوان کی دیواروں کی بلندی ختم ہو جاتی ہے، یعنی عمارت کے چوکور حصہ سے پتھر کے تختے بڑھتے گھٹتے ہوئے لگا کر بتدیج اُٹھا اٹھا کر چاروں پہلوؤں کو اوپر لے جا کر ملا دیا ہے۔ حقیقت یہ کوئی بُرج سنا (مرد) یا گنبد نہیں ہے بلکہ اپنی وضع کی ایک خاص چیز ہے۔ اس پر کُنس بھی اسی شان کا زنگار و زر راند و مناسب حال چڑھایا گیا تھا؛ اب بے رونق ہو گیا ہے۔ اس طبقہ کا یہ قبہ اس کا قرش، اس کے مرمر میں تختے اور چٹائیں اس کے حسین ستون، ان سب پر نازک نقاشیاں، تعرض کہ اس کا ہر جز و کل قابلِ تاز اور سلاطینِ تیمور کی عظمتِ ماضیہ اور صنعتِ کاملہ کا آئینہ وار ہے۔

حکومتوں کے انقلاب اور یار و اغیار کی دست درازی و دست بُردنے اس کے ساتھ جو کچھ ظلم کیا ہوگا، کس کی زبان بتا سکتی ہے۔ لیکن امن و امان اور تہذیب و روشنی کے زمانہ میں یعنی سکھ عہد کی بغاوت کے بعد عوام نے جو قدردانی کی اور سیاحوں اور ناظرین نے جس قدر ضرر پہنچایا، وہ بھی ناقابلِ تلافی ہے۔ فرش کے چٹکتے ہوئے پتھروں پر بہت سے حضرات نے انگریزی، فارسی، ہندی اور عربی میں اپنے نام نامی اور دستخط گرامی نقش فرما دیے ہیں۔ کسی

ہی مقبرہ میں سو رہی ہے۔ اس سے بھی روشن اور شہرت یافتہ مثال ممتاز محلؑ (روضہ تلچ) کی ہے۔ نیز شاہجہاں کی ملکہ قندھاری بیگم کے مدفن کی۔ اس گنی گزری حالت میں بھی دہلی داگرہ میں ایسی زیریں قبریں بہ تعداد کثیر موجود ہیں۔

شاہ بیگم کا جسدِ خاکی کسی سفید و تابندہ مرمکے تابوت کے اندر دفن نہیں ہے۔ بلکہ اس کی قبر نیٹ چوڑے کی سادہ و بے تکلف تعمیر ہے۔ قبر کے چوتھے کا طول دس فٹ، عرض سات فٹ دو انچ ہے۔ قبر کا تابوت والا یعنی اونچا حصہ پانچ فٹ پانچ انچ لمبا، دو فٹ پانچ انچ چوڑا ہے۔ قبر کے چوتھرہ کی بلندی ایک فٹ ایک انچ ہے۔ اور توہید کی ایک فٹ چار انچ دونوں کی ملا کر دو فٹ پانچ انچ ہوئی۔ اسکی چھت کسی قدر پست مگر محبت ہے چاروں دیواروں کے پہلوؤں کو کچھ کچھ اٹھا کر اوپر ملا کر پاٹ دیا ہے۔ آپ چاہیں تو اس کو ایک قدم کا نیم گنبد کہہ سکتے ہیں۔ شاید ایک تہ خانہ یعنی زمین دوڑ حصہ عمارت کے لئے یہی مناسب و کافی تھا۔ اس پورے طبقہ زیریں میں معمولی پتھر کے پتھروں کا ہوا رصاف ستھرا فرش ہے۔ کثرتِ استعمال و دامالی سے چکنا بھی ہو گیا ہے۔ ایک وسیع مسقف رقبہ میں ایسا فرش نہایت اچھا پڑ کے لئے ٹھنڈا اور آرام دہ اور آنکھوں کے لئے راحت بخش اور زائر کے واسطے سکون آفرین و فرحت افزا ثابت ہوتا ہے۔ شاید یہ درجہ کبھی چاروں طرف سے بند رہا ہوگا۔ جیسا کہ مسٹر بیل نے لکھا ہے اور منافذ اور جھجھریوں سے روشنی کا بعدِ قلیل انتظام ہوگا۔ مفتاح التوائیخؑ کے الفاظ یہ ہیں۔ ”اصل تزینتِ اوندون روضہ ہست و آن مسدود است از ہر چار طرف“۔ بظاہر اس کی تعمیر دشوار ہے۔ اور اگر آمد و رفت کے اعتبار سے بند ہونا مراد ہو تو چاروں طرف سے مسدود ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔ ایک دکن رخ تو دروازہ ضرور کھلا ہوا موجود ہے۔ بہر کیف اب کوئی بگڑی

ہونی کیفیت باقی نہیں۔ غالباً نکل اصلی حالت میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ یہاں کبھی نقش و نگار بازیگینیاں رہی ہوں، مگر اس وقت سفیدی اور چوٹے کی تھوک کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ چھت کی استرکاری میں البتہ کچھ جدولیں اور دائرہ بناتے ہوئے حال در حال پیدا کر دئے گئے ہیں۔ اور وہ خوشنما ہیں اور نظر فریب۔

بیگم کی گود جس طرح جیتے جی بھری پُری رہی اُسی طرح آج بھی ہے۔ اُس کی آغوش یاد امانِ عاطفت میں کئی بچے کھیل رہے اور قبر کے پہلوؤں اور بغلی حصوں کو آباد کئے ہوئے ہیں۔ اس کی قبر کے پاس داہنے کو دو چھوٹی چھوٹی قبریں ہیں۔ تختی اور قلمدان کی معمولی پہچان کے بھر دوسرے پرکتا ہوں کہ پلے شاہزادی کی ہے، دوسری شاہزادہ کی، جو پہلی سے کسی قدر چھوٹی ہے۔ اس کے بعد اینٹوں کی جالی سے ادھر کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ بائیں طرف بھی دو قبریں ہیں۔ ایک شاہزادہ کی، دوسری شاہزادی کی۔ اس کمرہ سے باہر یعنی دوسرے درجہ میں بھی اسی طرح پر بائیں طرف دو قبریں چھوٹی چھوٹی برابر کو ہیں۔ ایک شاہزادی کی، دوسری شاہزادہ کی اور تین قبریں جو کسی قدر ہٹ کر ہیں ان میں پہلی شاہزادہ کی معلوم ہوتی ہے، دوسری شاہزادہ کی۔ تیسری پھر شاہزادی کی ہے۔ تیسرے درجہ میں ایک معمولی چوتراہ اینٹوں کا نظر آتا ہے۔ جو تقریباً ایک گز مربع اور ایک بالشت اونچا ہوگا۔

۱۰۱۲ء بجلد شد بیگم سے ۱۰۱۲ء عدد نکلتے ہیں جو سنگ بالیں پر مرقوم ہے۔ مسٹر بیل اپنی اور نیٹیل بیگم کی کل ڈکشنری میں ۱۰۱۲ = ۱۶۰۳ ع لکھتے ہیں۔ تزک میں سال وفات ۱۰۱۳ھ چھپا ہے۔ ممکن ہے کہ اسٹپ کی غلطی ہو۔ مسٹر پوریج کی رائے ہے کہ تزک کی مندرجہ تاریخ یعنی ۲۶ ماہ ۱۰۱۳ھ سے ۱۰۱۴ھ مئی ۱۶۰۳ء کے مطابق ہوتی ہے۔ غالباً خود جہانگیر یا اُس کے نقل کنندہ و کاتب سے ایک سال بڑھ گیا ہے۔ صحیح تاریخ ۲۶ ذی الحجہ ۱۰۱۳ھ یا ۱۶۰۳ء مئی ۱۶۰۳ء ہے۔ اکبر نامہ سے بھی یہی سال پایا جاتا ہے۔

ڈاکٹر فوہر شاہ بیگم کا سال وفات ۱۰۱۳ لکھتے ہیں۔ وہ محکمہ آثار قدیمہ کے سب سے بڑے افسر تھے۔ اُن کی کتاب یادگار ہائے قدیم پر سرکاری استناد، سرکاری حکم اور سرکاری خرچ سے سرکاری مطبع میں چھپی۔ یہ مقبرہ اور اس کا کتبہ اُن کی نگرانی اور سایہ عاطفت میں تھا۔ اُن سے ایسی غلطی کا سرزد ہونا تعجب سے خالی نہیں۔

کرنل نیول ڈسٹرکٹ گزٹیر جدید میں ارقام فرماتے ہیں، کہ کتبہ سے سال وفات ۱۰۲۱ معلوم ہوتا ہے گزٹیریوں کے فاضل مولف بھی انسان ہیں۔ باوجود وسعت نظر و تحقیق اور قابل معاونین کی ایک عمت کے اُن کا قلم کبھی کبھی فاش غلط محاریاں کر جاتا ہے۔ ان کا یہ لکھنا کہ خسرو کی ماں کا سال وفات ۱۰۲۱ معلوم ہوتا ہے ایک فاحش غلطی ہے۔ ”معلوم ہوتا ہے“ کے معمولی فلسفیانہ دایا نہ عذر کے لکھ دینے سے اُن کی ذمہ داری و جوابدہی اُن کو سبکدوش نہیں کرتی۔ اس شاہزادی نے ۲۶ ذیحجہ ۱۰۲۱ء کو وفات پائی تھی جو تمام تقادیم موجودہ درانجہ کے حساب سے ۶ مئی ۱۰۲۱ء کے مطابق ہے۔ قطعہ تاریخ اور اُس کی نقل آپ کے سامنے موجود تھی۔ ۱۰۲۱ء ہیکم جون ۱۰۲۳ء سے شروع ہو کر ۱۹ مئی ۱۰۲۴ء کو ختم ہوا۔ ۱۰۲۴ء کا پہلا دن ۱۵ صفر ۱۰۲۴ء کے مطابق تھا۔ پندرہ برس کا تفاوت اقبیا، چاہتا ہے کہ غلطی سے اس کے سال وفات کے بجائے بیٹے کا لکھ گیا ہو۔ اس لکھنے سلطان خسرو آخر جنوری یا شروع فروری ۱۰۲۴ء میں فوت ہوا تھا۔ اور ۱۰۲۳ء کا آغاز ۲۹ نومبر ۱۰۲۳ء کو اور اختتام ۲۵ اکتوبر ۱۰۲۳ء کو ہوتا ہے۔ بعض اوقات ایک تقویم سے دوسری میں تحویل کرتے وقت دنوں کا تخفیف فرق ناگزیر یا ناقابل لحاظ سمجھا جاتا تھا، لیکن ہفتوں، میڈوں اور سالوں کا نہیں!

صفحات تاریخ بتاتے ہیں کہ مغلوں کے حملات میں آنے والی ہندوستانی شاہزادیوں میں مان بائی (شاہ بیگم) سب سے پہلی رانی تھی جس نے حرم سرائے سلطانی میں جان دی اور اپنے

شہر ہر نثار و تصدق ہو گئی۔ تیور کے پوتے نے بھی نیاز مندی و وفا کا حق ادا کیا اور اس کے جسدِ ناک کی اہری
 کسایش کے لئے دامنِ فردوس میں ایک قابلِ رشک نشین مہیا کر دیا۔ اُس کا مقبرہ جس اہتمام و لطافت اور تعمیر
 و نسوانی رعایتوں کے ساتھ اس سرسبز و سد بہارِ جن کی آغوش میں تیار کر لیا گیا، اُس کے شایانِ شان تھا۔
 مغلوں کے بہت سے شاندار مقبرے اورہ فن میں سنے آگرہ اور دہلی میں ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر دیکھے
 ہیں، لیکن شاہِ بیگم کے مقبرے کو بے تکلف و تامل اور بلا خوفِ تردید اُن کے سلیقہ تعمیر کا حسین ترین
 نمونہ اور خوشنمائی و نزاکت کا مجسمہ کہہ سکتا ہوں۔ اس کی ساگی و نظر فریبی مُسلم ہے ساتھ ہی جدت و وضع،
 اندازِ تعمیر اور مجموعی اختصار نے جو خوبی و رعنائی پیدا کر دی ہے اُس کی دلوستین مجہدِ ناشناس کی آنکھیں
 کیا دے سکتی ہیں۔ میں نے ایک بالغِ نظر کو اس وجہ خاص سے اس کو تاج پر بھی فوقیت و ترجیح دینے
 دیکھا ہے۔ یہ رائے تاج محل کی اہمیت و گستاخی پر محمول نہ کیجئے۔ وسیع النظر اور بہانہ دیدہ سیاح
 بعض عمارات کو ممتاز محل کے روضہ سے بھی ممتاز بتاتے آئے ہیں۔ حال ہی میں بھی یونیورسٹی کے پروفیسر
 ہنری ہیرس ہپانوی نے انجنِ ادبی کا بل کو جو قابلِ قدر مقالہ بھیجا تھا اُس میں فرمایا تھا کہ ”میر خیال میں
 ”تاج محل“ اپنی دلکشی اور حُسن کے اعتبار سے بے نظیر ضرور ہے۔ لیکن شیر شاہ کا مقبرہ اپنی عظمت اور اپنی
 شانِ نمود کے لحاظ سے تاج محل سے بھی زیادہ بلند درجہ رکھتا ہے۔“ شیر شاہ سوری کا مقبرہ ہسرام
 میں ایک مصنوعی تالاب کے وسط میں بنایا گیا ہے۔ اس کی عمارت افغانی فطرت کا آئینہ ہے۔ چونکہ شیر شاہ
 افغان تھا۔ اس لئے اُس کا یہ عظیم الشان مقبرہ یہ ظاہر کر رہا ہے کہ یہ قبر ہندو کش اور افغانی سلسلہ کوہ

لے صبح تو یہ ہے کہ باہر نیک تھا۔ محل نہیں۔ ماں کی مثل کو چھوڑ کر ہندوستان کے سلطان ایشاپوٹک لئے مثل کا لفظ اس لئے
 استعمال ہوئے لگا کہ ہندوستان مثل کا نام تمام مسلمانوں کے لئے تھا۔ اُن کو دیکھا تھا کہ افغانوں نے ترکوں کو آواز دے کر یہ نام نامی ہندوستان میں سے جو اور اپنی
 Alaniza or Alinzi ترکوں کے سردار کا بیٹا تھا۔ ابتداً انھیں کے مغربی حدود کی اقوام میں یہ ترکوں کا قبیلہ
 تھا۔ ملاحظہ ہو گین کی رومن امپائر کی ششم صنفہ ۱۳۸۔ اور بارہ صنفہ کے ”مغولوں کے صدر اول صنفہ ۳۹۔ ویسایت نامہ پیر پٹیا
 ترجمہ صفحہ ۱۶۷ اور ڈاکٹر نے صنفہ ۸۸ نوٹ ۳۵۵۔ سرسلون فری مثل
 Sir Selwyn Hoare
 Fremantle. سے لڑے ہوئے والہ آباد کی ہرچیز پر شیدا تھے۔

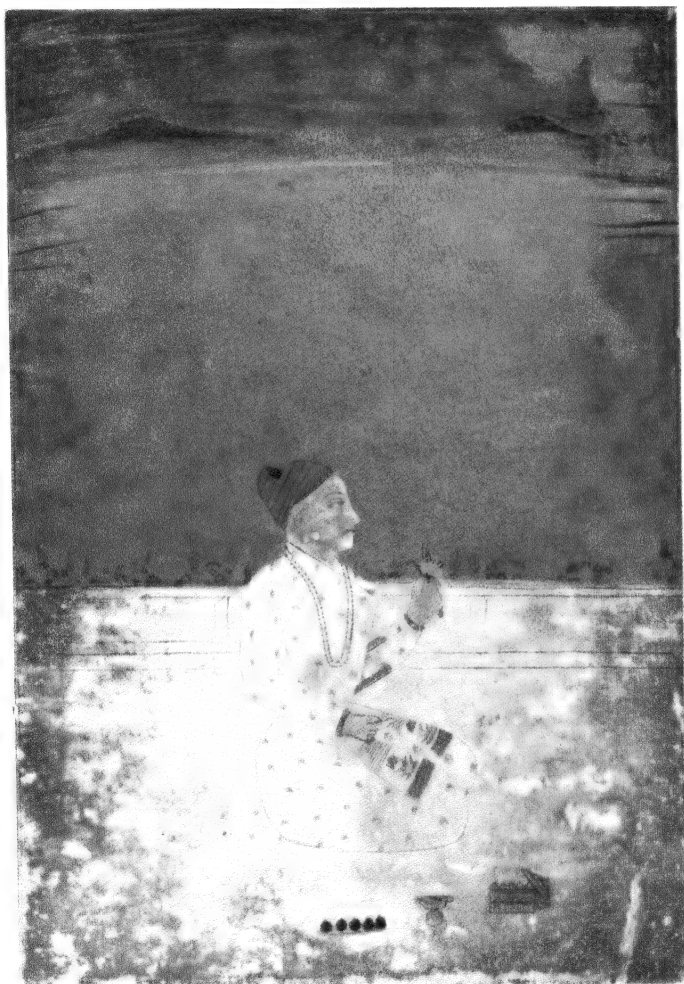
کی بلندیوں کو اپنے اندر رکھ لینا چاہتی ہے] ۱۷

ایک عورت کے روضہ کی تعمیر میں خصوصیت یا صفت اس کی تسوانیت کو ہونا چاہئے۔ اگر اگر بڑی دُور کی شہنشاہت کا سامرا نہ بنے، استواری و استحکام کی نمائش اور اہتمام اس میں بھی کیا جاتا تو لطافت و نزاکت، دلکشی و دلربائی خواہ مخواہ منفقود یا نظر انداز ہو جاتی۔ یہ تسوانیت یہاں ارادۂ پیدا کی گئی ہے، اور بدرجہ اتم زیب دے رہی ہے یوں کہنے کہ روضہ کی عمارت محض روضہ نہیں بلکہ شاہ بیگم اپنی بہائیں جمال کے ساتھ اس رشک فردوس مقام پر جلوہ افروز ہے۔ پھر یہ اس کی انتہائی خوبی ہے کہ صبح و شبال ہو یا نیمروز تاباں، شام کا دمندہ لکا ہوا رات کی گھنگھریل سیاحی، یہاں رانی اپنی اتنی عمر یا ڈھلتی ہوئی جوانی میں نہیں، بلکہ چڑھتے چوکے شباب میں رونق بخش نظر آتی ہے۔

میں نے جب اپنی جوانی اور نئی عمر میں اس کو پہلے پہل دیکھا تھا تو اپنے نزدیک فیصلہ کر لیا تھا کہ جہانگیر نے یہ خوبصورت اور نازک یادگار بنا کر بیگم کی مرد و فاکا صلہ یا حقیقتہً اپنا خراج عشق ادا کیا ہے۔ اوگو اعظم شاہ جہاں نے بلند حوصلگی کے ساتھ ممتاز محل کا روضہ بنوائے میں محض باپ کی تقلید یا پیروی کی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ اپنے سپوت ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ نگارندہ سطور عبرت و وفا کا سبق حاصل کرنے شاہ بیگم کے مرقد پر بارہا گیا، اور زبانِ حال سے کسی کی غفلت و بے خبری کا شکوہ سنچ پایا ہے۔

بروزارِ ماغریباں نے چراغے، نے گلے لے پر پروانہ سوز دے صدائے بلبلے

سلطان خسرو (فرزند اکبر شاہنشاہ جہانگیر)



عمل ابوالحسن اصفہانی نادرالزمانی جہانگیر شاہی
مرحوم شیخ محمد حسین ادیب رئیس قفوج کی ثایاب چیزوں میں دستیاب ہوئی
مکتبولِ صمدی

خسرو اور مقبرہ خسرو

مقبرہ خسرو آباد اور نواحی آباد بلکہ موہ آباد کی سب سے بڑی زیارت گاہ ہے جس کے سامنے لاکھوں بندگانِ خدا سرِ ادب خم کرتے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ دعویٰ تامل کے ساتھ مانا جائے گا۔ کیونکہ اس صوبہ میں بہت سے مشہور مزارات و معابد آنا رِ عقیقہ، پاک تیر تھیں اور مقدس مقامات موجود ہیں۔ مذہبی تعلق و تقدس کے لحاظ سے خود پریاگ کا کم سن سال پتال پوری مندر اور اُس کا اکشے وٹ درخت یہاں کی بڑی پرستش گاہ سمجھے جاتے ہیں۔ لاکھوں نہیں کروڑوں عقیدت مند اور عبادت گزاروں کا مرجع ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ روضہ خسرو کا جذبہ احترام کسی خاص جماعت یا قوم و ملت کے دلوں کے ساتھ وابستہ و محدود نہیں۔ شاید اُس کا لحاظ کم از کم نظامہ مسلمانوں سے زیادہ غیر مسلم کرتے ہیں۔ یعنی وہ ریاضت کش جاتری اور تارک الدنیا سادہ موجود شوار گزار عجمیہ راستے طکر کے دروازہ مقامات اور ہسٹوں سے اپنے اپنے طریقوں پر پرستش اور یاد اگہی کے لئے یہاں آتے ہیں جو تریبی کے سنگم کے اشان کو گناہوں کی برادرت کا وسیلہ و ذریعہ مانتے اور سعادت و برکت ابدی کی دستاویز سمجھتے ہیں۔ یورپ اور امریکہ کا وہ معرور و متکبر سیاح جو اپنی ذاتی نخوت، قومی تفاخر اور ملکی خصوصیات اور آن باج کے سامنے پڑنی دنیا بلکہ سار جہان کو بیچ و حقیر سمجھتا ہے، یہاں پہنچکر وطنی سر بلندی و رفعت کا خیال دور کر دیتا اور بے اختیار سطاغت جھکا دیتا ہے وہ ہراس و ہمیت پیدا کر دینے والی ہیٹ، جس نے اس بیسویں صدی میں دارا و سکندر کے تاج کو بھی ناچیز و بے حقیقت ثابت کر رکھا ہے، بادہ پندار سے سرمست و سرشار انسان کے پر غرور سر سے خود بخود مٹ جاتی اور تعظیم و ادب کا خراج پیش کرتی ہے۔ ادھر ایک متواضع و کریم النفس ایشیائی نژاد دور ہی سے دیکھ کر بہ ہنچا ہوا جاتا ہے۔ اس خاک کے پتلے منکسر مزاج، صافی مشرب کے آئین عجز و نیاز کی پہلی دفعہ اور جاہل اراکات و عبرت کا پہلا قدم ہی ہے۔ عربی کی روح جو جتنے جی جھاگیر کے لئے مضطرب اور اُس کی ہر ستارہ سی، لاہور ہوتی ہوئی پاکستان شیراز سے آ جاتی ہے۔ ان دونوں نو واردوں کو مجز و فروتنی کا یکساں مظاہرہ کرتے ہوئے باقی ہے۔ تیز و استعجاب کا تاثر دل سے نکل کر زبان حال پر آ جاتا ہے۔ وہ اس سے ہوئے غفلت و جلال کو سراہتی ہے، جس نے

بریگانہ زنتاج کرد تار کس آوارہ ز کفش کرد پارا
اس بڑے اور آباد شہر (الہ آباد) کی آبادی کا بیشتر حصہ بلا کسی اختیار فرقہ و جماعت کے
ہر روز، ہر ہفتہ، در نہ کم سے کم سال میں دو تین مرتبہ تفریحاً یا کھیل تماشوں کے سلسلہ ہی سے
خسرو باغ ضرور پہنچ جاتا ہے اور پھر وہاں پہنچ کر ہر آنکھ والے کی نظریں اور عورت و حسرت بھری
نگاہیں بے اختیار مقبرہ تک پہنچ جاتی ہیں۔ مختصر یہ کہ اس دور آزادی و آزاد خیالی اور روشنی و
روشن دماغی میں بھی ”یادگار خسرو“ کی عظمت و ہیبت برقرار بلکہ روز افزوں ہے اور سروش
غیبی کی یہ صدا قائم ہے۔

چشمِ نو بہار کو صرف چمن آرائی کر شاید آجائے پئے سیرگستاں کوئی
آغاز سلسلہ یا واقعات کو کچھ لینے کیلئے اتنا یاد دلادینا ضروری ہے کہ خسرو لاہور میں جہانگیر
کی پہلی بیگم، راجہ بیگوان داس کی بیٹی، رانی مان بائی محاط بہ شاہ بیگم کے بطن سے ۲۴ مارچ ۱۵۹۵ء
الہی (رمضان ۹۹۵ھ) سن بتیس جلوس اکبر شاہی میں پیدا ہوا تھا۔ سٹریٹویچ پڑانے
حساب سے اس کی انگریزی تاریخ ۴ اگست ۱۵۸۷ء لکھتے ہیں، میرے شمار سے دو دن بعد
یعنی ۶ اگست ہوتی ہے۔ باپ کا بڑا بیٹا اور دادا کا پہلا پوتا تھا۔ اس لئے بڑی خوشیاں منائی
گئیں جن کا تذکرہ ”تذکرہ خسرو“ میں کر چکا ہوں۔ اور بقدر ضرورت اس کتاب میں بھی شاہ بیگم
کے سلسلہ میں آچکا ہے۔

اکبر و جہانگیر کے زمانے کی تاریخوں میں خسرو کی زندگی کے متعلق بہت کم مذکور ہے البتہ
تلاش سے اکبر نامہ میں کچھ باتیں مل جاتی ہیں۔

ولادت - دو جگہ پر (۱) سال جلوس ۳۱ - ۹۹۵ھ پہنچاں میں چناب کے قریب شب
شانزدہم درخانہ شاہزادہ سلیم از دختر راجہ بیگوانت داس فرزند سعادت پیوند پدید آمد۔

لے قاموس المشاہیر نظامی بلائی صفحہ ۲۲۴۔ اور نیشنل بیگرن فی کل دکشتری، صفحہ ۱۵۲۔

لے جرنل رائل ایشیائیک سوسائٹی میں مسٹر جویج کا مضمون - باب۱۰ جولائی، ۱۹۰۷ء، صفحہ ۵۹۷۔

وگوناگوں نشاط روا آورده - طالع بروش یونانیان برده درجه قوس دہائیک ہندیال یک درجہ چیل ویک تہقہ -
شہار ویدہ درہ سلطان خسرو خود نامور گروانیدہ بر خلاف زائیناں انجن پاس گزاری برآراستہ شد - در منزل مریم
مکانی جرگ جٹنے پر است آمد و سباق و بخشش را روز بازار شد لے

[ترجمہ] سوٹھوس کی رات شاہزادہ سلیم کے گھر میں راجہ بھگونت داس کی بیٹی سے لڑکا پیدا ہوا -
طرح طرح سے خوشیاں کی گئیں - زیادہ دیکھا گیا - بادشاہ نے خود سلطان خسرو نام رکھا - شکرانہ کی محفل آراستہ ہوئی -
مریم مکانی (حمیدہ بانو بیگم - اکبر کی ماں) کے محل میں بڑا جشن منایا گیا - داد و دہش خوب ہوئی -

۱۶ سال جلوس ۹۹۵ھ

..... بیشتر لاہور در شہستان شاہزادہ سلطان سلیم از خدیو پاک فرزند راجہ بھگونت داس آں گوہر سلامت
پر تو بہرہ برافروخت و بطرح ساعتی نوید خوشگی نشاط آورد زمانہ بہر تہنیت گزاری بر نشت در روز بھرت ہڑے
برخواست رازداران آسمانی چشم دور بین باز کشادہ دہنئے از شکر گف کاری سپہر وافر دیانہ برگزار دند - نظم
بسیر سپہر انجن ساختند عطا ترا دوزے انجسم بر افسر اخفند
چنان طالعے کاہد آں پر ازو عا چہ گویم نہ ہے چشم بد دور ازو عا
طالع کیوان خدیو آں فرزادہ فرزند ما سلطان خسرو نامور گروانیدہ امید کہ بہرین و مسازان
آگہی بیالہ و شایستہ نو بار روز افرونی گرو - ۵

[خلاصہ] شہر لاہور میں شاہزادہ سلیم کے محل میں راجہ بھگونت داس کی بیٹی سے لڑکا ہوا مبارک
ساعت میں خوش خبری پہونچی - بڑی خوشی ہوئی - دنیا بھر میں مبارک سلامت ہونے لگی - اکبر نے خسرو نام
خود رکھا - طالع دیکھا گیا - امید ہے کہ ہوش مندی کے ساتھ بڑے گا - ادینک علاقوں میں دن بہ دن ترقی کریگا -
اہل دربار اور مقربان سلطنت کی دعائیں اتنی تو پوری ہوئیں کہ خسرو نیک فصال و نیک کردار ثابت ہوا
مگر نیک مزاج و نیک بخت نہیں - اُس کی زندگی تمام تر کھلت و لذت میں گزری - انجام اندوہناک تر ہوا -
(۳) ۳۲ جلوس مطابق ۹۹۵ھ - سفر کشمیر میں شاہزادہ سلیم کو حکم ملا کہ اردوئے شاہی میں

جا کر سلطان خسرو اور چند بیگمات کو لوالائیں۔

(۴) سلسلہ جلوس ۹۹۹ھ میں بسم اندھوئی۔ مکتب میں بٹھایا گیا۔ اکبر نے پہلا حرف 'الف' خود بتایا۔ باقی تعلیم شیخ ابوالفضل کے ذمہ ہوئی؛ تاکہ کچھ نہ کچھ روزانہ سکھا دیا کرے۔ شیخ نے پھر اپنے

بھائی شیخ ابوالخیر کے سپرد کر دی جو نیک ذاتی اور دانش آموزی میں یکساں تھے۔

(۵) سال جلوس ۱۰۰۰ھ میں بہتاس کی راہ میں شہر کے قریب شاہنوازہ خسرو نے حاضر ہو کر داداجان کی قدمبوسی کا شرف حاصل کیا۔

(۶) ۴ ماہ آذر ۱۰۰۰ھ میں سلطان خسرو کو ہندی علوم کی تعلیم شروع ہوئی۔

یہودت براہمن جو بھٹا چارج کے لقب سے معروف تھے اور اُس زمانے میں تمام نون میں یکساں سمجھے جاتے تھے اس خدمت پر مقرر ہوئے۔

(۷) سلسلہ جلوس ۱۰۰۲ھ میں جب شاہنوازہ کلاں (سلیم) کے رتبہ و منصب میں ترقی ہوئی تو باوجود خود رسالی کے سلطان خسرو کو بھی بوجہ خرد بزرگی (عقل میں بڑا ہونے کے) پنج ہزاری مرتبہ حرمت ہوا۔^{۵۵}

(۸) سلسلہ جلوس ۱۰۰۶ھ میں اکبر جب دکن سے مالوہ کی طرف لشکر کو چلا تو سلطان خسرو بھی ہمراہ تھا۔

خسرو کی ذات و صفات کی نسبت فارسی کے قدیم مورخوں نے قطعاً سکوت اختیار فرمایا ہے۔ البتہ

مولانا غلام محمد ہفت قلمی مصنف تذکرہ خوش نویسان نے سلطان خسرو کو طبقہ خوش نویسان میں شمار کیا ہے اور خورم و پرویز و داراشکوہ شاہنوازگان بلکہ زین خان کو کہ سے بھی پہلے جگہ دی ہے۔ ہمارے معاصرین میں سے کرنیل سیلی سن اُس کو جامع اوصاف بتاتے اور لکھتے ہیں کہ تمام اُسرا بھی اُس کی ایسا شاہنوازہ مانتے تھے جس کا طریقہ بے دارغ تھا۔

۵۵ اکبر نامہ، جلد سوم، صفحہ ۵۶۵۔ ۵۶ ایضاً صفحہ ۶۳۶۔ ۵۷ ایضاً صفحہ ۶۶۷۔ ۵۸ ایضاً صفحہ ۶۸۸۔ اسی مورخ (ابوالفضل) نے

تذکرین اکبری میں "خمسائے عقلی کلام اور دانش اندوزان جاوید دولت" کے زیر عنوان ممتاز ہندو فضلا کے جو نام لکھے ہیں،

ان میں کوئی "بہر دت"، پڑھا نہیں جاتا۔ خالی "بھٹا چارج"، ایک مکتبہ۔ غالباً انھیں سے مراد ہے باقی دو بھٹا چارج کے نام بھی بتاتے ہیں۔ ۵۹ اکبر نامہ، جلد سوم، صفحہ ۶۸۸۔ ۶۰ ایضاً صفحہ ۷۱۸۔ ۶۱ اکبر اور سلطنت مغلیہ کا عروج، صفحہ ۱۳۲۔

اسی عہد کا اٹالین سیلج پیٹر وڈیلا ویلے لکھتا ہے کہ سلطان خسرو ایک شاہزادہ بڑی بڑی امیدوں کا مرکز اور بغایت محبوب تھا۔

جہانگیر کو بقائے دوام بخشنے والے اور دروس مصنف ڈاکٹر بینی پر شاہ بھی اس بارہ میں شکوہ ہیں کہ کسی سوانح نگار نے خسرو کی زندگی کا کوئی واقعہ لکھنا ضروری نہیں سمجھا، جب تک کہ شہرت و نام کی تیز روشنی اُس پر پڑو اندلا نہیں ہوئی۔ فرماتے ہیں کہ خسرو سترہ سال کا نو جوان لڑکا تھا بے حد حسین و شکیل تھا۔ سلیقہ خوب اخلاق دلآویز و محبوب تھے۔ اس کے اطوار ملاست و اعتراضات سے پاک تھے۔ یہ بھی مان لیجئے کہ اُس کو تعلیم عمدہ ملی تھی، فوجی قواعد و منصب کی بھی اور ابی و انشا پر دازانہ فنون کی بھی۔ اُس کے دل و دماغ کی خوبیوں اور اُن کے اعلیٰ فائدہ و نتائج کا اُس کے باپ اور چچاؤں کے طور طریقوں سے کیا مقابلہ ہو سکتا ہے۔

موصوف بحوالہ میک لیگن صاحب MacLaganؒ تحریر کرتے ہیں کہ پادری پن ہیرو مصنفہ پنڈت جو یہاں جیسٹ عیسائیوں کی تیسری مشن کے ساتھ تشریف لائے تھے ۱۵۵۵ء کا ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں کہ میں اکبر بادشاہ کو حضرت مسیح اور مریم عذرا کی تصویریں دکھا رہا تھا۔ جس وقت ان پاک تصاویر پر غور ہمارا نظر بڑی توہم نچے جھک کر دوڑا نو ہو گئے۔ ہم کو دیکھ کر شہنشاہ کا پوتا یعنی شاہزادہ کا میتا، جو دس سال کا ہو گا، اُس نے بھی اپنے ہاتھ باندھ لئے اور اپنے زانوؤں کو جھکا لیا۔ بادشاہ کو یہ دیکھ کر مسرت ہوئی اور شاہزادہ سے فرمایا کہ اپنے بیٹے کو تو دیکھئے۔

ڈاکٹر صاحب کا ارشاد ہے کہ یہ دس سال کی عمر تو پادری صاحب نے اپنے انداز سے لکھ دی ہے۔ حقیقتہً خسرو اُس وقت صرف آٹھ سال کا تھا۔

خسرو کی موت خواہ بقتضائے الہی آئی ہو یا بلائی اور کسی کے ہاتھ کی لائی ہوئی رہی ہو، مستند حقائق مولف اقبال نامہ شکر ت جہانگیری اور غیرت خاں خواجہ کامگار حسینی عمر جہانگیر نامہ کی روایت کے مطابق ۲۰ بہمن ۱۰۳۱ کو ہوئی تھی۔ جس کو مسٹر میل ۹ ماہ مذکور یعنی ۱۳ ربیع الثانی اور مسٹر بیورنچ ۲۹ جنوری ۱۶۲۲ بتاتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ بڑی یکسی و بے بسی کی حالت میں (دکن میں) ہوئی۔ شاہجہاں (شاہزادہ)

لے سیاحت نامہ، صفحہ ۵۵۔ ۵۶ تاریخ جہانگیر، صفحہ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ تاریخ جہانگیر، صفحہ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔ ۱۰۱۔ ۱۰۲۔ ۱۰۳۔ ۱۰۴۔ ۱۰۵۔ ۱۰۶۔ ۱۰۷۔ ۱۰۸۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰۔ ۱۱۱۔ ۱۱۲۔ ۱۱۳۔ ۱۱۴۔ ۱۱۵۔ ۱۱۶۔ ۱۱۷۔ ۱۱۸۔ ۱۱۹۔ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔ ۱۳۰۔ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵۵۔ ۱۳۵۶۔ ۱۳۵۷۔ ۱۳۵۸۔ ۱۳۵۹۔ ۱۳۶۰۔ ۱۳۶۱۔ ۱۳۶۲۔ ۱۳۶۳۔ ۱۳۶۴۔ ۱۳۶۵۔ ۱۳۶۶۔ ۱۳۶۷۔ ۱۳۶۸۔ ۱۳۶۹۔ ۱۳۷۰۔ ۱۳۷۱۔ ۱۳۷۲۔ ۱۳۷۳۔ ۱۳۷۴۔ ۱۳۷۵۔ ۱۳۷۶۔ ۱۳۷۷۔ ۱۳۷۸۔ ۱۳۷۹۔ ۱۳۸۰۔ ۱۳۸۱۔ ۱۳۸۲۔ ۱۳۸۳۔ ۱۳۸۴۔ ۱۳۸۵۔

جب راجگان احمد نگر و برار کے مقابلہ کے لئے میدان جنگ کو چلا ہے تو بڑے اصرار و توجاہ سے جہانگیر سے اجازت لے کر اور آئی راس سنگھ، کن اور آصف خاں کی حفاظت سے خسرو کو باہر نکلوا کر اپنے ہمراہ لے گیا تھا۔ جہانگیر نے شاہجہاں کو کامل اختیارات دے دئے تھے کہ جس طرح مناسب ہو خسرو کے ساتھ برتاؤ اور سلوک کرنا۔ سب اُس کی تیز و موہید پر چھوڑا تھا۔

اقبال نامہ جہانگیری میں بخشی الممالک مقدمہ خاں کے الفاظ یہ ہیں ”و خسرو را کہ در زندان مکافات محبوس بود و بندہ ہائے شاہی محافظت و محارست اومی نمودند حکم شد کہ ہمراہ خود بروہ بصلابط کہ خاطر آں فرزند مطئن باشد مقید دارد....“ یہ کہہ کر جہانگیر خود اکبر آباد چل دیا اور شاہجہاں کو روانہ دکن کر گیا تھا۔ مقدمہ خاں کی بھی اسی لشکر میں ماموری تھی۔ خدمت بخشی گری پر تقرر ہوا تھا۔

خانی خاں لکھتے ہیں ”و حکم شد کہ خسرو خسراں مال رہا ہوا مردہ قسے کہ خاطر از جمع باشند بنگاہ دارند۔“ سرکاری رپورٹ اور ترک کی خبر تو یہ ہے کہ خسرو نے وہاں درد فوج سے بیکار کیا۔ وفات پائی۔ مگر ایک جماعت کا اشتباہ بلکہ دوسری ہے کہ شاہجہاں نے اُس کو مروا ڈالا تھا، تاکہ مقابلہ کاسب سے ہڑ ہویدار اور امر او مقربین شاہنشاہی کاسب سے نیاد و محبوب و عزیز شاہنژادہ دنیا سے رخصت ہو جائے اور تاج و تخت اس کے لئے خالی رہے۔

میں مسٹر جونج کامسنون۔ بابت جولائی ۱۹۱۱ء صفحہ ۶۰۱۔ قاموس المشاہیر میں (صفحہ ۶۶۲ پر) ۳۱ ربیع الاول ۱۰۳۱ھ تحریر ہے اور انگریزی تاریخ ۱۶ جنوری ۱۶۲۲ء مر ۳۶ سال (۵۹ بھڑا) ۱۵۷۱ء انوک سنگھ راہو پر گرجا آئی رائے سنگھ دکن مغلوب تھا۔ دادائے اتفاقاً ایک شاہی پیچھے ونگ کر لیا تھا۔ خود ہوا۔ سچ کہہ دینے پر ہا کر دیا گیا۔ ملازمت میں داخل ہوا۔ سیر نرائن باب تھا۔ جہانگیر کے شیر کے شکار میں ساتھ تھا۔ مروج ہوا۔ بادشاہ کی جان بچائی۔ صلیب میں مرع تلوار عطا ہوئی اور خطاب آئی سپہ سالار شیر کا مارنے والا۔ جہانگیر کا نہایت مقرب و معزز و مقرب امیر تھا۔ قاموس المشاہیر صفحہ ۱۱۱۔ اوبھائی مغل، صفحہ ۴۵۴۔ اقبال نامہ جہانگیری صفحہ ۶۴ تا ۸۸۔ ۱۵ سیرج صاحب کامسنون، رسالہ رایل ایشیاٹک سوسائٹی، جولائی ۱۹۱۱ء، صفحہ ۹۹۔ اور، دکن صاحب کی اگر ہینڈ بک، صفحہ ۲۳۔ ۱۵ تاریخ جہانگیر، گلیڈون، صفحہ ۹۰۔ ۱۵ صفحہ ۱۲۱۔ ۱۵ منتخب اللباب، حصہ اول، صفحہ ۶۴۔ ۱۵ نزک جہانگیری، صفحہ ۴۲۶۔ ۲۔ ۱۵ انگریزی، جلد دوم، صفحہ ۲۲۰۔ اقبال نامہ جہانگیری، صفحہ ۱۹۱۔ ۱۵ اکبر اور سلطنت مغلیہ کا عروج، انگریز پریس، صفحہ ۱۳۲۔

ہنریچ فان پوسا *Henrich Von Poser* جرمن سپہ سالار جو اُس وقت ہندوستان میں موجود تھا، لکھا تھا: "لیکن خورم کی اس دہشت ناک بارگشتی یعنی خسرو کے قتل کو کون پسند کرے گا۔ بے شبہ یہ مشہور مغل ہے کہ جو کوئی حق و صداقت کے مقابلہ میں جبر و جور کرنے

ہیر برٹ - خان پوسا - ڈی لٹ - جرنل رابن ایشیا ہک سوسائٹی لندن جولائی، ۱۹۰۶ء صفحہ ۵۹۹ - تاریخ جہانگیر
از گلپون - صفحہ ۴۹ (امضاء پرنسپل اینگریز)

کے لئے تیار ہوگا، تو وہ تاج ہی کے حامل کرنے کے لئے ایسا کرے گا۔ لیکن کیا کوئی تاج کسی ایسے سرور مضبوطی کے ساتھ نہر سکتا ہے، جس کے اندر نہ ایمان داری ہو نہ لائق اعتماد ہونے کی صفت؟

مسٹر آروین *William Irvine* تاجر بزرگ، جہانگیر کے تبرہ میں جہاں جہاں گیر کے مردانہ اوصاف اور سپاہیانہ قابلیتوں کی ستلش فرماتے، اور جس خوبی سے اُس نے اپنے بیٹے خسرو کی بغاوت کا استیصال کیا اور بڑی سے بڑی مستعدی سے کام لیا تھا، اُس کا اعتراف کرتے ہیں: یہ بھی تحریر کرتے ہیں ”لیکن یہ بات بھی کس قدر قابل افسوس ہے کہ اُس نے کتنی بڑی کمزوری سے اس بد نصیب شاہزادے کو خورم کے ہاتھوں میں دے دیا تھا۔ جس کے بارہ میں کم از کم یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ زہر دے کر جان لے لینے میں حقیقتہً اس کی بھی سازش تھی؛ ورنہ چشم پوشی تو مہر تھا تھی بلکہ“

تہمت قتل مٹائے سے نہیں جانے کی خون ناسخ مرا سرخی ہے ہر انس کی
حال کے سرکاری مورخین و محققین میں سے مسٹر سی ڈی اسٹیل، ضلع الہ آباد کے گزیٹیر (جلد ششم) مطبوعہ ۱۸۸۴ء میں بحوالہ تاریخ الفنشن صاحب (صفحہ ۴۹۲) لکھتے ہیں کہ خسرو کو شاہ جہاں نے ۱۶۲۱ء میں قتل کر دیا تھا۔ گریٹ نیول گزیٹیر جمید میں تحریر فرماتے ہیں کہ بد نصیب شاہزادہ خسرو حراست میں الہ آباد بھیج دیا گیا تھا۔ سنہ ۱۶۲۲ء میں فوت ہوا۔ عام خیال یہ ہے کہ باپ کے اشارے یا حکم سے ہلاک کر دیا گیا تھا۔ ۵۵

شمس العلماء مولوی ذکا، ائمہ خاں بہادر نے ہندوستان کی مبسوط تاریخ میں جو اسی سرزمین (الہ آباد) پر بیٹھ کر جو وہ ضخیم جلدوں میں دس ہزار صفحات پر لکھی گئی تھی اس واقعہ کو درونماگ تفصیل کے ساتھ لکھا۔ اس لئے ان کی اصل عبارت یہاں نقل کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

”باپ کے ساتھ بے ادبی کرنے سے سلطان خسرو ہمیشہ ناپسند (ناہیناؤں) کی پتلی کی طرح نظر بند رہتا تھا

۵۵ جرنل رائل ایشیائی سوسائٹی لندن، جولائی ۱۹۱۷ء، صفحہ ۹۴۹۔ ۵۶ صفحہ ۳۸۔ ۵۷ صفحہ ۱۹۱۷ء، صفحہ ۱۶۹۔

۵۸ تاریخ ہندوستان، مطبوعہ ۱۹۰۹ء، جلد ہفتم۔ ۵۹ صفحہ ۱۹۔ ۶۰ خسرو کے ناپسند کرنے جانے کے متعلق ’مواقع و حقائق‘ دونوں قسم کی روایات ۵۵؎ کو خسروؒ میں نقل کر دی گئی ہیں۔

اور اپنی پاداش میں گرفتار تھا۔ اور اُس کی نگرانی خواجہ ابوالحسن کو سپرد تھی۔ اب خواجہ شاہ جہاں کے لشکر کے ساتھ روانہ ہوا۔ جہانگیر نے جمعیتِ خاطر کے لئے خسرو کو شاہ جہاں کے وکلاء کے سپرد کیا۔“

”سلاطین ویشان جن برادران اور خوشیوں کو معدوم کرنے کو بہود عالم جاتے ہیں۔ ان سے دنیا کے

خالی کرنے کو محض صواب سمجھتے ہیں اور مشیرانِ ملک و ملت بمقتضای مصلحت و ناگزیر کار مطلق شرکاء و دولت

کا استیصال خیر اندیشی و بہود اہل روزگار جاتے ہیں۔ دین و دولت کے صواب گویوں کی تجویز سے رنجِ انسانی

سلسلہ کو سلطان خسرو کو ملک عدم کو روانہ کیا۔ جہانگیر نے شراب کے نشہ کی بنے خبری میں خسرو کو شاہ جہاں

کو حوالہ کر دیا تھا۔ گفتگوے مردم کے رنج کے لئے دوسرے روز ارکانِ دولت اور اعیانِ حضرت نے

تکبیر و درود پڑھ کر اس کی نشِ کمال تعظیم و نہایت تکریم سے اٹھائی۔ بُراہن پور سے لے جا کر عالم گنج میں اُس کو

مدفون کیا۔ اُس مظلوم کی بے کسی دے چارگی پر عورت و مرد اُس کو درد کے ساتھ روتے تھے اور اس سانحہ ناگزیر

نے مدتوں تک دور و نزدیک کو سب و عالم میں رکھا۔ اور جب تک وہ شہر میں مدفون رہا شہر جمعہ کو ایک عالم کے

مقبرہ کی زیارت کو جاتا۔ پھر یہاں سے اُس کی نشِ اللہ آباد میں منتقل ہوئی۔ ہر منزل میں بدستور شہر اُس کی قبر نور و

کی گئی۔ برسوں تک پخشنبہ کو اُس موضع کے آدمی گرداگرد سے جمع ہو کر رات کو اُس خالی قبر پر گزارتے تھے۔

سلطان خسرو کے مدفن سے غرض یہ تھی..... ۱۱۱۱

”شاہ جہاں نے اول خسرو کو آنجنابی بنایا اور پھر از سر نو دولتِ خاندانِ برہان پور کے در و دیوار کو

جنسِ نور و زوی سے آرایش دی۔ اور بزمِ فیروز کی پیرائش کی اور اُس میں طلا و نقرہ کی ریزش کی۔“ ۱۱۱۱

اورنگ زیب عالمگیر اُس تمام تکریم و احترام کے ساتھ جو ایسے باپ نے شایانِ شان تھی شاہ جہاں کو

جواب میں لکھتا ہے۔

”..... آگے دربارہ برادران نوشتہ بود و آں خود چرا برے ادبی محمول شود۔ اعلیٰ حضرت خسرو و پروریز ما

کہ پیش از بایام خلافتِ آلِ حضرت بودای فنا شتافتہ بود و نہای و نہای گو نہ آسبے و مضرتے ازاں ہاست و نہای بود و نہای

۱۱۱۱ تاریخ ہندوستان۔ مہر جہانگیری۔ مطبوعہ سنہ ۱۱۹۹ھ۔ جلد ہفتم۔ صفحہ ۲۹۰۔ یاد رہے کہ شاہ جہاں کے حکم سے شہر ہار دیوہ کو

شاہزادے قتل کرنے کے لئے بھیجے گئے تھے۔ قصص ہند، جلد دوم، صفحہ ۱۱۹۔ تاریخ ہندوستان۔ مہر جہانگیری، مطبوعہ سنہ ۱۱۹۹ھ۔ جلد ہفتم، صفحہ ۳۰۔

چہ قسم یاد می فرمایند۔“

مُرتب رَحمت مولانا نجیب اشرف اس کی تعمیر فرماتے ہیں۔ ”آپ مجھے بڑا کیوں کہتے ہیں۔ کیا آپ اپنے بھائیوں خسرو اور پرویز کو بھول گئے۔ باوجودیکہ انھوں نے آپ کو کوئی گزینہ نہیں پہنچایا تھا مگر یاد کیجئے کہ آپ نے اُن کے ساتھ کیا سلوک کیا۔“ ۱۷

خانی خاں، نظام الملکی خود کو بچاتے ہوئے دوسرے کے حوالہ سے لکھتے ہیں ”خسرو را کہ ہمراہ شاہزادہ شہا جہاں دادہ بودند بقول غیرت خاں مولف بہائیکہ نامہ مسموم نمودند“۔

منشی المناشی لالہ سبحان لائے فرماتے ہیں کہ جلوس کے پندرہویں سال اُسی زندان خاد میں خسرو نے ودیعت حیات سپرد کی۔ ”و درزبا ہنا افتاد کہ باشاہزادہ شاہ جہاں اور آخنیاں تنگ کر دہ در زندان فنا گرفتار گشت۔“

تقریباً ہی قول اور بی الفاظ منشی غلام حسین خاں صاحب سیر المتاخرین کے بھی ہیں۔ ۱۸
شمس العلماء آزاد دہلوی نے تحریر کیا ہے کہ ”مستثنیٰ میں خسرو مر گیا۔ شاہ جہاں ہم دکن پر رخصت ہوا تھا۔ وہ اگر باپ سے اس بے نصیب بھائی کی سفارش کیا کرتا تھا۔ اس موقع پر جہانگیر نے اُس سے کہا۔ میں دیکھتا ہوں خسرو ہمیشہ زندہ اور مکر رہتا ہے اور کسی طرح اُس کا دل شکستہ نہیں ہوتا۔ اُسے تم اپنے ساتھ لیتے جاؤ اور جس طرح مناسب ہو حفاظت میں رکھو۔ وہ دکن میں بھائی کے ساتھ تھا کہ دفعۃً در قلع اٹھا اور مر گیا۔ بعض مورخ یہ بھی کہتے ہیں مات کو اچھا بچھا سویا مچ دیکھو تو فرش پر مقتول پڑا ہے۔“

سرولیم علی بن کی روایت ہے کہ شاہزادہ ولیمہد کی ماں کے مار ڈلنے سے فوراً جہاں کو قلعہ میں لے کر اس طرح تخت خود بخود اُس کے اوردہ و منوٹل (شہر پارک) کے لئے خالی ہو جائے گا۔ خسرو کو وحشیانہ

۱۷ رَحمت مالگیری، مغبورہ در المعنفین، جلد اول، صفحہ ۱۶۲، نمبر ۱۳۳۔ ۱۸ منتخب الالباب، حصہ اول، صفحہ ۲۲۵۔

۱۹ خلاصۃ التواریخ، صفحہ ۲۷۵، قلمی۔ ۲۰ صفحہ ۲۷۵، ۲۷۶۔ ۲۱ صفحہ ۲۳۵، جلد اول۔ ۲۲ دربار اکبری، صفحہ ۲۰، ۲۱۔ ۲۳ وندکے (ایبلیس) ہندی لکائنش، جلد اول، صفحہ ۲۰، ۲۱۔ ۲۴ ولاد بھی تھا پہلے شوہر سے لڑکی کا شوہر۔

طور پر نصارت سے محروم کر دینے کے بعد نامہ بہان باب مہربان ہو گیا۔ اور خسرو کے ساتھ بڑی شفقت و مہربانی پیش آنے لگا تھا۔ لیکن جب خسرو کا بھائی شاہ جہاں جنوبی ہند کی گورنری پر مقرر ہوا تو اُس نے اپنے پیارے نابینا بھائی کی راحت و آسائش کے متعلق اپنی ناخاطر جمعی اور پریشان حالی کا نمائشی اظہار کیا۔ اندیشہ ظاہر کیا کہ دارالسلطنت میں اُس کی فراغت و آرام کا اتنا خیال کون رکھے گا۔ اس لئے وہ خسرو کو لے کر اپنے صوبہ دکن چلا گیا اور وہاں اُس کو قتل کرادیا۔ کیونکہ یہی ایک صورت تھی جس میں وہ اپنے لئے یقینی طور پر تلخ و سخت کو محفوظ سمجھتا تھا۔

اس پر ڈاکٹر ولفسنٹ استہ اپنے نوٹ نمبر ایک میں صرف اسی قدر اضافہ کرتے ہیں کہ سال ۱۶۳۱ء یعنی ۱۶۲۱-۲۲ء تھا۔

مشرکین لکھتے ہیں کہ ۱۶۱۵ء (۹۷۰ھ) میں ناعاقبت اندیش و بد نصیب خسرو مر گیا اور الدہ آباد میں اپنی ماں کے برابر اُسی بلغم میں جو آج تک اُس کے نام سے منسوب ہے دفن ہوا۔ شاہ جہاں کے ولی عہد سلطنت ہو جانے کا اعلان (اگرچہ) ہو چکا تھا تاہم وہ اپنے سوتیلے بھائی کی موت کے شبہ سے پاک نہیں رہا۔ البتہ یہ الزام کبھی اُس کے خلاف ثابت نہیں ہوا۔ اور خود اُس کے طریق عمل میں بھی کوئی ایسی بات پائی نہیں جاتی جس سے ایسی شتم گاری کی تہمت کا وہ سزاوار ہو۔

اس طویل سلسلہ نقل و حکایت اور روایت و درایت کو ڈاکٹر اسٹینٹن نے *Lane-Poole* کی اس تحریر پر ختم کرنا چاہتا ہوں۔ کہ ”جہانگیر کا دوسرا بیٹا شاہ جہاں خسرو کو ملکی معاملات میں انتہاء درجہ کا پرخطر و مقابل شمار کرتا تھا۔ جو بات کہ دراصل واقع ہوئی ہے کبھی بھی منکشف نہ ہوگی۔ البتہ جب شاہ جہاں نے خرم دکن کو فتنہ و فساد کے استیصال کے لئے سنہ ۱۶۲۱ء میں گیا تو اصرار کر کے اپنے بڑے بھائی کو بھی ساتھ لیتا آیا۔ بد نصیب خسرو وہیں مرا۔ کہا تو جانا ہے کہ بنگالہ سے گور مشرق میں بعض اوقات ایسے بخار نہایت ٹھیک وقت پر آجاتے ہیں۔“

۱۔ یہ سب بات دفعہ کرے (ریپبلک انڈی می گیشن) جلد اول، صفحہ ۳۰۴۔ ۲۔ گین کی مغل تاریخ، جلد ۱۱۸ و ۱۱۹۔

۳۔ قرآن، مغل کا جہد و ستان، تختِ حکومتِ مسلمانان، صفحہ ۲۲۱۔

مسٹر ہنری بیوریج، ترک جہانگیری کے ترجمہ کے دیباچہ میں ارقام فرماتے ہیں کہ ”جہانگیر کے بعد شاہجہاں تخت نشین ہوا۔ اُس نے اپنے رشتہ داروں کو رخصت کر دینے میں تاخیر نہیں کی۔ ایک ترک کی طرح اُس نے کسی قریب (قرب) کو تخت کے قریب نہیں رہنے دیا۔ فی الحقیقت اُس پر بڑا (بڑا) شبہ کیا جاتا ہے کہ اُس نے اپنے بڑے بھائی خسرو کو کئی سال پیشتر قتل کر دیا تھا۔“

لاہور کے مشہور مصنف و مولف سید محمد لطیف اپنی تاریخ روم میں لکھتے ہیں کہ کچھ مغلوں ہی پر منحصر نہیں۔ عثمانی خاندان کے ترک سلاطین بھی معاصر ملکی اور اغراض ذاتی کے لحاظ سے اپنے اقارب و اعزہ کے خون کے دشمن رہے ہیں۔ محمد خاں بک بہ شریف نے جو مراد اعظم کا باپ اور ایک نیک نہاد انسان تھا اپنے بھائی کی آنکھیں نکوالی تھیں۔ بھتیجے کو قتل کر دیا تھا۔... اور شاید زیادہ رحم کا اتنا ہی ہوتا تھا کہ انھیں فوراً قتل کر دیتے تھے۔“

تاریخ اورنگ زیب و زوال سلطنت مغلیہ میں مسٹر اسٹینلی لین پلے Stanley Lane-Poole فرماتے ہیں کہ اسی خاندان کے سلطان یازید نے اپنے بھائی شاہزادہ حمزہ جب سلسلہ سلطنت چھوڑا تو یہ لکھا تھا کہ *King'ship came to him from his father* بادشاہت میں رشتہ کا سرشتہ قائم نہیں رہتا۔ یہی ضرب المثل انگریزی میں بھی چلی آتی ہے۔

ترک کی تبلیغ والی اطلاع کے متعلق مسٹر بیوریج کا خیال ہے کہ ”یہ تاریخ ۲۰ اور ماہ ۱۰ بہمن ہونا چاہئے۔ خسرو دکن میں فوت ہوا اور مانا پڑے گا کہ برہان پور یا آسیر میں۔ ۲۰ بہمن ۱۰۳۱ھ تقویم قدیم سے ۱۹ جنوری ۱۶۲۲ء کے مطابق ہوتی ہے۔ لیکن اُس کے مرنے کی تاریخ ہنوز محقق و شخص نہیں ہوئی ہے۔“ کہا جاتا ہے کہ خسرو اخیر سال سولھویں جلوس میں مرا ہے۔

اس قدر ثابت ہے کہ خسرو کی لاش بڑی عجلت کے ساتھ برہان پور میں سپرد خاک کر دی گئی تھی۔

صفحہ ۱۵۲ دیباچہ۔ ۱۔ مسٹر ایف ٹرکی۔ ۲۔ ملبورن ۱۸۸۵ء۔ ۳۔ صفحہ ۱۰۷۔ ۴۔ ملبورن ۱۸۸۵ء۔ ۵۔ ترجمہ اردو، صفحہ ۱۰۷۔

۶۔ ترجمہ ترک، انگریزی، صفحہ ۲۲۸۔ ۷۔ فٹ۔ اور۔ رائل ایشیائی سوسائٹی کا رسالہ، باب ۱۹، صفحہ ۱۰۷۔ ۸۔ صفحہ ۱۰۷۔ ۹۔ صفحہ ۱۰۷۔ ۱۰۔ صفحہ ۱۰۷۔

۱۱۔ یہ برہان پور ہے جہاں واقعہ ۱۰۳۱ھ (۱۶۳۱ء) میں متنازعہ راجہ بنو یوگ نے انتقال کیا تھا جہاں باغ نیر آباد ہے۔

اس کا باعث غلوہ سیاسی ہو یا کچھ اور معلوم نہیں رہی ہوں، یا شاہجہاں کی ذاتی کاوش و مال اندیشی یا میدان جنگ اور جہاد و قتال کی ہنگامی ضرورتیں۔ لیکن غالباً خلیفہ (کانفیڈنشل) اطلاعات کے پہونچنے اور چند در چند شہرہات کے پیدا ہونے پر چند ماہ کے بعد قبر کھولی گئی اور مئی ۱۶۲۲ء میں بادشاہ کے حکم سے (منسرو کی) لاش نکالی اور دارالسلطنت آگرہ کو روانہ کی گئی۔ اگرہ میں ۲۰ جون ۱۶۲۲ء کو پہونچے۔ وہاں سے الہ آباد لائی گئی۔ اور بالآخر غلہ آباد کے باغ میں اپنی مادر گرامی نژاد کے قریب اُس کے پہلو میں دفن کر دی گئی۔ یہ دولتِ اسلامی کے عروج اور زرباشیوں کا وقت تھا۔ راستہ میں جنازہ جہاں جہاں سے گزرا اور جن جن مقامات پر رکھا گیا مختلف قسم کی یادگاریں قائم ہوتی گئیں۔ کہیں کہیں چھوٹے چھوٹے باغ لگائے گئے۔ کہیں کہیں مقبروں کی وضع کی خانقاہیں اور مسافر خانے بنائے گئے۔

وہ کشتہ ہوں کہ مری لاش جھڑن گزری زین پکار اٹھی قابل مزار ہوں میں۔

ایک یورپین سیاح فرینچسکو پامبلور صاحب *Francisco Pambloor* اپنے سفر نامہ ۱۶۲۷ء کے احوال میں لکھتے ہیں کہ ان مقامات پر فقروں کی ایک کثیر تعداد مشغول و دخل ہو گئی ہے۔ یہ لوگ مُزَوِّد، مجاور یا خادم زود اعتقاد و عوام الناس کو یقین دلا دیتے ہیں کہ خداوندِ عالم و عالمیان نے عالمِ رویا میں ہم کو ایسا حکم دیا ہے کہ جو لوگ تم سے صلاح و مشورے کے طالب ہوں اُن کو نجات و برأت کی بشارت دیتے رہو۔ اس طریقہ کو ریاضت سے ان اشخاص کو کثیر رقمیں اور نقد و جنس خوب وصول ہو جاتا تھا۔

میں اس کی لاش امامتِ دفن کر دی گئی تھی۔ پھر چھ سات چھینے بعد اکبر آباد منتقل ہوئی۔ (ڈکن صاحب کی آگ ہیڈ بک صفحہ ۴۰۰۔ اور شیخ حسین الدین کی تاریخ تاج، صفحات ۱۰۱-۱۰۳۔ و بادشاہ نامہ عبدالحمید لاہوری، جلد اول، صفحات ۴۰۴ و ۴۰۵۔ و تاریخ آگرہ از مولوی معین احمد، ص ۴۰۰۔ و مفتاح التواریخ، صفحہ ۵۰۲۔) خرد کے ہلاک کر دینے کے کچھ ہی زمانہ بعد اسی سوت پر، بیگم کاٹاگیاں مرزا شاہ جہاں کا مسکافاتِ عمل تھا، یا شاہِ قدرت کا انتقام شہ تاریخ جہانگیر از بدیع فیض بنی بر ستاد، صفحہ ۳۲۰۔

تاریخ جہانگیر، صفحہ ۵۵۰، کلاں گوس باگھم و فیرو۔ شہ ایضاً صفحہ ۵۵۰ و ۵۵۱، بھولا پیر مشہی۔

بھولا پیر مشہی، جلد دوم، صفحہ ۱۰۰۔ و جبر صوفیہ، بادشاہ نامہ (مجدد اول، صفحات ۴۰۴ و ۴۰۵) سے پایا جاتا ہے کہ مستزاج کی فنش جو قوت بہانہ پار سے جلی تھی، آگرہ تک برابر اسی طرح خیر قوت ہوئی تھی اور مرزا و مساکین کو کثیر مقدار میں نقد و جنس تقسیم و مرحمت ہوتا تھا۔ تاریخ تاج، صفحہ ۱۰۳۔

برہان پور والی قبر سے نشہ نکالنے کے کچھ شواہد و اسناد اور بھی ہیں۔

نکولابانگم اور جیٹن آن لے
Nicholas Bangham and Trotman
نے ۹ مئی ۱۹۲۲ء کو برہان پور سے سورت فیکٹری کو رپورٹ کی تھی کہ سلطان خسرو کو قبر سے نکالا ہے۔
دہلی لے جاتے ہیں۔ بادشاہ کا حکم ایسا ہی آیا ہے۔

قاتل اترے داسن پر مے خون کے دہستے کچھ اور بھی خجستہ چھلنے میں لگے ہیں
پروفیسر بینی پر شاہ کا خیال ہے اور یقیناً صحیح خیال ہے کہ اگر وہ کی بجائے دہلی سپرکتابت یا فرنش فلم
سے نکل گیا ہے۔ پیر منڈی صاحب *Peter Mundy* کا بھی یہی بیان ہے کہ خسرو کی لاش برہان پور
سے آگہ لائی گئی تھی اس کی تائید دوسرے ذرائع سے بھی ہوتی ہے۔ اگر وہ کے کارکن رابرٹ ہیوز صاحب
Robert Hughes نے اس تاریخ (۹ مئی ۱۹۲۲ء) کو سورت فیکٹری تک پہنچ کر کیا تھا کہ آج
سلطان خسرو کا تابوت برہان پور سے یہاں آیا ہے۔ کل الہ آباد چلا جائے گا۔ وہاں اپنی ماں کے قریب دفن ہوگا۔
منڈی صاحب بظاہر ایک یہودہ و نوسی روایت بھی نقل کرتے ہیں کہ ”خسرو فی الواقع آگرہ میں ہینڈلین
کر دیا گیا تھا۔ لوگ اُس کی حرمت و پرستش ولی و شہید کی طرح کرنے لگے تھے۔ نور محل جو اس سے زندگی بھر
نفرت و عناد رکھتی رہی، کیسے ضبط و برداشت کر سکتی تھی کہ مرنے کے بعد خسرو کا یہ ادب و احترام ملحوظ رکھا جائے۔
اس نے بادشاہ سے کچھ اس طرح منت و سماجت کی کہ وہاں سے بھی ہٹا کر ”مردہ آباد“ یا ”کرز و آباد“

Caprabad یا یقیناً الہ آباد اس کو منتقل کر دینا پڑا،
اس قول کی تائید یا تصدیق کسی اور اہل قلم سے نہیں ہوتی۔ یہ تسلیم ہے کہ اس واقعہ سے گیارہ بارہ برس پیشتر
نورجہاں (۱۰۹ھ مطابق ۱۶۱۰ء میں) شہستان جھانگیری میں داخل ہو چکی تھی اور بادشاہ پر اور قابو حاصل کر لیا تھا۔
ابھی یہ واقعات تازہ تھے اور مقبرہ کی تعمیر کو دس برس بھی گزرے ہوئے تھے کہ پیر منڈی صاحب ۱۹۲۲ء میں

۱۵ ہندوستان کی انگریزی کوٹھیاں، باب ۲۳ صفحہ ۲۲۰، صفحہ ۲۲۱، تاریخ جہانگیر ۳۳۹ء سے سیاحت نامہ جلد دوم، صفحہ ۱۰۵۔

۱۶ انگریزوں کی تمدنی و ٹیٹھی سب سے پہلے سورت میں ۱۶۱۲ء میں قائم ہوئی تھی۔ اس کے پانچ سات برس بعد آگرہ ۱۶۲۲ء
میں مسفر نامہ پیر و دیا لٹے، صفحہ ۱۹ نوٹ۔ ۱۷ انگریزی فیکٹریاں، باب ۲۳-۱۹۲۲ء، صفحہ ۹۰-۱۰۵ جلد دوم، صفحات ۱۰۵ و ۱۰۶۔

یہاں (الہ آباد) آئے اور مقبرہ دیکھا تھا۔ فرماتے ہیں کہ ”چوٹی کے قریب لکڑی کا ٹھہر یا جگھا لگا ہے۔ اس میں پچھ مویوں کی سیبوں سے تر صیغ (جڑائی) کا کام کیا گیا ہے۔ اس میں محلی زر کار شامیانہ (کیناپی) سیاہ گستر ہے۔ سر پر شاہزادہ کی دستار ہے۔ پہلو میں مصحف (قرآن مجید) رکھا ہے۔ خوش عقیدہ ستیاج کا بیان ہے کہ ”اسکے قتل کے لئے جو قوت لوگ اسکے سر پر پہنچے ہیں تو خسرو اپنی غیرت کی اسی کتاب کو پڑھ رہا تھا۔“

لیکن آج کیا حالت ہے۔ ڈاکٹر مبینی پرشل کہتے ہیں کہ دیکھنے والا وہاں پہنچ کر صرف ایک مٹی سی سادہ قبر پاتا ہے۔ آپ بھی جائیں اور دریا انگیز و رقت خیز فارسی کتبہ کو پڑھ لیں، یا اتنا انتظار فرمائیں کہ آگے چلکر مقبول پچھ ان کا قلم مساعدت کرے اور انھیں ناچیز صفحات پر مقبرہ کا ایک حصہ لاسا خاں لکھنے سکے۔ بد نصیب خسرو اور اس کی قبر کا مادی احترام کرنے والا اب کون ہو سکتا ہے۔ اس کا ماتم کرنے والی اسکے باپ دادا کی سلطنت مدت ہوئی مٹ چکی۔ امرا کے قصور و ایوان صفحہ ہستی سے یک قلم معدوم و نابود ہو چکے۔ کچھ پرانی یاد گاریں باقی ہیں تو صرف مشائخ و فقرہ کی۔ جن کی عظمت و استحکام کو بھی زمانہ کا زبردست ہاتھ رفتہ رفتہ شادہاں اب خاک پہ ہیں کل تخت پر تھے، اک زیست کی حالت وہ بھی تھی

اللہ کی قدرت یہ بھی ہے، اللہ کی قدرت وہ بھی تھی

جلد باز انسان کا قلم اس قدر جلد کہاں سے کہاں پہنچا۔ کہنا یہ تھا کہ ہانگیر اور اس کے بیٹے پوتے کا زمانہ جسکو مورخ دولت منلیس کے شباب کا وقت بتاتے ہیں دیگر اسلامی حضرات و مقابلہ کی طرح، مقابلہ خسرو باغ

لے سیاحت نامہ، جلد دوم، صفحہ ۱۰۶۔ ۱۰۷ تا ۱۰۸ تا ۱۰۹ تا ۱۱۰ تا ۱۱۱ تا ۱۱۲ تا ۱۱۳ تا ۱۱۴ تا ۱۱۵ تا ۱۱۶ تا ۱۱۷ تا ۱۱۸ تا ۱۱۹ تا ۱۲۰ تا ۱۲۱ تا ۱۲۲ تا ۱۲۳ تا ۱۲۴ تا ۱۲۵ تا ۱۲۶ تا ۱۲۷ تا ۱۲۸ تا ۱۲۹ تا ۱۳۰ تا ۱۳۱ تا ۱۳۲ تا ۱۳۳ تا ۱۳۴ تا ۱۳۵ تا ۱۳۶ تا ۱۳۷ تا ۱۳۸ تا ۱۳۹ تا ۱۴۰ تا ۱۴۱ تا ۱۴۲ تا ۱۴۳ تا ۱۴۴ تا ۱۴۵ تا ۱۴۶ تا ۱۴۷ تا ۱۴۸ تا ۱۴۹ تا ۱۵۰ تا ۱۵۱ تا ۱۵۲ تا ۱۵۳ تا ۱۵۴ تا ۱۵۵ تا ۱۵۶ تا ۱۵۷ تا ۱۵۸ تا ۱۵۹ تا ۱۶۰ تا ۱۶۱ تا ۱۶۲ تا ۱۶۳ تا ۱۶۴ تا ۱۶۵ تا ۱۶۶ تا ۱۶۷ تا ۱۶۸ تا ۱۶۹ تا ۱۷۰ تا ۱۷۱ تا ۱۷۲ تا ۱۷۳ تا ۱۷۴ تا ۱۷۵ تا ۱۷۶ تا ۱۷۷ تا ۱۷۸ تا ۱۷۹ تا ۱۸۰ تا ۱۸۱ تا ۱۸۲ تا ۱۸۳ تا ۱۸۴ تا ۱۸۵ تا ۱۸۶ تا ۱۸۷ تا ۱۸۸ تا ۱۸۹ تا ۱۹۰ تا ۱۹۱ تا ۱۹۲ تا ۱۹۳ تا ۱۹۴ تا ۱۹۵ تا ۱۹۶ تا ۱۹۷ تا ۱۹۸ تا ۱۹۹ تا ۲۰۰ تا ۲۰۱ تا ۲۰۲ تا ۲۰۳ تا ۲۰۴ تا ۲۰۵ تا ۲۰۶ تا ۲۰۷ تا ۲۰۸ تا ۲۰۹ تا ۲۱۰ تا ۲۱۱ تا ۲۱۲ تا ۲۱۳ تا ۲۱۴ تا ۲۱۵ تا ۲۱۶ تا ۲۱۷ تا ۲۱۸ تا ۲۱۹ تا ۲۲۰ تا ۲۲۱ تا ۲۲۲ تا ۲۲۳ تا ۲۲۴ تا ۲۲۵ تا ۲۲۶ تا ۲۲۷ تا ۲۲۸ تا ۲۲۹ تا ۲۳۰ تا ۲۳۱ تا ۲۳۲ تا ۲۳۳ تا ۲۳۴ تا ۲۳۵ تا ۲۳۶ تا ۲۳۷ تا ۲۳۸ تا ۲۳۹ تا ۲۴۰ تا ۲۴۱ تا ۲۴۲ تا ۲۴۳ تا ۲۴۴ تا ۲۴۵ تا ۲۴۶ تا ۲۴۷ تا ۲۴۸ تا ۲۴۹ تا ۲۵۰ تا ۲۵۱ تا ۲۵۲ تا ۲۵۳ تا ۲۵۴ تا ۲۵۵ تا ۲۵۶ تا ۲۵۷ تا ۲۵۸ تا ۲۵۹ تا ۲۶۰ تا ۲۶۱ تا ۲۶۲ تا ۲۶۳ تا ۲۶۴ تا ۲۶۵ تا ۲۶۶ تا ۲۶۷ تا ۲۶۸ تا ۲۶۹ تا ۲۷۰ تا ۲۷۱ تا ۲۷۲ تا ۲۷۳ تا ۲۷۴ تا ۲۷۵ تا ۲۷۶ تا ۲۷۷ تا ۲۷۸ تا ۲۷۹ تا ۲۸۰ تا ۲۸۱ تا ۲۸۲ تا ۲۸۳ تا ۲۸۴ تا ۲۸۵ تا ۲۸۶ تا ۲۸۷ تا ۲۸۸ تا ۲۸۹ تا ۲۹۰ تا ۲۹۱ تا ۲۹۲ تا ۲۹۳ تا ۲۹۴ تا ۲۹۵ تا ۲۹۶ تا ۲۹۷ تا ۲۹۸ تا ۲۹۹ تا ۳۰۰ تا ۳۰۱ تا ۳۰۲ تا ۳۰۳ تا ۳۰۴ تا ۳۰۵ تا ۳۰۶ تا ۳۰۷ تا ۳۰۸ تا ۳۰۹ تا ۳۱۰ تا ۳۱۱ تا ۳۱۲ تا ۳۱۳ تا ۳۱۴ تا ۳۱۵ تا ۳۱۶ تا ۳۱۷ تا ۳۱۸ تا ۳۱۹ تا ۳۲۰ تا ۳۲۱ تا ۳۲۲ تا ۳۲۳ تا ۳۲۴ تا ۳۲۵ تا ۳۲۶ تا ۳۲۷ تا ۳۲۸ تا ۳۲۹ تا ۳۳۰ تا ۳۳۱ تا ۳۳۲ تا ۳۳۳ تا ۳۳۴ تا ۳۳۵ تا ۳۳۶ تا ۳۳۷ تا ۳۳۸ تا ۳۳۹ تا ۳۴۰ تا ۳۴۱ تا ۳۴۲ تا ۳۴۳ تا ۳۴۴ تا ۳۴۵ تا ۳۴۶ تا ۳۴۷ تا ۳۴۸ تا ۳۴۹ تا ۳۵۰ تا ۳۵۱ تا ۳۵۲ تا ۳۵۳ تا ۳۵۴ تا ۳۵۵ تا ۳۵۶ تا ۳۵۷ تا ۳۵۸ تا ۳۵۹ تا ۳۶۰ تا ۳۶۱ تا ۳۶۲ تا ۳۶۳ تا ۳۶۴ تا ۳۶۵ تا ۳۶۶ تا ۳۶۷ تا ۳۶۸ تا ۳۶۹ تا ۳۷۰ تا ۳۷۱ تا ۳۷۲ تا ۳۷۳ تا ۳۷۴ تا ۳۷۵ تا ۳۷۶ تا ۳۷۷ تا ۳۷۸ تا ۳۷۹ تا ۳۸۰ تا ۳۸۱ تا ۳۸۲ تا ۳۸۳ تا ۳۸۴ تا ۳۸۵ تا ۳۸۶ تا ۳۸۷ تا ۳۸۸ تا ۳۸۹ تا ۳۹۰ تا ۳۹۱ تا ۳۹۲ تا ۳۹۳ تا ۳۹۴ تا ۳۹۵ تا ۳۹۶ تا ۳۹۷ تا ۳۹۸ تا ۳۹۹ تا ۴۰۰ تا ۴۰۱ تا ۴۰۲ تا ۴۰۳ تا ۴۰۴ تا ۴۰۵ تا ۴۰۶ تا ۴۰۷ تا ۴۰۸ تا ۴۰۹ تا ۴۱۰ تا ۴۱۱ تا ۴۱۲ تا ۴۱۳ تا ۴۱۴ تا ۴۱۵ تا ۴۱۶ تا ۴۱۷ تا ۴۱۸ تا ۴۱۹ تا ۴۲۰ تا ۴۲۱ تا ۴۲۲ تا ۴۲۳ تا ۴۲۴ تا ۴۲۵ تا ۴۲۶ تا ۴۲۷ تا ۴۲۸ تا ۴۲۹ تا ۴۳۰ تا ۴۳۱ تا ۴۳۲ تا ۴۳۳ تا ۴۳۴ تا ۴۳۵ تا ۴۳۶ تا ۴۳۷ تا ۴۳۸ تا ۴۳۹ تا ۴۴۰ تا ۴۴۱ تا ۴۴۲ تا ۴۴۳ تا ۴۴۴ تا ۴۴۵ تا ۴۴۶ تا ۴۴۷ تا ۴۴۸ تا ۴۴۹ تا ۴۵۰ تا ۴۵۱ تا ۴۵۲ تا ۴۵۳ تا ۴۵۴ تا ۴۵۵ تا ۴۵۶ تا ۴۵۷ تا ۴۵۸ تا ۴۵۹ تا ۴۶۰ تا ۴۶۱ تا ۴۶۲ تا ۴۶۳ تا ۴۶۴ تا ۴۶۵ تا ۴۶۶ تا ۴۶۷ تا ۴۶۸ تا ۴۶۹ تا ۴۷۰ تا ۴۷۱ تا ۴۷۲ تا ۴۷۳ تا ۴۷۴ تا ۴۷۵ تا ۴۷۶ تا ۴۷۷ تا ۴۷۸ تا ۴۷۹ تا ۴۸۰ تا ۴۸۱ تا ۴۸۲ تا ۴۸۳ تا ۴۸۴ تا ۴۸۵ تا ۴۸۶ تا ۴۸۷ تا ۴۸۸ تا ۴۸۹ تا ۴۹۰ تا ۴۹۱ تا ۴۹۲ تا ۴۹۳ تا ۴۹۴ تا ۴۹۵ تا ۴۹۶ تا ۴۹۷ تا ۴۹۸ تا ۴۹۹ تا ۵۰۰ تا ۵۰۱ تا ۵۰۲ تا ۵۰۳ تا ۵۰۴ تا ۵۰۵ تا ۵۰۶ تا ۵۰۷ تا ۵۰۸ تا ۵۰۹ تا ۵۱۰ تا ۵۱۱ تا ۵۱۲ تا ۵۱۳ تا ۵۱۴ تا ۵۱۵ تا ۵۱۶ تا ۵۱۷ تا ۵۱۸ تا ۵۱۹ تا ۵۲۰ تا ۵۲۱ تا ۵۲۲ تا ۵۲۳ تا ۵۲۴ تا ۵۲۵ تا ۵۲۶ تا ۵۲۷ تا ۵۲۸ تا ۵۲۹ تا ۵۳۰ تا ۵۳۱ تا ۵۳۲ تا ۵۳۳ تا ۵۳۴ تا ۵۳۵ تا ۵۳۶ تا ۵۳۷ تا ۵۳۸ تا ۵۳۹ تا ۵۴۰ تا ۵۴۱ تا ۵۴۲ تا ۵۴۳ تا ۵۴۴ تا ۵۴۵ تا ۵۴۶ تا ۵۴۷ تا ۵۴۸ تا ۵۴۹ تا ۵۵۰ تا ۵۵۱ تا ۵۵۲ تا ۵۵۳ تا ۵۵۴ تا ۵۵۵ تا ۵۵۶ تا ۵۵۷ تا ۵۵۸ تا ۵۵۹ تا ۵۶۰ تا ۵۶۱ تا ۵۶۲ تا ۵۶۳ تا ۵۶۴ تا ۵۶۵ تا ۵۶۶ تا ۵۶۷ تا ۵۶۸ تا ۵۶۹ تا ۵۷۰ تا ۵۷۱ تا ۵۷۲ تا ۵۷۳ تا ۵۷۴ تا ۵۷۵ تا ۵۷۶ تا ۵۷۷ تا ۵۷۸ تا ۵۷۹ تا ۵۸۰ تا ۵۸۱ تا ۵۸۲ تا ۵۸۳ تا ۵۸۴ تا ۵۸۵ تا ۵۸۶ تا ۵۸۷ تا ۵۸۸ تا ۵۸۹ تا ۵۹۰ تا ۵۹۱ تا ۵۹۲ تا ۵۹۳ تا ۵۹۴ تا ۵۹۵ تا ۵۹۶ تا ۵۹۷ تا ۵۹۸ تا ۵۹۹ تا ۶۰۰ تا ۶۰۱ تا ۶۰۲ تا ۶۰۳ تا ۶۰۴ تا ۶۰۵ تا ۶۰۶ تا ۶۰۷ تا ۶۰۸ تا ۶۰۹ تا ۶۱۰ تا ۶۱۱ تا ۶۱۲ تا ۶۱۳ تا ۶۱۴ تا ۶۱۵ تا ۶۱۶ تا ۶۱۷ تا ۶۱۸ تا ۶۱۹ تا ۶۲۰ تا ۶۲۱ تا ۶۲۲ تا ۶۲۳ تا ۶۲۴ تا ۶۲۵ تا ۶۲۶ تا ۶۲۷ تا ۶۲۸ تا ۶۲۹ تا ۶۳۰ تا ۶۳۱ تا ۶۳۲ تا ۶۳۳ تا ۶۳۴ تا ۶۳۵ تا ۶۳۶ تا ۶۳۷ تا ۶۳۸ تا ۶۳۹ تا ۶۴۰ تا ۶۴۱ تا ۶۴۲ تا ۶۴۳ تا ۶۴۴ تا ۶۴۵ تا ۶۴۶ تا ۶۴۷ تا ۶۴۸ تا ۶۴۹ تا ۶۵۰ تا ۶۵۱ تا ۶۵۲ تا ۶۵۳ تا ۶۵۴ تا ۶۵۵ تا ۶۵۶ تا ۶۵۷ تا ۶۵۸ تا ۶۵۹ تا ۶۶۰ تا ۶۶۱ تا ۶۶۲ تا ۶۶۳ تا ۶۶۴ تا ۶۶۵ تا ۶۶۶ تا ۶۶۷ تا ۶۶۸ تا ۶۶۹ تا ۶۷۰ تا ۶۷۱ تا ۶۷۲ تا ۶۷۳ تا ۶۷۴ تا ۶۷۵ تا ۶۷۶ تا ۶۷۷ تا ۶۷۸ تا ۶۷۹ تا ۶۸۰ تا ۶۸۱ تا ۶۸۲ تا ۶۸۳ تا ۶۸۴ تا ۶۸۵ تا ۶۸۶ تا ۶۸۷ تا ۶۸۸ تا ۶۸۹ تا ۶۹۰ تا ۶۹۱ تا ۶۹۲ تا ۶۹۳ تا ۶۹۴ تا ۶۹۵ تا ۶۹۶ تا ۶۹۷ تا ۶۹۸ تا ۶۹۹ تا ۷۰۰ تا ۷۰۱ تا ۷۰۲ تا ۷۰۳ تا ۷۰۴ تا ۷۰۵ تا ۷۰۶ تا ۷۰۷ تا ۷۰۸ تا ۷۰۹ تا ۷۱۰ تا ۷۱۱ تا ۷۱۲ تا ۷۱۳ تا ۷۱۴ تا ۷۱۵ تا ۷۱۶ تا ۷۱۷ تا ۷۱۸ تا ۷۱۹ تا ۷۲۰ تا ۷۲۱ تا ۷۲۲ تا ۷۲۳ تا ۷۲۴ تا ۷۲۵ تا ۷۲۶ تا ۷۲۷ تا ۷۲۸ تا ۷۲۹ تا ۷۳۰ تا ۷۳۱ تا ۷۳۲ تا ۷۳۳ تا ۷۳۴ تا ۷۳۵ تا ۷۳۶ تا ۷۳۷ تا ۷۳۸ تا ۷۳۹ تا ۷۴۰ تا ۷۴۱ تا ۷۴۲ تا ۷۴۳ تا ۷۴۴ تا ۷۴۵ تا ۷۴۶ تا ۷۴۷ تا ۷۴۸ تا ۷۴۹ تا ۷۵۰ تا ۷۵۱ تا ۷۵۲ تا ۷۵۳ تا ۷۵۴ تا ۷۵۵ تا ۷۵۶ تا ۷۵۷ تا ۷۵۸ تا ۷۵۹ تا ۷۶۰ تا ۷۶۱ تا ۷۶۲ تا ۷۶۳ تا ۷۶۴ تا ۷۶۵ تا ۷۶۶ تا ۷۶۷ تا ۷۶۸ تا ۷۶۹ تا ۷۷۰ تا ۷۷۱ تا ۷۷۲ تا ۷۷۳ تا ۷۷۴ تا ۷۷۵ تا ۷۷۶ تا ۷۷۷ تا ۷۷۸ تا ۷۷۹ تا ۷۸۰ تا ۷۸۱ تا ۷۸۲ تا ۷۸۳ تا ۷۸۴ تا ۷۸۵ تا ۷۸۶ تا ۷۸۷ تا ۷۸۸ تا ۷۸۹ تا ۷۹۰ تا ۷۹۱ تا ۷۹۲ تا ۷۹۳ تا ۷۹۴ تا ۷۹۵ تا ۷۹۶ تا ۷۹۷ تا ۷۹۸ تا ۷۹۹ تا ۸۰۰ تا ۸۰۱ تا ۸۰۲ تا ۸۰۳ تا ۸۰۴ تا ۸۰۵ تا ۸۰۶ تا ۸۰۷ تا ۸۰۸ تا ۸۰۹ تا ۸۱۰ تا ۸۱۱ تا ۸۱۲ تا ۸۱۳ تا ۸۱۴ تا ۸۱۵ تا ۸۱۶ تا ۸۱۷ تا ۸۱۸ تا ۸۱۹ تا ۸۲۰ تا ۸۲۱ تا ۸۲۲ تا ۸۲۳ تا ۸۲۴ تا ۸۲۵ تا ۸۲۶ تا ۸۲۷ تا ۸۲۸ تا ۸۲۹ تا ۸۳۰ تا ۸۳۱ تا ۸۳۲ تا ۸۳۳ تا ۸۳۴ تا ۸۳۵ تا ۸۳۶ تا ۸۳۷ تا ۸۳۸ تا ۸۳۹ تا ۸۴۰ تا ۸۴۱ تا ۸۴۲ تا ۸۴۳ تا ۸۴۴ تا ۸۴۵ تا ۸۴۶ تا ۸۴۷ تا ۸۴۸ تا ۸۴۹ تا ۸۵۰ تا ۸۵۱ تا ۸۵۲ تا ۸۵۳ تا ۸۵۴ تا ۸۵۵ تا ۸۵۶ تا ۸۵۷ تا ۸۵۸ تا ۸۵۹ تا ۸۶۰ تا ۸۶۱ تا ۸۶۲ تا ۸۶۳ تا ۸۶۴ تا ۸۶۵ تا ۸۶۶ تا ۸۶۷ تا ۸۶۸ تا ۸۶۹ تا ۸۷۰ تا ۸۷۱ تا ۸۷۲ تا ۸۷۳ تا ۸۷۴ تا ۸۷۵ تا ۸۷۶ تا ۸۷۷ تا ۸۷۸ تا ۸۷۹ تا ۸۸۰ تا ۸۸۱ تا ۸۸۲ تا ۸۸۳ تا ۸۸۴ تا ۸۸۵ تا ۸۸۶ تا ۸۸۷ تا ۸۸۸ تا ۸۸۹ تا ۸۹۰ تا ۸۹۱ تا ۸۹۲ تا ۸۹۳ تا ۸۹۴ تا ۸۹۵ تا ۸۹۶ تا ۸۹۷ تا ۸۹۸ تا ۸۹۹ تا ۹۰۰ تا ۹۰۱ تا ۹۰۲ تا ۹۰۳ تا ۹۰۴ تا ۹۰۵ تا ۹۰۶ تا ۹۰۷ تا ۹۰۸ تا ۹۰۹ تا ۹۱۰ تا ۹۱۱ تا ۹۱۲ تا ۹۱۳ تا ۹۱۴ تا ۹۱۵ تا ۹۱۶ تا ۹۱۷ تا ۹۱۸ تا ۹۱۹ تا ۹۲۰ تا ۹۲۱ تا ۹۲۲ تا ۹۲۳ تا ۹۲۴ تا ۹۲۵ تا ۹۲۶ تا ۹۲۷ تا ۹۲۸ تا ۹۲۹ تا ۹۳۰ تا ۹۳۱ تا ۹۳۲ تا ۹۳۳ تا ۹۳۴ تا ۹۳۵ تا ۹۳۶ تا ۹۳۷ تا ۹۳۸ تا ۹۳۹ تا ۹۴۰ تا ۹۴۱ تا ۹۴۲ تا ۹۴۳ تا ۹۴۴ تا ۹۴۵ تا ۹۴۶ تا ۹۴۷ تا ۹۴۸ تا ۹۴۹ تا ۹۵۰ تا ۹۵۱ تا ۹۵۲ تا ۹۵۳ تا ۹۵۴ تا ۹۵۵ تا ۹۵۶ تا ۹۵۷ تا ۹۵۸ تا ۹۵۹ تا ۹۶۰ تا ۹۶۱ تا ۹۶۲ تا ۹۶۳ تا ۹۶۴ تا ۹۶۵ تا ۹۶۶ تا ۹۶۷ تا ۹۶۸ تا ۹۶۹ تا ۹۷۰ تا ۹۷۱ تا ۹۷۲ تا ۹۷۳ تا ۹۷۴ تا ۹۷۵ تا ۹۷۶ تا ۹۷۷ تا ۹۷۸ تا ۹۷۹ تا ۹۸۰ تا ۹۸۱ تا ۹۸۲ تا ۹۸۳ تا ۹۸۴ تا ۹۸۵ تا ۹۸۶ تا ۹۸۷ تا ۹۸۸ تا ۹۸۹ تا ۹۹۰ تا ۹۹۱ تا ۹۹۲ تا ۹۹۳ تا ۹۹۴ تا ۹۹۵ تا ۹۹۶ تا ۹۹۷ تا ۹۹۸ تا ۹۹۹ تا ۱۰۰۰

خاتمہ ہونا سمجھا جاتا ہے، جو دہلی پر برٹش گورنمنٹ کے قبضہ اور بہادر شاہ کی معزولی کی تاریخ ہے۔ سر رچارڈ برن

Richard Burn کے حساب سے ۹۳۲ھ سے ۹۳۳ھ تک یعنی ۱۲۷۰ سال کے قریب باہر کی اولاد

ہندوستان میں حکمران رہی ہے۔ میرے نزدیک شاہزادہ خسرو کے سال انتقال ۱۰۳۱ھ سے ۱۰۳۲ھ ص ۲۷، تاریخ الثانی ۱۱۶۱ھ

(۱۶ اپریل ۱۶۱۷ء) تک شمار کرنا مناسب ہے، جس روز محمد شاہ دنیا سے رخصت ہوا تھا۔ اسکے بعد کے بادشاہ تو محض باضیاء

اور شہر خ کے بادشاہ تھے۔ خود الہ آباد میں شاہ عالم کا قیام دس گیارہ برس رہا ہے۔ مگر وہ حقیقتاً انگریزوں کا وظیفہ خوار اور

کرنیل اسمتھ کی تید و بند میں (قلم میں) گرفتار تھا۔ شاہ عالم ۱۱۸۵ھ یعنی ۱۷۷۲ء میں الہ آباد سے دہلی بھاگے۔ البتہ خوشنم

اور شہر اور اہل کال کا بڑا امری و قدر شناس تھا۔

کے لئے بھی اچھا گزرا۔ جن کی ٹھکانیاں اور پھولوں کی روشنیوں صدیوں بعد کیا کہہ سکتی ہیں۔ ہم بھی تو سمجھتے تھے کہ شاہزادہ ایک خبیانانہ دلکش یا بہشت بریں کے ٹکڑے میں دفن ہے۔ اُس کی یہ آرزو کہ

ملحق آتے اسیری میں اسے کاش نفس اپنا پھولوں سے لدا ہوتا پھولوں سے بھرا ہوتا
بد مرگ پوری ہو گئی۔ لیکن حسرت ہے اور عبرت کہ اس اذلی حوالا نصیب کی تربت اس سے بھی محروم ہے۔
نہ وہاں پھولوں کی چادر ہے نہ کلیوں کا ہار۔ سیدر و سنجد ل انسانوں کی مجوزہ ترتیب و تنظیم کے ساتھ وہی
پتھروں کا ڈھیر ہے اور بس۔

اس دستور کی ذہنی اصلیت و صحت سے بحث نہیں، لیکن معمولاً ممتاز مسلمانوں کی قبر پر خواہ وہ امتیاز کسی
گروہ و ملت کے پیشوا ہونے کی حیثیت سے حاصل ہو خواہ دنیوی وجاہت و مرتبت سے، دو چیزیں ضرور ہوتی ہیں۔
ایک روشنی دوسری خوشبو۔ مقبرے کے چوتھرہ پر پونچتے ہی زائر و متزاور کی نظر ایک سفید نوئیس سیاہ تختہ
اور منجلد اُس کی متعدد ہدایات، احترامی و انتظامی مجربہ و دستخطی حاکم ضلع کے، پہلے ہی غصہ پڑتی ہے جس کے
روسے دیواروں کے طاقوں پر چراغ چلنے کی مانگت ہے۔ یہی خوشبو۔ اگر کی بتیوں اور عطر و عنب کے مرکبات
کی بحث میں غائب کوئی مد نہیں۔ پھولوں کا سلسلیوں قطع ہو چکا۔

پھول کیسے مرثیوں کی قبر پر، خاک بھی تم سے نہ ڈالی جائے گی
کچھ ادیبوں پر برس ہوئے۔ اس کی گئی گزری حالت میں بشپ ہیبر *Bishop Haber*

الکاباد آئے تھے۔ اپنوں کے جو رجحان کے مظلوم دبے زبان فریادی یا اپنی حوصلہ مندی و بلند ہمتی کے شکار
خسرو کی قبر کو دیکھا تھا۔ یہ عظیم المرتبت واجب التقدیس سیلحہ نکستہ ہے کہ سراسر ملحق ایک تیز غفلت
بارغ ہے۔ جس میں عمدہ قسم کے اُموں کے پُرانے درخت ہیں۔ جس میں تین خوبصورت مقبرے ہیں۔ دو تو
دو شاہزادوں پر اور ایک، ایک شاہزادی پر بنائے گئے ہیں جو شاہنشاہی خاندان کے تھے یہ بڑے
بلند چوتروں پر بنے ہیں۔ ان کے نیچے تھلنے ہیں۔ بیچ والے میں عمدہ نقش کام کیا ہے۔ قبر تحسہ کی،
تابوت کی طرح ہے۔ اس پر ایک نہایت بلند مدور گول کمرہ سا بنا ہے۔ اس پر ایک گنبد سایہ کئے ہے۔

جس کے اندر نہایت خوب و عمدہ رنگ آمیزی کی گئی ہے۔ باہر کی طرف اس سے بھی زیادہ خوشنما نقاشی ہے۔ یہ سب نہایت پاکیزہ و سفیدہ اور دل پر اثر ڈالنے والے ہیں۔ بُر ٹکلف ہے مگر گل و گلزار بازیابی و نمائشی نہیں۔ یہ خیال جو عام طور پر انگلستان میں پھیلا ہوا ہے کہ مشرقی تعمیرات وحشیانہ اور بدعاتی کا نمونہ ہوتی ہیں، ان کو دیکھ کر غلط اور بالکل جھوٹ ثابت ہوتا ہے۔“

ڈاکٹر مینی پرشاد اس کی نسبت لکھتے ہیں کہ پورب طرف کو، بالکل اُس موقع کے قریب جہاں میونسپلٹی کا دائروک کا کارخانہ ہے اور پانی صاف کرنے کے عوض بنے ہیں وہ خاص اور اس بلوغ کی تمام عمارتوں میں سب سے زیادہ شاندار، سلطان خسرو کا مقبرہ ہے۔

ان عمارات میں سے داخلی طرف کو پہلی، بالکل اخیر، پورب جانب، خسرو کی دائمی خواہگاہ ہے۔ اور اس وقت مجھے اسی قدر کہنا ہے کہ مقبرہ سنگین و مستحکم، گنبد واسطے۔ اس پر نہایت خوب نقش و نگار ہیں۔ قطعہ تاریخ وفات رومنہ کے اندر گنبد کے قریب حاشیہ کے دور میں تحریر ہے۔

آہ۔ افسوس آسماں را سیرت بیداد شد	آرے آرے کارچوں بر ظلم آمد داد شد
زندگی زد غیمہ بیروں از دیار خسرو می	دید چوں بنیاد عالم را خراب آباد شد
اہل و اوباش اند آگاہ از فلک کا حدیث او	ہر کجاذ دشعلہ خاکسترش برباد شد
گلبنے ہر جا کہ بینی برگ ریز اندر پئے ست	بیل ایس بلوغ بودن مصلحت از یاد شد
گھنڈا سے اطراوت پیست کاخ خار مرگ	از پئے چاک تباصد سوزن فولاد شد
چوں بلب رانم حدیثے را کہ می سوزد باہ	مشکل است اما جہاں تاہست ایس معناد شد
آں گل رعنا کہ بود آراے گلشن صد درین	عند لیاں را رنگ و بوئے اودل شاد شد
چاک سپراہن شد از خار تضاد بار باغ عمر	ہم زمین بگریست ہم از آسماں فریاد شد
شد قبا بر قامت مردم قباد را متش	شاہ خسرو اسبوسے غلہ چوں ارشاد شد
آں تن نازک کہ بردے بود سپراہن گراں	درتہ خاک جفا افسوس استعداد شد

شد عزیز حق چوں ولی پاک بود خاص دگوا و خدا و ہمد افتاد شد
سلی ارشد سال فوتش فیض لائق بازگو مٹھ جت ز جان پاک او آباد شد

کتبہ سلطان سرہندی

مسٹر ایسٹ وک، مسٹر نیل اور مسٹر بیوریج نے اس قطعہ کو نقل کیے کہ ہندوستان کی تاریخ پر احسان کیا ہے۔ ورنہ یہ وہ جرم تھا جس کے ارتکاب سے ہمارے فارسی مورخ محرز و گریزاں رہے تھے۔ ممکن تھا کہ خسرو کی ہمدردی و ماتم پر جہانگیر و شاہ جہاں کے عہد میں کچھ دار و گیر ہو جاتی، لیکن ان کے بعد پوچھنے والا کون تھا۔ رہا اورنگ زیب۔ اُس نے تو خود خسرو اور اپنے دوسرے چچا پر دین کی بیگناہی اور اپنے باپ کی چشم عنایت کا ذکر ایک رقمہ میں کیا ہے۔ مسٹر بیوریج نے اپنے ہمزبان دوستوں کی بہت اور سمجھنے کے لئے اس قطعہ کا ترجمہ بھی کر دیا اور بعض اشعار و الفاظ پر حاشیہ (حسب ذیل نوٹ) لکھا ہے۔

”۱۔ غمی کے لفظ سے مسٹر برن خیال کرتے ہیں کہ یہ شاہ جہاں کی طرف اشارہ ہے، جس کا نام خورم تھا۔“

۲۔ شاید لفظ خسرو کی تلخ ہے جس کے معنی آفتاب کے ہیں۔ یہ ہی لفظ ہے جو صمدی کہہ جاتا ہے۔

۳۔ بیل صاحب بچلے ”اہل و اوباش“ کے ”اہل و اوباش“ لکھتے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو معنی ہوں گے ”لوگ عام طور پر“۔

۴۔ رتخت عالمگیر جلد اول، صفحہ ۲۲۲۔ نمبر ۱۳۔ مطبوعہ دارالمنصفین۔ ملہ جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن۔

جولائی ۱۹۰۶ء۔ صفحہ ۶۵۔ ملہ ان صاحبوں کی نہانت؛ بالغ نظری و نکتہ بینی اس سے بھی زیادہ قابل احترام ہے۔ مولوی ذکا اللہ

اپنی تاریخ ہندوستان جلد ہفتم میں سلطان خورم کی ولادت کے سلسلہ میں نقل فرماتے ہیں کہ ”تو صاحب نہاس نام کی نسبت

لیکھا ہے کہ غالباً اصل میں وہ خورم تھا جس کے سنی کچھوے کے ہیں۔ جو اس کی رچوتی نام کی قوم کا نام تھا۔ یہ تیس اس

سب سے درست نہیں معلوم ہوتا کہ مسلمانوں میں بیٹے کے نام میں ماں کی قوم کو کچھ دخل نہیں ہوتا۔ باپ دادا

کا نام رکھا کرتے ہیں“

۴۔ اوتاد۔ نوا، نیچے کی کھونٹیاں۔ مسیح ص ۵۸

۵۔ ”سے“ ”موجب کے لئے ایک عام لفظ ہے اور شاید یہاں انھیں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

ایسٹ وک صاحب اس کے معنی لیتے ہیں Askah Askah۔ تاریخ فیض لائق سے ۱۰۳۱ھ

(۶۱۶۲۶) برآمد ہوئے۔ مصرع اخیر سے بھی یہی پایا جاتا ہے۔ خسرو ۱۶۴۲ امرداد ۹۹۵ یعنی ۲ اگست

۱۵۷۵ کو پیدا ہوا تھا۔ اور آخر جنوری ۱۶۲۲ میں فوت ہوا۔ مرنے کے وقت اس کی عمر ساڑھے چونتیس

(۳۴ ۱/۲) سال رہی ہوگی۔ اس کی پیدائش کا تذکرہ اکبر نامہ جلد سوم میں صفحہ ۵۲۳ پر ہے۔“

مسٹر بیورج کا علم و فضل مسلم ہے۔ میرے دل میں اُن کی بڑی عزت و وقعت ہے۔ مرحوم نے

بھی اپنے ترجمہ آثار الامرا میں اس ناچیز کو یاد کیا ہے۔ تاہم اظہار حقیقت پر مجبور ہوں کہ اُن کی بعض تشریحات

کی حقیقت لفظی، باریک بینی یا نکتہ فوازی سے زیادہ میری سمجھ میں نہیں آتی۔ مجھے تسلیم ہے کہ متعدد

مطبوعہ و قلمی متداول نیز کیاب تذکروں کی درج کردانی سے اُس عہد کے کسی شاعر کا نام سلی

نہیں ملتا ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ عرب و عجم میں یہ کلمہ ہر مفسودہ کے لئے فرضی ہوا یا حقیقی مستعمل ہوتا

ہے۔ لیکن سلی کی خوشگانی کر کے ’سل ما‘ Askah Askah ”اسئل انت“ کہنا کسی

ترکیب سے صحیح نہیں ہو سکتا۔ سل بمعنی اسل ضرور ہے اور قرآن حمید میں بھی آیا ہے۔ لیکن اُنے یا

ما کے معنی کیا ہوں گے؟ ان کا خیال صحیح ہوا غلط، مگر ان کی کوشش و تلاش قابل تحسین ضرور ہے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اس کتبہ کی آج بھی وہی حالت ہے جو ستر نیل نے تقریباً ایک صدی اور مسٹر ڈیوہر سٹن نے

بہارم صدی پیشتر دیکھی تھی۔ ڈیوہر سٹ صاحب ہمارے صوبہ کے نامور سولین (اور ضلعیاب تھا)

اور مشرقی زبانوں اور علوم کے فاضل مہتر تھے۔ پچیس برس پہلے تعلقات حکومت کے سلسلہ میں الہ آباد

وارد تھے تو یہاں کے کتبوں پر بھی توجہ فرمائی تھی۔ لکھتے ہیں کہ ”نود خسرو کی قبر پر طویل قطعہ بارہ بیت

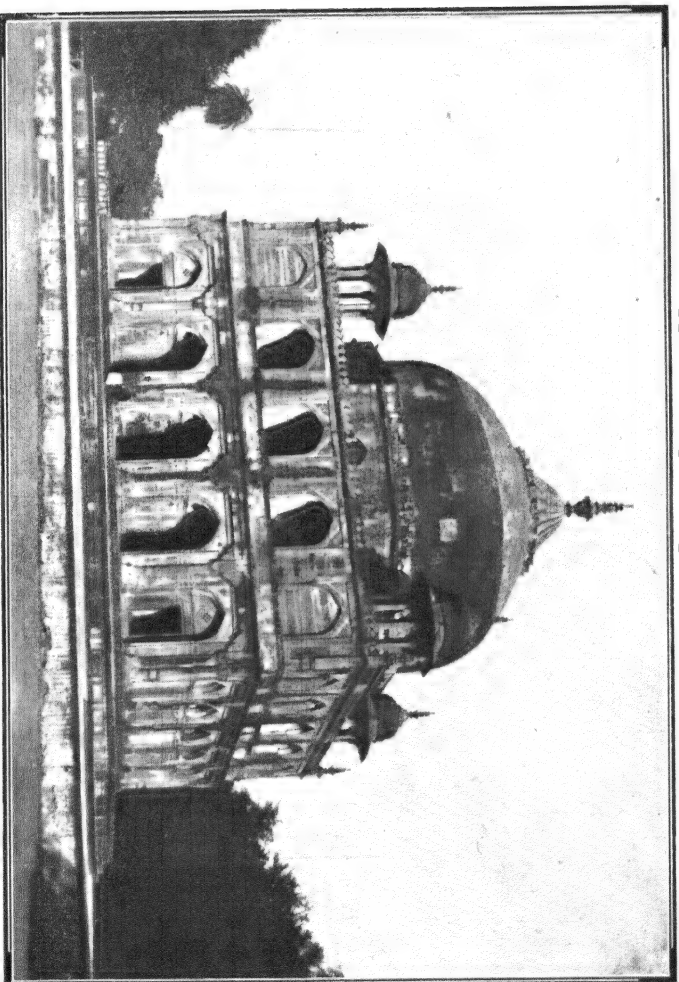
کا ہے اور اچھی حالت میں ہے۔ بالکل صاف ہے اور پڑھا جاتا ہے۔ البتہ چوتھی سیت کے شروع کے کچھ لفظ یعنی ”گھنٹے ہر جاگہ“ بالکل مٹ گئے ہیں۔ اس کے سوا پورا کتابت بھیک اور مکمل ہے۔ ممدوح نے وہ کتابت یا ٹائپ کی چند غلطیاں جو پوریج صاحب کے ملبوہ قطعہ (مشو لہ آرٹیکل) میں پائی جاتی تھیں، ظاہر کر دی تھیں۔ تیسری سطر کے پہلے مصرع کی تصحیح کر دی تھی۔ پانچویں میں غائب بجائے خاک درست کر دیا تھا۔ اتفاق سے سترہویں سطر میں شاعر کا نام ”معلیٰ“ چھپ گیا تھا اس کو بھی ظاہر فرمادیا تھا۔ سینئر طریق ملایا بعض حروف کو ملا کر لکھنے پر توجہ دلائی تھی جو اُس وقت (عہد شاہی) میں رائج تھا اور اس کتبہ میں نمایاں ہے۔ مثلاً ”عندلیبا نرا“ بجائے ”عندلیباں را“ و ”دلشاد“ بجائے ”دل شاد“ و ”الائق“ بجائے ”لائق“۔ کتبہ کی عبارت کا یکجہم یعنی کعبہ کی طرف سے شروع کیا جانا، یہ بھی آپ ہی کی نظر دقیقہ رس کا ادا رک اور نکتہ نواز قلم کا اتنا س تھا۔

دو کھلوں کو ملا کر لکھنے سے نسخ و نستعلیق میں خواہ کتنی ہی دکشی و نظرفری پیدا ہو جاتی ہو، مگر پڑھنے و تہ نگاہ کو الجھن ضرور ہوتی ہے۔ یہ آج کی بات نہیں۔ ایک صدی پیشتر ”فرینسین بیلفور“ *C. Belfour* نے یہی قیادت کی تھی۔ انھوں نے جب ۱۸۳۱ء میں شیخ علی احزیں کے خود نوشت احوال کو مدون و مرتب کر کے لندن میں بڑے اہتمام سے فزسی ٹائپ میں چھپوایا، تو ایک مستقل مقالہ انگریزی میں ”اعلام“ *Ad. vertisement*۔ کے نام سے لکھا تھا۔ اور منذرت کی تھی کہ دو دو نفلوں کا ایک مالکھنا (مثلاً) ”انشہر یکسال و غیرہ“ فارسی کتابت اور قلمی کتابوں میں ہمیشہ سے چلا آتا ہے۔ جن کا جدار کا کسی شخص، خصوصاً اہل مطبع کے لئے دشواری سے خالی نہیں

ملہ جونز رایل ایٹیاٹیک سوسائٹی لندن جولائی ۱۹۰۱ء، صفحہ ۴۴۔ ملہ جونز رایل ایٹیاٹیک سوسائٹی لندن جولائی ۱۹۰۱ء، صفحہ ۴۴۔ ملہ جونز رایل ایٹیاٹیک سوسائٹی لندن جولائی ۱۹۰۱ء، صفحہ ۴۴۔

تاریخ الہ آباد

(۶)
مقبرۂ شاہزادۂ خسرو



مقبول صمدانی

عمارت مقبرہ خسرو

سر جھکا اے زندہ دل سیاح کچی کرنگاہ سانس ہے بانگِ خسرو کیواں پناہ

یہ مقبرہ ایک کنارے پر واقع ہے، اُس کے بعد کوئی مقبرہ نہیں، نہ اور کوئی چیز بلکہ صدر (جنوبی) دروازہ سے وہاں تک پہنچنے کے لئے کوئی مستقل راستہ بھی نہیں بنایا گیا۔ آپ کیلیوں کے کنارے کنارے یاروشوں پر ہو کر نکل جائیے۔ رہ راست برو اگرچہ دراست با بر عمل فرماتے ہوں تو پھر ملک سے سیدے مرکز پر ہو کر شاہ بیگم کے روضے تک۔ اہم اقدام تشریف لے جائیں۔ اور وہاں سے مقبروں اور عوضوں کو دیکھتے ہوئے، خسرو کی قبر تک۔ یہ بھی کچھ دور نہیں۔ مقبروں کے باہم درسیانی فاصلہ شرقاً و غرباً تیس تیس قدم ہوگا۔ یہ ورنہ فرج کاشانی، یا آثار قدیمہ کا دلدادہ چار سو قدم آسانی و خوشی سے طے کر لیتا ہے۔

مقبرہ ایک مرتفع پختہ (خشتی) چبوترہ پر بنا ہے جس کی بلندی ڈھائی فٹ (خسرو باغ کے باقی مقبروں سے ایک فٹ زائد) ہے۔ چڑھنے کے لئے پتھر کی تین سیڑھیاں موجود ہیں۔ چبوترہ مربع اور خوب وسیع و فراخ ہے۔ ہر ضلع انچاس گز۔ اس چبوترہ پر پھر ایک اور چبوترہ بلند اور سنگین نقشدار (پتھروں کا) واقع ہے۔ یہ بھی چوکور ہے، ہر پہلو چھ بیس گز بلندی ایک گز کے قریب مقبرہ کی عالیشان تعمیر اسی پر مبنی ہے۔ سب مالاکر کسی کی بلندی بونے دو گز سے بھی زیادہ ہوگی۔ کہا جاتا ہے کہ اصلی ٹھکانہ حسب دستور عام خاتم اور سطح زمین پر تہ زمین یا تہ فانی ہے۔ مقبرہ کے فرش بالائی سے نیچے یا اُس کے اندر پہنچنے کے لئے کبھی راستہ رکھا گیا تھا۔ اب مسدود ہے۔ قفسِ زندگی کے ہم جیسے زندانیوں کی رسائی وہاں تک دشوار ہے۔ اس لئے اُس کی صورت کشی یا موجودہ حالت کے بنانے سے معذور و قاصر ہیں۔

عمارت مقبرہ ایک منزل کی ہے۔ مگر دور سے دو منزلہ معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ دروں اور محرابوں کی قطاریں جیسی اوپر ہیں، ویسی ہی نیچے بھی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ اوپر والے دروازے اور بند دروازے اونچے نہیں ہیں، جس کے نیچے والے ہیں۔ مگر دونوں قطاریں ایک ہی بنیاد پر قائم ہیں۔ ہر ضلع یا پہلو میں پانچ یا چار دروازے (گھرست) ہیں۔ بن سادہ و صاف کی محرابیں ہیں۔ دروں کی چوڑائی اچھ چھ فٹ ہوگی۔ کناروں کے دور دورہ طرز میں زینہ

ہے۔ دوسرا اور چوتھا ہر طرف کا بند ہے۔ طاقی تعمیر اور محرابیں اور نشانات سب کے یکساں ہیں۔ محرابوں کے اندر دیواریں طاق ہیں۔ ان کے تھروں پر خط نستعلیق میں 'اُبھرے ہوئے حروف میں اللہ اللہ کندہ ہے۔ اسی طرح زیرِ دِہلا محرابوں پر نقطہ ماس کے دونوں جانب کلمہ طیبہ خوبصورت دائروں کے اندر کندہ ہے۔ گنبدِ مقبرہ کے چاروں سمت پنج والی محرابوں کے اوپر بڑے بڑے طاقے ہیں۔ ان میں پتھر کی جالیاں اندر کی طرف پیوست ہیں، آپ ان کو ایک قسم کی گیلری کی طرح تصور کر سکتے ہیں۔

سامنے کے تخت دوسرے چبوترہ پر بڑھنے سے داخلہ کے دروازہ کے آس پاس اخیر کی دونوں محرابوں میں اُپر جانے کے لئے آسنے سامنے زینے ملیں گے۔ سیڑھیوں کی تعداد اُنیس اُنیس ہے۔ ایک خوش خیال مسلمان کا تیناس ہے کہ حروفِ بسم اللہ کی رعایت سے یہ عدد فرد (۱۹) اختیار کیا ہو گا۔ حفاظت و نگہداشت کے لئے ان زینوں میں کوڑا لگا دئے گئے ہیں۔ نیچے شروع میں صرف پتھر کی چمکھٹ بازو ہے، اوپر پہنچ کر زینہ کے ختم پر دروازے میں کوڑا ہیں۔ کھونٹے پر ایک چھوٹی سی سطح جگہ اور اُس کے بعد ایک قسم کی تنگ کنگنی (کارنس) ملتی ہے۔ کسی وقت لوگ باغیباٹ کھسک کھسک کر محرابوں میں آجاتے تھے، اور محرابوں کے پاس سے جھگومتا ہوا زینہ اُپر گیا ہے، اُس پر چڑھ جاتے تھے یہ مرحلہ خطہ سے خالی نہ تھا۔ اس لئے کوڑا باندھ رہے ہیں۔ اس انسداد میں ایک مصلحت ظاہر ہی مزار کی حرمت و تعظیم بھی کار فرما ہے۔

جمعیت کے چاروں کونوں پر نہایت متحرک بلکہ رات نام نہار ہے۔ گوشے خالی نہیں چھوٹے لوہے کی سیخوں پر مختلف چڑھاؤں، مار کے گلس پہنا کر ایک مخروطی شکل دہلیز پیدا کر دی گئی ہے۔ اس سے کچھ مہل کر گنبد کے متصل (دونوں کے وسط میں) ایک ایک گلدستہ بنا ہے۔ اس کو بعض سمار گونڈی اور انگریز انجینیئر (osk) نے ترکی میں کوشک کہتے ہیں۔ یہ چاروں نشانہ بانو کے روضہ کے گلدستوں سے بڑے ہیں۔ یہ ضرور خوشنما اور شرفی تکلفات تعمیر کے علمبرداروں یا دکانوں کے لئے پھلے چھوٹے چھوٹے آٹھ آٹھ ستونوں پر چھجے کے لئے تعمیر کیا گیا۔ بقدر مناسب باہر نکال کر، اوپر کو ایک خوبصورت گول قبہ بنایا ہے۔ کم و بیش گولائی، اونچائی اور مختلف وضع کے گلس اُس کی رفتی بڑھا رہے ہیں۔ یہ ایک ہوادار خوبصورت نشین ہے مگر وہاں تک پہنچنا یا بیٹھ کر لطف اٹھانا دشواری و ذراکت سے خالی نہیں۔

مقبرہ پر ایک بہت بڑا گنبد سایہ افکن اور قبر کے پورے دور پر محیط ہے۔ عظیم الرفع مرتب سقف عمارت کے وسط یا ضخیم دیوار کے اندر واسے حضور برے اٹھایا گیا ہے جس سے صرف عمارت میں حسن پیدا ہو گیا، بلکہ دو بالا ہو جاتا ہے۔ اور اس مقبرہ کو خسرو باغ کی تمام تعمیرات سے ممتاز و شاندار بنا رہا ہے جسب معمول اس پر بھاری بھلدی لٹ پٹے بنے ہیں۔ چوٹی پر گلس ہے۔

عمارت تمام و کمال سنگ مرخ کی ہے اس کے ساتھ سنگ کھٹو یعنی زر درنگ کے مرمرین پتھروں کا استعمال و اشمال ایک خاص کیفیت و لطف پیدا کرتا ہے۔ جالیاں سب لال پتھر کی ہیں۔ ان کا قدرتی رنگ چونے کی سفید قلعی سے اب بے رونق و بد زب ہو گیا ہے۔ اندر چونے اور گچی کی استکاری ہے۔ مگر سچ ہے کہ ایسی سنگ تراشی و نقاشی کے نمونے الہ آباد کی بعض پرانی ساجد اور خانقاہوں میں بھی نظر آتے ہیں۔ کوئی بنظیر چیز نہیں۔ دیوار کی چوڑائی ٹھوس ہو یا ناماشی چودہ فٹ ہوگی۔ یہ بھی تعجب کی بات نہیں بھاگیہ کے مقبرہ واقع شاہرہ (لاہور) کی دیواروں کا آٹھ پاچ گز سے کم نہیں پایا جاتا۔ مقبرہ میں داخل ہونے کے لئے ہر طرف صرف ایک ایک دروازہ وسط کا کھلا رکھا گیا ہے، باقی دروازے سنگی خوشنما پھولوں اور خانہ دار جالیوں سے بند ہیں۔ فی الحال صرف دھن رنگ کا بیج والا دروازہ قبر تک آنے جانے کے واسطے نامزد ہے۔ باقی سمتوں کے مقفل رہتے ہیں چو کھٹ بازو پتھر کے ہیں اور گواہ کوڑھی کے ہندوستانی طرز کے، مگر معمول سے کسی قدر زیادہ خوش وضعی کے ساتھ نلے گئے ہیں۔ تقریباً مربع ہیں، بعض حصوں پر کنگھی اور دیرینہ سالی نمودار ہے پچھم والا یقیناً تبدیل کر کے نیا لگایا گیا ہے اس بھی اصلی نمونے کی پابندی کی گئی ہے مجموعی حیثیت سے بننا نہیں قرار دے جا سکتے۔ سرخ لاکھی رنگ پھلے۔

اسی جنوبی (دوسری) دروازے کے اوپر محراب کے اندر دریاں بنی ہیں۔ زمین چمن بظاہر اس وقت کا درباری لباس زیب تن ہے۔ ایک کی شبیہ پوری پوری ہے۔ جو اڑ رہی ہے یا کاماد قبر واز ہے۔ اور کتاب کی سی کوئی چیز ہاتھ میں لئے ہے۔ دوسری کا صرف چہرہ اور پر بنے ہیں۔ یہ تصویریں کسی اور دروازہ پر نہیں ہیں۔ قیاس کہت ہے کہ چاہے گدست مصور یا نقاش نے اس وقت کی تصویر کھینچی ہے کہ جس وقت (حسب روایت پیر شرنڈے صاحب) ملک الموت نازل ہوا تھا اور شاہزادہ قرآن پڑھ رہا تھا۔ فرشتہ کی صورت اہل ہنر پہل سے مشابہ بناتے ہیں۔ ہاتھ کی کتاب سے خدا کی کتاب مراد ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حدیث کا فرشتہ نذر و نیاز درود و سلام کا پیشکش

ہاتھیں لے کر ایصالِ ثواب کی اجازت لینے عالم بالا کو جا رہا ہے۔ کسی ممتاز مسلمان کی گویہ تصویر کا بنایا جانا ایک نئی اور تعجب خیز بات ہے۔ مگر یہاں تو دہی ع۔ سرسبز مزار مجاور بھی فوضہ گر بھی ہے۔

حجۃ بزرگد کی جانب کچھ بلندی تک جہاں محرابیں قائم ہوتی ہیں، چوکور بنائے جہاں سے گنبد کا دور دورہ شروع ہوتا ہے، گول ہوتا گیا ہے چھت بھی خوب بلند ہے۔ اس کے نقطہ علو کے گرد ایک دائرہ اور اُس دائرہ کی ہر طرف ہشت پہل، ابھرے ہوئے اور ایک دوسرے سے ملے اور ملاتے ہوئے دائرے اور پھر دائرہ بناتے ہوئے رنگین پھول ہیں۔ انھیں سے متصل ابھرے ہوئے مثلث اور قوسیں اور پھول بھی بنتے چلے گئے ہیں۔ یہ مثلثوں، قوسوں، اور دائروں کا رنگ اندر سلسلہ ایسا ملا جلا آتا ہے، جیسے کوئی پھولوں کا جال در جال اوپر سے نیچے تک پکھا ہو۔ اس جال دار اور پیچ دار کام کو دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے۔ اس کام کو اصطلاح عمارت میں ”غالب“ کہتے ہیں جو حقیت تمام تکلفات اور صنعتوں پر غالب ہے۔ حسرت ہے اور افسوس، کہ ناواقفیت، فن و عدم ذہانت و مہارت کے باعث سے میر تقی میر کی صحیح صورت کشی سے عاجز رہے، اور اس طلسم رنگین کو محض ایک گورکھ دھند بنا کر چھوڑنا چاہتا ہے سورہ اہل نظر کا توفی ہے کہ یہ کام اور یہ رنگ آئینہ مینوں کے عہد ندیں کی پینٹنگ اور نگار بندی کی بہترین یادگار ہے، اور اللہ آباد کے لئے مایہ ناز۔

اس کا زائمر رنگ و جمال کے نیچے مگر محرابوں کے اوپر چاروں سمت اشعار لکھے ہیں، یعنی تاریخ کا پورا قطعہ گردنے میں سیاہی سے مرقوم ہے۔ مقبرہ کے اندر اُس حصہ پر جو مربع ہے، طاقتوں پر اللہ اللہ اور محرابوں کے دونوں جانب خوشحالیوں میں کلمہ طیبہ لکھا ہے (کنندہ نہیں ہے)۔ در و دیوار پر چاروں طرف پھول پتے بنے ہیں۔ محرابوں اور طاقتوں کے گرد کے بل بوتے بالخصوص دلاویز ہیں۔ سرو و شمشاد کے جھانڈے بھی ہیں۔ یہ تمام نقش و نگار پختہ شوخ رنگ، مصالحوں سے بنائے گئے تھے۔ یہاں کچی کاری نہ ہو سکی تھی تو وہ کمی مضبوط رنگ و روغن اور چینی گری اور کمال فن سے پوری کر دی گئی تھی۔ دست بردوزمانہ سے اب یہ بھی مٹتے جا رہے ہیں۔ مرمت میں عمارت کے حفظ و بقا کا انتظام کیا جاتا ہے۔ نقوش اور کلاکیوں کے قائم اور برقرار رکھنے کا التزام نہ نظر نہیں رہتا۔ اسی طرح طاقتوں پر جو کچھ کام تھا یا تکلفات تھے، ان کو مہدیوں کے استبداد اور چراغوں کے اندھیرے نے تقریباً محو کر دیا ہے۔

مولوی سعید احمد فرماتے ہیں کہ ”جہانگیری ددر کی عمارت کی کڑا لٹوں میں مراچی اور بیائے کا عام طور سے استعمال کیا گیا ہے۔“ میں نے ان دونوں کو اس عمارت میں خاص کر تلاش کیا۔ مراچیاں اور گلخان تو بہت سے پائے گئے۔ پیالہ کی صورت یا اس کے مشابہ کوئی چیز نظر نہیں آئی۔

سلطان خسرو کی قبر عرف عام میں، اس کی بے گناہی اور خونِ نافع کے سبب سے یار شمار و اجازت رکھ لاتی ہے۔ ستر فرخ اپنے سفر نامہ میں لکھتے ہیں کہ ”سلطان بادشاہوں کی قبریں عام طور پر تبرک مانی اور سمجھی جاتی ہیں۔ ان کا بڑا ادب و احترام کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی نسل کا یہ ایک طوطا امتیاز ہے کہ وہ اپنے بادشاہوں کو بیوند خاک ہو جانے کے بعد بھی یاد رکھتے اور بڑے خلوص و وفا کے ساتھ انہماک تنظیم و طاعت کرتے ہیں“ تربیت سواتین فٹ بلند چوڑے پر واقع ہے۔ جس کا طول و عرض یکساں ہے، ساڑھے تیر و تیر فٹ۔ تعویذ و فٹ اونچا ہو گا، آٹھ فٹ لمبا، چار فٹ چوڑا۔ سب ملا کر قبر کی بلندی سو بائیس فٹ ہوئی۔ اس تعویذ پر بلند قلمدان بنا ہے۔ جو قبر کے وسط میں ہے۔ سینہ کی جانب مائل نہیں بنایا گیا ہے۔ چوڑے کی بغلی دیواروں میں تین تین دہے خوشنما جدولوں سے محصور ہیں۔ قبر پر ایک مانچ موٹا مضبوط پھونے کا پلاسٹر ہے، جس کو اس وقت کے طریقہ پر پاش کر کے جلادے دی گئی تھی، سنگ مرمر کے مثل چمکنے لگا۔ مگر مُرد زمانہ سے اب اس میں وہ اکب و تاب باقی نہیں رہی، ماند ہو جاتی ہے۔ دھونڈلا پن اور خاکسپرت چھا گئی ہے۔ ایک دو جگہ مصالحہ بھی اکھڑ گیا ہے، جس سے یہ کیفیت حقیقت کھل گئی۔ ورنہ اس لطیف و نازک صنایع کی بدولت ہر دیکھنے والا سنگ مرمر کا دھوکا کھا جاتا ہے۔

تعویذ کے باہر چاروں گوشوں پر چودہ چودہ انگل کے فاصل پر چوکور سولخ ہیں۔ خادم و محاور کہتے ہیں کہ کچھ زمانہ پہلے یہاں چاندی سونے کے سنون نصب ہوتے تھے جو زبردستوں کی دلازدستی کے نذر ہو گئے اور اسی تاریخ شاہد ہیں کہ انھیں تقریباً کھمبول پرنمل کے زریں شامیانے کھڑے کئے جاتے تھے۔ پاور کا منڈے صاحب نے لکڑی کا خیلو (کٹہرو) اور سچی سیڑیوں اور موتیوں کی جڑائی یہیں دیکھی تھی۔ آج اس سر کا نشان بھی باقی نہیں، نہ کوئی پتہ دینے والا ہے۔ ع۔ حسرت سے دیکھتا ہوں دروہام کی طرف خیال رہے

کہ اس قسم کی قیمتی مندوں، نفیس دبا رنگ کی دستکاری کی چیزوں اور آئینوں پر لطیف و نازک پچی کاری کے چکر کھٹوں کا مقابر پر چڑھا نا اور لگانا صاحبِ قدرت لوگوں میں عام طور پر رائج تھا جس کے قابل دیدنوں شیخ سلیم چشتی کے روضۂ فقہ و سیرۃ (پنجویں سیرۃ) اور خواجہ نظام الدین اولیاء کے مزار (دہلی) پر اب تک موجود اور اپنے اولوالعمر عقیدتمندوں کی یادگار ہیں۔

خسرو کی قبر کے ادھر ادھر اور بیکھم (نسبتہ چھوٹی چھوٹی مقبروں) شہنشاہوں میں ہیں۔ ایک شاہ پہلو میں ہے، دوسری بائیں میں۔ ان پر کوئی کتبہ نہیں جس سے صاحبِ قبر کا پتہ چل سکے۔ ایک کے پتھر صرف اللہ اللہ کندہ ہے۔ مجاوروں کا بیان ہے کہ اور ب والی قبر مردانہ کی ہے بیکھم والی لڑکی کی بیعت کدائی بھی اس قول کی تصدیق کرتی ہے یعنی صرف ایک پر قلمدان موجود ہے کس کا لڑکا تھا اور کون سی لڑکی؟ یہاں کیسے پہنچے؟ کیا نام تھا؟ تاریخ کی زبان اس بارہ میں خاموش ہے۔ آباد میں مدت تک شہنشاہ زادے گورنری پرستین ہوتے رہے تھے۔ لیکن ہے کہ ان میں سے کسی کا جگر گوشہ ہو یا شاہ عالم شانی کے قیام آباد کے طویل زمانہ میں کوئی بچہ دفن ہوا ہو۔

قبر کے کن ایک تنگ کھڑکی ہے جس کے اندر کوئی زمین دفن سارا راستہ بتایا جاتا ہے، مگر اس وقت بند ہے غیر مستند و غیر محقق روایت ہے کہ اگر کبر کے قلعہ تک جاتا تھا جس کو بعض مصلحتوں سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ارباب حل و عقد نے سد و درگذاہ میرے نزدیک سرنگ کا قلعہ بتا رہے غلط اور ایک بے بنیاد افسانہ ہے یہ راستہ پہنچے قبر والے تہ خانے یا تہ زمین کسی حد تک پہنچ کر ختم ہو جاتا ہو گا۔ اسی طرح ایسے قابل احترام مقام یعنی قبر کے قریب کی کھڑکی، یقیناً اس مصحف کی نہیں ہو سکتی۔ وہ جگہ ادب ہے نہ کہ آمد و رفت عوام کی جگہ۔ یہ بھی مان لیا جائے کہ باغ سے قلعہ تک اندر اندر جانے کے لئے کسی راستہ کی ضرورت سمجھی گئی تھی تو اس تجویز و تکمیل کے واسطے شاہ بیکم کے مقبرہ کی تعمیر کا زمانہ مناسب تھا نہ کہ وہ وقت جب بد نصیب و فراموش شدہ خسرو سپرد خاک کیا جا رہا ہو۔

اسپیرٹل گزٹیفکیشن انڈیا کے ڈاکٹر کرنل، ڈاکٹر ڈیوڈ ہیلڈن کی یہ مختصر تحریر جزوِ اہم ہے کہ مقبرہ

۱۔ سیاحت مقبول صفحہ ۹۰۔ سفر نامہ شرفیغ، ۱۱۱۱ء۔ ۲۔ آثار الہند، ۱۱۱۱ء۔ ۳۔ مقلح التواریخ، ۱۱۱۱ء۔ ۴۔ تختۃ الابرار، صفحہ ۱۱۱۔ ۵۔ تذکرۃ اہل حق، صفحہ ۱۶۱۔ ۶۔ مطبوعہ ۱۸۸۳ء، جلد اول، صفحہ ۱۸۳۔ ۷۔ مطبوعہ ۱۸۸۳ء۔

پر ایک خوبصورت گنبد دار عمارت تاج کے طرز کی بنی ہے۔ اس کے اندر پھولوں اور چڑیوں کی تصویریں ہیں۔
بے شبہ مقبرہ خسرو اپنی وسعت و وسعت اور عالی شان برج کے لحاظ سے یوں کہنے کہ جینیت مجموعی، اپنے
ہمسایہ مقابر بلکہ ضلع الہ آباد کی تمام متفرق شاہی عمارتوں سے نمایاں اور بلندی و خوبصورتی میں ممتاز ہے لیکن
تاج کے ساتھ اس کی مماثلت کیا ہو سکتی ہے۔ تاج دنیا کا تاج، اس کے سالہائے دراز بعد بنا ہے۔ مقبرہ خسرو
کے لئے اس کی نظیر شاید بے نظیر شہرت و نام کی وجہ سے دی گئی ہو۔

خسرو نے بھری جوانی میں جان دی تھی۔ فزنگان فن کا تجربہ ہے کہ جس درخت کی شاخیں ہمار
میں اٹھان کے وقت کاٹ دی جاتی ہیں وہ خوب بڑھتا اور پھیلتا ہے۔ خسرو کی نو پودہ توبرا قطع ہوئی ہے۔
بڑھنے نہیں پائی۔ مگر شاید اس کلیہ کے ماتحت مرزا خسرو کے خادم و بجاور یا مقبرہ کے محافظ اپنی عمر پاتے رہے
ہیں۔ سو جودہ خادم انہی سال کا ایک پیر مرد ہے جس کا پدیشرو اس کا بڑا بھائی سو برس کا ہو کر دنیا سے رخصت
ہوا۔ مگر اب بالغ میں کسی خادم کا دخل نہیں، نہ کوئی پشتینی بجاور ہے۔ شاہرہ باب سرکاری ملازم یاغبان
و فراش ہیں جو محکمہ ریتا رقدیمہ و باغات سے تنخواہ پاتے ہیں۔

خسرو اور اس کی مادر گرامی نژاد کے مقابر کے گرد و پیش کی آبادی اور تعمیرات شاہی کا سلسلہ ”خدا آباد“ کہلاتا
ہے۔ گورسلاطین کے متصل بستیوں کا یہ نام تیر گاؤں تینا اور جگہ بھی رکھا گیا ہے۔ زمان و مکان کی قید نہیں۔ دکن میں
اورنگ آباد کے قریب شہنشاہ عالمگیر کے روضہ کے اطراف کو بھی یہی شرف تسمیہ حاصل ہے۔ سرکاری گزٹیر کی
روایت ہے کہ خسرو کی جلاوطنی کی حالت میں خدا آباد کے سادات نے اس کی رفاقت کی تھی مگر اپنے مافذ یا کسی

لے ایلورا کے غاروں سے بونہل اور دولت آباد سے سات آٹھ میل کے فاصلے پر حضرت شاہ برہان الدین غریب کا روضہ معروف
مبارک (مسلمانوں کی مشہور زیارت گاہ ہے۔ صفحہ ۳۳۷ء) میں انتقال فرمایا تھا جس کے پائین دفن ہونے کو نظام الملک
آصف جہان نے بھی سادات و برکت کا باعث سمجھا تھا۔ یہ مقام پہلے روضہ کہلاتا تھا اور رنگ زیب فلدر کان دفن ہوا تب سے

”خدا آباد“ کہلاتا ہے۔ آثار الابرار (ترجمہ شریف علی) صفحہ ۳۴۷۔ اسی خدا آباد میں دو مزار تبرک مقام شیخ زین الدین اولیا علیہ السلام
برہان الدین کا مقبرہ ہے جنہوں نے سلطان محمد شاہ ہستی کے زمانہ میں رجب الاول ۱۰۷۹ء دہشتہ ۱۰۷۹ء میں رعت کی تھی۔ روضہ الاولیاء

صفحات ۱۲۳ و ۱۲۴۔ متعلق التواریخ صفحات ۴۳۱ و ۴۹۵۔ تاریخ اگر صفحہ ۷۱۔ و قاسوس المشاہیر صفحہ ۱۳۷۔ سلسلہ جدید جلد
۲۳، صفحہ ۹۶۔

تاریخ کا حالہ نہیں دیا، جس سے ان شرفاء کے ناموں اور کارناموں کا علم اور عصر حاضر میں ان کے افلاک کی تحقیق و تصدیق ہو سکے نہیں جانتا کہ زمانہ برقعہ لے وطن سے لکھنے والے کا مقصود کیا ہے خسرو کی پوری زندگی میں کچھ دن بھی ایسے نہیں پائے جاتے جن پر اس کی تعریف صادق آسکے بچپن اور کچھ جوانی دادا اجمان (اکبر) کے دربار اور سایہ شفقت میں اس دن و عافیت، عیش و فراغت کے ساتھ گزری۔ اس کے بعد باپ کی نظربندی و گرفتاری میں رہا بھانگا۔ لڑا، کپڑا لگایا۔ اور عمر بھر قید و حبس میں رہا۔ بھائیوں کا بھی خون کرایا خسرو کی تمام کارزار حیات اور کارناموں میں اس کے رنقا اور جاں نثاروں کی فردیں جو گرفتار اور بعد ازاں قید نہنگ اہل ہوتے رہے کسی ”الاباسی“ کا نام نہیں ملتا۔

کہہ چکا ہوں کہ شاہزادہ کی عظمت اور اس کے روضہ کی حریت عوام میں اب بھی باقی ہے۔ ہر رات کے موسم میں یہیں اس کے مزار پر ہر سال سیلا گنتا ہے۔ شیرینی بڑھائی جاتی ہے رات کو روشنی ہوتی ہے لگانا بکاتا کئی خسرو باغ کا بڑا پھانک جو سینہ قد و احکام کے بموجب معمولاً بند کر دیا جاتا ہے اس شب کو کھل دیتا ہے یہ رات اس پھانک اور اس باغ کے لئے شبِ برات، راتِ اوچل اور چل پھل کا باعث ہوتی ہے جنت نصیب شاہزادہ کی بدولت باغ کے دن بھی پھر جاتے ہیں۔ اسی رات میں پھانک پر نعل چڑھائے جاتے، کیلوں سے جڑے جاتے ہیں۔ پہلے سونے چاندی کے بھی ہوتے تھے، جن کی دیکھنے والی آنکھیں اور شہادت دینے والے لوگ اب تک باقی ہیں لیکن کفایت، شعاری کے خیال یا حقیقتہً افلاس کے مارے اب عموماً لوہے کے رہ گئے ہیں۔ اس اجتماع میں حسبِ حال ہندوؤں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے، یا جو کئی قسمی سلسلوں کی گمنامیوں، اعتقاد سلسلوں کے نقطہ نظر نگاہ سے یہ ایک قسم کا سالانہ عرس سمجھا جاتا ہے اور ہندوؤں کے دستور یا رسوم کے اعتبار سے ملک کی بول چال میں سیلا گزٹیروالوں نے اپنی رسیلوں کی زبردستی میں اس کو شامل نہیں کیا ہے بعض اور سیلے بھی جن کی نوعیت باطل مذہبی رنگی ہے، نظر انداز کر دئے ہیں۔ یہ صورتِ حاجت مندانِ عقیدت کیش خسرو شہید کے بابرکت مزار سے اب بھی نہیں مانتے، مزاروں مانگتے، اور سب کچھ پاتے ہیں۔ شعلیں اور روشنی ساتھ لاتے اور قبر پر حسبِ حیثیت نذریں چڑھا جاتے ہیں۔ رات کے آٹھ بجے تک ایک اچھا خاصہ صاف ستھرا تھری

نیز ذاتی، بلا جُسل، مجمع دیکھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ البتہ یہ جماد و روز بروز کم ہوتا جاتا ہے۔ کچھ تو اعتقادات میں منسحق
 آنے کی وجہ سے اور کچھ مخلوق کے اپنے اپنے اشتغالات اور موجودہ اختلافات کے باعث سے۔
 حتیٰ کہ اب شہر کے اعلیٰ و ادنیٰ بھی اس سے کم واقع ہیں کہ بھادوں میں جب کہ یہاں سے کچھم جانب
 کچھ فاصلہ پر سلیم سرائے کے قریب ماسوں بعلبجے کا سینا دیو گہری میں بہندوں کا انگلیتہ، تو اسی کے ساتھ اسی مہینہ
 (یعنی اگست) کی پہلی دو جمعراتوں کو یہاں بھی ہوتا ہے۔ مقامی شہرت و اہمیت گھٹ جانے کے سبب سے، یا یہ کہ
 حسب دستور سابق، غریب جمادوں کو کسی قدر استہام و اعلان کرنا پڑتا ہے۔ پھاٹک پر نفاذہ بچایا جاتا ہے لوگ
 آجاتے ہیں، اور شاہزادہ سے عقیدت و محبت رکھنے والے جمع ہو کر اس کی تربت پر درجھول چڑھاتے ہیں۔ آپ
 جائیں گے اور کتنی ہی مدت گزری ہوگی تو بھی کچھ نہ کچھ باسی ہار اور کبھری ہوئی پیر مردہ و افسردہ کلیں وہاں
 دیکھیں گے۔

سلطنت تیموریوں، اسے خسرو عالی وقار مرجع انس و ملائک آج ہے تیرا مزار
 پھول رحمت کے ہوا کرتے ہیں دوزخس نرنا تو ہے زندہ، غلبت باقی ہے تیری زندہ دا

جب ترے روشے کی جانب رخ کیا کرتے ہیں ہم
 اک "سلام عجیب" تجھ کو کر لیتے ہیں ہم

پھاٹک پر چڑھائے اور چڑے ہوئے نسل نو وارد جمائشی کے لئے سب سے پہلے جاذب توجہ ہوتے ہیں۔
 یہ ملائیں برائے والوں کے حسن عقیدت کے ٹینگن ہیں۔ ان کی تعداد اب بھی کافی ہے۔ ان میں ہر قسم اور مہر
 کے موجود ہیں۔ بڑے بھی، چھوٹے بھی، گھوڑوں کے بھی، سیلوں کے بھی، حتیٰ کہ جوتوں کے بھی، ہندوستانی اور
 انگریزی دونوں وضع کے۔ حال کے لگائے ہوئے نسلوں میں تازگی اور چمک بخوبی نمایاں ہے۔ اس فلاحی (دو) فی
 نذر دنیا یعنی اتنی نسلوں سے مشت پوری کرنے کی کوئی معقول اور جلد باور ہو جانے والی وجہ نہیں بتائی جاتی۔
 مختلف روایتیں زبان زد ہیں۔ سب سے زیادہ شہرہ ور مقبول و مقصدیہ ہے کہ مرزا خسرو گھوڑا نہایت عمدہ اچھی
 نسل اور شریف ذات کا تھا کسی نازک موقع پر اس نے کوہِ جان پجائی اور داؤدِ رفاقت دی تھی۔ یہ صحیح ہو سکتا ہے۔
 خسرو کے مقبرے کے سامنے یا اس کے دائیں میں جو ایک سطح پست ساجو ترہ اکچھ کم ایک بالشت اونچا چار

گزدونٹ لبھا، ساڑھے تین گز چوڑا) مع ایک مختصر نشانِ تعویذ کے بنا ہے وہ اسی فانی مرد کی قبر بتائی جاتی ہے۔
 میں اس روایت کو باور کرنے اور اس رسم اور اس کی اصلیت کو اس طرح ماننے سے معذرت ہوں۔ خداؤں کی
 حاضر جوی اور فضول گوئیوں کی شکایت ہمیشہ سے چلی آتی ہے معنی کہ آج سے ایک صدی پیشتر سٹرنج بھی
 اس کو برداشت نہ کر سکے تھے میں نے تو اس قسم کے فعل اکثر قلعوں، پڑانی عمارتوں اور مشہور روضوں پر دیکھے ہیں۔
 ان کی نسبت مجھے معلوم ہوا تھا کہ کوٹلوں کی استواری و استحکام اور آہن پوش بنانے کے لئے لگائے گئے ہیں۔
 ان کی خوش انڈی اور جامع و مانع ہیئت کو ان کی برتری و انتخاب کی سب سے بڑی سند سمجھا جاتا ہے۔ تعجب و
 سیکری کی درگاہ کے بلند دروازہ (جس کو سٹرنج پینٹنگ سے وسیع النظر، تمام عالم کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ جلال
 و عظمت والا پھاٹک اور ایک عجیب و غریب چیز کہتے ہیں) کے سیکڑوں موٹے موٹے اور بھاری بھر کم نعل اسی
 خیال کے سوید میں یہی صاحب لکھتے ہیں کہ قلعہ بھرت پور کے ہیبت پھاٹکوں پر پتیل کی موٹی موٹی چادر
 بڑی ہوئی ہیں۔ ان پر بڑی بڑی کیلیں اور اسی دھات کے لٹو لگے ہیں، میں نے بھی دیکھا ہے کہ دروازہ کی
 یہ شان اب تک قائم ہے۔ روضہ ممتاز محل کے عالی شان دروازہ کو ملاحظہ فرمائیے جس میں بڑے بڑے ہشت
 دھاتی کوٹ لگے ہیں ان کی بے تعداد پتیل کی کیلیں کیسا لطیف دکھائی ہیں۔ قلعہ آگرہ کے باہر، بیرونی فصیل
 کے نیچے، جنوبی پھاٹک کے پچھم، امر سنگھ دروازہ پر، اس بہادر راجپوت کے گھوڑے کی صورت بہتوں نے دیکھی
 ہوگی۔ اس شریعت نژاد جانور کے متعلق واقعات اور اس کی جولانیوں کی داستانیں بہت سی زبانوں پر ہیں،
 کتابوں میں بھی لیکن خسرو کے کسی خاص گھوڑے کا ذکر یا اس کا کوئی کارنامہ صنعتیاب روزگار پر درج نہیں۔
 مولوی خدابخش خان مرحوم کے ذخیرہ نوادر یعنی پٹنہ کے مشرقی کتب خانہ میں بادشاہوں اور شاہزادوں
 کی تصاویر کا ایک نایاب اہم محفوظ ہے۔ اس مرقع میں خسرو کی شبیہ بھی ہے۔ وہ جوانی کی عمر اور اپنے زمانے
 کے چست مردانہ لباس میں اوچی بنا ہوا ایک چاق چوبند گھوڑے پر سوار ہے۔ ہاتھ پر کلائی کے قریب، ایک
 شاہ باز حکمکن ہے۔ وہ توسن راہور، فرضی و خیالی نہ ہو، تاہم اس کا وجود، اور لالہ آباد میں آمد و تحلیلات و
 سیاحت نامہ بالائی ہند، ص ۳۹، ص ۱۱۰۔ فتح متاع التواریخ، صفحہ ۷۴، ۷۵۔ سیاحت نامہ صفحہ ۱۲۱۔ لکھنؤ،
 صفحہ ۱۱۱۔ معین الآثار، صفحہ ۶۷۔ لکھنؤ، ص ۱۱۱۔ لکھنؤ، ص ۱۱۱۔ لکھنؤ، ص ۱۱۱۔ لکھنؤ، ص ۱۱۱۔ لکھنؤ، ص ۱۱۱۔
 (تقصیر ہند، حصہ دوم، صفحہ ۹۶)۔

سوہومات سے خالی نہیں۔ میں اپنی تحقیق و تفحص کے نتیجہ اور قرائن و قیاسات کو اُس قبر پر اجودہ کے حالات میں درج کروں گا، جس کا ذکر ابھی کیا ہے۔

اس قدیم رسم کے پرستار کچھ کم ہی نہیں۔ ایشیا کے حدود سے نکل کر آپ یورپ میں بھی اس کو پائیں گے۔ عہدِ برطانوی کی تاریخِ حکومت ہند میں محمود غازی کے مقبرے کے دروازوں کا غزنین سے لے کر آٹھ ایک عظیم معرکہ شمار کیا جاتا ہے۔ لارڈ ایلن برائے اپنے اعلان میں اس کو ٹری اسپیش دی تھی۔ انگریزوں کی سبھی تحقیق کاوش اور وقتِ نظر مسلم ہے۔ مسٹر ڈبلیو سیمپسن W. SIMPSON نے دیکھا۔ شبہ کیا اور قوی وجہ و دلائل کے ساتھ لندن ٹیلی نیوز کو لکھا کہ یہ پھاٹک تو پٹن سونا تھ والے ہونے میں ہو سکتے ہیں مسٹر فرگوسن نے خود دین سے جانچ کی۔ تشخیص فرمایا کہ مصنوعی دیو دار کی لکڑی ہے۔ حالانکہ تمام تاریخوں سے ثابت ہے کہ سونا تھ کے مندر کے کوڑے چوبِ صندل کے تھے جن پر اعلیٰ درجہ کا نفیس کام تھا۔ جن کی بڑی شہرت تھی۔ جن کو محمودی تختہ بندی کے اظہار کے لئے گجرات سے کابل لے گیا تھا۔ جو اُس کی وفات کے بعد اُس کے مقبرہ میں لگا دیئے گئے تھے۔ بیشک یہ کوڑے بھی نئے نہیں ہیں۔ کہنگی اور دست برد زمانہ کے بہت سے بدھی آثار ان پر نمودار ہیں۔ دیلے چور چور چھوٹے ہیں بہت سا

لے ان کو لڑوں کے متعلق مسٹر ہلے بعض باتیں اپنے علم واکاہی اور بعض فحشی سوہن محل کے حوالے سے لکھی ہیں۔ (مفتاح التواریخ، صفحہ ۵۴)۔ مولوی سعید احمد تحریر فرماتے ہیں کہ انگور باغ (قلعہ) کے ایک دالان میں محمود غزنوی کے مقبرہ کا صندلی پھاٹک رکھا ہوا ہے، جسے ابتدا میں غلطی سے سونا تھ کے مندر کا پھاٹک سمجھا گیا تھا (تاریخ آگرہ، ص ۷۸)۔ چنانچہ اس مضمون کا اشتہار انگریزی، اردو اور ہندی میں اس پر سپہاں ہے (صفحہ ۷۹)۔ مسٹر سی وی ویدیا لکھتے ہیں ”یہ تصدق محمود سونا تھ کے مندر کے صندل کے پھاٹک غزنین سے لیا گیا تھا، مع موجودہ کے فضلا اعتبار نہیں کرتے۔ وہ پھاٹک جس کو انگریز ۱۸۳۷ء میں افغانستان فتح کرنے کے بعد لے آئے تھے قلعہ آگرہ میں مذہب غفلت بڑے ہوئے ہیں۔ (زمانہ وسطیٰ کا ہندوستان، جلد سوم، ص ۹۲)۔ شاہ گورنر جنرل لارڈ ایلن برائے ملکہ کو لکھا تھا کہ سونا تھ کے مندر کے پھاٹکوں کو سیر جنرل ناٹ NOTT نے آئے ہیں۔ لارڈ ایلن برائے جہاں پٹنا کی اطلاع کے لئے اُس باڈی میں (بیان کی نقل بھیجتے ہیں، جس کو شاہانہ کرنے کا وہ عزم رکھتے ہیں۔ تاکہ اس بات کا اعلان ہو جائے کہ مندر کے پھاٹک (بقیہ صفحہ آئندہ)

آرائشی کام ضائع ہو چکا ہے۔ بدنامی بھڑی مرتبت کلومی کی چھڑیوں، ٹکڑیوں اور لوہے سے کر دی گئی ہے۔ (سب سے بڑھ کر یہ کہ) مشرق و مغرب کے اتصال کی عجیب و غریب کڑی یہاں بھی جلوہ فرما ہے، یعنی ان بڑے کواڑوں پر گھوڑوں کے نعل کثیر تعداد میں لگیوں سے جڑے ہیں۔“

یورپ کے ہنرمندوں نے کامل غور و فکر اور تجربہ کے بعد اپنی کثیر الاجتماع محفلوں اور درباروں کے لئے ایسی ہیئتیں اور کونسل ہال کے واسطے نعل کی شکل کی عمارتیں پسند و اختیار فرمائی ہیں۔ کیسا انتخاب و قرار داد میں آپ متغیر خسرو کی نعل والی رسم کی دہائی بھی جھلک دیکھتے، یا اس سے کچھ دور کا لگاؤ تجویز فرماتے ہیں۔

(بقیہ صفحہ گشت پھر لکھ دئے جائیں گے۔ ان بھائیوں کا فیروز پور سے سونا تھک لوے جانا ایک بڑی بڑی قومی روائعت (فتح و ظفر ہوگی۔ اور ان کو ہندوستان واپس لے گئے سے تمام رعایا میں گورنٹ عزیز ہو جائے گی۔) اسی وقت ڈیوک آف ویلنگٹن **DUKE OF WELLINGTON** کو لکھا ”بھلائی اس کے ہندو سرود ہیں۔ اس نے میری دانست میں یہ نا دانشمندی ہوگی کہ جب ہم کو ایک عسکر کی مداوت کا یقین ہے تو باقی جو کی پر جوش و سرگرم اعدا کیوں نہ حاصل کریں جو وفادار ہیں۔ اپنی کامیابیوں اور مندر کے بھائیوں کی بازیافت کو بڑھ سے بڑھ کر دکھاؤں گا اور اس کو یہی طور پر ایک بڑی فوجی تحمندی بتاؤں گا۔ مگر خوب جانتا ہوں کہ ہندو اس کی بڑی قدر کریں گے اور اس کو خود اپنے اور اپنے نہیب کی حفاظت کا ضامن مسلمانوں کے خلاف سمجھیں گے۔ وہ تمام لوگ جو ہندوستان کو اچھی طرح جانتے ہیں مجھ سے کہتے ہیں کہ فی الحقیقت اس کا بہت بڑا اثر ہوگا اور میں بھی خیال کرتا ہوں کہ ضرور ہوگا۔“ (عیسوی قوت کا ہندوستان میں عروج، جلد پنجم، صفحہ ۸۴۔ فٹ نوٹ)۔ ڈاکٹر ہنٹر بھی اس بھائی کو جلی اور مصنوعی اور جموں کی بانی کا آکا بتاتے ہیں۔ دو کواڑ نہیں ہیں، ایک ہی ہے۔ (صفحہ ۱۹۶) مختصر تاریخ اہل ہند، مطبوعہ ۱۸۷۶ء۔

A BRIEF HISTORY OF THE INDIAN PEOPLE - W.W. HUNTER. 1886. نئی معین الدین اپنی تاریخ تاجی آگرہ میں اس کی تائید کرتے ہیں۔ (صفحہ ۳۶، انگریزی)۔ صفحہ ۱۹۶: فریج صاحب کا سفر نامہ، صفحہ ۱۷۹، نوٹ، آگرہ دفاتر آگرہ۔

رسی معذرت و عفو خواہی کی ضرورت نہیں۔ بعض شرقِ نواز شرقاکی خفیت سی غلط رائی و غلط آرائی سے اختلافات و گریز پر بر خود غلط متبول مجبور تھانہ ان خزانگانِ فرنگ کی تحقیق پسندی اور علم دوستی کا کون نا احسان شناس قائل نہ ہوگا، جو غیر ملک، غیر قوم، غیر زبان کی ایسی گلاں ارز خدمت فرما رہے ہیں۔ اپنے اوقاتِ عزیز کی ساداتِ فرصت میں جتنا غور کرتا ہوں، ان کی کرامتِ نفس، کمالِ عفت و عزت میرے دل میں بڑھتی جاتی ہے۔

خسرو کا تذکرہ نویں حال، خسرو کے اولین تاریخ نگار یا اُس کو حیاتِ جاوید بخشنے والے شاعر کا بھی شکر گزار و منت پذیر ہے۔

ہائے شوقِ جستجو کو کیسے کروں لب پہ بے قصد اُس کا نام آہی گیا
یہ تسلیم ہے کہ سبکی کا نام شعر کے زمرہ میں پایا نہیں جاتا۔ میں نے خود بہت سے مطبوعہ و مخطوط تذکروں میں تلاش کیا۔ ناکام ہوا چند وسیع النظر کرمِ فراؤل اور اساطینِ علم و فضل کو بھی زحمت و تکلیف دی۔ کوشش و کاوشِ نرانی، سعی نامشککہ ثابت ہوئی۔ نواب والا جناب مولوی محمد حبیب الرحمن خاں صاحبِ شروانی، صدر یار جنگِ بہادر اپنے ملاحظہ عالی میں ارقام فرماتے ہیں۔

میں اول مرتبہ الزآباد اُس وقت حاضر ہوا تھا جب کہ مسلم ہرڈنگ کا سنگ بنیاد مولوی سمیع اللہ خان، مرحوم کے زیرِ اہتمام رکھا گیا تھا۔ اُس موقع پر پہلی دفعہ خسرو باغ دیکھا۔ تاریخِ پڑھی نقل کی۔ اب تک محفوظ ہے۔ کبھی کبھی نظر بھی پڑھتی ہے۔ جب سے اب تک سلی ارشدہ الامصرع کھٹکتا ہی رہا۔ گرامی نامہ کو پڑھ کر مزید کاوش کی۔ بے ٹھٹھکا ہی رہا۔ ایک شاہزادے کی تاریخِ فوت "فیض لائق" واقعہِ صلت سے کیا مناسبت رکھتی ہے۔ میرا قاصر ذہن اس کے فہم سے عاجز ہے۔ پھر ارشدہ بازگو کی کہبت۔ بھرتی ہی بھرتی ہے۔ اب "لفظہ سنبل" سامنے آتا ہے۔ بفتح سین، بکسریم تخلص ہے، تو یہ نسبت کس طرف ہے۔ کوئی مناسب معنی سٹم کے نظریے نہیں گندے۔ بکسریم و دم ہے، تو البتہ تسلیم معنی صلح یا اسلام کی طرف نسبت ہو سکتی ہے۔ بہر حال پیشِ نظر تذکرے، اس تخلص سے خالی ہیں مداحی الشعراء و اعستانی مخزن الغزائے تذکرہ حسین دوست سنبل، مرآۃ الخیال، صبح گلشن دیکھے گئے کسی میں یہ تخلص نہ پایا۔ اگر سلی ہے تو

کسی بی بی کا تخلص ہو سکتا ہے۔ کیا ضرورت ہے کہ جس کی تاریخ ایک معنوب شاہنوازے کے مقبرہ پر کندہ ہو جائے وہ بانام و نشان شاعر بھی ہو قابل تذکرہ۔ رہا یو پرین میدانِ سخن، وہ مجموعہ خرافات ہے۔ یوں تخلص کے کوئی اور لفظ یہاں آہی نہیں سکتا۔“

میں ان جامع تذکروں کی فہرست میں شیخ محمد افضل، سرخوش دہلوی کی مبسوط و مشہور تالیف ”کلمات الشعرا“ کو بھی داخل کرنا چاہتا ہوں، جو ۱۹۵۷ء میں شروع ہو کر، ایک قرنِ مستد کی مسلسل محنت و عرق ریزی سے بارہویں صدی کے عشرہ دوم میں مکمل ہوئی تھی۔ اس میں جہانگیر شاہ جہاں اور اورنگ زیب کے عہد کے تمام مستند شعراء کے حالات، سندرچ ہیں۔ سرخوش کا دعویٰ ہے

داخل اہل سخن نیست پیشِ دانا آنکہ ناخن نہ بود در کلمات الشعرا
وہ بھی سبلی کو اہل سخن کی صف میں جگہ نہیں دیتے نہ نام لیتے ہیں۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی نے اپنے نقوشِ اولین بدیعہ اور سر و آزاد میں، جو فی الجملہ جامع اور ہر صنف کے شعراء کے احوال پر صادی ہیں سبلی کا ذکر نہیں کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تاریخ گو کی حیثیت سے اُن کا پایہ اُس وقت (۱۰۳۱ھ = ۱۶۶۲ء) میں، یا اُس کے بعد بھی چنداں بلند نہ رہا ہو۔ شاید یہ بھی اعترافِ حقیقت ہو گا کہ ایک بادشاہ زادہ کی موت کی تاریخ ”فیض الائق“ کسی طرح قابلِ داد نہیں ہو سکتی۔ لیکن میرے نزدیک دوسرا مصرع (تاریخ) بلکہ پورا قطعہ، زبان کی کویج، خیال کی برجستگی، بیان کے زور، حسرت و درد کا قہر، مٹانے، دل کی چوٹ دکھانے کے اعتبار سے کس سے کم ہے۔ جس نے ان کے عنفوانِ شباب میں باوجود نوشتی و کمی ہمدات ایک جہتم بالشان بادشاہی عمارت، ایک عالی مرتبت سلطان کے مرقہ پر جگہ پائی۔ واقعہ یہ ہے کہ سبلی نے ایک دوسری حیثیت سے شہرت و نمود حاصل کی تھی۔ صاحبِ

”خبر الواصلین“، سید محمد فاضل، ان بزرگ کا پورا نام و نژاد، ملا سلی، ہندی سرست خاں اور سال وفات ۹۱۔ اہ بتاتے ہیں، یہ اور نگ زیب عالمگیر کا زمانہ تھا۔ ظاہر ہے کہ خسرو کے مرنے کے وقت سلی محض نوخیز یا جوان رہے ہوں گے۔ سراجی دہشتہ و جگر رش، زمانہ کی سردی و گرمی سے کم آشنا، تلخی ناچشیدہ، دنیا سے دل ہٹائے گوشہ گزین بسر کرتے ہوں گے، زہد و ریاضت میں مشغول۔ اپنے قلم میں وہ در دہری بائیں کہہ گئے ہیں جو حسن رسیدہ با کمالات کو بھی نہیں سوجھتیں۔ وہ خدمت بجالائے ہیں جس کی انجام دہی کی جرأت کسی جاہ طلب اہل قلم کو نہیں ہو سکتی تھی۔ سید فاضل کے ایسے مرتبہ شناس نے جب دنیا بھر کے مشائخ اور اہل اللہ کو یاد کیا اور ہر ایک کی وفات کی تاریخیں نکالیں تو اس شہرت و نمود سے گریہ ان و نفور انسان کے متعلق تین قطعے لکھے سب کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں؛ یہ شعر کافی ہیں۔

(۱) سلی ہندی کہ سخن سنج بود رفت ز دنیا بہر باط بہشت

(۲) سب سے صلاح سلی بودست تاریخ وصال او ازیں نیز بداں

(۳) چہ در دنیا و عقبہ جز خدو مصطفیٰ ہرگز نذر التجا و تکیہ بر کس سلی ہندی

(۴) ماہ صوم تاریخ وصال اس سخن آرا یگفتا ہاتھم بودہ خدای سلی ہندی

پہلے اور چوتھے شعر کے پہلے مصرعوں کو میں نے کئی بار پڑھا۔ ”سنج“ و ”سنج“ آرا، سلی کی شاعری کا درجہ مجھے نہایت ممتاز درجہ نظر آتا ہے۔ ان کے صلاح و تقویٰ، بزرگی و بیعت کے ساتھ ان کا کمال و کلام بھی مسلم ہے۔ ملا کا لقب اس دور میں اکابر علماء و فضلا کے لئے مخصوص تھا مگر کن تھے؟ کہاں کے تھے؟ یہ مراحل ہنوز جلیبابِ خفایں ہیں۔ قرینہ مقتضی ہے کہ بلادِ دکن کو ان کے توطن اور بود و باش کا شرف حاصل رہا ہوگا۔ اگر اطرافِ الہ آباد کے ہوتے تو ان کی شہرت و بلند نامی کا کچھ نہ کچھ

ملہ ابو عبد اللہ محمد فاضل بن سید احمد بن سید حسن، منظر الحق ترمذی، اگر آباد کے باشندے تھے (شمارہ ۱۶۹۷)

میں وفات پائی۔ اپنی کتاب میں شمارہ تک کے مادے تاریخ وفات لکھے ہیں۔ (قاسم الشاہیر ص

۵۰)۔ ۵۲ صفحہ ۱۱۹، مطبوعہ ۱۲۲۵ھ، مصلحانی۔ و صفحات ۱۵۱ و ۱۵۲، مطبوعہ کلکتہ، ۱۲۲۹ھ۔ نیز گلستان

مرستہ صفحہ ۳۹۸، مطبوعہ ۱۲۶۴ھ۔

نشان اب تک ضرور باقی رہتا۔

لے فقیر پھر ان یہ بھی نہیں کہ سلطان خان سرست کا یہ تخلص یا لقب نبی امتیاز سے وابستہ تھا، یا انتسابی سے۔ نسب کا علو و علوق فریدوں کے پسر بزرگ مسلم تک پہنچتا ہے اور انتساب کی برتری و اعزاز مونیہ صافیہ کے ایک مشہور اور پڑانے خانوادے ”سُلَیْمی“ تک، جس کو غالباً سحابی جلیل حضرت سلمان فارسی سے شرف اختصاص حاصل ہے۔ اس سلسلہ کے چند برگزیدہ شیوخ کے نام مولانا فرید الدین عطار کی لاجواب کتاب ”اور دروش صفت، صوفی مشرب، پروفیسر گلشن کے مایہ ناز کارنامے“ ”تذکرۃ الاولیاء“ (سطبہ لاٹین)، ”جولانہ“، ”ششہ سیلا دی“ میں جا بجاتے ہیں۔ (۱) عطار سُلَیْمی، ان میں مقدم الامام یا پائے جاتے ہیں جنہوں نے بعض بعض باتیں عبداللہ مبارک کے حوالے سے اور بعض خود ابراہیم ادم سے نقل کی ہیں۔ (صفحہ ۹۷)۔ (۲) احمد سُلَیْمی ذوالنون کے معاصر و مستفید تھے، (صفحہ ۱۲۱)۔ (۳) عبداللہ سُلَیْمی نے وصیت کی تھی کہ میں جب مردوں تو ابوصحیح حداد کے پاؤں پر سر اسر رکھ دیا جائے جن کا حضرت جنید بھی ادب کرتے تھے (صفحہ ۳۳۱)۔ ان صورتوں اور اعزازوں کے علاوہ جو اب تقسم نے تحریر فرمائے ہیں، اس لفظ کی ایک اور صورت بھی ہو سکتی ہے۔ ”سُلَیْمَنی“۔ ابو عبد الرحمن السُلَیْمَنی۔ (ت ۳۱۲ھ جمادی الثانی ۱۸) جس کی زندہ جاوید مثال موجود ہیں۔ مگر وزن شعر اس کو قبول نہیں کرتا۔ انھیں بزرگ ابو عبد الرحمن محمد بن حسین السُلَیْمَنی النساپوری کا ملا عبد الرحمن جامی نے نجات الاشرار کے طبقات الصوفیہ میں بڑے احترام و ادب سے ذکر فرمایا ہے۔

متصوفین کے سوا عرب کے شاعروں میں بھی یہ نام و لقب اور اس لفظ ”سُلَیْم“ کے بعض مشتقات و مصروفات و منسوبات بہت محبوب درائج تھے۔ نامور کاتب عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ کی ”طبقات المشوراء“ (مطبوعہ لندن ۱۹۹۸ء) میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں جیسے عقبیہ بن سُلَیْم (صفحہ ۷۷)، ملا سعید بن سُلَیْم (صفحہ ۵۳۱)۔ وغیرہ۔ اشجع السُلَیْمی (۵۶۲) کے حالات سے واضح ہے کہ سُلَیْمیوں کا خاندان براکہ حکم کا قریب دار تھا۔

صحابہ پاک میں بھی حضرت عمرو عقبہ سُلَیْمی اور عقبہ بن عبد السُلَیْمی کے نام ملتے ہیں (سیرۃ النبی ص ۱۸۷، ملاحظہ فرمائیے صفحات

۳۳۵، ۳۳۶)۔ نیز حجاج بن علاط السُلَیْمی (المستطرف، جز دوم، صفحہ ۱۳۳)۔ اور طبرین معاویہ السُلَیْمی (المنار، مجلد ۱۲،

خسرو کی رفیقہ زندگی

مبادا کہ ان اوراق کا کوئی بے حس و بے درد پڑھنے والا اس کے ذکر پر چونک پڑے اور کہنے والے پر ہیرا ہر رومی و فضول نگاری کا الزام لگا دے۔

مقامی راوی اور موروثی خادم اسی بیگم کی نسبت کہتے اور یورپ کے بعض اہل قلم گمان کرتے ہیں کہ خسرو باغ میں دفن ہے لیکن مجھے اعتراف ہے کہ اپنے مشاہدہ یا کسی قرینہ یا سند و حوالہ سے اس مجسمہ شرافت و عفت خاتون کے ساتھ خسرو باغ کا تناسب ثابت پانے سے معذور ہوں۔ یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ اس کا نام کیا تھا؟ کہاں پیوند خاک ہوئی؟ اس قدر جانتا ہوں

جس پر اب تک ناز کرتی ہیں خواتین وطن ایک ایسی ہی امانت خاک کی خلوت میں ہے
اُس نے اپنے مظلوم شوہر کا ساتھ تو عمر بھر دیا لیکن نور جہاں اور جہانگیر یا ممتاز محل اور شاہ جہاں کی طرح نظام پر بعد مرگ کج گئی اور خاندان کے برابر جگہ پانے سے محروم رہی۔

تاہم خسرو کی ذات کے ساتھ اس طائفہ ہر شرت و عصرت کی وابستگی و وفا شعار کی کا ذکر نہ کرنا میرے نزدیک مصیبت کوئی اور انصاف کا خون کرنا ہے۔ خسرو باغ کے متعلق یہ اوراق لکھتے وقت عالم تخیل و تحقیق میں میں نے مصائب و مصائب کے بہت سے کوہ و دودی طے کئے اور دوسروں کی زندگی کے دردناک سوانح اخذ و نقل کرنے سے پہلے اپنے اور بھی ویسے ہی روحانی رنج و اندوہ انگیز کئے ہیں۔ اپنے دل اور دل کے جذبات کو بار بار مجروح کرنا پڑا ہے۔

بھونک ڈالا ہے مری آتش نوائی نے مجھے اور میری زندگانی کا وہی سلماں بھی ہے

وہ مورخ جنموں نے خسرو کا ذکر خلافت مصلحت و مال ماندیشی نہیں سمجھا ہے اس نیک اور خیر محترم عورت کی شوہر پرستی و وفاداری و نگہداری کے ماح و مطلب اللسان ہیں اس کی حق گزاری و فرض شناسی کی داستانیں سنائے کا یہاں موقع نہیں۔ ”تذکرہ خسرو“ کا بے پایاں میلان سامنے ہے، وہ اس کے بیان

و تفصیل کے لئے کفایت کرے گا۔ پھر سبھی وہ قلم (راقم خسرو) باغ کا جس نے خسرو اور اُس کے اُلم و غم اور مصائب و شدائد کا کم و بیش ذکر کیا ہے، یہاں بھی اُس کی عفت و تاب شریکِ حیات اور اُس کی رفاقت و جہاں نشاری کے اظہار سے کیسے خاموش رہ سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس ناز پرورد امیر زادی نے اپنے ناشاد و نامرد شوہر کی جس قدر خدمت کی، کنیزانہ محنت و غنچاری فرمائی، اور اُس کے لئے مصیبتیں اُٹھائی تھیں، اُس کی نظیر کم ملتی ہے۔ مقابلہ کی بات نہیں، نہ کسی پہلو سے پورا مقابلہ ہو سکتا ہے۔ ہمارے ملک کی مایہ نازش، وفا کو شش و وفا کیش خاتون، سیتا جی کی مصیبت جھیلنے کا زمانہ تو معین اور پورے چودہ سال تھا۔ لیکن خانِ اعظم کی بیٹی اپنے جہیز میں انبوه انبوه رنج و اندوہ لائی تھی، جس نے مرتے دم تک پچھتاہیں پچھوڑا، جس کی بدولت یا یوں کہوں کہ جس کے جی بے تعلقی، پدری محبت اور فطری خیر اندیشی و نیک سگالی کی وجہ سے باپ، بیٹی اور داماد، تینوں ہمیشہ موردِ عتاب و مبتلائے آفات رہے ہیں۔

یہ بیگم خانِ اعظم مرزا عزیز کو کلتاش کی دختر تھی۔

اس کی شرحِ زندگی ہے جنتِ اہل نظر وہ بھی اک عنوان، تاریخِ نسائیت میں ہے

اس بیگم سے خسرو کے بچوں کا ذکر جہاں گہرے کئی جگہ محبت کے ساتھ کیا ہے۔

خانِ موصوف کثیر الاولاد تھے۔ ان کے چھ بیٹے تھے اور اتنی ہی بیٹیاں تھیں۔ لوکیوں کے نام کسی موصوف

نے تحریر نہیں فرمائے۔

شاہ (۱۶۰۱ء) میں جب کہ خسرو باغ نصب ہو چکا تھا، آقا رضا اُس کا پہلا ملک بنارہا اور اپنے

ولی نعمت آقا اور اپنے نام کا پتھر لگا رہا تھا، شہنشاہِ اکبر نے مرزا عزیز کو ہفت ہزاری و شش ہزار دار کا

منصب عطا فرمایا جو اُس وقت بادشاہِ زادوں کے سوا کسی کو نہیں ملتا تھا۔ اگر اُس کی سپہ سالاری و وزارت

۱۔ ترجمہ مائت الامراء، صفحہ ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹۔ ۲۔ منتخب اللباب، حصہ اول، صفحہ ۲۳۳۔ ۳۔ دربار اکبری، صفحہ ۱۵۵۔

۴۔ ترجمہ ترک، جلد اول، صفحہ ۲۵۸۔ نوٹ۔ ۵۔ صفحہ ۲۲۷۔ ۶۔ ترک، صفحہ ۷۱۔ ۷۔ ترجمہ ترک، صفحہ ۱۴۹۔ ۸۔ دو

موقع پر صفحہ ۲۷۰۔ ۹۔ ترجمہ ۱۵۳۔ ۱۰۔ مائت الامراء، جلد اول، صفحہ ۲۸۹۔ ۱۱۔ دربار اکبری، صفحہ ۲۷۷۔ ۱۲۔ مائت الامراء، جلد دوم،

صفحہ ۲۹۳۔ ۱۳۔ ترجمہ انگریزی، صفحہ ۳۲۶۔

سے زیادہ اُس کے دل و دماغ کی خوبیوں اور ذاتی قابلیت کی قدر اور اُس کے دودھ شریک بھائی ہونے کا لحاظ و احترام کرتا تھا۔ اسی کے ساتھ یہ عزت بخشی کہ اُس کی بیٹی کی نسبت شاہزادہ خسرو سے کر دی گئی۔

شایان شان تیاریاں ہوئیں۔ آرائش و اہتمام شاہانہ تھا۔ سا جی کا سامان گراں بار و گراں قدر بھیجا گیا۔ ایک لاکھ روپیہ نقد تھا۔ دربار کے بڑے بڑے اُمراء و خیر بوسان بساط دولت یہ تحائف دے دیا۔ لے کر مرزا کے گھر گئے۔ یکم کی آمد و ترک و احتشام کی تفصیل سے ”خسرو باغ“ کے صفحات کو داس لکھیں، بنا نا نہیں چاہتا۔ چھوڑنا ہوں۔

برٹگیزی سیاح اور اہل قلم پٹر وڈیا ویلے ۱۶۲۳ء میں اس ملک میں وارد ہوا تھا۔ کچھ دن قیام بھی کیا تھا۔ اُس نے اپنے وطن اور وطن کے ارباب محل و عقد کو متعدد خطوط و فتاویٰ، یہاں کے حالات میں لکھے تھے۔ شاہنشاہ جہانگیر کے فرزندوں کے نام بھی ضروری حالات و تفصیلات کے ساتھ لکھ کر بھیجے تھے۔ ”سیاح موصوف اور اُن کے رفعات کے پہلے بخشی سٹری ہیپورز G. HAVERS نے خسرو کی در و بھری داستان اور قید میں جان دینے کا واقعہ اضافہ فرمایا ہے۔ پٹر وڈیا نے یہ بھی لکھا تھا کہ ”میں یہ واقعات گجرات میں بیٹھے ہوئے قلمبند کر رہا ہوں۔“

ورود ہندوستان اہل یہاں کے حالات جاننے کے بعد تحریر فرماتے ہیں :-

”وہ محل کو یہ خیال گزر رہا تھا کہ سلطان خسرو باپ کی جگہ تخت پر بیٹھے گا۔ وہ چاہتی تھی کہ اُس کا پایہ بھی مضبوط رہے اور زور و راہ بھی طے قائم ہو جائے اُس نے ۱۶۲۳ء میں شہر لوار سے شادی کر دینے کے قبل بارہا اپنی بیٹی مہر النساء سلطان خسرو کو دینا چاہی۔ مگر وہ کبھی رضامند نہ ہوا۔ اس کی وجہ خواہ یہ رہی ہو کہ خسرو کی ایک بی بی موجود تھی جس سے وہ خوب محبت کرتا تھا اور جس سے بے وفائی و بے مہری پر وہ کسی طرح

لے دربار اکبری، صفحہ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ سیاح نامہ، جلد اول، صفحہ ۵۵۔ ۵۶۔ ایضاً، صفحہ ۵۷،

نوٹ ۶۔ و صفحہ ۵۹، نوٹ ۲۔ تیز صفحات ۵۶ لغایت ۵۹۔ ۵۸۔ ایضاً، صفحہ ۵۷۔ ۵۸۔ مین القرآن، صفحہ ۳۷۔ ۳۸۔ بیلز

ڈکشنری، صفحہ ۵۴۔ و۔ رسالہ مخزن لاہور، صفحہ ۴۲، ۴۳، جلد ۱۴، بابت ماہ نومبر ۱۹۰۷ء۔

تیار نہ تھا؛ خواہ اس سبب سے کہ وہ نور محل کی بیٹی کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتا تھا۔ جسے کہ خسرو جب زندان خانہ بلائیں تھا تو اس کے پاس ستواڑو متوالی پہنچا ہنچے جسے کہ نور محل کی لڑکی سے شادی کر لوگے تو فوراً رہائی پا جاؤ گے مگر بائیں ہمہ وہ کسی طرح اس فرمایش کی بجا آوری کے لئے راضی و آمادہ نہیں ہوا۔

”نخلات اس کے“ اس کی بی بی نے، جو ایک دوسرے کو بے حد محبت و پیار کرتے تھے، خسرو کے

پاس خدمت گزار کی لئے قید خانہ میں رہنے کی رخصت و اجازت حاصل کر لی، اور شوہر کے پاس وہاں چلی گئی۔ وہ جب تک وہاں رہا یہ بھی اس کے ساتھ برابر رہی۔ یہ یکم اس کو ہمیشہ ترغیب دیتی رہی کہ نور محل کی دختر سے شادی کر لو تا کہ تم کو ان صعوبات و مصائب سے نجات تو حاصل ہو جائے۔ خود جہاں تک کہ میری ذات کا تعلق ہے، میں تسلیم درمنا اور صبر و شکر کے ساتھ فیصلہ، تقدیر پر قناعت کروں گی اور لونڈی بن کر آپ کی خدمت بجالاتی رہوں گی۔ آپ کو آزاد پانا اور اچھی حالت میں دیکھنا میری آرزو ہے حیات ہے۔

لیکن شاہزادہ پر اس کی عاجزی و التجا کا کبھی کبھہ اثر نہیں ہوتا اس نے کسی طرح منظور کیا۔ اس کا ایک ہی جواب تھا

اسیری زبردانہ گلزار بہتر کبچ نفس بال دہری فرد شمس

اس طرح وہ قید خانہ میں اپنی دفا گسٹرو محبوب زوجہ کے ساتھ رہا۔ یہاں تک کہ شہکاروں کی

کینہ دہی اور اس کے باپ کا فیض و غضب بھی عاجز آ گیا۔۔۔۔۔“

اسی عہد کا مشہور و وسیع الاطلاع جہازران و ستیاح و لیم فنچ WILLIAM FINCH اپنے

سفر نامہ میں لکھتا ہے کہ ”اس جلیل القدر گھرانے کے لوگوں کی عجیب کیفیت تھی۔ ان کا مذہب مختلف ہوا

مذہب و مراتب مختلف ہیں، مگر عقل انسانی اور قوتِ حاشہ سب کی یکساں تھی۔ ظاہری اختلافات خواہ کیسے ہی ہوں، انحال پر ان کا اثر نہیں پڑتا تھا۔ اتحاد و روح داخل نمایاں تھا۔ نتیجہ ایک ہی رہتا تھا۔

بد نصیب و ناشاد خسرو کی بی بی کا عمر بھر اصرار رہا کہ زندان خانہ میں شوہر کی رفیق اور مصائب و آلام میں

شریک و شریک ہو کر رہوں۔ یہ قید خانہ کیا تھا؟ ایک تاریک برج۔ جہاں قیدیوں میں سے اگر کوئی

مرجاتا اور بادشاہ سلامت کہیں باہر ہوتے تو ان کی واپسی تک لاش بے گور و کفن رہتی۔ دروازہ

ہر وقت بند رکھا جاتا تھا۔“

حسن انجام ظاہر ہے۔ بقول ایک امریکن مصنف سٹریٹ آرڈیلر **BAYARD TAYLOR** کے ”شہیت الہی نے عشق و محبت کو وہ شے مرحمت کر دی جس کے حلا کرنے سے کبھی انکار فرمایا تھا“
یا جیسا کہ مفتی معین الدین رقم پر واز ہیں ”تقدیر نے محبت کا ارمان پورا کر دیا۔“

کہا جاتا ہے کہ اسی بیگم سے خسرو کی اولاد بھی زیادہ تھی۔ لیکن تاج کی زبان اس کی تفصیل یا ناموں کے بتانے سے قاصر کم سے کم خاموش پائی جاتی ہے۔ جہاں تک پتہ چلتا ہے خسرو کی اولاد میں صرف دو کو کچھ عمر یا شہرت نصیب ہوئی تھی۔ (۱) سلطان داور بخش عرف مرزا بلاتی۔ (۲) ہوشمند بیگم۔
اس وفا شعار دہر پروردہ غنیفہ کے سوا تاج کی صفات پر خسرو کے تعلق سے تین بیگموں کا نام اور آتا ہے۔

(۱) متیم خاں ولد ہتر فاضل، راجا ب دار (سوری) کی بیٹی۔ اس سے ایک لڑکا بھی تھا۔
جس کی پیدائش کا ذکر جہانگیر نے ترک میں کیا ہے۔

(۲) دختر مرزا مظفر حسین صفوی۔ شاہزادہ خسرو کے ساتھ اس کی شادی رچائے جانے کی تھی

لے کین کی محل ایمپائر صفحہ ۱۱۷۔ جہانگیر کی وفات ۲۸ صفر ۶۳۳ھ (بمساب قدیم ۱۶۲۷ء) کو
ہوئی۔ آصف خاں وزیر نے اپنی مصالحت و پیشینہ سے داور بخش کو قید و بند سے نکالا اور لاہور میں تخت پر بٹھا دیا۔
تین ماہ بعد جب شاہ جہاں کی سربراہی و فرماں روائی کا اعلان کیا تو داور بخش کو مع اس کے دونوں چچا زاد
بھائیوں (ایک بہنوئی) کے جمادی الثانی سال مذکور میں قتل کرادیا۔ الفنسٹن صاحب کی یہ روایت کہ
داور بخش موقع پا کر بھاگ نکلا اور ایران پہنچ گیا تھا جہاں سفیران ہولسٹین **HOLSTEIN** نے
اُس کو دیکھا تھا، چنداں مستند نہیں بتائی جاتی۔ اس شاہزادی کی شادی مرزا ہوشنگ پسر مرزا
دانیال سے ۳۲۵ھ (۱۵۱۷ء) میں ہوئی تھی۔ اس کے دو سال بعد شاہ جہاں کے حکم سے ہوشنگ
کو مع اور بھائیوں کے جسام شہلاوت پلا دیا گیا تھا۔ (پلیس ڈکشنری صفحہ ۸۰، ۸۱، ۱۷۸، ۱۷۹، ۲۴۸)۔
صفحہ ۱۵۷۔ ترجمہ ترک، صفحہ ۳۷۱۔

پنہ کے مشرقی تلب خانہ میں موجود ہے۔ یہ قربت اکبر کی تجویز تھی۔ اور اُسی کے سامنے عمل میں آئی۔
 (۳) والی ٹھٹھ کی ہر شیر غالباً مرزا غازی رضا کی بہن تھی، مرزا جانی بیگ کی بیٹی۔ یہ نسبت
 بھی اکبر نے ٹھٹھائی تھی۔ معلوم نہیں کہ تقریب کی نوبت پہنچی تھی یا نہیں۔ سید خاں کی عرضداشت کے
 جواب میں جہانگیر نے اس سنگائی کا ذکر کیا ہے۔ شادی کے لئے اصرار پایا جاتا ہے۔

اے نیک دل پڑھنے والے! اس کریم النفس شریف الفصائل عورت، اس ہم تن شوق ایشیا
 سرتابہ پافلت و وفا خاتون کی یاد میں چار آنسو بہاے۔ اور رحمت و سلام کے پھول شکر۔ اور سن۔
 اے دل میں درد رکھنے والے انسان! سن!!

چار دن کی سیر ہے دنیا کے ہماں کے لئے ہے قبائے زندگی چاک گریباں کے لئے
 چاہے کچھ نور عبرت چشمِ انساں کے لئے ورنہ چشم و گوش تو کسلاں ہیں حیواں کے لئے

گاہ گاہ باز خواں ایں دفتر پارینہ را

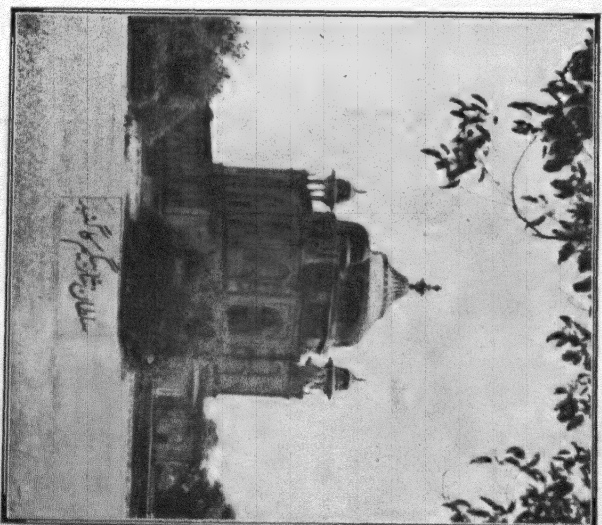
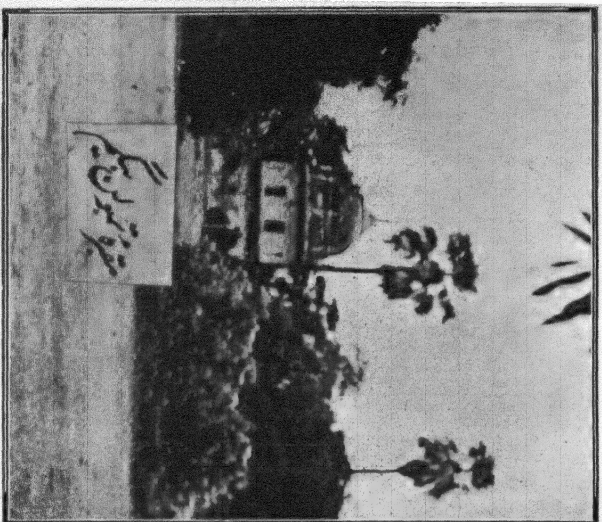
تازہ خواہی داشتن گردِ اغماں سیدہ را

۱۔ رسالہ ادبی دنیا، لاہور، اپریل ۱۹۳۲ء، صفحہ ۲۷۷۔ بحوالہ بادشاہ نامہ۔ ۲۔ فرخان ایک پڑانا ترکی اعزازی لقب ہے۔
 اس خطاب کے لوگ اداسے ٹیکس سے معاف تھے۔ پروفیسر گری نیس دام بے ری A. VAMBERY

نے اپنی تاریخِ بخارا (مطبوعہ لندن) میں اس کے منگولین اشتقاق اور وسعتِ حقوق و استحقاق اور حدودِ اختیارات کے
 متعلق پوری تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ ۳۔ طبقاتِ اکبری، از ملا نظام الدین ہروی، صفحہ ۶۳۸۔ ۴۔ منتخبات ابوالفضل
 علومی، مطبوعہ دکن، ۱۸۷۹ء، صفحہ ۷۷۔ ۵۔ رشحات العنوں، قسلی، ورق ۲۰۰، از سید امین الدین خان ہروی۔
 ۶۔ سیر المتاخرین، صفحہ ۱۷۶۔ ۷۔ مسلمان تاجداران ہند، جلد اول، صفحہ ۸۰۔ ۸۔ ترک، صفحہ ۹، سال اول۔

دو بے قبر کے مقبرے خسرو باغ میں

(۷) (۸)



دو بے قبر کے مقبرے

مقبرہ شاہ بیگم اور مقبرہ خسرو کا ذکر تو ہو چکا۔ اب خسرو باغ کی دو عمارتیں رہ جاتی ہیں جن میں قبر تو نہیں مگر مقبرے کہلاتی ہیں۔ ایک تو شروع ہی سے آباد نہیں ہوئی نہ کسی کے جسدِ خاکی نے اُس میں ٹھکانا پایا تھا۔ دوسری آباد ہو کر ویران ہو گئی۔ مرنے والی تھی۔ مسکن بنی۔ یہاں ان کی تعمیری خوبیوں یا خامیوں اور کوتاہیوں سے بحث کرنا مقصود نہیں؛ بلکہ ان کی صورت و کیفیت دکھا کر اُسی پہلو پر نگاہ ڈالنا مد نظر ہے، جو علمی و ادبی یا کسی نہ کسی معنی میں تاریخی سمجھا جاتا ہے۔ خدا کرے کوئی باکمال صاحبِ قلم اس طرف توجہ فرمائے اور صفحہاتِ کاغذ پر باقی رہ جانے کے لئے باقی اشعار کو بھی تحقیق کر کے پورا کر دے۔

سُلطانِ نثارِ بیکیم کا کُنبد

ہر سمت اور ہر حساب سے یہ دوسرا مقبرہ ہوتا ہے، اور ان دونوں مقبروں کے درمیان واقع ہے۔ یعنی اس کے ایک جانب خسرو کا مقبرہ ہے اور دوسری طرف شاہ بیکیم کا۔ اس کا فصل ہر ایک سے بقدر تیس (۳۰) قدم کے ہوگا۔ نخلستانِ زیب و ترنیں کے زیرِ پاشِ فیض، بخش ہاتھوں کی بدولت یہ فصل (رقبہ بزمن) بھی خالی اور بیکار نہیں چھوٹنے پایا، بلکہ اس میں دونوں طرف دو خوشنما سنگین حوض، ہشت پہل بنادئے گئے ہیں۔ کبھی صاف شفاف پانی سے لبریز رہتے تھے۔ پاس کے کنوئیں آبِ رسانی کرتے تھے۔ فوارے چلتے تھے۔ آبشار اور نالیوں کا ظاہری سلسلہ و انتظام تو اب تک وہی باقی ہے، مگر بے سود و بے مصرف۔ اپنی حالت اور کس پر سری پر آٹھ آٹھ آنسو رہا ہے۔ حوض خشک پڑے ہیں؛ فوارے بند۔ البتہ ان میں کچھ ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے تو ٹکڑا و منقوشِ مضام کی جگہ سادہ پتھر لگتا ہے یا صرف چننا۔ پیوند بد نما ہوتے ہیں اور نازیب۔

یہ مقبرہ وسطِ باغ میں بڑے دروازے کے مقابل ہے۔ یہی کرنیل نیویل کے حساب سے دوسرا ہوتا ہے۔ اور سٹرپیل کی تحریر سے تیسرا۔ اوروں کے مقابلے میں کسی قدر چھوٹا ہے۔ یہ جسمانی کمی ایک معنوی حیثیت یعنی اس کے بلند و سبق آموز اشعار و قطعات کی افزاء و کثرت سے پوری کر دی گئی تھی۔ زمانہ کے جفا کار ہاتھ نے ان کو بھی برقرار و قائم نہ رہنے دیا۔

پرباک ہینڈ بک میں لکھا ہے کہ پورب والا مقبرہ خسرو کا ہے اور تیسرا اس خاندان کے اور بچوں کا۔ مولف کتاب کی مراد کس تیسرے (مقبرے) سے ہے۔ وہ بچے کون تھے؟ اور کس کس کے ہاں کی قبریں کہاں تھیں؟ کیا ہوئیں؟ ان کا نہ لکھنا، لکھنے والے کی عدم واقفیت اور کوتاہی تحقیق کو عالمِ آشکار کرتا ہے۔

یہاں کے بعض فادمان بلا خدمت و بلا خدم اس کو خسرو کی بیوی کا مقبرہ بتاتے ہیں، اُس کا نام بیلی بیگم و شہزادہ نواز خاں۔ تاریخ کی زبان اس بارے میں قطعاً خاموش، اور اس کی تصدیق سے عاجز ہے۔ انگریز مورخوں اور اُن کے خوشہ چیں، ہمارے اہل وطن کی روایت یہ ہے کہ یہ مقبرہ خسرو کی ایک بہن نے ۱۰۳۴ھ (۱۶۲۵ء) میں اپنے لئے تعمیر کرایا تھا، مگر اتفاق سے بیگم نے کسی اور جگہ انتقال کیا، اور وہیں دفن ہوئی، اس لئے یہاں اُس کی جگہ خالی رہی۔ بہت سے اشعار گنبد کے اندر اور باہر لکھے تھے جو گردشِ روزگار سے مٹ گئے ہیں۔

ڈسٹرکٹ گزٹیر نے بھی اس کی تائید، اسی کو نقل کرتے ہیں۔ سٹر اسٹیل اس کو جہانگیر کی راجپوت لکھ کی بیوی کی قبر بتاتے ہیں۔ کزنیل نیویل فرماتے ہیں کہ اس میں بہت سے کتابے لکھے ہیں لیکن اکثر اب شکستہ حالت میں ہیں۔

اگر یہ قول اور ان غرضانگانِ فرنگ کا قیاس صحیح ہے تو یہ شاہزادی، شاہ بیگم کی بیوی تھی۔ اور خسرو کی ہمشیرہ۔ شاید انھیں تعلقاتِ قلبی کے دائرے اور محبت و خون کے جذبے سے اُس نے آباد میں پوچھا خاک ہونے کی آرزو کی ہوگی۔ یا خاکِ پاک پر پاک کی کشش رہی ہو۔ شریف الملک مستوفی خان محمد بادی ترک (کے دیباچے) میں لکھتا ہے کہ اُس کا نام سلطانِ نثار بیگم لکھتے اور خانی خان محمد ہاشم منتخب الباب میں صرف سلطان بیگم تحریر کرتے ہیں۔ ترک جہانگیری اور تذکرہ خسرو (مولفہ قائم) سے پایا جاتا ہے کہ وہ جہانگیر کی پہلی بیوی سے تھی اور اُن کی اولاد میں سب سے بڑی بیوی پہلو تھی۔ سٹر اسٹیل Parice تاریخ جہانگیر میں نقل میں کہ سلطانِ نثار بیگم خسرو سے سال بھر بڑی تھی۔ ایک سال بیشتر فوت ہوئی۔ اُس نے خسرو باغِ آباد میں اپنے لئے مقبرہ بنوایا تھا، مگر وہاں دفن ہونا نصیب نہ ہوا۔ اُس نے

لے مفتاح التواریخ، مولفہ سٹر اسٹیل، صفحہ ۲۱۵-۲۱۶، ڈاکٹر فوہر، صفحہ ۱۸۱، اموس المشاہیر

صفحہ ۲۹۷-۲۹۸۔ گزٹیر سابق ضلع آباد، صفحہ ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، گزٹیر جدید، صفحہ ۲۰۳-۲۰۴۔

ادیاق، نقل، صفحہ ۲۸۸۔ جہانگیر نامہ تاجدار الوصن مستوفی خان، بخشی، صفحہ ۲۷۷، ۲۷۸۔ اموس المشاہیر، صفحہ ۱۳۹۔

لے ترک جہانگیری، صفحہ ۷۰۔ دیباچہ ترک، صفحہ ۷۰۔ دیباچہ ترک انگریزی، صفحہ ۱۹-۲۰، جلد اول، صفحہ ۲۴۵-۲۴۶۔ ترجمہ ڈسٹر

شعبان ۱۰۵۷ھ مطابق ۵ ستمبر ۱۶۴۶ء کو وفات پائی اور اپنی خواہش و وصیت کے مطابق اپنے دادا کے مقبرے واقع سکندرہ میں سپرد خاک کی گئی۔ قاموس المشاہیر میں بھی یہی حال اور نام سلطان النساء تحریر ہے۔
 بلاشاہ نامہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ سٹرنیل نے اورنٹیل سیاگرنی محل ڈکشنری میں، مرزا امینا (مرزا امین) نے اپنے بلاشاہ نامہ میں اور سٹرنیل پورج نے رایل ایشیاٹک سوسائٹی کے رسالے میں اس کے حالات بقدر ضرورت درج کئے ہیں۔ پورج صاحب اپنے نوٹ میں اضافہ فرماتے ہیں کہ اس کا اصلی نام سلطان النساء تھا۔ اکبر نامہ ٹھہیں اس کی ولادت کا ذکر ہے۔ ۱۵۸۹ء دی ہشت ۱۱۱۷ھ مطابق ۲۳ اپریل ۱۵۷۶ء کی شام کو پیدا ہوئی تھی۔ اُس کی ماں راجہ بھگوانداس کی بیٹی اور اجسمہ مان سنگھ کی بہن مانی پور سجھی جاتی تھی۔ سلطان نثار پاپ سے پہلے مری تھی۔ باب ۱۰۳۲، ۱۰۳۳ یعنی ۱۶۳۷ء میں فوت ہوا ہے۔ تاریخ جہانگیر میں سٹر گلڈن GLADWIN اس کا نام سلطان النساء اور سال پیدائش ۱۵۸۹ء لکھتے ہیں۔

شاہزادی کی تاریخ وفات کے بارہ میں جو اختلاف ہے اُس کو رفع کرنے یا صحت و تحقیق کا یہاں موقع نہیں بلکہ ضرورت ہے۔ البتہ ہشت آباد (سکندرہ) میں اُس کے دفن ہونے کی بدولت پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے۔ مولوی سعید احمد تاریخ اگرہ میں فرماتے ہیں اس کمرے (مرقد اکبر اکبر) کے برابر والے دوسرے کمرے میں جو خوشنما جالیوں اور فرش و قلعین سے مزین ایک قبر ہے..... اس میں جہانگیر بادشاہ کی بڑی لڑکی سلطان النساء یکم دفن ہیں، جو شاہزادہ خسرو کی بہن تھیں۔ ان کا انتقال ۴ شعبان ۱۰۵۷ھ کو بعد از شاہ جہاں بلاشاہ ہوا تھا۔ ۱۱۱۷ھ تاریخ ۱۶۴۶ء کے مطابق ہوتی ہے۔

۱۔ صفحہ ۲۔ ۲۔ صفحہ ۲۹۔ ۳۔ یہی نہیں سلیمان شکوہ پسر شاہ عالم بھی یہاں ۱۱۳۳ھ میں دفن ہوئے تھے۔

اُن کی دو بیگمیں بھی یہاں رات گزیں ہیں۔ (ڈاکٹر فوہرر صفحہ ۷۷)۔ ۴۔ صفحہ ۳۹۲۔ ۵۔ جلد دوم، صفحات ۶۳ و ۶۴۔

بلاشاہ نامہ خورشید شاہ جہاں نے نام رکھا تھا۔ مرزا صاحب درباری مورخ اور شاہجہاں کے منشی تھے۔ ۱۱۵۷ھ ماہ جولائی

۱۹۷۷ء، صفحہ ۶۔ ۷۔ جلد سوم، صفحہ ۴۹۳۔ ۸۔ شاید کتابت یا طباعت کی غلطی ہے۔ جہانگیر کی وفات کی

تاریخ ۲۸ صفر ۱۰۵۷ھ (روزہ شنبہ ہے)۔ (از جہانگیر نامہ، صفحہ ۲۹۵)۔ اور یہی ۱۱۲۷ھ کے مطابق ہوتی ہے ۹ صفر ۱۶۱۷ء۔
 ۹۔ مرقع اکبر آباد، صفحہ ۱۵۸۔

پیر منٹے صاحب نے اس کو ۱۹۳۲ء میں دیکھا اور نامکمل پایا تھا۔ لکھتے ہیں کہ مقبرہ نیا تھا شروع ہوا ہے۔ پیر منٹے پریشان فرماتے ہیں ”مگر یہ معج نہیں ہے اس لئے کہ مادہ ہمارے جو مقبرہ پر ہے جو مقبرہ پر تحریر ہے سال ہجری ۱۰۳۲ء لکھتا ہے جو ۱۹۱۲ء کے مطابق ہے۔“ میرے خیال میں کسی توضیح کی ضرورت نہیں۔ ۱۰۳۲ء سال برائے عمارت کی بنیاد پڑنے یا شروع ہونے کا ہے ختم تعمیر کا نہیں۔

مفتاح التواریخ میں مرقوم ہے کہ گنبد کے اندر بہت سے اشعار و خط نستعلیق ہیں لکھے ہیں۔ لیکن بعض کہن سالی و گردش روزگار سے مٹ گئے ہیں۔ سٹیمپس گزرے مسٹر بیل کو اعتراف کرنا پڑا تھا کہ وہ بھی بعض کو پڑھنے اور پڑھوانے سے قاصر رہے تھے۔ اس لئے اسی قدر لکھ دینے پر اکتفا کیا تھا ”جہاں تک پڑھا جاتا ہے پہلا مصرع یہ معلوم ہوتا ہے۔ خرم آنروز کہ مازت ازین خانہ بریم۔ اس گنبد کی تعمیر کا قطعہ تاریخ تین شعروں کا تھا جو دروازے کی پیشانی پر کندہ تھا، مگر پہلا شعر باطل بالکل پڑھا نہیں جاتا۔ باقی دو شعر یہ ہیں جو ابھرے ہوئے حروف میں لکھے ہیں۔ ان کے گرد موقع موقع سے سبز رنگ کی گلکاری ہے۔

برو ملائک رحمت ہمیشہ نور نشان زہے نمونہ خلقِ بریں بھر کر خاک
خرد ز سال بنائش بصفہ و فکر ت نوشت با قلم اختر اعروضہ پاک
[۱۰۳۲ = ۱۹۱۲ء]

کتبہ فقیر سلطان سرحدی

پورے وثوق کے ساتھ تو شاید وہ خود بھی نہیں کہہ سکے کہ یہ مقبرہ کس کا ہے اور کس ضرورت سے تعمیر ہوا تھا، لیکن مسٹر پوریج کا خیال یہ ہے کہ اس قطعہ میں لفظ انتشار سے سلطان نثار بیگم کے نام کی طرف اشارہ ہے لکھ اُس کی ماں راجہ بھگوان داس کی بیٹی تھی، ماں سنگھ کی

لے سیاحت نامہ، جلد سوم، صفحہ ۱۰۰۔ مے تاریخ جہانگیر، صفحہ ۳۲۹ نوٹ۔ ۳۲۹ صفحہ ۳۲۹۔ مے جوش

رائل ایشیاٹک سوسائٹی، جولائی ۱۹۰۷ء، صفحہ ۴۰، نوٹ نمبر ۱۔

ہن مانی اور سچی جاتی تھی۔ مسٹر ڈیوہرٹ فرماتے ہیں کہ اس کی بحر معمولی وزن کی 'مُجَثَّہ' ہے۔ یہ اور اک تو چنداں بڑی بات نہیں۔ لیکن ایک یورپین ملکی عہدہ دار کی قنّ عرض پر ایسی گہری نظر اور اطلاع ضرور حیرت انگیز ہے۔ میرے ہم وطن، فارسی اُردو کے ممتاز سخنوران شاعر نہایتوں ماور فن کی باریکیوں سے کتنے آگاہ ہیں۔ مرحوم نے قیسے یعنی پہلے شعر کی نسبت کچھ تحریر نہیں کیا۔ منصبی خدمات کے سلسلہ میں وہ کچھ دن الہ آباد میں قیام فرما رہے تھے۔ یہاں کی عمارات و مقابر اور اُن کے کتبوں کے متعلق سمی و تلاش کی تھی۔ انوس ہے کہ باقی ماندہ مٹے اور بگڑے ہوئے شعروں کو وہ بھی دریافت نہ کر سکے۔

مسٹر بیورج نے اپنے قابلِ قدر مقالے میں لکھ لیا ہے کہ خسرو کی ہمشیر سلطان النساء کی قبور پر تفصیل ذیل کہتے ہیں۔

شمال کی طرف، اوپر۔
 ردّ قطع تعلیق بکُن امروز کہ فسر دا
 آسودہ را غلالِ اُمید مین ز سلسلِ
 از خود گزراے یازد بد و س کہ کسے نیست
 غیر از تو میانِ تو د مقصودِ تو حائل
 دکھن، اور دائرہ پر۔

گر ہر مملکت و مالِ جہاں جمع کنیسم
 ما بجز پیر ہنے ہیج ز دنیا نہ بریم
 بادشاہ تو کریمی در حسی و غفور
 دستِ مالِ کہ در ماندہ دے بال و پریم
 در شاد دین کوہ صفت سنگی و کابل
 [دوسرا مصرع غائب ہے]
 تن درہ برضا کا پنج قضا بر تو نوشت است
 از تو نشود دفع بہ تعوید و حائل
 حق را بشناس از نظر چشم و دل و گوش
 کایں ما ہمہ بر قدرت حق اند دلائل

مسٹر ڈیوہرٹ کا ارشاد ہے کہ پہلی بیت میں جو مصرع 'در شاد دین' اور 'الایورج' صاحب نے نقل کیا ہے وہ دراصل مصرعِ دوم ہے یعنی شعر کا نصفِ اخیر۔ اس لئے کہ اس میں قافیہ اور جملہ موجود ہے۔ اسی طرح شعر کا پہلا مصرع بھی غلط تحریر ہو گیا ہے۔

مسٹر ڈیوہرٹ نے ان کتبوں اور اشعار پر کامل غور و مطالعہ کے بعد رائے زنی فرمائی ہے۔ اس لئے پوری تفصیل کے ساتھ اُس کو صبح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

”تیسری عمارت کے کتبے بد نصیبی سے نہایت نامکمل اور بڑی ناقص حالت میں ہیں۔ علی طور پر یہاں چار کتبے پائے جاتے ہیں۔ ایک تو چھوٹا سا، جنوبی دروازہ پر جس سے پہلے تاریخ نکلتی ہے۔ [بروٹا نکب رحمت۔ تا۔ روضہ پاک]۔ عمارت کے مربع کے اندر دو لائیں کتبوں کی ہیں جو گرد اگر دینی چاروں طرف دوڑتی چلی گئی ہیں۔ اوپر والی قطار تقریباً بیس فٹ اور نیچے والی تریس فٹ نوٹ کے فرش عمارت سے بلندی پر ہوگی۔ اوپر والی رومی ایک ہی نظم بحر بحر CATALECTIC میں تھی اس میں زخافات بھی تھے جو خرب اور کُفت کہلاتے ہیں۔ ان کا حرف رومی ال تھا۔ ابتداءً اس میں سولہ تیس تھیں۔ ان میں سے اس وقت کلا یا جزو کا حرف دس محفوظ ہیں۔ نیچے والی قطار میں دو جدا جدا نظمیں تھیں۔ پہلی بحر زمل میں، جس کا حرف رومی دسیم تھا۔ دوسری مولی CATALECTIC بحر زج میں محاور اُس کا حرف رومی الف تھا۔ پہلی نظم میں ابتداءً آٹھ شعر تھے۔ ان میں سے دو اس وقت پورے پورے موجود ہیں۔ باقی دونوں میں سے پہلا اُدھا اور ایک جزو نصف دوم کا رخصت ہو چکا۔ دوسری نظم اس سے بھی زیادہ مٹ چکی ہے۔ یعنی ابتداءً دس شعر تھے، ان میں سے صرف ایک ثابت و برقرار رہ گیا ہے۔ تین شعر اور تھے جن کا تقریباً نصف نصف موجود ہے۔ ان دونوں میں سے پہلی نظم کی سارے چھ بیتوں کو ’غٹ ربدو‘ (خط ملتا) کر دیا ہے اور ایک دوسرے کے مختلف اجزاء و حواصیر لگادئے ہیں۔

دوسری نظم فارسی کے مشہور شاعر خاقانی کی غزل ہے جو اُس کی کلیات مطبوعہ لکھنؤ کے

صفحہ ۱۳۹ میں موجود ہے۔

بلدی غزل یہ ہے۔

دقت آنست ازین دایر فنا در گذریم کارواں رفت و ما بر سرِ راهِ سفریم

۱۵ جولائی ۱۹۱۹ء، جلالپور، سرسایتی، جولائی ۱۹۰۹ء، صفحہ ۷۷۔

۱۔ زادہ پہنچ نہا کریم چہ تدبیر کتیسیم
 ۲۔ پدر و مادر و فرزند و عزیزان رفتند
 ۳۔ دم بدم می گزرنند از نظیر مایاران
 ۴۔ خانه و خانقہ و منبر و مایر زین
 ۵۔ خانه اصلی ما گوشہ خواہستان است
 ۶۔ گرہہ ملک و مال جہاں جمع کنیم
 ۷۔ بادشاہاتو کریم و رحیمی و غفور
 ۸۔ یارب از لطف و کرم عاقبت خاقانی
 ۹۔ سفر دور درازست و لے بے غریم
 ۱۰۔ وہ چہ ما غافل و مستیم چہ کوتہ نظریم
 ۱۱۔ این قدر دیدہ نہا کریم کہ بر خود نگریم
 ۱۲۔ ما بہ تدبیر سراسر اس منتن و بام و دریم
 ۱۳۔ خرم آن روز کہ این رخت بدان غریم
 ۱۴۔ لیک جزیر ہن گور ز دنیا نہ بریم
 ۱۵۔ دست ما گیر کہ در ماندہ و بے بال پریم
 ۱۶۔ خیر گردان کہ مادر طلب خواب غریم

اس کا چھٹا اور ساتواں شعر اب تک موجود ہے۔ البتہ چھٹے کا نصف دوم ”ما بجز سر ہن پہنچ ز دنیا نہ بریم“ پڑھا جاتا ہے۔ چوتھے شعر میں ”بر خود نگریم“ آخر سے غائب ہے۔ کلیات کا پانچواں شعر غالباً کہتے میں شروع ہی سے نہیں لکھا گیا تھا۔ چھٹے شعر کا نصف دوم جس کو غلطی سے بدل صاحب نے ان نظموں کا پہلا شعر سمجھا ہے، اب بالکل نظر نہیں آتا یہ امر قابل تحریر ہے کہ یہ نظم اور دوسری اور جو اس کے اوپر ہے، اور خسرو کی قبر کا کتبہ، سب کے سب عبارت کی یکجہتمت کے وسط سے شروع ہوتی ہیں۔ یعنی کتبہ دکنہ کا مرنخ ملحوظ رکھا گیا ہے۔

تیسری نظم سے صرف ایک شعر بچا رہ گیا ہے۔

بگفتی حالِ شاہ بودی زبانِ موسیٰ گویا
 چرمی داندہ کسے حالِ گلِ اندامانِ بزرگ

تلاش کی جائے تو کسی نہ کسی مشہور شاعر کے دیوان میں اس عبارت کی باقی ماندہ دونوں نظموں کا بھی پتہ چل جائے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ کلام یا اس طرح کا معمولی شعرا کا نہیں ہو سکتا، جو محض تاریخیں نکالنے اور موزوں کرنے میں مشاق ہوتے ہیں۔“

ان مینوں فاضل ششقرین کی سعی و التفات قابلِ تشکر و امتنان ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ پوری

عمارت اور اُس کی خصوصیات

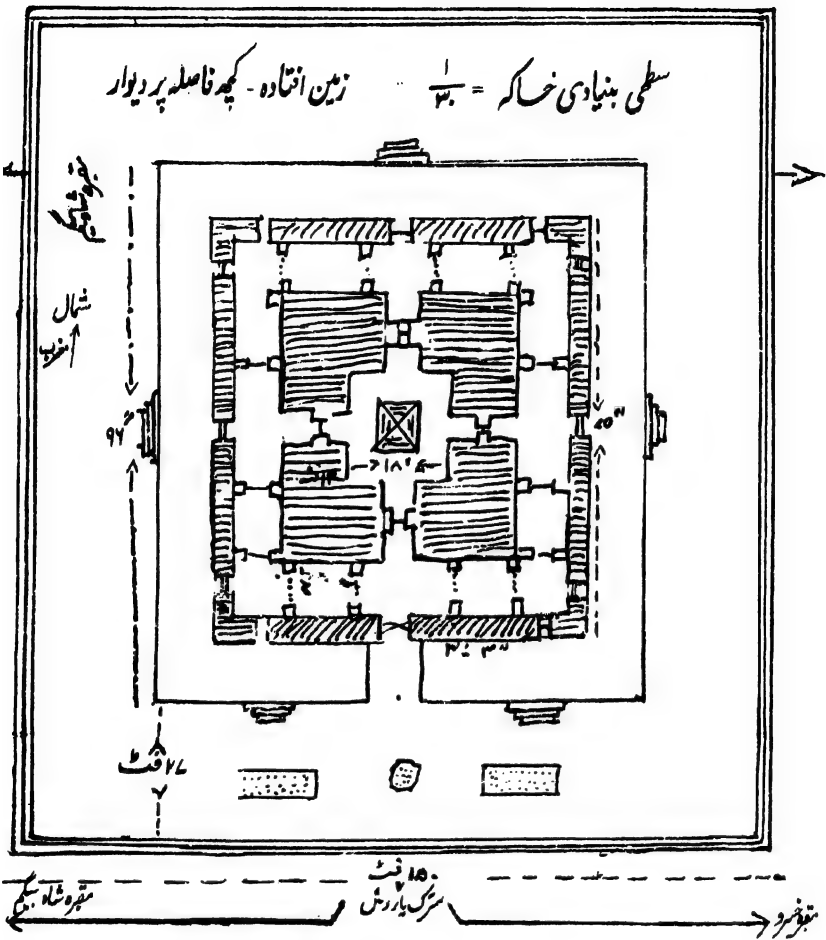
یہ مقبرہ (بلاقبر) اور مقبروں سے کئی باتوں میں ساخت و خوش نمائی، پتھر کی مضبوطی و دیرپائی کے لحاظ سے ممتاز ہے۔ اس کا شجر (شلغم) ناگنبد، بلند نوک دار محرابیں، خوبصورت نقش و نگار مخصوص وضع و قطع کے نیم و امرد ستون، سب کے سب ایک حیثیت منفرد و جدا رکھتے ہیں۔ اور جو مغلیہ طرز تعمیر کے اچھے علم بردار کہے جاسکتے ہیں۔ مستزاد یہ کہ اس کے ابقار و درست حالی میں قدرتِ مطلقہ نے بھی اپنے دستِ کرم اور فیاضیوں سے زیادہ حصہ دیا اور پورا کام لیا ہے۔ صدیاں گزر چکیں۔ آب و ہوائیں بدلتی رہیں۔ سخت سے سخت موسم آئے اور چلے گئے۔ لیکن اس کے خارجی تکلفات، نمائش گلکاریوں اور پتھروں کی اصلی رنگت پر بہت کم اثر ڈال سکے۔ اس پاس کے مقبروں کے پتھروں پر سیاہی دوڑ آئی۔ کائی نے بھی حجاب کھالیا۔ لیکن اس عمارت کے نیچے والے حصہ کو چھوڑ کر، جہاں کہیں کہیں کائی اب پستاندم جمانے لگی ہے، باقی پتھروں کی سُرخ و سفیدی ہنوز باقی ہے۔ بالائی روکار کے پتھروں کی ٹھٹھنی ہوئی زردی، سنگ کٹھو کی مرمریت، صاف نمودار ہے۔ اور خوب رونق دکھا رہی ہے۔ پتھر اپنے تمام اسلی مشقوشات و مکتوبات و محکومات کے ساتھ بالکل سالم اور محفوظ ہیں۔

اب یہاں سے بے لطف بنے کیف تفصیلات و خبریات شروع ہوتی ہیں۔ اندیشہ ہے کہ انفریچا پڑنے والوں کو ان کے سمجھنے میں الجھن، اور سلسلہ بیان کو ذہن نشین رکھنے میں زحمت و کلفت ہوگی۔ مگر کم نصیب لکھنے والے کو اپنے مرض کی انجام دہی سے چلہ نہیں۔

حلقہ گردینِ زندہ اسی پیکارِ آب و گل آتش در سینہ دارم از دنیا گانِ شما

روضہ کی عمارت چار فٹ ایک انچ بلند چوڑے پُر اٹھائی گئی ہے۔ سرِ برج ہے۔ جس کا ہر ضلع بیس (۳۲) گز ہوگا۔ برابر ولے مقبروں کی طُرح یہ بھی دکنِ رویہ بنی ہے۔ چاروں طرف نو نو گز کا سنگین فرش ہے۔ اصل عمارت یعنی پہلی منزل کی دیوار پچیس پچیس گز ہر طرف سے ہے۔ سارے تین فٹ موٹی۔ دوسری دیوار اس سے آٹھ فٹ کے فاصل پر اندر کی جانب ہے۔ اسی دیوار پر پوری عمارت کا

سطحی بنیادی خاکہ = $\frac{1}{32}$ زمین اقتادہ - کچھ فاصلہ پر دیوار



بوجہ پڑتا تھا اس لئے اس کی جوڑائی چار گز (بارہ فٹ) رکھی گئی۔ حجرہ دربارے قبرستان اندر، طول و عرض میں مسادی چھ گز ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ عمارت کے داخلی حصہ میں عمارت کی بنیادی زمین نے زیادہ رقبہ سے زیادہ۔ کھلے ہوئے حصہ نے کم پایا۔ اس تجویز و تقسیم کی اچھائی برائی کا فیصلہ تو اہل فن اور ارباب کمال ہی کر سکتے ہیں۔ البتہ یہ آشکار ہے اور مسلم کہ غلام گردش اور جھوکو جھوکو بہت سی جگہ چوئے اور پتھر کے تعریف میں آگئی ہے۔

صدر دروازہ چوترہ کاٹ کر بنایا گیا ہے۔ ہمسایہ مقبروں کے مقابل میں یہ دروازہ، اس کے اوپر والی محراب اور پیش طاق سب فرخ تر و کشادہ ہیں۔ محراب دس فٹ اونچی، چھ فٹ چار انچ چوڑی ہے۔ پیش طاق نقوش و نگارگری سے آراستہ و خوبصورت ہے۔ پھانگ پر محراب کے دونوں جانب پتھروں پر ایک ایک دائرہ اُبھرا ہوا تراشا گیا ہے جس میں کلمہ طیبہ مرقوم ہے۔ دکن رخ سنگی فرش پر سبز و گل کے تروتازہ خیابان ہیں۔ ٹھیک پھانگ کے سامنے ایک بہشت گوشہ حلقہ میں مختصری کیداری ہے۔ اگر بھر نظر اسی کے برابر ادھر ادھر دو کیا ریاں ملور ہیں۔ فرحت بخش و نشاط افروز امیر مرحوم نے کیا اچھی تشبہی سے بنائی ہے۔

عارضہ اے گلبدن اک اس طاق اک سورت گویا کھیلے ہیں دو چن اک اس طاق اک اس طاق
یاد ہو گا کہ چوترہ کی بلندی یعنی عمارت کی کرسی چار فٹ ایک انچ ہے۔ اس چوترہ کے تین جانب ہر جانب کے وسط میں، تین تین سیڑھیوں کا ایک ایک زینہ اوپر چڑھنے کے لئے بنا ہے۔ دکن کو دروازہ کے دونوں طرف سیڑھیاں ہیں۔ ۷ x ۵ فٹ زمین گھیری ہے۔ یہ سیڑھیاں ایک فٹ چار انچ چوڑی ہیں۔ ان سیڑھیوں اور چوترہ کی دیواروں پر نقاشی تو نہیں، لیکن سنگ تراشی اچھی خاصی کی گئی ہے۔ پتھر گڑھ کر لنگے اور ان کے کنارے صفائی سے کاٹ کر خوب ملائے ہیں۔ پتھر کی چھ گھٹیاں شامیانہ نصب کرنے کے واسطے چوترہ کی دیواروں میں مضبوطی کے ساتھ لگی ہیں۔

چوترہ کے بعد ہی عمارت کی پہلی دیوار بارہ فٹ بلند ہے۔ عمارت کی پہلی منزل اس پر ختم ہو جاتی ہے۔ اس دیوار کے ہر پہلو میں نقش ستون اور طاقتوں اور محرابوں کے کچھ پست، اور کچھ اُبھرے ہوئے نشانات جلوہ ریز ہیں۔ یہ ہی آدھ کعبے ہر طرف کی دیوار کو پانچ حصوں یا کٹروں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک حصہ میں تین تین طاق و دو مختلف وضع دھڑ کے بنے ہیں۔ ان کے نیچے ڈھائی ڈھائی انچ پتھر اور گھدے ہوئے ہیں۔ اس طرح ہر جانب چھ ستون ہیں۔ چار چار تو درمیان میں معین و مساوی فاصلہ پر ہیں اور دو دیواروں کے دونوں کناروں پر۔ لیکن دکن طرف پھانگ تاق ہوا ہے اور اوپر جلنے کے لئے سیڑھیاں بنی ہیں، اس لئے آدھ صرف چار کعبے ہیں۔ ستون اور طاقتوں

کی صورت نقشہ سے واضح ہوگی۔

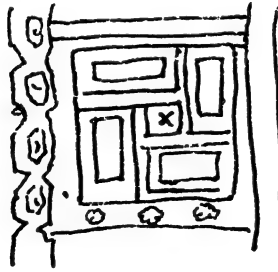
یہ ستون دیوار میں نیم پست ہیں۔ ان کی گولائی (سوائی) نصف سے کم باہر نکلی ہوئی ہے جیسا کہ کہہ چکا ہوں یہ کھجے اور طاق اور ان کی پیشانیوں پر نقشیں اور نہایت خوشنما بنی ہیں۔ شاسیانہ و شاسیان لگانے کے لئے ستونوں پر بڑی ٹوڑے نصب ہیں۔ طاقتوں کی پیشانی بھی نقش ہے۔ محرابوں کے پہلوؤں پر ”اللہ اللہ“ لکھا ہے، مگر دیواروں کے درمیانی یعنی بیچ والے طاق پر پورا کھلے طیبہ۔ چوتڑے سے طاقتوں کی بلندی پانچ فٹ دس انچ ہے۔

دیواروں میں تینوں جانب تین تین روشندان یا تھکر جا لیاں ہیں۔ [سطحی خاکہ ملاحظہ ہو]۔ ان میں سے ایک تو وسط میں ہے، اور ایک ایک دونوں کناروں پر۔ ان کنارے تغار ڈھائی ڈھائی فٹ ہے۔ دونٹ دوا پنجہ چوڑائی۔ ان سے حجرہ (برائے قبر) میں کافی روشنی پہنچتی ہے۔

گروکار میں سنگِ سرخ استعمال کیا گیا ہے۔ کہیں کہیں سفیدی بھی چمکتی ہے۔ اونچی اونچی دیواروں کے اوپر والے حصہ میں سنگ کھٹو یا مخرزدن نے غالب حصہ پایا ہے۔ یہ موسمی اثرات اور سیلابی سے اب تک بچا ہوا ہے۔

پہلا دروازہ پانچ فٹ گیارہ انچ اونچا، تین فٹ آٹھ انچ چوڑا ہے۔ جو کھٹ بازو تھکر کے کواڑ پائے لکڑی کے ہیں۔ ہر تہ خوشنما کام کے ساتھ چار حصوں میں تقسیم ہے۔ اس عمارت کے سب دروازے یکساں وضع و ساخت کے ہیں۔

ان کو پانی اور دھوپ لاکھی یا گیلونگ شیلڈ ہوتا چلا آیا ہے۔



فٹ کے بعد ایک دوسرا لکڑی کا تیار ہوا ہے۔ حصہ میں بدوؤں گوتوں

سے چلنے اور نکلنے کے لئے سرخ

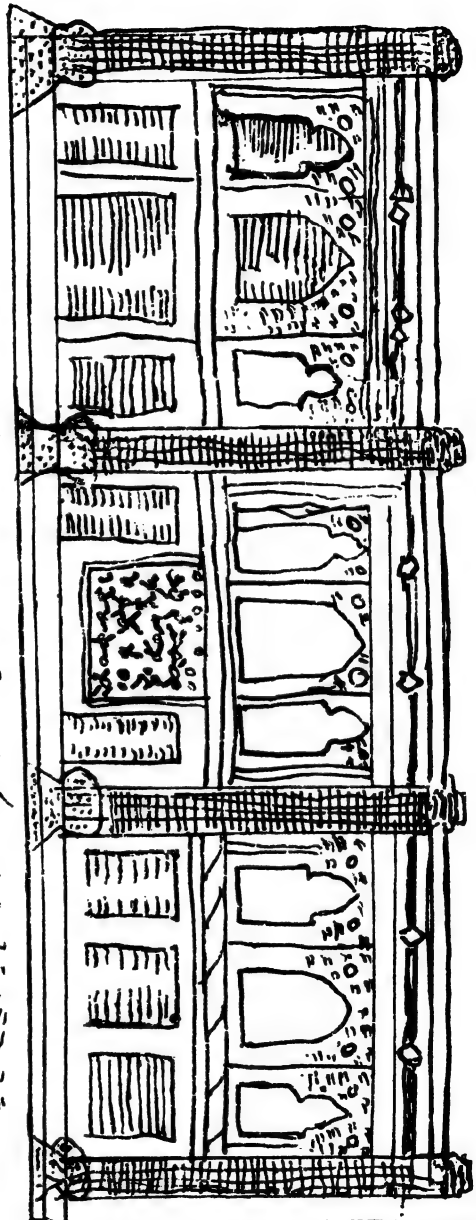
ایک مدت دراز سے انتخاب و اختیار

صدر دروازہ سے گزر کر گیارہ

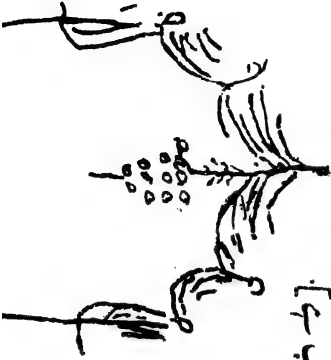
دروازہ ملتا ہے۔ پرانے نمونہ پر بنی

دروازہ اور پھانگ کے درمیانی

میں ”استغناء آثارِ قدیمہ“ کے متعلق سرکاری اعلان آؤڑاں ہیں۔ یہ نیلی فام آہنی تختیوں پر سفید روشنائی ملے اس زرچھر (کھٹو) کی نسبت میری اطلاع یہ ہے کہ اب ان اطراف میں دستیاب نہیں ہوتا۔ استعمال ہی کم ہے۔



عکاسات کی پہلی دیوار۔ [صفحہ ۱۹۸] ملاحظہ طلب ہے۔



ان دونوں چیزوں کی تفصیل
صفحہ ۲۰۲ پر دی گئی ہے۔



اس کا لالہ دو جگہ تھی۔ ایک سبز میں بھرا، سکھر، ٹھٹھہ، دھڑکے نواح میں، کوہ پگلی کی قیروں میں، گیانپور میں، اسلامی

سے خوشخط نستعلیق میں تحریر ہیں۔ پہلا ڈس، حسب معمول زیر قانون تحفظ احترام مناد کہیں ہے۔ عمارت کو ضرر پہنچانے والے کو جرمانہ کی وعید (دھمکی)۔ دوسرا حکم ضلع کی طرف سے ذیل کی چھ دفعت و مقاصد پر مشتمل ہے۔ (۱) دیوار دل کو چراغ سے سیاہ کرنے کی ممانعت۔ (۲) ان پر لکیریں کھینچنے کی ممانعت۔ (۳) مقبرہ کے فرش پر کھیل کود اور دعوتوں کی ممانعت۔ (۴) کتوں کو اندر لے جانے کی ممانعت۔ (۵) ہر اس بات کی ممانعت جس سے مقبرہ کی حرمت میں خلل پڑے۔ خلاف ورزی کرنے والا نکال دیا جائے گا۔ متذکرہ بھی قائم ہوگا۔

خزانہ، شالیستہ و مہذب تاشائی ان ہدایات کا استقبال و احترام تعمیل سے نہیں بلکہ متع پاکر نقصان و انحسار سے فرماتے ہیں۔ بعد روز کی بات ہے کہ بہت سے نام اور دستخط برابر لکھے جاتے اور مٹائے جاتے ہیں۔

دروازہ سے داخل ہو جانے پر پہلے غلام گردش ملتی ہے، اس کے بعد حجرہ قبر کا دروازہ۔ یہ پڑاٹیا اصلی معلوم ہوتا ہے تعمیر دروازہ اگر کھلا ہوا اور کوئی شخص پہلے دروازہ سے کھڑا ہو کر دیکھے تو اس کی نگاہ دوسری سمت، حجرہ کے سامنے والی بڑی جھجھری سے گزر کر دیوار کی باہر والی جالی سے پار نکل جاتے گی۔ اسی طرح چاروں طرف سے ہلکی ہلکی روشنی آتی اور حجرہ کو منور کھتی ہے۔ سطحی خاکہ میں اس کے منافذ و مخارج و داخل و کھائے گئے ہیں۔

غلام گردش آٹھ فٹ چوڑی ہے جس کو محرابوں سے سولہ حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ (مقتضی سے ظاہر ہو گا) اس کی چھت بہت نیچی ہے چھ فٹ بلندی تک دیوار کو پہنچا کر چھت کی گولائی شروع اور نیم دائرہ سے بھی کم پر جا کر ختم ہو جاتی ہے۔ مجموعی ارتفاع گیارہ فٹ ہو گا۔ باہر اور اندر کی بلندی کا حساب لگانے سے پانچ فٹ کا تفاوت ہوتا ہے۔ اس لئے پہلی منزل کی چھت (اپنے منہاے گولائی پر) پانچ فٹ موٹی ہے۔ چھت کی گولائی میں سپت و بلند، مثلث نما قاشین تراشی اور جلال در جال بناتی جملی لگی ہیں۔ ان میں ابتداءً ایک کسی تمانہ بعید میں سرخ، زرد اور نیلے رنگوں سے نظر فریبی پیدا کی گئی تھی۔ اب ان پر سفیدی کی نہیں یا تین موٹے موٹے پرت پڑے ہوئے ہیں۔ حرمت و قلمی ہیں

میں کا کڑا استعمال ہوا اور دیکھا گیا ہے۔ دوسری پرگنہ ناگور میں۔ ایک پہاڑ، ایک ضلع، دو موضعے اسی ایک نام کے ہیں میل کاسٹیشن

اصطیاط نہ ہونے سے بعض بعض جگہ ان پرتوں کے اکٹھا جانے سے یہ وبال اور چھت کے لئے ہوتے پھول اندر بچرے نمودار ہو گئے ہیں۔ یہ خرابی جنوب و مشرق کے گوشوں میں خاص طور پر چشم کشاؤ بدنام ہے۔ سپاٹ چھت نکلتی آتی ہے پیچم ولس ٹکڑے میں بیچ کی محراب کے پھول بھی مائل زوال ہو رہے ہیں۔ موسمی ہواؤں اور رطوبت و نمی نے چھت کے بعض تھروں کی بیرونی سطح کو کھانا شروع کر دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ رزتہ زنتہ مثلث نقوش اور پھول بھی رخصت ہو جائیں گے۔ گوشوں اور بیچ بیچ میں جو کچھ باقی ہیں اب بھی اچھے اور اچھے لئے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

غلام گردش کے گوشوں کی جالیوں پر محققین عمارت نے تار کی جالیاں بھی لگادی ہیں۔ اس سے باہر کی کوئی چیز اندر ڈالنا یا بیچنا نادر کارخانہ زردہ خشک پتیاں بھی وہاں نہیں جاسکتیں غلام گردش کی محرابوں کے درمیان دیواروں کے دونوں جانب طاق بنے ہیں۔ دونٹ اونچے ایک فٹ سات انچ چوڑے ہیں۔

محرہ قبر میں داخل ہونے کے لئے دروازہ کے بعد بلکہ فٹ کی دیوار فٹ کرنا ہوتی ہے۔ اس کا قریب چھ گز یا اٹھارہ فٹ مربع ہے۔ دیوار حجرہ ساٹھ چار فٹ بلند ہے۔ اس کے بعد چھت کی گولائی شروع ہو جاتی ہے اور محرابوں کے نشانات چھت کی گولائی کے ساتھ ساتھ کچھ دو تک اور اوپر بلند ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ان محرابوں کا شمار آٹھ تک پہنچتا ہے۔ محرابوں کے گرد اگر دو بھی مثلث و دور پھولوں کے بیچ در بیچ سلسلے بنتے لگتے ہیں۔ جو چھت کی منتہی بلندی پر پہنچ کر ختم ہوتے ہیں۔ چھت دور و دور مدبب ہے۔ اس پر بھی مثلث نما پھول بنے ہیں اور ان کی آرائش و پیرائش مختلف شوخ رنگوں سے کی گئی ہے چھت میں جھاٹ فائوس لٹکانے کے لئے کڑا لگایا ہے۔ دیوار میں دونوں جانب طاق اور دو دیواروں کے اتصال پر گوشوں میں ڈھکے ہوئے چراغ دال ہیں۔

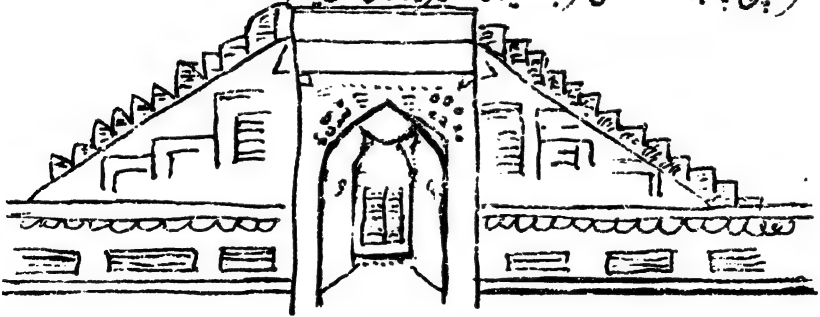


اس کمرہ میں ایک مسلح و ہموار چبوترہ ہے۔ سوانہ فٹ مربع۔ دو فٹ بلند۔ بعض اس کو قبر بتاتے ہیں۔

یہی ہے اب کھاٹوی کہلاتا ہے۔ یہ نہایت پڑا اور نام نہان ہے۔ معنی تیرات پر سلطان الشمس (موتی ۶۳۳ھ = ۱۲۳۵ء) کے

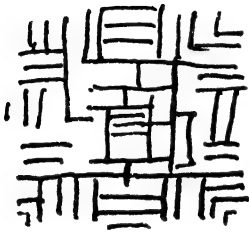
مگر صاحب قبرسہ کا نام یا نشان نہیں جانتے۔ قبر ہونے کی معمولی علامتیں بھی اس میں پائی نہیں جاتیں۔ یوں، پھول سب چڑھتے ہیں اگر مزار پر تھوڑی سی دھاتی و دھنی کا تاش اور چشم و انگشت کی نمازائے درتیبانہ سازش و کاوش سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ چوترا کو محدود و مرتب کر کے اندر سے کھوکھلا (خالی) چھوڑ دیا ہے۔ انتظار ہو گا کہ کسی انسان کا جسد خاکی اس کا دعویٰ دار اور اس کی مستقل آبادانی و تصرف کے واسطے تیار ہو۔ خاک بر سر، اُس وقت تک کے لئے اس کو خشک مٹی سے بھر دیا تھا جو ہر وقت بہ آسانی نکالی جاسکتی ہے۔ اسی وجہ سے اس کی اوپر دلی سطح نہ ٹھونس ہے نہ حکم و استوار قلعی اور سیدی کی مرمر و مرمر تہوں نے محض ہنگامی ہنگامہ برپا کر رکھا ہے۔ اس چوترا پر کسی قسم کے نقش و نگار بھی نہیں ہیں۔ صرف دیواروں میں گڑھے ہوئے پتھر لگے ہیں جو ہر گزخ کو تین تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

اس کردہ کی دیواروں میں جالیان غلام گردش کی جانب لگی ہیں پیچری ہیں پندرہ اونچ موٹی۔ خانے بڑے بڑے اب مقبرہ کا بالائی حصہ دیکھنا باقی رہ جاتا ہے۔ اسی (دکن) طرف پھاٹک کے دونوں جانب، زینوں کا دوہرا سلسلہ اوپر کھولا گیا ہے ہر ایک میں تیرہ تیرہ میٹر میٹریاں ہیں۔ ہر میٹر میٹریاں ایک فٹ چوڑی اور ایک فٹ سے بھی کم اونچی۔ اوپر کی چاروں میٹر میٹریاں اور میٹر میٹریوں سے بھی نمی ہیں۔ ان کا میدان یا زیا پانچ طرف پانچ اونچ ہوگا۔ دروازہ کی محراب زینوں اور میٹر میٹریوں کی شکل سے ہے۔



پہلی منزل یا غلام گردش کی چھت سائے سے گیارہ فٹ ہے۔ اس کے بعد ہی تیسری منزل کی دیوار شروع ہو جاتی ہے۔ اس کے دروازہ میں داخل ہونے کے لئے چار قدموں کی سیڑھی ہے۔ دیواریں بلند ہو جی۔ مگر شہرت اس کی زیادہ تر اسی پتھر یا بعض دلیار و دھنی کی بدولت ہوئی، محمد شاہی عہد سے یہ علاقہ راجپوتوں کی جاگیر اور بعد پور کی ریاست میں ہے۔

ہیں۔ پچانگ بلند تر۔ پچانگ کے بائیں جانب یعنی پچیم زینہ چلا گیا ہے۔ پچانگ کے بعد نہایت شاندار کھلا جوا (ہال) کمرہ سامنے آجاتا ہے۔ اس کے اندر نیچے سے لے کر اوپر (زیر گنبد) تک تمام نقش ہے۔ اس کا رنگ ’مٹھنگ‘ اس کے مثلث نما چھول قریب قریب دیسے ہی ہیں، جیسے کہ نیچے کی عمارت میں دیکھئے گئے تھے۔ یہ بالائی کمرہ تینیس (۳۳) فٹ مربع ہے۔ اس میں پتھر کا قاعدہ تراشوں اور شکنوں سے جڑے گئے ہیں۔ شکل یہ ہے۔



پتھر کے اس فرش کو دھونے اور صاف رکھنے کے لئے نالی بنی ہے۔ دروازہ کی سنگی چوکھٹ کے نیچے ہو کر باقی یہ آسانی کھلی چھت پر چلا جاتا ہے۔ اس کمرہ میں چار دروازے ہیں۔ چوکھٹ باز و پتھر کی۔ اس وقت خالی کمرہ ہی ہے۔ کبھی اس پر جالی لگی ہوتی تھی۔

حسب معمول بگنوں میں کواڑوں کی جگہ جھٹی ہوئی ہے۔ پٹاؤں میں چولوں کے لئے سولہ رخ ہیں۔ نیچے گردہ کے لئے گول جگہ۔ خود یہ بازو بھی خلی نظر نہیں آتے ان میں بھی جابجا سولہ رخ ہیں۔

اس تعمیر بالائی کی دیوار نو فٹ سات انچ موٹی ہے۔ چاروں دروازوں کی محرابیں چودہ چودہ فٹ بلند ہیں۔ ان کے قریب ہی سے اوپر کو بلند محرابوں کا دوسرا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ بھی آٹھ ہیں۔ ادھر کی چاروں پنج والی محرابوں میں گلدستہ نما جالی ہے۔

بانیان عمارت کا ارادہ و مقصد جو کچھ رہا ہو بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام کو آراستہ و پیراستہ رکھنے کے لئے خاص انتظام و اہتمام نظر رکھا گیا تھا۔ اس وسیع کمرہ کے لئے قہرّم کا ساز و سامان، شایان شان ہمایا و فراہم کیا ہوا گا۔ ادھر ادھر ’اپہ نیچے‘ محرابوں میں اور فرش پر گرٹوں اور چھلوں کی ریل پیل، آلات و اودات، روشنی کی افراط، شاہانہ ٹھاٹھ اور سجادہ کا پتہ دیتی ہیں۔

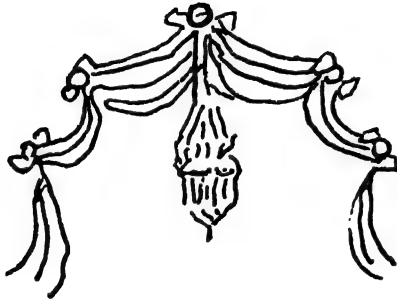
مکہ کے باہر کی جانب نقشی محرابوں میں اوپر کی طرف پانچ پانچ کڑے۔ مجموعی ہیئت

یہ ہوتی ہے۔

سے اندر کی طرف محراب اور اُن کے
کناروں پر بھی چھوٹے چھوٹے پھلے لگے ہیں۔
جس میں نقارے اور دیریاں کلاہتوں و ریشم کی بنائی
جاتی تھیں۔



سے کمہ کی دیواروں کے چڑوں پر بالکل
کونے میں، اوپر کو چاروں طرف دو دو سوٹے
کرے۔ چھت کی بلندی پر بھی ایک مضبوط
موٹا سا کڑا بتایا جاتا ہے کہ یہاں مجلس و خواب
کے زمانہ و وزیر کار شایانے اور شاد مریوں سنا
چوھاؤ و قمار کے ساتھ لگائے جاتے تھے۔



سے سنگی فرش کے چاروں
گوشوں میں چھلے غلاموں اور فرش
فروش کے پھلنے اور باندھنے کے
کام آتے ہوں گے۔

اب نہ عمارت ہی اپنی اصلی
حالت و شان پر نظر آتی ہے نہ اسکی
آرائشوں اور تکلفات کا کوئی نشان

باقی ہے۔ ہاں دیکھنے والا گردن جھکائے گا تو جہانگیر و شاہ جہاں کے عہد کی سطوت و شوکت، زیبائش
و تکلف، محفلوں کی لطافت و فضا، اور سلیقہ، انجمن آرائی کی ایک جھلک دیکھ لینے سے محروم نہ رہے گا۔

شب گزشتہ کے ساز و سامان کب کہاں پر نشان باقی

نہاں شمعِ سحر چہ سرت کی رہ گئی داستان باقی

شکر ہے کہ سلطانِ نثار بانو کے مقبرہ کی ناگوار و تصدیع افراہرت و بیانِ انجمنی اصطلاحات اور

تعمیری تفصیلات کا طویل طویل جنجال ختم پر آیا۔ پھر بھی اس سے زیادہ نہ خود سچے سچے دوسروں کو سمجھانے کا بلند
 چوتھے بالائے چوتھے بنائے ہیں یا ایک پہاڑی پر دوسرا پہاڑ رکھ دیا ہے۔ اب صرف اسی قدر اور کہنا
 باقی ہے کہ اس عبارت کے (بھی) چاروں گوشوں پر کوشک یا گلدستے بیٹے ہیں۔ خوش نما ہیں اور دلکش۔
 آٹھ آٹھ نازک و سبک کھمبوں پر قائم ہیں۔ اپنے پاس والے معبرہ یعنی خوابگاہ خسرو سے کسی قدر چھوٹے ہیں۔
 اس عبارت کی ابتدائی تخیل و تشکیل اس کا جامع و مکمل نقشہ، اس کی مجموعی خوبیاں اور شان، مضبوط
 استرکاری، بلخ رنگ، تیزی، شاداب و نفیس مینا کاری، چمک، جلا اور آب و تاب، حیرت میں ڈالنے
 والی جال دار اور بیچ دار تحریروں کا کام، ان اطراف بلکہ اقصائے ہندوستانی میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ اگر انکی
 نظیر تلاش کرنا ہے تو اگر وہ لاہور کے اکبری و جہانگیری دوروں اور عبرت آفریں کھنڈروں پر نظر ڈالئے۔
 خسرو بلخ کا شاگرد ہے شعور مقبول عذر خواہ ہے کہ اس بارم اساس تعمیر کی تعمیر کبھی کبھی لفظ ”مقہ“
 سے کہنے پر مجبور ہوا ہے۔ پڑے لکھوں سے اس کے معنی ”گور مرہ“ کے سنے تھے اور جہاں تک تحقیقا
 ثابت ہوا ہے یہاں کوئی انسان دفن نہیں۔ مگر لکھنے والا کیا کہے کہ اس کی شہرت اسی نام سے ہے۔
 برعکس نہ ہند نام زدگی کا فور

منقبرہ تمبولی بیگم

باغ کے عین وسط میں مغرب جانب ایک چوتھا منقبرہ دروازہ کلاں کے مقابل یا سرنگ کے دوسری طرف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ بھی خسرو کی کسی بہن کا ہے۔ اور عرف عام میں 'تمبولی' یا بی بی تمبولی کا منقبرہ کہلاتا ہے۔ یہ دروہین و زمین میں سے اسٹیل، فشر، ہیویٹ اور گین صاحبان کے نزدیک غالب قریب یہ ہے کہ یہ وہی شاہزادی ہے جو فقور سیکری میں استامبولی بیگم کے نام سے شہرت رکھتی ہے اس کے اندر رتہ قبر کا نشان ہے نہ اس پر کوئی کتاب ہے۔

کرنیل فیض اس کے متعلق دو باتیں لکھتے ہیں۔ (۱) روایتاً ایسا شہر ہے کہ تمبولی کا منقبرہ ہے۔ ممکن ہے کہ وہی فقور سیکری والی استامبولی بیگم ہو۔ (۲) دوسرا زبان زد قصہ یہ ہے کہ یہ منقبرہ خسرو کی ایک اور بہن نے اپنے لئے بنوایا تھا۔ مگر اتفاق وقت سے وہ کہیں اور مری اور وہیں دفن ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر فہر منقبرہ نہیں بلکہ تمبولی بیگم کے مکان کے نام سے یاد فرماتے ہیں اور خسرو باغ کے خاص خاص حصوں میں اس کو شمار کرتے ہیں۔

ڈاکٹر مینی پرشاد اپنی تاریخ جہانگیر میں رقم پر دیا ہے کہ ان تین روضوں کے علاوہ جن کا ذکر کیا گیا، اس باغ میں ایک چوتھی عمارت بھی ہے جو تمبولی کی قبر کہلاتی ہے۔ یہ اٹھیسویں صدی میں مدت تک مسکن کا کام دیتی رہی۔ پھر لارڈ کرزن کے حکم سے اصلی صورت میں منتقل کر دی گئی تھی۔ سو برس پہلے بھی مسٹر نیل کو معلوم نہ ہو سکا تھا کہ یہ کس کا دفن ہے۔ شہر تھا کہ بی بی تمبولی کا روضہ ہے۔ بعض جوہر بائی کا بتاتے تھے۔

خاندانوں کی روایت یہ ہے کہ تمبولی بیگم ایک ایرانی عورت تھی۔ اُس کو جہانگیر ایران سے لے آیا تھا۔

انگریز سربراہی، جلد ۱۸، صفحہ ۱۰۷۔ ڈاکٹر مینی، ۱۹۱۱ء، صفحہ ۳۰۳۔ لکھنؤ، ۱۹۱۱ء، صفحہ ۳۰۳۔

سے ممالک مغربی و شمالی، دہرہ کے مترادف قدیر اور ان کے کتابے، صفحہ ۱۳۰۔ لکھنؤ، ۱۹۲۲ء، صفحہ ۳۲۵۔ مفتاح التواریخ، صفحہ ۳۲۵۔

اور اُسی کے ہاتھ کے پان کھانا تھا عہدِ جاگیر کا مورخ اس کے ملنے میں تامل کرے گا اور اس کے جزو کل کو بدانتہاء نہ ٹھہرائے گا۔

اس بارے میں کیا اکبر کے حریمِ عشرت میں کوئی سلطانہ استامبولی بیگم تھی بھی یا نہیں، شروع سے اختلاف اور گفتگو چلی آتی ہے۔ اہلِ فرنگ کی ایک جماعت اپنی وابستگی اور حجتِ طرازی کے لئے ہمیشہ مصر اور مدعی رہتی ہے اور محل پر استامبولی ملکہ اور اُس کے محل کا ذکر بھیڑتی ہے۔ لٹنٹ کرنل ایچ اے نیویل ”اگرہ میں تین دن“ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ”ٹرکش سلطانہ“ کا مکان نہایت مختصر مگر فچور بھر میں سب سے زیادہ خوبصورت ہے۔ مسٹر نیویل نے بھی ”اگرہ اور تلج کی ہیڈ بک“ میں ”ٹرکش سلطانہ“ کے مکان کا احوال پر قلم فرمایا ہے۔ ”قرونِ وسطیٰ کی تاریخ“ میں مسٹری۔ ڈیلووتھ نے مغلیہ عہد کی تعمیرات کے ذیل میں ”ٹرکش سلطانہ“ کے محل کا نام لیا ہے۔

”مسٹر کن“ ”اگرہ کی ہیڈ بک“ میں فرماتے ہیں کہ فچور سیکری کے محلات میں عملت کا ایک حصہ استامبولی بیگم یعنی اکبر کی ترکن بیوی کے نام سے منسوب و مشہور ہے۔ پھر ایک صفحہ آگے چل کر ایک نوٹ میں رقم پر دانا نہیں کہ آہ آباد کے خسرو باغ میں جو مقبرہ ہے اور بمبلی بیگم کا کہلاتا ہے، ممکن ہے کہ یہی نگارگر استامبولی کر دیا گیا ہو۔

۱۹۰۹ء۔ ۱۹۱۰ء مسٹر ہیل **EARNEST B. HAVELL** ہندوستان کے صنعتِ تعلیم سے وابستہ

ہو کر یہاں آئے تھے۔ پہلے مدرس کے مدرسہ صنعت میں مامور ہوئے۔ پھر کلکتہ بھیج دیئے گئے۔ دس سال آئرس اسکول کے پرنسپل اور گورنمنٹ آرٹ گیلری کے محافظ رہے۔ اسی زمانہ میں یونیورسٹی نے اپنا فیلولوشپ ہنسلیا ہندوستان کی خدمات سے سبکو دیں ہونے کے بعد سفارت خانہ برطانیہ سے تعلق تو وصل ہو گیا تھا اس طرح کوپن ہیگن میں سات سال گزارے۔ سال ولادت ۱۸۶۱ء تھا۔ ان کی زندگی کا آخری دن ۱۹۳۴ء کا آخری دن تھا۔ اس نے تاریخ و فطرت بعض ۳۱ دسمبر ۱۹۳۳ء لکھتے ہیں اور بعض کلم جوری ۱۹۳۵ء۔ اس ملک کی دستکاری اور منتوں کے بڑے قور دان و مراح تھے۔ ان کی کتابیں اور تصنیفات بڑی عزت و امتداد کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں اور نہایت تحقیق سے لکھی گئی ہیں۔ صفحہ ۱۱۳۔

ڈاکٹر فوہر فخر پور سیکری کے محلات و تعمیرات کے سلسلہ میں کچھ زیادہ روشنی ڈالتے اور تحریر فرماتے ہیں کہ خاص محل کے مغربی زاویے پر ایک عمارت ہے جو جہانگیر کا مدرسہ کہلاتی ہے۔ جہاں سے ایک منقش پردہ دار دیوار کے باقیات و آثار شروع ہو جاتے ہیں، جو ٹھیک پورب کو زاویہ مخالفت کی سمت جاتے ہیں۔ یہاں پر اکبر کی ترکن پوری کے کمرے تھے جو رومی بیگم کا محل مشہور ہے۔ واضح ہے کہ زبانی روایات کو چھوڑ کر کوئی سند اس بات کی نہیں ملتی ہے کہ اکبر کی کوئی عورت ترکن بھی تھی یا یہ کہ کوئی عیسائیہ رہی ہو۔ الہ آباد کے خسرو باغ میں ایک مقبرہ ہے جو تبولن بیگم کا کہلاتا ہے اور بنا بگاڑ کر استامبولی کر لیا گیا ہے۔ اور اس طرح اس راز کا پتہ یہاں سے چل جاتا ہے۔
 مسٹر فرنو Furneaux ان سب سے بڑھ گئے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہاں (الہ آباد میں) قلعہ سے باہر ہر جزیرہ پر ایک بزرگ خسرو باغ کے، جہاں اکبر کی دو زمین بی بی جو استامبول سے آئی تھی، رہتی تھی اور جہاں خسرو دفن ہوا تھا۔ چلتی پھرتی چھاؤں، یا لکھوٹے پھرنے والے انسان کی مخلوق تھی اور سانی ذہن و قیاس اسی قدر ہو سکتی ہے۔

انجام سے بے پروا، آغاز سے بیگانہ پروانے کی دنیا ہے بیتابی پروانہ
 مسٹر کمین اور ڈاکٹر فوہر نے استامبولی کو غلط اور تبولن (بیگم) کو صحیح سمجھا اور مانا تھا۔ مگر ہمارے شہر الہ آباد کے ایک ہمہ دال پر ذہن نے اسی کو صحیح قرار دیا اور تائید کی ہے اور اپنے ایک آرٹیکل کے ساتھ کسی عشوہ باز، فتنہ گر، عربہ جو، اعصمت باخ، محسنِ فردش تبولن کی تصویر بھی دے دی ہے جسکو لکھنؤ کے عجائب خانہ میں میں نے بھی دیکھا ہے۔ یہ تسلیم ہے کہ مدوح نے صاف طور پر اس کو فخر پور سیکری کی محل والی یا اپنے یہاں (الہ آباد) کی مقبرہ والی نہیں لکھا مگر ایسے موقع پر اس لکھنؤی تبولن کا ذکر اور تصویر کیا کچھ اور معنی رکھتی ہے؟
 اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ جہانگیر بھی آخر بشر ہی تھا۔ معصوم نہ تھا۔ آسمانی فرشتہ نہ تھا۔

صفحہ ۷۲، صفحہ ۷۳، کتاب مذکور، ”ہندوستان کی جھلکیں“ GLIMPSSES OF INDIA

مطبوعہ قلیڈ لیا، ۱۸۹۵ء، صفحہ ۲۲۶-۲۲۷، مندرجہ لیڈر، یکشنبہ، ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۱ء۔

جس سے اس قسم کے افعال و حرکات کا سرزد ہونا محال عقلی ہو۔ یہ بھی مانی ہوئی بات ہے کہ بعض ایسے افراد یا جماعتیں شیوہ دلیری و دربابائی، دلکشی و رعنائی میں اُس وقت بھی ایسی ہی طاق و شتاب ہوتی تھیں، جیسی آج کل ہوتی ہیں۔ ان کی غوغی و طراری، لگاؤ اور عیاری دیکھ کر فارسی کا پاتہ دل شاعر چلا اٹھا تھا۔

قتادند در کفر صبر و شکیب حذر از کمر ہائے زنار زیب
رہ مایہ داران ایمان زنند بحر وار نقد دل و جان زنند
ہمارے فاضل دوست کا نظریہ یا اُحسن ظن قابل التفات تھی، لیکن اس سے موافقت کرنا متعارف تاریخی حقیقتوں کو نظر انداز کر دینا ہے۔ اکبر نے خود اپنے پیش نظر، ذمہ دار عالی دماغ عمائد و امرا کے زیر نگرانی، تجربہ کار ماہر فن آتالیقوں سے، اپنے شاہزادوں کو تربیت و تعلیم، بازاروں میں نہیں، قلعوں اور محلات میں دلانی تھی۔ وہاں لوٹدی بانیاں اور کینزوں کی کام تھیں، جو پیشہ ور عورتوں کی رسائی و گنجائش ہوتی۔ اخلاقی معیار بھی دونوں کا ایک یا مساوی نہ تھا، وہ ہو سکتا تھا۔ اُس وقت کی سوسائٹی بھی، دونوں میں فرق کرتی تھی، ایک نگاہ سے نہیں دیکھتی تھی۔

آج کون بتا سکتا ہے کہ یہ عمارت کبھی واقعی آباد بھی ہوئی تھی اور کسی انسان کے جسم بے جان نے اس میں راحت پائی تھی یا نہیں۔ یہ تو تسلیم ہے کہ ہماری سرزمین پر مغرب (یورپ) والے بھی مُردوں اور مرے ہوؤں کی ہڈیوں کا آج کل ویسا ہی ادب و احترام فرماتے ہیں، جیسا مشرق (ایشیا) کے لوگ کرتے ہیں۔ مگر شاید ایک صدی پیشتر حالت اور تھی۔ اُس وقت کے فرنگ نژاد بہار، زندہ دلوں کو ہندوستان کے تیرہ و تار یک مُردہ خانوں سے غاصا لگاؤ تھا۔ خدا اتم تھا، نہ ضرورت سے رہا ہو یا محض جذب نظر سے۔ یعنی اچھی اچھی کوٹھیوں اور فردوس نما بنگلوں کی کئی اس کا باعث رہی ہو، خواہ مقبروں کی عظیم الشان اور نفیس و خوشنما مرعوبین عمارتیں ان کو اپنی طرف کھینچتی ہوں۔ یا انھیں کے دلوں اور آنکھوں میں کوئی نگہشش خود بخود پیدا ہو جاتی ہو۔ بہر صورت، اور اُسی تاریخ اس کے گواہ ہیں کہ آنحضرت ایسٹ انڈیا کمپنی کے بعض ملکی اور جنگلی عہدہ دار

بادشاہی وقت کے مقبروں کا بیکار پڑا رہنا دیکھ نہ سکتے تھے۔ بعض کو اپنے رہنے کے لئے تختہ خرابیا تھا۔ یا ہو گا کہ سر ولیم سلی مین اپنی خوش ذوق و خوش فکر رفیقہ حیات کو ساتھ لے کر متنازل محل (تاج) کے روضہ کی سیر کو گئے تھے۔ اپنے ”سیاحت نامہ“ و تذکرہ“ میں لکھتے ہیں کہ نسیم صاحبہ جب خوب گھوم پھر کر سب کچھ دیکھ چکیں، تو میں نے پوچھا کہ اس عمارت کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے؟ بولیں: کیا بتاؤں۔ کیا خیال ہے۔ میں تو یہ جانتی ہی نہیں کہ ایسی عمارت پر نکتہ چینی کیسے ہو سکتی ہے۔ البتہ آپ کو یہ بتا سکتی ہوں کہ میرا احساس کیا ہے۔ ایسی عمارت میرے لئے بنے تو کل ہی مرجانے کے لئے تیار ہوں۔“

دیکھ کر سیراس کی دنیا سے گزرنا سہل ہے مقبرہ ایسا جوں جوں جائے تو مرنا سہل ہے
لیکن یوحنا ایک آرزو تھی۔ ایک نیک دل، نیک سیرت خاتون کا ارمان۔ دانشورانِ فرنگ نقد کو نسیہ پر کیوں اٹھا رکھتے۔ جہاں جگہ پائی۔ گنجائش دیکھی بڑ رہے۔ دخیل و قابض ہو گئے۔

سر ولیم سلی مین دہلی و آگرہ کی متعدد عمارتوں کا ذکر کرتے ہیں، جو گذشتہ دور حکومت یا کمپنی کی معمولی تامل اندیشانہ پالیسی کی نذر ہوئی تھیں۔ وہ اس قسم کی دروازہ ستیوں اور نیم وحشی حرکتوں کی دو فاضل مثالیں تو تھا دہلی کی بتاتے ہیں۔ ایک۔ امام شہیدی کی نہایت خوبصورت سنگ مرمر کی قبر یا درگاہ۔ یہ بزرگ اکبر بادشاہ کے سپرو مشد تھے۔ دوسری اکبر کے چاروں برادران رضاعی کا رنج الشان و سنگین مقبرہ۔ فرماتے ہیں کہ ”اس پر مدت تک مسٹر بلک، متعلقہ کال سول سروس“ MR. BLAKE, B.C.S. متصرف و قابض رہے۔ یہی صاحب مال میں خوشنماہ طور پر بچ پور میں مار ڈالے گئے ہیں۔ اپنے کھانے کی میزوں کے لئے جگہ اس طرز پر بنائی یا اکالی تھی کہ سنگ مرمر کا وہ تختہ و در کھدایا تھا جو مرنے والے ادھم خاں کی لاش و استخوان کو چھپا تھا۔

لے بیس اینڈری کلکشنس آف این انڈین آفیشل۔ انڈیپنڈنٹ جرنل سر ولیم سلی مین کے۔ سی۔ بی۔

صفحہ ۲۸۲ و ۳۷۷۔ جلد اول۔ منسٹر پرس آف ویس، مرتبہ ولیم ہارڈرسل، صفحہ ۳۷۷، باب ۱۱ ص ۱۸۷۔

H.R.H. ALBERT EDWARD, PRINCE OF WALES' TOUR - by

William Howard Russell, Pages 442-443

۱۸۷۳ء کا واقعہ ہے۔
۱۵۶۶
سید احمد خاں، اکبر کا دودھ شریک بھائی، بڑا بہادر، نامور جنرل اور مقرب امیر خاں، سیکرٹری دہلی میونسپلٹی کے چھٹے میونسپل
میں ”ادھم کے مقبرے“ کے زیر محفل اس کا پورا حال لکھا ہے۔ نیز مسٹر بلک نے مفتاح التواريخ میں، صفحہ ۲۵۱۔

اور عمارت کے وسط میں تھا۔ باشندگان شہر نے ہر چند فریاد و اوہلا کی، سماعت نہ ہوئی، طوفانہ کھٹکے کو اٹھانے کے بعد دیوار کے مقابل ایک طرف کو بے احتیاطی سے ڈال دیا تھا۔ جہاں اب تک پڑا ہوا ہے۔ رعایا نے مسٹر فریزر سے جو گورنر جنرل کے قائم مقام تھے، عرض معروض کیا۔ بحث تھا۔ رؤسائے بھی سمجھایا۔
تو دل کا داغ دے اٹھے ایسا نہ کیجئے ہے ڈر کی بات ناگ سے کھیلانہ کیجئے

بیکار ثابت ہوا (اور جو ہونے والا تھا) ہو کر رہا۔ کچھ دن بعد یہ صاحب خود بھی قتل کر ڈالے گئے۔ مرزا غالب نے اپنے سرپرست و مربی کا بڑا درد انگیز مراثیہ اپنے مخصوص انداز میں زور قلم کے ساتھ لکھا ہے۔ سرولیم فرماتے ہیں ”عام لوگوں کا اعتقاد یہ ہے کہ ان دونوں صاحبوں کی موت اسی بے ادبی و گستاخی کی بدولت ہوئی جو انھوں نے اکبر کے کوکلتاش کے ساتھ کی تھی۔“

لارڈ اگلیڈ گورنر جنرل کے مصاحب خاص اور رفیق سفر، مسٹر فرینچ لکھتے ہیں کہ ان کو جب ۱۸۳۳ء و ۳۴ء میں دہلی جلنے کا موقع ملا تو وہ اور ایک لارڈ زیرک و ہنرمند ذی مرتبت، انگریز جو دنیا بھر کی سیاحت کر چکا یا کر رہا تھا، دہلی میں یکجا ہوئے اور دونوں نے تین دن قطب میں گزارے۔ کسی عمارت کی ایک پرانی خلوت گاہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ صبح و شام باہر نکل جاتے اور قریب و جوار میں جو آثار و باقیات تھے، دن بھر چھلتے اور لطف اندوز ہوتے۔ تعلق آباد میں بھی قیام کی یہی صورت رہی۔

۱۸۳۳ء میں مسٹر فرینچ کے سیاحت نامہ (صفحہ ۱۸) سے واضح ہے کہ فریزر صاحب قسنت دہلی کے کشتہ اور گورنر جنرل ہندوستان کے ایجنٹ تھے۔ باشندگان شہر سے نہایت بے تکلف اور بڑے طنسار اور طعن انسان تھے۔ ۱۲ مارچ ۱۸۳۵ء کو قتل ہوئے۔ کیرم خاں سپاہی قاتل اور نواب شمس الدین احمد خاں دلی فرزند پور کو ان کے قتل کی پاداش میں پھانسی دی گئی۔ مسعودی کے سماعت و فیصلہ کے لئے اسی آلہ سے مسٹر کالون صمد عدالت بیابانی کورٹ کے جج خاص طور پر دہلی بھیجے گئے تھے۔ (صفحہ ۷۱) لیکن ادبی دنیا کے رسائل و نمبر ۴۸ جولائی ۱۹۳۳ء میں فریزر صاحب کی پورے مراثی، ناچاری اور بدکرداری سے خوب پرہہ اٹھایا گیا ہے۔ ان کے قتل ہونے اور شمس الدین خاں سے لان کی، اور کارکنان کمپنی کی کاوش کو بدلہ لینے کے وجہ اور پھانسی دینے کے حالات و واقعات مندرج ہیں۔ انکا الصنادید سے پایا جاتا ہے کہ مسٹرولیم فریزر گزٹین جیسے اسکر کے تعمیر کردہ گرجا میں جانبِ غرب دفن ہیں۔ (صفحہ ۷۸)۔ مسٹر بیلس پشیدی کلکشنس، حصہ دوم، صفحہ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ایضاً۔

دکن صاحب کو تسلیم ہے کہ لارڈ ہیڈنگٹن اور لارڈ مینٹنگ نے اگر وہ کی بعض عمارتوں کے ساتھ بیدری

اور وحشیانہ پن کا برتاؤ کیا تھا۔ سلی مین صاحب نے اس کا رونا خوب رویا ہے۔
دہلی کے آثارِ انصاریہ میں اس کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔

۲۱) ”مسجد سرہندی“ لاہوری دروازہ کے باہر بیگم کی بنوائی نہایت مرفیع سنگ سُرخ کی تھی۔
ایک طرف سُر امیر دو اکرام کی تھی جو حکم سرکار کینی بہادر منہدم کر دی گئی اور مسجد کی دیوار بھی منہدم کر دی
گئی۔ سُر نہایت آباد و بارونق و آرام دہ تھی۔ ص
جونا کا نقش بن کر دیدہ عبرت میں ہے

۲۲) ”بھول بھلیاں“ معنی مقبرہ ادھم خاں جو اکبر بادشاہ کا کوکہ تھا جس نے شمس محمد خاں غزنوی
اکبر کے گنگہ کو مار ڈالا تھا اور اس کے قصاص میں اکبر نے ادھم کو قلعہ پر سے گر کر مر ڈالا تھا یہ واقعہ
۱۶۹۹ء رمضان ۹۹۹ھ ہجری کا ہے۔ یہ گنبد بھی اسی زمانے کے بعد بنا ہے۔ گنبد چونہ اور پتھر سے
بنا ہوا ہے اور اس کی دیوار میں اوپر جانے کا راستہ ہے۔ دیوار دیوار گرد پھر سکتے ہیں اور اس میں ...
..... بھول بھلیاں قطب صاحب کی عمارتوں میں یہ نامی عمارت ہے۔

اکثر صاحبانِ عالی شان اس میں آن کر اترتے ہیں اور اسی سبب سے اس کی قبر کا تعویذ برابر کر دیا
گیا ہے۔ باوجودیکہ مقبرہ اکبر کے وقت میں بنا ہے مگر قطع اس کی پٹھانی عمارت سے ملتی ہے۔

۲۳) قطب صاحب کی لاٹ کے قریب محمد قلی خاں کا مقبرہ تھا جو اکبر بادشاہ کا کوکہ تھا اور یہ
عمارت بھی یا تو عہد اکبر شاہ کی رہی ہوگی، ورنہ جہانگیر کی۔ لیکن جب اس کے نصیب گھلے اور
اس عمارت کے دن اچھے آئے، اسے صاحب والا مناقب مالی مناصب نے جن کے عدل
و انصاف کے آگے شیر بکری ایک گھاٹ پانی پیتا ہے اور ظلم و ستم دنیا سے نیست و نابود ہو گیا ہے
آواز نہ بلند ہوتی اور والا فطرتی کا آواز نہ گوشِ فلک ہے اور غفلتہ ان کی شوکت و حشمت کا زمین سے
آسمان تک پہنچا ہے۔ یعنی دریا نوال فدا ایگان ابرکت، تھاتھ دورانِ فرزندِ ازبند بیاں پیوند سلطانی مظلم الدولہ

۱۸۹۰ء پٹنیک، صفحہ ۱۱۵۔ آثارِ انصاریہ، مطبوعہ ۱۸۹۶ء، صفحہ ۹۔ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔ ۱۰۱۔ ۱۰۲۔ ۱۰۳۔ ۱۰۴۔ ۱۰۵۔ ۱۰۶۔ ۱۰۷۔ ۱۰۸۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰۔ ۱۱۱۔ ۱۱۲۔ ۱۱۳۔ ۱۱۴۔ ۱۱۵۔ ۱۱۶۔ ۱۱۷۔ ۱۱۸۔ ۱۱۹۔ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔ ۱۳۰۔ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵۵۔ ۱۳۵۶۔ ۱۳۵۷۔ ۱

امین الملک اختصام یا درخان سرطاس تیا فلس مشکف صاحب بارونٹ بہادر فیروز جنگ صاحب
کلاں بہادر دارالخلافہ شاہجان آباد دام اقبالہ نے کوٹھی تیار کرائی یہ

یہ اشادات انیسویں صدی کے سب سے بڑے رفاہی اور مصلح مسلمان سرسید احمد خاں بہادر کے
ہیں۔ جن کی جرأتِ اخلاقی اور آزادی ایک بڑی حد تک مسلم ہے۔ مشکاف صاحب کی بلند آہنگی
کے ساتھ داؤ تحمین اس صلی میں دی جاتی ہے کہ انھوں نے محمد قلی کے مقبرے کو گھدوا کر اس جگہ اور
اُس کے سمان سے اپنی شاندار کوٹھی تعمیر کرائی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ۱۸۳۷ء تک
یا آج سے انہی نوے برس پہلے ان باتوں کے حاکم و محکوم دونوں غورگور ہے تھے اور اس کو ظلم
نہیں سمجھتے تھے یا اگر برا سمجھتے ہوں تو زبان پر لانے کی کس کو ہمت ہوتی تھی۔

(۴) سید صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ ”مقبرہ خانخاناں کا تمام سنگ مرمر اور پتھر کی نفیس
جالیوں اور گھکاری کی چیزیں اوکھاڑ کر آصف الدولہ کے وقت میں لکھنؤ بھیج اور بیچ دیا گیا۔ حتیٰ کہ
مقبرہ کا توڑ بھی اُکھاڑ دیا۔“

یہ وہی لکھنؤ آصف الدولہ ہے جس کی سیر چوٹی عالی حوصلگی، داد و دہش اور فیاضیوں کی
داستانوں کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا، اور ماتم طائی کے سوا کہیں اُس کی نظیر نہیں ملتی۔ رحمت ہو ایسے
کفن کھسوٹ پریتے

۱۸۵۷ء کے محشرِ آتش و اور سکارِ برطانیہ کے عنانِ حکومت ہاتھ میں لینے کے بعد بھی،
شروع شروع میں کچھ ایسی دست درازیاں ہوتی رہی ہیں مسٹر فریمن نے کبھی کسی اور وقت یہ مشر
دہلی میں سفید سنگ مرمر کا ایک بڑا وسیع طویل و عریض حمام دیکھا تھا۔ فرماتے ہیں کہ جب بادشاہ
قید کر لیا گیا بغاوت میں شرکت ثابت ہوئی، تو یہ حمام اُس کی محلِ سرا سے نکال کر ملکِ باغ میں رکھ دیا گیا۔
مقصود محض نمائش و آرائش تھی۔ عوام کے کام یا مصرت میں نہیں آتا تھا، یعنی فرشِ زمین پر ایک عجیب

۱۔ آثار الصنادید صفحہ ۷۷۔ ۲۔ آثار الصنادید صفحہ ۲۸۔ ۳۔ آصف الدولہ کی اخلاقی حالت نہایت خواب تھی۔ وہ لکھنؤ
میں بیٹھا بیٹھا اپنی ماں (ہو مجھ نہ چو شجاع الدولہ) کو ستایا کرتا تھا۔ اُن سے بار بار یہ کہتا تھا..... اُس کی نالائقیوں کا کچھ
ذکر مولوی عبدالحلیم شرر نے ”دہلی شہر کے“ ۱۰۷۷ء میں کیا ہے۔ (صحف ۱۱۰۷)۔ نیز ملاحظہ ہو۔ سر جان کاس کی تاریخ حکومت
انگریزی صفحہ ۱۲۰۔ و۔ تاریخ اودھ، جلد اول، صفحہ ۹۷۔

چیز کے طور پر ڈال دیا گیا تھا۔

گارساں دی تاسی صاحب GARCINDE TASY کی تحریر [۱۰ دسمبر ۱۸۵۷ء]

سے پایا جاتا ہے کہ بناوت فروہونے پر جس وقت دہلی میں "بشپ کا عہدہ قائم کرنے کا سوال زیر غور تھا، اُس وقت یہ تجویز بھی درپیش تھی کہ شاہجہانی جامع مسجد کو گر جائیں تبدیل کر دیا جائے۔
 فتح گڑھ (مضافات فرخ آباد) میں وہ مربع احاطہ موجود ہے، جس کے گوشوں پر کنگرے بنے ہیں۔ اور اندر ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔ یہ عمارت اودھ کے جلاوطن شدہ وزیر، نواب حکیم مہدی علی خاں نے ۱۸۴۳ء میں مسافروں کے قیام اور وارد و صادر کی راحت و آسائش کے واسطے بنوائی تھی۔ جب سر کال کیمبل اور اُن کے لشکر نے بعدِ بناوت اس مقام کو پھر لے لیا تو یہ سراسر مِس MESS کے طور پر عہدہ داران فوج کے استعمال میں رہی۔ سر و مکمل اپنے روزنامہ میں لکھتے ہیں کہ ۲۶ اپریل ۱۸۵۷ء کو اُنہوں نے مسجد کے پاس وسط میں حاضری کھائی تھی۔ بھٹیاری یعنی سُر کے محافظ بعد کو بے دخل کر دئے گئے اور گورنمنٹ نے اس عمارت کو ذخیرہ خانہ بنالیا۔ اب سُر اور مسجد اپنے اصلی مصرف میں نہیں بلکہ ملٹری ورکس کے انجینیئرس تصرف میں ہیں۔

ملتان کو لیے جو ہندوستان میں دُرِ اسلامی کا سب سے پرانا مقبوضہ اور آباد کردہ تھا اور اب صوبہ پنجاب کا ایک مشہور و اہم تاریخی شہر ہے۔ نواب عبدالصفاں (سیف الدولہ دلی راجہ) صوبہ دار نے یہاں شاندار جامع مسجد (عید گاہ) تعمیر کرائی تھی۔ جو ۱۶۳۵ء (۱۱۴۲ھ) میں تکمیل کو پہنچی تھی۔ ۱۸۱۷ء (۱۲۳۳ھ) میں سکھوں نے ملتان پر فتح پائی تو اس کو اُٹھل بنایا، مسٹر ایگ نیو

نے حالات سفر مسٹر جے فریج ملبوہ ۱۸۷۱ء صفحہ ۹۶۔ ملٹن صاحب اپنے گزٹ میں لکھتے ہیں کہ یہ مسجد چھ سال میں بنی تھی۔ دس لاکھ خرچ ہوا تھا۔ سُر فریج فرماتے ہیں کہ عمارت کی عظمت اور شان و اشہ کام کو دیکھ کر یہ تجلوت بہت کم معلوم ہوتا ہے۔ (سیاحت نامہ بالائی ہند ملبوہ ۱۸۷۱ء صفحہ ۷۷ نوٹ)۔ دیکھ رسالہ اردو، جزوی ۱۹۳۱ء صفحہ ۲۶، جلد ۱، حصہ ۲۔ فتح گڑھ کیمپ، لاہور مسٹر ایل وولیس باب چہارم، صفحہ ۶، ملبوہ لکھنؤ، ۱۹۳۳ء۔

سی، ایس اور لفٹنٹ اینڈرسن MR. AGNEW AND LT. ANDERSON

جو سرکار انگریزی کی طرف سے خدمات خاص برطانتان آئے تھے، اسی میں فروکش ہوئے تھے اور اسی جگہ سکھ صوبہ دار کے حکم سے ۱۸۶۹ء اپریل میں سکھ گورنمنٹ کے ساتھ قتل کر دیئے گئے۔ پھر جب انگریزوں نے قبضہ کیا تو یہ عمارت ڈپٹی کمشنر کی کچہری قرار دی گئی۔ مسلمانوں کی استدعا و کوشش پر ۱۸۶۳ء میں واپس ملی۔ مگر نہایت خستہ حال ہو گئی تھی۔

اسی طرح، نوب علی محمد خاں دُرانی والی ملتان کی مسجد (معمودۃ السالۃ ۱۱۸۵ھ - ۱۲۵۷ھ) بھی سکھوں کے زمانے میں تاثر ملتان کی کچہری رہی تھی۔ ان کی مذہبی کتاب گرتھ صاحب بھی اس میں رکھی گئی تھی۔ انگریزوں کی بدولت مسلمانوں کو واپس ملی۔

دور کیوں جائے اسی شہر الہ آباد میں شاہجہاں کے نامور گورنر نواب شایستہ خاں کی بنوائی ہوئی وسیع و رفیع مسجد قلعہ کے پاس تھی۔ ۱۱۵۶ھ [۱۷۴۱ء] میں اس کی تعمیر ختم ہوئی تھی۔ جب تک مسلمانوں کا اوج موج رہا۔ مسجد، مسجد رہی۔ عبادت کے کام آتی تھی۔ مسٹر بیل نے مقتل التواضع میں لکھا ہے کہ "الہ آباد میں کہنی انگریز کی عملداری کے اوائل یعنی ۱۱۵۶ھ میں کرنل کیٹ صاحب نے اس کو تغیر و تبدیل کر کے اپنی بود و باش کا مکان بنالیا تھا۔ دس سال بعد یعنی ۱۱۸۱ھ میں کہنی کے حکم سے (دوا گڑا ہو کر) پھر اصلی صورت میں تبدیل کر دی گئی۔ آج (۱۱۸۳ھ) تک موجود ہے، اور مسلمان جمع ہو کر دونوں عیدوں کی نماز ہمیں پڑھتے ہیں یہ عرصہ ہوا کہ یہ مسجد بھی گردش روزگار کے نذر ہو چکی۔ بشب ہمبر صاحب نے بھی دیکھا تھا وہ اس کی بڑی تعریف کرتے اور اس کی خوبی موقع، بلند ہی، حسن مناظر، قرب دریا کی تحسین فرماتے ہیں۔ مدت تک جمعہ و عیدین کی نماز و جماعت یہاں ہوتی رہی۔ آخر یہ حالت بھی انقلابات حکومت و مصالح فوجی اور قُرب قلعہ سے قائم نہ رہی۔ موٹی موٹی دیواروں کے نشان اور کچھ آثار باقی ہیں، جن کا کچھ حصہ خشکی میں ہے اور کچھ دریا کے اندر تک چلا گیا ہے۔

۱۔ سفرنامہ لانا سید سلیمان ندوی، رسالہ معارف، جلد ۳، صفحہ ۳۲۴۔ ۲۔ سفرنامہ تذکرہ رسالہ معارف

جلد ۳، صفحہ ۳۲۴۔ ۳۔ صفحہ ۳۲۹، مطبوعہ ۱۸۶۹ء۔

بس یہ کہنے کہ فوجی میدان میں اینٹ پتھر اور چونے کا ایک برائے نام ڈھیر پاتی رہ گیا ہے۔ پھر بھی
 نظر کے ساتھ سُجھتا ہے ہر ہر گام پر میرا مرے بعد کے قابل یہ نہیں معلوم ہوتی ہے
 ان غیرات کا ذکر کرنے سے کسی خاص جماعت، گروہ یا ذات پر الزام دینا یا ان کے طریق عمل پر
 داغ لگانا مقصود نہیں۔ بلکہ صرف یہ بتانا ہے کہ زمانہ کی گردش اور حکومتوں کے ٹوٹ پوٹ کے
 ساتھ ساتھ ہمیشہ سے ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے۔ مسلمانوں نے اپنے نماز، اقتدار و سطوت میں جو کچھ کیا
 یا ہندوؤں میں سے جا لوں اور سکھوں نے قدرت و قوت پاکر جو کچھ عمل فرمایا وہ تو پرانی باتیں اور
 بھولی بھری داستانیں ہو گئی ہیں۔ اگر آپ گزشتہ صدی کے نصف اخیر کے واقعات یاد کریں گے جو روشنی
 و تمدن اور علم و تہذیب کا دور گزر رہا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ جب بھی کم و بیش وہی ہوتا رہا ہے جو کل
 آج ہم قابلِ نفرت بتاتے ہیں۔

ہر کس نہ شناسند وراست، وگرنہ ایں ہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است
 اس گنبد کا لوح سے خالی ہونا خواہ اتفاقات زمانہ سے ہو یا کسی ضرورت مند زبردست کی دستبرد
 سے۔ بہر حال یہ مسلم ہے کہ اس میں باغ کے یوروپین منتظم افسر کی بود و باش مدت سے چلی آتی تھی۔
 بیسویں صدی کے شروع ہونے پر یعنی ہمارے وقت میں انقلاب، اصلاح کی ہوا چلی۔ زمانہ نے
 گردش کھائی۔ ۱۹۰۲ء میں لارڈ کرزن (آں جہانی) الہ آباد تشریف لائے۔ حسبِ معمول آثارِ قدیمہ
 کو، قلعہ کو، خسر و بلغ کو ملاحظہ فرمایا۔ محترم الیہ کو یہ انداز پسند نہ آیا کہ محروموں کی جگہ زندے متصرف ہوں۔
 فرمانِ قضا جہان نے چوبیس گھنٹہ کے اندر یہ عملیت غوبرنمنٹ صاحب سے خالی کرادی پہلے
 اسی قدر نہیں ہوا بلکہ اتنے ہی وقت کے اندر سوپرٹنڈنٹ صاحب کا آرام گاہ اپنی اصلی حالت
 میں منتقل کر دیا گیا۔ اور پھر تم لوں کا مکان بن گیا۔ صاحب اور ان کے دفتر کے لئے بعد کو ایک
 تعمیر نفیس (کوٹھی) کہنی باغ (الفریڈ پارک) میں تعمیر کر دیا گیا۔

۱۔ حیاتِ طیل، حصہ دوم، صفحہ ۳۴، نوٹ نمبر ۱۲۔ ۲۔ نتائجِ اتوار، صفحہ ۵۱۹ (اگر کے تعلق پر مروج کل جگہ کا تفسیر)۔
 ۳۔ حیاتِ زیب النساء، از منشی محمد بن، خلیف، صفحہ ۳۰۵، ۳۰۶۔ ۴۔ حیاتِ زیب النساء، از منشی محمد بن، خلیف، صفحہ ۳۰۵، ۳۰۶۔ ۵۔ حیاتِ زیب النساء، از منشی محمد بن، خلیف، صفحہ ۳۰۵، ۳۰۶۔

سٹر ایچ جے ڈیویس H. J. DAVIS آئری سوپرنٹنڈنٹ تھے جو اس عمارت میں مقیم و فوڈ کس رہے۔ انھوں نے اور ان کے پیش روؤں نے اس ہر طرف سے کھلی ہوئی عمارت میں خوبصورت چوکھٹیں اور کواڑ لگائے تھے۔ ایک حصہ جو پہلے ہی سے گول بنا تھا، گول کر دیا۔ اسی کے ایک پہلو یعنی سامنے کے برآمدے میں صاحب کا 'یا باغ' کا سرکاری دفتر قرار پایا۔

نیا وہ دن کی بات نہیں ہے۔ اُس وقت کے دیکھنے والے اور مہترمان خدمت موجود ہیں اور بتاتے ہیں کہ ایک نیک دل شریف انفس انگریز جو سنی سنائی روایات پر عامل اور قدیمی مستقلات کا معترف و قائل تھا، اس کا بھی احترام و اکرام کرتا تھا۔ اُس کی طرف سے ہر جمعرات کو لیوان سلگایا جاتا تھا۔ ایک نشان (نظام ہرقہ کا) ایک گول مرمت شدہ چوند کی طرح گرد و پیش کے فرش سے اب بھی نمایاں اور ممتاز نظر آتا ہے۔ حسن سلیقہ اور بزم آرائی کی بدولت اس پر میز بھی گول بچھائی گئی تھی۔ قالینوں کا فرش تھا۔ بائیں ہم اس حصہ پر جلنے اور پامال کرنے سے احتیاط و احترام کیا جاتا تھا۔

یہ اطلاع کہ اس کو حجتی اللہ خان اصلی صورت میں تبدیل کر دیا ہے غالباً صحیح ہوگی۔ بحالت وجودہ تھوڑی دونوں متریں یا دونوں ٹیٹے (بالائی وزیریں) خوب صاف اور کھلے ہوئے ہیں۔ کوٹھارہ کھڑکیاں سب دُور کر دی گئی ہیں۔ نہ کسی اور قسم کا لکڑی کا سامان چھوڑا ہے۔ دونوں حصوں پر سفیدی سے کچھ سال قلمی کر دی گئی ہے۔ داغ دھبے یا اور مینائی تعریف کی یاد دلانے والے نشانات سب چھیل دئے ہیں۔ کون جانتا ہے کہ زندوں کے تسلط سے پہلے اس پر کچھ نقش و نگار یا لکھاری اور رنگ آمیزی تھی یا نہیں۔ بہر صورت

انیک حدیث لطف کراں ہم دروغ بیداشتہ دفتر گھرہ صد باب گشتہ ایم

اب حزن لیک بات کہنا باقی ہے۔ سٹرٹیل کی اس تحریر کے سلسلہ میں کہ ایک چھوٹی قبر اور وہاں کے چیم جانب ہے کیسے سترج صاحب سٹرٹیلٹ دک کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ خمر و باغ میں نور بہاں کا ایک سی نوٹان CENOTAPH تھا۔ سی نوٹان جو سن زبان میں بے قبر کے مقبرے کو کہتے ہیں، یعنی کوئی گنبد جو کسی ایسے کی یادگار کے لئے تعمیر ہوا ہو جو کسی اور جگہ دفن ہوا ہو۔ اس کا بہتر فیصلہ قاریان کرام کر سکتے ہیں کہ ان دونوں میں سے کون سا گنبد نور جہاں کا ہو سکتا ہے؟

مرزا جہانگیر کلدفن

یہ چوترا عوام الناس میں ”خسرو کے گھوڑے کی قبر“ کے نام سے شہرت رکھتا ہے۔ اس شہرت و نام کے بارے میں کوئی تحریری سند نہیں ملتی۔
یہ تسلیم ہے کہ کسی نماذ میں مانوس و محبوب جانوروں کی یادگاریں بنادینا ایشیائے اہل دولت و مقدرت کا شیوہ تھا۔ ہندو اور مسلمان دونوں کی متعدد مثالیں پیش نظر ہیں۔ چند پر ممانعت کروں گا۔

اودے پور میوٹ کے رانا پرتاب کا نام کس نے سنا نہ ہوگا جس نے اکبر کے دل بادل لشکر کا مقابلہ بڑی شجاعت و دلادری سے کیا تھا۔ چنگ نام گھوڑا اس کے زیرِ ران تھا۔ شکست کھائی تو اسی پر بھاگا۔ غلوں نے پچھا کیا۔ چنگ گھائل تھا اور ایک ندی حاصل۔ پھر بھی چنگ ہرن کی طرح چاروں پتلیاں بھاڑ کر پاتی پر سے اڑ گیا۔ شام ہو گئی تھی۔ اس کے نعل پتھروں پر پڑتے ٹکراتے اور چنگاریاں اڑاتے چلے جاتے تھے۔ ایک موقع پر پہونچ کر چنگ بے دم ہو کر ہمیشہ کے لئے رہ گیا۔ وہاں اُس کی یادگاہ میں ایک عمارت بنوائی گئی۔ اودے پور کی آبادی میں آدھے گھسے ایسے ہوں گے جن کی دیواروں پر اس کی تصویریں کھینچی ہیں۔

مولوی سعید احمد مارہروی تاریخ آگرہ لکھتے ہیں ”مخلوں اور اُن کے اُمر کو مقابر کی تعمیر کا شوق اس درجہ تھا کہ انسان تو انسان گھوڑوں، کتوں اور ہرنوں وغیرہ حیوانات کی یادگار بنی بڑی عمارت یا مورتیں اس ملک میں تعمیر کی گئیں۔ چنانچہ آگرہ میں اکبر بادشاہ کے ایک وفادار کُتے کا عالیشان مقبرہ یا ہتھام دربار خاں تعمیر کیا گیا تھا۔ دربار خاں بھی اپنی وصیت کے بموجب اسی مقبرہ میں دفن ہوا۔“

میر غلام علی آزاد بلگرامی، آثار الکرام میں تحریر فرماتے ہیں کہ سید محب اللہ بلگرامی شاہزادہ محمد اعظم کے توسل و معتد منصب داشتے تھے۔ شاہزادہ جب اوچین کا صوبہ دار مقرر ہوا تو میر بھی اوچین چلے گئے اور وہیں رہتے تھے۔ ایک مرتبہ فوج سے الگ ہو گئے اور سر لے سسئی کے قریب پہونچے۔ سمر کے دروازہ کے سامنے سایہ دار درختوں کے نیچے گھوڑے سے اترے۔ زین پوش بچھا کر بیٹھے۔ مددی اُتار دی۔ سفید لباس بدلا۔ شربت پیا۔ تلاوت میں مشغول ہوئے۔ پھر چادر اوڑھ کر لیٹے اور دنیا سے رخصت ہو گئے۔ وہاں کے حاکم نے قبر مع چوترا اینٹ اور گچ سے پختہ بنوا دی۔ ان کے گھوڑے نے بھی دانہ گھاس چھوڑ دیا تھا۔ رات دن آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ لوگوں سے اس بے زبان ماتمسار کی حالت دیکھی نہ گئی تو گھوڑے کو ذبح کر کے ان کے مزار کے پائین دفن کر دیا۔ گھوڑے کی قبر مریخ پختہ و مضبوط تعمیر کی گئی تھی۔ دستور کے مطابق ساتھ ساتھ کنواں بھی بنایا گیا تھا۔ ۱۱۵۰ھ

عمارت مقبرہ خسرو کے ذیل میں گزارش ہو چکا ہے کہ شاہزادہ خسرو کے مرنے کے بعد اُس کے کسی گھوڑے کے لہ آباد ہو چنے اور دفن ہونے کا پتہ نہیں چلتا ہے۔ جب حرمان نصیب شاہزادے کا در در رس و خزاوار کوئی نہ تھا تو اُس کے کسی بے زبان رفیق کا پرسان حال کون ہوتا، اور کیوں اتنا احترام کرتا۔ پھر شاہزادہ (خسرو) کی قبر کے پاس ہی، اس قربت گاہ سلطانی میں، جہاں شاہزادوں، اُمرا اور سیکات کی آمد و رفت بلکہ سکونت بھی رہتی تھی، کسی حیوان کا دفن کیا جانا تیا س سے بعید اور شاہانہ آداب و شان سے دُور ہے۔ رنگینی خیال کو روانہ کیجئے۔ خسرو کا وین راہوار اگر کہاں دفن ہوتا تو اُس پر تمام عمارت شاہانہ اہتمام و حوصلہ کے ساتھ سنگین و مرمرین، بہا نگیری عمارات کے نمونہ پر بنائی جاتی۔ گنبد بھی اُسی رفعت و شان کا تیار کیا جاتا۔ جس پر قدامت و کہنہ سالی خود بخود نثار ہوتی۔ آج یہ اینٹ چوٹے کا معمولی چوڑا بہ اول نظر کہہ دیتا ہے کہ وہ کوئی پُرانی چیز یا نشانی پیش نہیں کر سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ جگہ شاہزادہ مرزا جہانگیر کا عارضی دفن رہی ہے۔ اس لئے اس کا استحکام و احترام باقی ہے۔ راست و دروغ و نہاد روایاں۔ ان کی شہ سواری اور اُن کے سمند تیز گام کا حال جو کچھ

سُنا جاتا ہے، ابھی حوالہ قلم کیا جائے گا۔ یہ تیسری نسل کے آخری نسلِ شبِ چراغ تھے، جن سے نہ صرف خرمشاہ بلکہ سارا آلہ آباد روشن و بارون تھا، جیسا کہ ان کی وفات کے قطعاتِ تاریخ شاہد ہیں۔ مرنے والا اس بلوغ میں سا لہا سال رہے تھے۔ بیونہ خاک ہونے پر بھی اسی قطعہ زمین نے اُن کو برسوں اپنی آغوش میں رکھا تھا۔ ان کے متعلق مختلف حالات مختلف تاریخوں میں ملتے ہیں۔ ان کو گزرے ہوئے بہت قلعہ تھیں گزرا، اس لئے بہت سی روایتیں اور حکایتیں پچھلوں سے سنی سنائی یا ادھر ادھر لکھی ہوئی اب تک زبانوں پر ہیں۔

عالم زمانہ ہی وزیرِ آفغان پڑا بہت شد عند یب خاک چمن از نو پڑا بہت
مرزا کا ذکر مختصراً آغازِ کتاب میں کر چکا ہوں۔ مزید احوال کسی تفصیل بلکہ تطویل کے ساتھ بعض اصل مآخذوں سے نقل کیا جائے گا۔ تاکہ ہوشمند و ذی فہم پڑھنے والے اس سے مستفید ہو سکیں۔ اور نگارہ و اعادہ واقعات سے قطع نظر فرما کر سلسلہ حالات کو مربوط کر لیں۔ دو باتیں یاد رکھنا ضروری ہیں :-
(۱) تیسویں گورکان کی آخری ہندوستانی نسلوں میں ایک تاجدار *Shah Jahan* کا گزرا ہے ابونصر معین الدین محمد اکبر شاہ ثانی۔ جس سے ملک اور تاج دونوں رخصت ہو چکے تھے، لیکن رہنے پہنے کے لئے شاہ جہان صاحبِ قرائ کا اصل قلعہ اور بیٹھنے کے لئے چٹائی باپ دادا کا تخت باقی تھا اور اقلیم سخن پر حکمرانی۔ باپ شاہ عالم ثانی آفتاب تھا تو بیٹا ”شعاع“ ہوا۔ شاعری کی دنیا میں اسی نام یا تخلص سے چمکا۔ یہ محض بے اختیار خطابی بادشاہ تھا، نہایت جیم و کوم۔ اور جیسا کہ سفتی غلام سرور لکھتے ہیں انگریز اس کی عزت و حرمت کا پاس بے حد کرتے تھے۔ اس کا عہدِ سلطنت ۱۶۵۷ء (۱۰۶۵ھ) سے ۱۶۵۷ء (۱۰۶۵ھ) تک یعنی بیس سال شمار ہوتا ہے۔ اسی برس عمر پائی تھی۔ اس کی اولاد میں دو شاہزادوں کے نام اور ارق تاریخ پر روشن نظر آتے ہیں۔ ایک ابو ظفر شاہ ثانی جس کو ۱۶۵۷ء

ملہ صفحہ ۳۱ - ۲۷ گویہ سرور کی تاریخ تاریخ، صفحہ ۱۸۰ حاشیہ اول۔ ۱۷۰ ایک تیسرے شاہزادہ سلیم کا نام بھی ملتا ہے۔ قرینہ و تیسرا یا چوتھا ہے کہ مرزا جہانگیر ہی کا اصل نام سلیم تھا جو اس کی طرف باپ کا شغف اور ہر شفقت کی نگاہ بھی لادوں سے زیادہ تھی۔ مرزا اسد اللہ خان غالب نے آخر ماہ ذی قعدہ ۱۶۵۷ء (مارچ ۱۶۳۵ء) میں ایک قصیدہ بڑے زور کا لکھا تھا۔

ملکی انقلاب اور لشکری شورشوں کے طفیل برائے نام بادشاہی کے نام کو بھی خیر لو کہنا پڑا تھا۔ یہ عمل بائی کے بطن سے تھا۔ دوسرا درجہ انگریز ممتاز محل سے۔

جس کا ان کی کلیات فارسی میں تیرہواں نمبر ہے (ص ۲۱۳)۔ شمع دہ کے دلوں شعروں میں وقت کی تفریح بھی کر دی ہے۔ جن جلسوں نوروز اور عید قرباں کے مبارک موقع پر وہاں پیش کیا تھا۔ مرزا غالب بڑے زمانہ شناس، مصنفین اور دور اندیش تھے۔ باپ کے ساتھ ساتھ بیٹے کی بھی مدح و ثنا کرتے جاتے ہیں۔

ستائش نہ دشمنزادہ کی کسم آہنگ بسا ز حسن ادب در مقام ذوق سلیم
بلکہ شاہزادہ کو پہلے یاد کرتے اور اس ترنچ و پیش آورد کی معقول توجیہ فرماتے ہیں۔

زشتہ شاہزادہ تخت آوردن کن کہ یہ باغ شکوہ را بہ شمر در نحو بود تقدیم
اسی کے مطلع ثانی میں شاہزادہ کا نام لیا ہے۔

زبے مناسب طبع شاہزادہ سلیم بیض تربیت بادشاہی ہفت اقلیم
قصیدہ کو حسب معمول شعراء کا ختم کیا ہے۔ خدا سے چار چیزیں مانگی ہیں۔

علیٰ بخش مہر و عطیٰ پذیر سی ماہ بقاے پادشہ و عیش شاہزادہ سلیم
لیکن یہ قصیدہ ۱۱۵۰ھ کا ہے اور مرزا جہانگیر ۱۱۳۶ھ میں اس عالم سے رخصت ہو چکے تھے۔ ظاہر ہے کہ سلیم کوئی

چوتھا شاہزادہ تھا۔

آب حیات شعرا کا ذکر ہے، مرشدزادوں کا نہیں۔ لیکن کہنے والا دی کی کامل تلمذ کا پشتینی بعدی اور ان دونوں کا داستان گو ہے۔ فرمایا ہے کہ ”ممتاز محل کی خاطر سے اکبر شاہ کبھی مرزا سلیم کبھی مرزا جہانگیر وغیرہ شاہزادوں کی ولیعهدی کے لئے کوششیں کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ مرزا ابوظہر میرے بیٹے ہی نہیں۔ مقدس اس کا گورنٹ میں داخل تھا۔“ (مؤرخہ ۱۱۳۶ھ، مطلع لاہور ۱۱۳۶ھ)

مرزا عرش میموری (دسلا ساقی دہلی، اپریل ۱۸۳۷ء، صفحہ ۷۸) میں تحریر کرتے ہیں کہ مرزا سلیم کا انتقال اکبر ثانی کی حیات ہی میں ہو چکا تھا۔ فیروز شاہ انھیں کے بیٹے تھے۔ اکبر ثانی ان دونوں (باپ بیٹے) کو بہت چاہتے تھے۔ سلیم بی کی ولیعهدی کے لئے تمام کوششیں کر رہے تھے۔ چوتھے شاہزادے کا نام مرزا بابا تھا۔

گھیل جیہ فیروز شاہ کو سرغندہ باغیان اور ابوظہر بہادر شاہ کا فرزند کہتے ہیں کہ اکبر شاہ کا۔ (دیکھو سری، صفحہ ۹۴)۔

(۲) مشہور ہندوستان زامورخ ولیم حامس بیل نے اوریشل بیانگری کل ڈکٹری میں مرزا جگندر کو بڑا بیٹا لکھ دیا ہے۔ آئینِ تیموری نیز دنیا کے پُرانے معمول و دستور کے مطابق اُس کو خود بخود ولی عہد سلطنت قرار پاجانا چاہئے تھا۔ اور اس طرح ساری بنائے نزاع ختم ہو جاتی اور قصبہ پاک ہو جاتا ہے۔ مگر یقیناً یہ موصوف کا سوہ ہے۔ ان کی غلطی مستند و معاصر لکھنے والوں کی تحریرات سے آشکارا ہو جاتی ہے۔

سٹرٹن ETON ۱۶۲۰ء (۱۰۵۰ھ) میں شاہ جہان آباد کے عہدہ رنبدی پر مامور ہوئے۔ ان سے اور مرزا جہانگیر سے شدید ناچاقی ہو گئی تھی۔ ۱۸۰۹ء یا بقول سلی مین ۱۸۰۸ء میں ان پر مرزا نے طمانچہ (ٹفنگ) پتول (سر کیا۔ وہ بچ گئے اور یہ نظر بند کر کے الہ آباد بھیج دئے گئے۔ گیارہ بارہ سال اسی باغ میں رہے۔ الزام تو ان پر سخت تھا لیکن یا تو ان کی عظمت مرتبت و شاہزادگی کی بدولت، یا کسی اور مصلحت ہنگامی و ملکی کے لحاظ سے یا ان وقتوں کے کسی رعایتی آئین و قانون کے رُوسے، یا حسبِ تحریرِ راجہ درگا پرشاد سندیلوسی عقوہ تصصیرات کے بعد ان کی نگرانی اور دیکھ بھال میں چنداں جبر و سختی کو راہ نہیں رہی تھی۔ انھوں نے ۱۶۳۶ء (۱۰۳۶ھ) میں اس زندانِ آب و گل سے سہائی پائی تو اسی باغ میں ان کو اپنے دلدادہ سلطان خسرو کی قبر کے پاس جگہ دی گئی۔ کچھ دن بعد (یا حسبِ تحریرِ سر ولیم سلی مین ۱۸۱۶ء میں) انگریزوں سے اجازت ملنے پر ان کی لاش یہاں سے نکال کر دہلی بھیجی گئی۔ نواب ممتاز علی ان کی ماں کو ان کے مرنے کا بڑا رنج و غم تھا۔ وہ اس حالت میں بھی اپنے تختِ جگر کا اپنے سے دودھ بہا برداشت نہ کر سکیں۔ ان کی اُلفت اس پیکر بے جان کی کشش کا باعث ہوئی۔ نواب مختار الدولہ خواجہ وحید الدین احمد علی

۱۶۸۰ء۔ ۱۶۸۰ء تاریخ جسدِ دلیر، صفحہ ۵۳۲۔ ۱۶۸۰ء۔ ۱۶۸۰ء سیاحتِ نادر، جلد دوم، صفحہ ۱۶۷۔ نوٹ
ذیلی۔ ۱۶۸۰ء۔ ۱۶۸۰ء، صفحہ ۶۸۸۔ ۱۶۸۰ء۔ ۱۶۸۰ء، صفحہ ۵۷۰۔ ۱۶۸۰ء۔ ۱۶۸۰ء، صفحہ ۵۷۰۔
بیلنس ڈکٹری، صفحہ ۱۶۸۔ ۱۶۸۰ء۔ ۱۶۸۰ء، جلد دوم، صفحہ ۱۶۷۔ نوٹ۔ مگر ختمِ تسمیرِ تہذیب کا سال معلوم ہوتا ہے،
مطابق ۱۲۴۸ھ۔

بہادر اس خدمت مبنی لاش کی ہمرہی اور لے آئے پر تعینات کئے گئے۔ یہ اکبر شاہ عثمانی کے وزیر اعظم
 ذاب ویر الدولہ امین الملک خواجہ فرید الدین احمد خاں بہادر مصلح جنگ کے رشید خلعت اور جواد الدولہ
 سید احمد خاں بہادر عارف جنگ کے مامون تھے۔ لاش کے دہلی پہنچنے پر بڑا ماتم ہوا۔ وہ لاش جو خروبا
 میں ایک سارے سے مٹی کے ڈھیر کے نیچے دبادی گئی تھی، گاہ حضرت نظام الدین اولیاء کے صحن
 میں محمد شاہ یلوشاہ کے حجر کے پاس شاہانہ مراسم و ہتملات کے ساتھ دفن کی گئی تھی۔ اس پر ایک شایان ثنا
 حجر سرتاپا سنگ سرمہ کا تیار ہوا۔ اہل نظر کہتے ہیں کہ مرزا کا حجر عینہ محمد شاہ کے حجر کی نقل ہے، اس کی جالیوں
 بھی بہت باریک و نازک ہیں۔ سید صاحب اس سے بھی نفیس تر و پر تکلف بتاتے ہیں۔ ”البدنہ سنگ سرمہ
 و یسانا بار و شغان اور بے جرم خوش رنگ و خوش قماش نہیں پایا۔ تاہم اپنی جگہ یہ بھی عجائب روزگار سے
 ہے۔ یہ حجر ۱۲۳۸ھ کی تعمیر ہے۔“ تحفۃ الابرار یعنی کلیات جدولیہ میں بھی یہی سال ۱۲۳۸ھ لکھا ہے۔ بقول
 سرسلیمان لاش لے آئے کی اجازت ۱۲۳۲ھ میں ملی تھی۔ یہ سال ۱۲۳۲ھ رجب ۱۲۳۲ھ کو شروع ہوا تھا۔
 لامالہ ادا آباد لے آئے اور لاش لے جانے میں بھی کچھ زمانہ لگا ہوگا۔ حجر کی تکمیل کی فہرست ۱۲۳۸ھ میں پہنچی ہوگی۔
 یہ بھی آشکار ہے کہ ایک تنگ حال شخص کے لئے جو خود دوسروں کا دست نگر ہو، اس چیز کے لئے بھی سربلہ
 فراہم کر لینا آسان نہ تھا۔ میر مقصود نے خطا الخطابی شہنشاہ اکبر تائی سے ہے۔ جس نے آل قلعہ دہلی کی موتی
 مسجد سے سنگ سرمہ کے کوڑا اُتار کر اس مقبرہ میں چڑھائے تھے۔ یہ حجر اب تک بہت اچھی حالت میں ہے۔ امیر
 کوئی کتبہ یا قطعہ تاریخ کندہ نہیں ہے۔

فرخ آباد کے دلچسپ کارنامہ ”واقع“ ”روح تاریخ“ سے پایا جاتا ہے کہ ملکہ ممتاز محل کو مرزا جہانگیر کا غم

لے جن کے حالات میں سرسید نے سیرت غریبہ لکھی ہے۔ ملبور و مفید عام اگر۔ خواجہ صاحب بڑے محقق و مصنف گزرے
 ہیں۔ فن پرکار سازی پر فارسی میں ایک عالمانہ رسالہ خواندہ الافکار فی افعال الغرہار یادگار مچھوڑا تھا۔ نیز سوانح عمری مولوی
 مسیح افندہ خاں (مطبوعہ ۱۹۰۹ء) صفحہ ۲۱۱۔ و۔ مشاہیر اسلام، صفحہ ۲۳۶۔ و۔ بیس و کنسری، صفحہ ۷۰۔ ۷۱۔ سوانح مذکور
 صفحہ ۳۱۔ ۳۲۔ قاموس المشاہیر، صفحہ ۱۸۲۔ و۔ کنسری، صفحہ ۱۲۔ ۱۳۔ مفتاح، صفحہ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ آثار الصنادید، صفحہ ۴۰۔ ۴۱۔ صفحہ
 ۷۰۔ رسالہ شاہکار، لاہور، اکبر ۳۵، صفحہ ۱۸۔

والہم مدقوں رہا تھا۔ تھے کہ جب ۱۲۳۹ھ (۱۸۲۴ء) میں نواب غلام حسین خان شوکت جنگ رئیس فرخ آباد نے دہلی میں وفات پائی اور اُن کی نعش چند روزہ تدفین یا تقوین کے لئے "قلعہ دہلی" کے نیچے سے ہو کر گزری تو بیگمات میں ایک شور ماتم اور فریاد کا مہرچا ہوا۔ علی الخصوص مادر جہانگیر شاہزادے کو نہایت قلق اور کوفت گزرا۔ اور آوازِ نوحہ کی بلند کی۔ اور اُس حالت میں اُن کی زبان پر گزرا کہ آج غم اپنے جہانگیر شاہزادے کے مرنے کا پھر مجھ کو تازہ ہوا کہ جیسے وہ پردیس میں جا کر موتے تھے ویسے ہی یہ بھی غریب الوطن ہو کر بے یار و عنکسار فوت ہوئے۔

سرورِ سلی مین نے اپنے سفرنامہ میں مرزا کی نسبت دوستانہ رنگ میں جو کچھ لکھا ہے اُس کو پڑھ کر بے اختیار غالب مرحوم کا ایک شعر یاد آ جاتا ہے۔

برین چنداں گنہ از بدگامی می کند نسبت
کہ من ہم در گماں افتادہ بندم گنہگارم
وہ ذاتی شناسائی اور مشابہہ حال کے مدعی ہیں اُس لئے مجھے اُن کی تحریر کے نقل کر دینے سے چارہ نہیں۔ اس سے دہلی کے سنگین مظہر سے کی تصویر کا صحیح سال اور انگریزوں کی نگاہ میں اُس کی خوبی و شان کا پتہ بھی چل جائے گا۔

”مرزا جہانگیر دہلی میں سنگ مرمر کے ایک ردضہ میں دفن ہیں۔ جس پر نہایت عمدہ نقاشی کی گئی ہے (ملاحظہ ہو نوٹ) مرزا جہانگیر اکبر تاجی بادشاہِ حال کے بیٹے تھے۔ مرزا جہانگیر کو میں الہ آباد سے اچھی طرح سے جانتا تھا۔ نیپال کی لڑائی کے ختم ہونے کے بعد اپنی جہنم کے ساتھ میرا قیام الہ آباد میں رہا تھا۔ یہ

۱۸۱۶ء کی بات ہے۔ ان کو بات مین کی پیری برانڈی *HOFFMAN'S CHERRY BRANDY* کا بے حد شوق تھا اور جلد سے جلد اپنے کو اس کے ہاتھوں ختم کر رہے تھے۔ مجھ سے کہنے لگے کہ ”صرف

یہی تو ایک شراب ہے جو واقعی تم انگریزوں کے یہاں پینے کے قابل ہے۔ اور اس میں صرف ایک ہی عیب ہے کہ انسان اس کو جلد سے جلد پی جاتا ہے۔“ وہ اپنا لطف قائم رکھنے کے لئے ہر گھنٹہ ایک

بڑا گلاس پنی لیتے تھے یہاں تک کہ سرشار و مدہوش رہتے۔ اس اشنا میں باجا جانے والوں اور

بقال تحفوں اور ہدیوں کے ساتھ مرزا ابو ظفر کی دیسہدی کی تفسیح اور مرزا جہانگیر کو یہ منصب جلیل دلانے کے لئے لکھنے بھیجے گئے۔ مگر ناکامی ہوئی۔ رزیڈنٹ صاحب سے کدورت پیدا کر لی۔ اسی زمانہ میں ایک روداد شاہ نشاۃ تفریح کے لئے شکار کھینے کو ملہ فیروز شاہ کی طرف تشریف لے گئے تھے کہ رزیڈنٹ صاحب نے چند قرب و قریب دوست پر حاضر کیں، تاکہ بادشاہ کی واپسی پر مراتب سلامی بجا لائیں۔ ان بے عقلوں نے توہات گوناگوں پیدا کر لئے اور کچھ اور معنی لگائے۔ بادشاہ کو خبر کی گئی۔ تلامذہ عظیم ہڑ گیا اور اُردو بادشاہی میں قیامت برپا ہو گئی۔ رزیڈنٹ صاحب نے انواع استال و اظہار امور اطاعت سے بادشاہ کو مطمئن کر کے قلعہ میں پہنچادیا۔ اُس روز سے قطعی ممانعت ہو گئی کہ بادشاہ کبھی قلعہ سے باہر نہ نکلے پائیں۔ مقربان خدمت کی ناہمی اور بادشاہ وقت کی سادہ لوحی سے یہ صورت بھی باقی نہ رہی۔ یہ کدورت ابھی دلوں سے رخنہ نہیں ہونے پائی تھی کہ تازہ گل کھلا۔ مرزا جہانگیر کثرت شراب سے ہر وقت مخمور رہتے تھے۔ بخواری کی زیادتی سے بڑی بدنامی ہو رہی تھی۔ رزیڈنٹ نے خیر اندیشی نیز انسدادِ بابِ فساد کے لئے ترکِ بخواری کا انتظام جس جس طور سے مناسب تھا کیا۔ لیکن جہانگیر مرزا قوادہ ٹکڑنگ کے دلدادہ اور بولے دخترزد کے جان باختہ تھے، اس سبب سے مخموم و مکدر ہو گئے۔ رزیڈنٹ صاحب سے انتقام لینے کے لئے کین گاہ میں بیٹھے۔ ایک روز صبح کو رزیڈنٹ صاحب ہوا خوری سیزر ملاحظہ امور ضروری کے لئے تنہا سیر کرتے ہوئے قلعہ میں آئے تاکہ تو مرزا نے بے اختیار (تمشا) ہنسر پہنچا کر کیا۔ ان کا نشانہ غلط پڑا۔ رزیڈنٹ صاحب بھاگ کر رزیڈنٹ میں چلے آئے۔ اپنی فوج جمع کر کے قلعہ کے اندر گئے اور زد و کشت اور گیر و دار شروع کی۔ ذاب شاہ نواذ خان جو امور خانگی کے منترِ کل تھے، امیر الدولہ خطاب تھا، جلدی سے رزیڈنٹ صاحب کے پاس پہنچے۔ اُن کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ کیا غلام قادر خان چہر زندہ ہو گیا ہے۔ اُٹھ کے لئے رحم فرمائیے۔ رزیڈنٹ صاحب نے فرمایا کہ جب تک جہانگیر مرزا ہاتھ نہ اُٹھے گا، ہاتھ سے کام اور کام سے ہاتھ نہ اُٹھاؤں گا۔ شاہ نواذ خان نے مرزا کو لے جا کر رزیڈنٹ صاحب کے سپرد کر دیا۔ تو وہ فتنہ و فساد بند ہوا۔ امن و امان کی صورت پیدا ہو گئی۔ جہانگیر مرزا محسوس کر کے الہ آباد بھیج دئے گئے۔ کچھ دن بعد بادشاہ نے رزیڈنٹ سے معافی کر کے اپنے پرمرہان کر لیا۔ ایک لاکھ روپیہ ماہوار موابب مقرر ہوا۔ جہانگیر مرزا نے بھی تہہ سے رہائی پائی اور حضور شاہی میں پہنچ گئے۔

مرزا کو سیر و شکار کی ہوس میں سمائی تو اودھ جلنے کی رخصت مانگی۔ اجازت ملی اور رزیدنٹ کی حفاقت سے بٹے شکوہ اور جلوس کے ساتھ اودھ پہنچے۔ نواب سعادت علی خاں فرما کر اودھ مراسم مہاندری اور مراتب اطاعت و فرمان گزاری بجالائے۔ اظہار اخلاص کیا۔ لیکن مرزا کے اطوار اچھے نہ تھے۔ بہت بدتر نہ تھا۔ عشرت پرست ندیموں اور کم نظرت معاصیوں کی محبت میں بڑے بڑے کلام گزرتے تھے۔ اپنی قیامت اور خاندانِ شاہی کی عزت برباد کر دی۔ اکثر اوقات عصمت برہنہ پردہ نشینوں کو گھر سے زبردستی باہر کھینچ لاتے۔ بے حرمتی کرتے، ان کی عصمت و عفت اور اپنی عالی منزلت میں داغ لگاتے تھے جبر و قہر سے طلب کر کے رندیوں سے وہ سب کچھ کر ڈالتے تھے جو ان کو نہ کرنا چاہئے تھا اس لئے نواب سعادت علی خاں کی استدعا پر ان کا اخراج لکھنؤ سے ہوا۔ ال آباد میں قیام قرار پایا۔ اسی خرد باغ میں۔

یہ تفریح گاہ، یہ ہمسایہ خلد بریں گل بلبان، گل نشان، گل ریز گلشن آفریں

میرزا ناصر علی خاں بہادر صلاے عام دہلی میں، زیر عنوان دہلی شاہ جہاں آباد لکھتے ہیں۔

شاہ عالم کے بعد اکبر شاہ ثانی کا زمانہ بھی خاصہ ہوا۔ لیکن ایک بات اکبر شاہ ثانی کی ضرور قصہ طلب ہے کہ تخت پر بیٹھتے ہی بادشاہ کو اپنے بڑے بیٹے ابو ظفر سے الجھن پیدا ہو گئی۔ اگر سرکارِ انگریزی کا قدم در میان میں نہ ہوتا تو ابو ظفر بہادر شاہ کو تخت نصیب نہ ہوتا۔ اس محرکے کے طے کرنے میں سرکارِ انگریزی نے جو کوششیں کیں، بہادر شاہ کو بھولنی نہ چاہئے تھیں۔ اکبر شاہ ثانی نے اپنے بیٹے کو خلل دماغ بتایا اور جو تھے بیٹے جہاندار شاہ کی ولیعهدی کے لئے بہت زور دیا۔ جہاندار شاہ

ملہ مرزا مریم خاتون لکھتے ہیں کہ شاہزادہ جہانگیر بخشنہ ۲۴ محرم کو لکھنؤ میں داخل ہوئے تھے۔ جناب عالی (نواب وزیر) نے بڑے تزک و احتشام کے ساتھ استقبال کیا تھا۔ شاید آصف الدولہ نے شاہزادہ مرزا جواں بخت کا بھی اس

شان سے استقبال نہ کیا ہو گا۔ سعادت علی خاں کو اپنے ہی ہودے پر اپنے پہلو میں بیٹھا لیا تھا۔ قاتل بھی سلام کو حاضر ہوئے تھے۔ کرسی منگوا کر ان کو بیٹھایا اور اپنے ساتھ کچھ کھلایا بھی تھا (صفحہ ۲۰۷، تعات مطبوعہ ۱۲۷۳)۔

یہ گلستانِ ہند، تہذیبِ فردوس، صفحات ۲۰۲، غایت ۲۰۷۔ ۲۰۸ رسالہ نمبر ۶، ماہ جولائی ۱۹۱۵ء صفحہ ۲۰۷۔

یہ شاید غلطی ہے۔ اکبر ثانی کا کوئی بیٹا اس نام کا نہ تھا۔ جہاندار شاہ عرف مرزا جواں بخت بہادر، شاہ عالم ثانی کا

الہ آباد جلا وطن کئے گئے۔ اس کی مفصل کیفیت بھی تاریخ کے لئے لطف سے خالی نہیں۔

افسانہ از افسانہ می خیزد۔ خواجہ حسن نظامی دہلوی فرماتے ہیں کہ مرزا جہانگیر نہایت حسین جوان تھے۔ مگر شراب بہت پیتے تھے۔ ’متوالا‘ ان کا لقب ہو گیا تھا۔ ان کی اوریووں اور حرموں کا حال کہیں نظر سے نہیں گزرا۔ البتہ موصوف لکھتے ہیں کہ ایک محبوبہ بیگم، حسینی بیگم نام تھیں۔ ان سے اور بہادر شاہ سے دو مشہور باغوں کی نسبت تنازع تھا۔ بیگم نے دہلی کی دیوانی عدالت میں دعویٰ کی کہ کامیابی حاصل کی۔ اگرہ کی صدر عدالت سے اپیل میں فیصلہ جمال رہا۔ حسینی بیگم نے دوسرا نکاح شاہزادہ مرزا چمپا سے کر لیا تھا اور ۱۷۵۵ء کی بغاوت سے پہلے مرگی تھیں۔ حسینی بیگم کے ایک لڑکی مرزا جہانگیر سے تھیں۔ حسن آرا بیگم نام تھا اور واقعی حسینہ و حسن آرا تھیں۔ زندگی بھر مقول نیشن سیکر سے باقی رہیں۔ شوہر نے بالزام بغاوت پھانسی پائی تھی۔ بیگم نے مرنے والے کی یاد میں جل جل کر باقی عمر بیوگی میں کاٹی دی۔ ذرائع تحقیقات و واقفیت اور مقامی روایات و دستِ معلومات کے اعتبار سے میں خواجہ صاحب کی تحریر کو قابلِ استناد سمجھتا ہوں۔

ان طول و طویل عبارتوں کے نقل و اعادہ کے لئے عفو خواہ ہوں۔ ان میں واقعات و حالات کا کچھ ایسا حصہ بھی داخل و شامل نظر آتا ہے جو بظاہر خسرو باغ اور الہ آباد سے باہر کا ہے۔ لیکن شاہزادہ کی داستانِ حیات کا آخری ورق خسرو باغ میں تلخ بند ہوا تھا، اس لئے اُس کے تتمہ

بڑا بیٹا اور دی ہند یعنی اکبر شاہ ثانی کا بڑا بھائی تھا۔ باپ کے ساتھ مناقشات رہتے تھے۔ ناخوش ہو کر لکھنؤ کا رخ کیا۔ وہاں سے مسٹر ہسٹنگز W. HASTINGS کے ہمراہ بند کیا۔ شعبان ۱۲۰۲ھ (یکم اپریل ۱۷۸۶ء) میں دہلی انتقال کیا۔ شاعر بھی تھا۔ چاندزادہ تخلص کرتا تھا۔ حسبِ عداوت گارن دی تاسی (GARCIN DE TASSY) اس کے کلام کا مجموعہ ”بیاض عنایت مرشد زادہ“ کے نام سے اڑیا

ہو اس میں موجود ہے۔ (بیس واکسٹری، صفحہ ۱۷۸) گلشنِ بخارا، تصنیف ۱۲۵۰ھ (صفحہ ۵۴) اور گلستانِ بخارا، تکمیل ۱۲۹۵ھ (صفحہ ۶۳) میں مختصر حالات مع نوٹ کلام کے سندھ میں۔ مفتاح التواریخ سے بھی واقعات و حالات بتدوکر

بالا کی تصدیق ہوتی ہے۔ (صفحات ۵۴۱ و ۵۴۲، مطبوعہ ۱۲۴۹ھ)۔ ۱۷ سالہ شاہ کلا بھڑا، اکتوبر ۱۷۳۵ء ۱۸۰۳ء۔

خواجہ صاحب نے انھیں حالات کا اعادہ اپنے گرامی ناسہ میں بھی فرمایا ہے۔

وضیمہ کا الحاق اور الہ آباد و شاہجہاں آباد دونوں کی پس مرگ کی کنفیتوں کا تقابل ناگزیر نظر آیا۔ یہ خیال بھی دامنگیر ہوا کہ شاید آگے چل کر سیکس خسرو کی طرح غریب و بد نصیب جہانگیر مرزا کو یاد کرنے والا اور اُن کی یاد پر دو آنسو بہانے والا پیدا نہ ہو۔

بادا گنیس وہ محسن کی پوست فروشیماں ہنگامہ خیز عشق کا بازار دیکھ کر

اب وہ روایتیں مرقوم ہوں گی جو ثقہ اور قابل استناد بزرگوں سے سُنی ہیں۔ ان کے بہ وطن رنقا اور پلنے اہل خدمت کا بیان تھا کہ مرزا جہانگیر بچپن سے ذہین تھے۔ طابع و زور و فہم تھے۔ خوش بیاقت، بخمنون مجلسی اور آداب محبت کے ماہر تھے۔ باوجودیکہ اس قدر ناز پروردہ اور ماں باپ کے لاٹلے تھے جس روز چار برس، چار مہینے، چار دن کے ہوئے، پٹھنوں کے لئے بے شہادئے گئے۔ ان کی تعلیم و تربیت پر توجہ خاص ہوتی تھی۔ شروع کے سبب اسلامی اخلاق، ارکان و احکام اور دنیات کے متعلق تھے۔ یہ دستور دہلی کے قلعہ اور مغلوں کے خاندان میں ہمیشہ سے چلا آتا تھا۔

راجم احوال کے نزدیک بھی اس رواج کی قدامت غیر معین ہے۔ نہ صرف ہندوستان بلکہ سلطوں کے ممالک اور مقبوضات میں یہ دستور چلا آتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ بابر نے ہمایوں کی تعلیم اسی سن، چار سال، چار ماہ، چار روز، میں شروع کرادی تھی۔ اسی طرح حسب تحریر ابو الفضل، پاپے آباد و اجداد کی سنت دیرینہ کی تقلید و پیروی میں ہمایوں نے بھی اکبر کو دہی عمر ہو جانے پر مکتب نشین کرادیا تھا۔ ہیروڈوٹس HERODOTUS کی تحریر سے پتہ چلتا ہے اور اسطرابو STRABO سے اسکی تائید ہوتی ہے کہ پرانے زمانہ میں اہل ایران اپنے بچوں کی تعلیم پانچ سال کی عمر سے شروع کر دیتے تھے۔ اسس کا کچھ حصہ مذہبی ہوتا تھا۔ لیکن حکیم فلاطون PLATO فرماتا ہے کہ آغاز تعلیم ساتویں برس ہوتا تھا۔ ان عمروں میں بھی کوئی بڑا فرق نہیں۔

۱۔ تذکرہ السلاطین۔ بہوشن آت محمدن لرنگ، از زبیر ناتھ۔ ۱۲۸۔

۲۔ اکبر نامہ، جلد اول، صفحہ ۶۹۹، مطبوعہ نوکلشور۔ ۳۔ ہیروڈوٹس۔ مشہور یونانی مورخ۔ ۴۔ پہلی کتب خانہ

۱۳۷۔ ۵۔ ہندوستانی کتب، باب سوم، صفحہ ۱۸۔ ۶۔ صفحہ ۲۴۔ Font Aleabides.

بلاؤ آمد تیسوڑ سے لے کر بہادر شاہ تک تمام مغل شہنشاہ اپنا روزنامہ پڑھتے تھے۔ جس میں اپنی حکومت کے واقعات قلمبند کرتے اور محفوظ رکھتے جاتے تھے۔ تیسوڑ باور اور جہانگیر کے تزک مبلورع و دعائم ہیں۔ ترجمے بھی متعدد ہو چکے ہیں۔ اور نگذیب عالمگیر کے رفات و تحریکات سے فارسی کا بہرہ استفادہ واقف ہے۔ اکبر ثانی کا قلمی روزنامہ چر دہلی کے لال قلعہ کے میوزیم میں موجود ہے اور اُس میں بھی بہت سے حالات مرزا جہانگیر کے مندرج ہیں۔ بہادر شاہ کا روزنامہ خواجہ حسن نظامی کی توجہ سے چھپ چکا ہے۔ مرزا جہانگیر کا روزنامہ بھی الہ آباد تک رہا تھا، جس میں ان کے اس عالم سیری اور ان کے توسلین کے واقعات روزانہ لکھے جاتے تھے۔ کسی وقت اس کے بعض دلچسپ و پرکٹف حصے میرے محترم بزرگ مولانا حاجی سی محمد سعید صاحب کے متروکات آبائی میں موجود تھے۔ راتم احوال اُن کے لئے نگاہِ التفات کا برسوں متوقع رہا تھا۔ لیکن آخر کار میری حرمانِ نصیبی اُن کی دستیابی میں مانع آئی۔

واہری ہمتِ کرم کا شش شوق پھونک کر میں نے کہا خطا ہوئی۔ دل نے کہا معاف ہے موصوف کو اس میں کی بعض باتیں یاد ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا کی سرکار میں نجومیوں اور جوتیشیوں کی بھی بڑی پرشِ قدر تھی۔ اور اُن کی صوابدید و تعلقین پر عمل ہوتا تھا۔ شیجر کے دن بیل، کالی ماٹ اور لوہا خیرات کیا جاتا تھا۔ یوں بھی خسرو باغ میں داد و دہش اور خیر خیرات کا سلسلہ ہر وقت جاری رہتا تھا۔ مسلمانوں کا تیوہار بڑے اہتمام و تکلف سے مناتے تھے۔ جس کی بنیاد ان کے دادا شاہ عالم ثانی نے ستونِ کچھتر برس پہلے ڈالی تھی اور باپ نے بھی جاری رکھا تھا۔ اس کو یہ بھی ایک خانہ دانی و رسم کے طور پر انجام

ملہ "عالم" آپ کے شاہانہ اطلاق اور آپ کی رعایا پروری پر ہندوستانِ قرمان۔ آپ نے صرف یہاں کی زبان ہی کو نہیں سرفراز کیا اپنی رعیت کو بھی ہمیشہ نوازا۔ ایک برائی آپ کی بہن اور شہزادیوں کی چھٹی بی۔ اس کے ہاتھ سے آپ نے راکھی بندھن بندھوایا اور ہندو مسلم رشتہ کو مضبوط کر دکھایا۔

ماہِ گریبان جب دفعت کوئلہ (فیروز شاہ دہلی) میں شہید کئے گئے تو ان کی لاش جنابیں ڈال دی گئی۔ پتے پتے وہ مات کو ایک کتا بھاگی۔ اتنا ناؤ دھر سے ایک عورت گزری۔ لاش کو دیکھ کر بھیکی پھر یہاں کڑا کپڑا لپیٹ کر سجھو کر فرار ہو کر فرار ہو گیا۔ یہاں تلخ میں بادشاہ کی سواری کوئلہ سے نہ لوٹی تو فکر بڑھی۔ تلاش ہوئی مگر پتہ نہ چلا۔ کچھ کمال کھلا۔ شاہی لاش

دیتے تھے۔ خوشی خوشی خود اپنے اور اپنے رفقا و مصاحبین کے راکھیاں بندھواتے تھے۔

بادجو دیکھ یہاں کے قیام کا زمانہ دس گیارہ سال سے تجاوز نہیں ہوا، اطراف الہ آباد میں بعض

ادردہ عورت قلعہ میں لائی گئی۔ شاہ عالم بادشاہ ہوئے۔ آپ نے اس عورت کو انعام اکرام دیا اور اسے اپنی بہن بنایا۔

اس دن سے یہ بہن جن کا نام دہم کنور تھا قلعہ میں باہن بن کر آئیں اور وہیں۔ انھیں کی خاطر سے ہندوؤں کی ایک

خاص رسم سلوک کی شاہی محل میں پھیل ہوئی۔ یہ پرب سالانہ منایا جاتا اور اس میں کل ہندوانی ریت رسم پڑتا جاتا۔

برسات میں یہ تہوار ہوتا۔ جو لے پڑتے، پینگ بڑھتے، جو لے سگتے، کرٹھانیاں پڑھتیں اور عورتیں پکوان

تھتیں۔ اتنے میں بہن بھی آئیں اور سونے کی ٹکلی میں کچھ ساتھ لاتیں۔ حضور (بادشاہ) تک پہنچتیں اور اپنی قلمی سے بچے

موتیوں کا سمرن نکالتیں۔ اس میں سونے کی گھونٹیاں ہوتیں۔ جھک کر ایک ادا کے ساتھ شاہ عالم کی کلائی میں

اسے بندھتیں۔ بادشاہ مسکراتے اور بہن جی کی پیٹھ پر ہاتھ دھرتے اور ان کی اور اس راکھی بندن کی سلامتی کی

دعا کرتے۔ پھر ان کے ہاتھ میں خود دولت زمرہ کی چوڑیاں پہناتے اور بھائی ہونے کا حق ادا کرتے۔ پھر مثال

وہ شالے بٹتے۔ برہمن بڑھ کر اسیں (دعا) دیتے۔ ہابلی بادشاہ سلامت کی دھوم مچتی، باجے بجتے، تاج رنگ ہوتے،

ساز چھڑتے اور گلے پڑتے۔ محفل اٹھتی، نوشاہ بھائی کے گھر سے دہم کنور بہن ایک شان سے رخصت ہوتیں شہر لوہا

کے جھرمٹ میں مدد دولت تک آئیں اور پھر سوادری میں گھر جاتیں۔

شاہ عالم کے بعد بھی یہ رسم قائم رہی۔ اگر تائی کے وقت میں ان دہم کنور کی بیٹی راکھی بندن باندھنے اور اپنا

نیگ لیتے آئیں۔ بہادر شاہ نے بھی سلوک کو باقی رکھا تھا۔“ (مغل اور اردو، صفحات ۱۵۸-۱۵۹)۔

لے چھاتیوں کے یہاں اس کی رسائی اور تدریسی کا قصہ بہت پرانا اور بہت مشہور ہے۔ کرنل ٹاڈ اسکے

مادی ہیں۔ یہ بھی سن لیجئے۔

سمبت ۱۵۸۹ء یعنی ۱۶۳۲ء میں ہمایوں چند کے قلعہ کا محاصرہ کر رہا تھا۔ یہ مغل اور شیر خاں اسکے

لشکر کے سردار تھے۔ دریا چوت موار خستہ پریشان حال جزیرے آئے۔ سرسیتی مہارانی کی روادنی کا خطاب لیک

راکھی کے پیش کیا۔ نتیجہ ہائیر کی کھج کی ایک مرصع خوبصورت چیز تھی۔ جس میں سونے کی زنجیر لگی تھی اور قیمتی جواہرات

جڑے تھے۔

مستقل باتیں اپنی یادگار چھوڑ گئے تھے۔

عید کے دوسرے دن موضع مڑواڑہ میں ”ٹر“ کا میلہ منایا جاتا تھا۔ اطراف و جوانب کے شرفاء و رؤسا جوق جوق آتے اور لطف و محبت سے باہم ملتے تھے۔ خود شاہزادہ بھی ان کی نرم ہوسرور میں شریک ہوتا۔ سیلے کی رونق اور چل پھل رو درافروں ہوتی جاتی تھی۔ مرزا کے انتقال کے بعد بھی کچھ مدت تک یہ اجتماع باقی و جاری رہا۔ لیکن وہ کیفیت و جمیعت نہیں تھی۔

واقعہ یہ تھا کہ سلطان بہادر شاہ والی حرات اپنے باپ مظفر شاہ تائی کی شکست و تذلیل کا درد لینے کے لئے چنور پر چڑھ آیا تھا۔ مژدہ کا راجہ اس کا حلیف و رفیق تھا۔ ردی خاں کسا دلاور جنرل اس کا سپہ سالار تھا۔ چنور کو پچائے کے واسطے ادھر سے بھی لہندی کا بہادر فرخندہ پانسورہ چوتوں کے ساتھ آیا تھا۔ جھانور کا راجہ سونگر راج، آکوکا کا راجہ دیوراؤ اور بھنگ سور مارا جہا مارا جہا بیچ گئے تھے۔

نوجوان ہمایوں نے اس معزز و نیک نام رانی اور راجپوتوں کے سب سے ممتاز و محترم خاندان کے سردار رانا لودھ سنگھ کی خاموش فریاد اور صدائے استعدا کو سنا۔ چنار کا محاصرہ چھوڑ کر چنور کا رخ کیا۔ چنار گڑھ سے چنور کو پانچ سو میل ہے۔ سارنگ پور پہنچا تھا کہ چنور کی تباہی کی خبر ملی۔ جو ہونا تھا، ہو چکا تھا۔ تاہم ہمایوں نے یایوں کہنے کو ایک مسلمان بادشاہ نے دوسرے مسلمان بادشاہ سے ایک ہندو رئیس پر لشکر کشی اور اُس کے برباد کر ڈالنے کا انتقام لے لیا۔ مژدہ کے قریب، طانہ مالوہ میں ہمایوں اور بہادر شاہ کا سامنا ہوا اور اسی سلسلہ میں بہادر شاہ کی قسمت کا فیصلہ۔ کتنی بے جا اعتبار چھوڑنا!

[تیرنماظ ہو ”اکبر اور سلطنت“ غلیہ کا عروج“ از کرنل میٹلی سن، صفحہ ۱۷۸۔ ج ۱]

لیکن چارے ملک کی قوتوں و وسطے کی تاریخوں میں ایسی مثالیں اور بھی ملتی ہیں۔ جن سے روشن ہوتا ہے کہ صلح و آشتی یا معرکہ آمانیاں مذہبی اختلافات کی وجہ سے نہیں ہو کر فی نفسہ۔ بلکہ اغراض و مقاصد کا اتحاد یا اپنی اپنی ہمتوں اور مصلحتیں ان کی محرک اور باعث ہوتی تھیں۔ عمرِ حاضرہ کے مورخ ہم کو غلط بتاتے اور جمعوت سکھاتے ہیں۔ حسن خاں میوانی نے رانا سنگ رام عرن رانا سنگا کے شریک حال و متحد ہو کر شمشاد پور کا مقابلہ کس جو افروزی سے کیا تھا۔ راجہ بکر ماحیت کو ساتھ لے کر ابراہیم لوری بابر کے خلاف حماد جنگ پر گیا تھا۔ اور پانی پت کے میدان میں دونوں نے ایک ساتھ جان دی تھی۔

موضع ہسونان (پرگنہ جہاں) کے اتر سمت ایک موضع ڈاہی ہے جہاں اندون
 تنبیوں کی آبادی ہے۔ تعلقداران اسراوے کلان کی ملک ہے۔ اس کے شمال جانب ایک
 باغ ہے جس کی چار دیواری اور دکن طرف کا پھانگ بالکل مغلیہ طرز تعمیر کا، شاندار تھا۔
 کہا جاتا ہے کہ زمانہ قیام الہ آباد یعنی اپنی شاہزادی میں شہنشاہ جہاں گیر یہاں ٹہر کر شکار
 کھیلا کرتا تھا۔ وسط باغ میں ایک گنبد دار عمارت بھی اس طرز کی تھی جس کا ذکر اس کتاب
 کے صفحات پر آچکا ہے۔ اس پاس میدان ہے اور آبادی کے ٹیلے سے ملحق، دکن کو ایک
 طویل و عریض جھیل جو مقامی طور پر تال سے موسوم ہے۔ پانچ چھ پشت بعد مرزا
 جہانگیر یہاں پہنچے اور اپنے ہمنام سلف کی یادگار کو از سر نو آباد کیا۔ تازہ رودنی دی۔
 اپنا شکار گاہ بنایا۔ اس وسیع میدان یا رسنہ میں ہرن اور جنگلی جانور رہتے تھے۔ باتیات
 میں وہ قمر علی یا اس کے آثار ابھی قائم ہیں، جن کا عام طور پر ان اطراف کے باشندے اور
 دھقان حوالہ یا نشان دیتے ہیں۔ مرزا جہانگیر یہاں اپنے خیمہ و خرگاہ کے ساتھ تشریف
 لاتے اور قیام و تفریح فرماتے تھے۔ ان کی شہ سواری و چابک دستی کے متعلق اب تک
 بہت سی باتیں زبانوں پر ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ ان کو افسانہ سمجھیں۔ میں کہوں گا کہ
 تذکروں میں اس قسم کی داستانوں اور قصوں کے سوا ہوتا ہی کیا ہے۔ کوئی مدعی دانش
 و ادراک تو ان کو باور ہی نہیں کرتا؛ اور کوئی سادہ دل حسن عقیدت کی ڈالی نذر لاتا ہے،
 نیاز پرستاری پیش کرتا ہے۔ بہر کیف۔ میں تو ان روایات یا تاریخی حکایات کو اس اندیشہ سے
 حوالہ قلم کر رہا ہوں کہ جس طرح لکھے ہوئے واقعات کا بتانے والا (مرزا کارورناچ)
 فاتح یا غائب اور ہمارے دسترس سے باہر ہو گیا ہے، کسی دن ان احوال و احوالِ زبانی کا
 کاسنٹے والا بھی مغفہ دھرت سے ناپید ہو جائے گا۔

خوش اسعادتوں کوئی نہ باقی رکھنا پھر نہ آئے گا کوئی آبلہ پاسی سرے بعد

کہتے ہیں کہ مرزا جہانگیر گھوڑے پر سوار ہو کر کوڑے کی ایک ہی ضرب سے گوزن و آہو کو

گرا دیتے تھے۔ ان کے شکار کو چالنے اور وہاں پہنچنے کا غلغلہ جب بلند ہوتا تو دور دراز موضع سے لوگ سیر و تفریح کے لئے آتے اور دُور دُور کنارے کنارے بیٹھ کر تماشا دیکھتے تھے۔

ان کے گھوڑے کی سواری کی نسبت عجیب و غریب قصے سننے میں آتے ہیں۔ خسرو باغ کی بندوبداریں پسند اگر گھوڑا دوسری طرف کو دالتے تھے۔ سرک اعظم پر جس وقت سواری نکلتی ہو اور بھوسہ، چادرہ وغیرہ کی لدی ہوئی بیل گاڑیاں گزر رہی ہوں جو خوب بھری ہوئی اور اونچی ہوتی ہیں تو حکم تھا کہ راہ سے گاڑیاں ہٹائی نہ جائیں بلکہ تھوڑا تھوڑا فاصلہ دے کر کھڑی ہو جائیں۔ مرزا اپنے کمر بادر کنارے پر سوار ان گاڑیوں کے اوپر سے گھوڑا کو دالتے پسنداتے نکل جاتے تھے۔

شاہانہ فیاضی اور مہمان نوازی کی یہ کیفیت تھی کہ کبھی تنہا نہیں کھاتے تھے۔ صلائے کرم عام تھی۔ اور خوانِ ینما وسیع۔ ہمراہی و تماشائی خواہ کسی مرتبہ و حیثیت کے اور کسی تعداد میں ہوں سب کو وہی کھانا پہنچتا تھا جو شاہزادہ کے سامنے رکھا جاتا تھا۔ مرزا اُس وقت تک خاصہ تناوُل نہیں فرماتے تھے جب تک یہ اطلاع نہیں مل جاتی تھی کہ ہر رفیق و متغس کو کھانا پہنچ گیا ہے۔ اگر اس وقت شاہی دسترخوان پر کچھڑی ہوگی تو وہی چیز اُسی اہتمام و تکلف کی ہر ایک کو پیش کی جائے گی۔

شاہزادہ کی ہیبت و جبروت کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے دل گردے والے ڈرتے اور گھبراتے تھے۔ ایک روز کوئی انگریز شاہزادہ کی اطلاع و اجازت بغیر اسی شکار گاہ میں شکار کھینے چلا آیا۔ دریا بھمن کے کنارے اپنا خیمہ نصب کرایا۔ کوئی شریف زمیندار اتفاقاً اُدھر سے گزرا تو صاحب کو اُس کا آنا ناگوار ہوا۔ اُس کو پکڑا کر خیمہ کی طنابوں اور میخوں سے بندھو دیا۔ اُدھر سزا دینے کے لئے ہنٹر لانے کو خیمہ کے اندر گئے، اُدھر شاہزادہ کے جلوس کے نقارہ پر چوب پڑی۔ [شاہی آداب و آئین کے مطابق آگے آگے اونٹ پر نقارہ چلتا تھا اور زور زور سے بجایا جاتا تھا]۔ صاحب تو فی الفور بہ نفس نفیس جہان کی طرف روانہ و دواں ہو گئے اور طرزِ زمانِ خدمت و ہمراہیان کو حکم دے گئے کہ خیمہ ابھی توڑ کر گھسیٹ لاؤ اور دریا کنارے پہنچاؤ۔ اتنا وقت نہیں ہے نہ فرصت کہ تہ کر کے اُٹھایا جائے۔

اور عزیزِ قریب اس طعنے کو تنگ کرتے جاتے تھے۔ ختمے کے تمام جادوگر کرا سمٹ کر سامنے نشانی زد پر آ جاتے تھے تو ان پر چاروں طرف سے حملہ کر دیا جاتا تھا۔ بہت سے مارے جاتے اور بہت سے زندہ پکڑ لئے جاتے تھے۔ روایہ و اُہو و عورت

پُر تکلف و خوش رنگ لباس کے دل دادہ تھے۔ ایک رنگر زعفران شناس تھا، جو انعامات و بخشش سے مالا مال رہتا تھا۔ فرمایش ہوتی کہ ایسا کپڑا رنگ کر لاؤ جو بظاہر سفید ہو لیکن اگر اتنی نہیں کر دی جائیں تو فلاں رنگ پیدا ہو اور اتنی تھیں ہوں تو فلاں رنگ معلوم ہو۔ یہ ہنرمند اگر پسند کے قابل چیز تیار کر لے گا تو اُس کی قدر دانی در بخشی و در پاشی کا کیا ٹھکانا ہوتا کہ روزِ خلافت مرضی چون پراستی ہی قجیاں بھی عنایت ہوتی تھیں۔

مرزا قتل کھتے ہیں کہ شاہزادہ جہانگیر انگریزی لباس پہنتے تھے۔ سر پر کسی جانور کے پر لگاتے تھے جو ارغوانی رنگ کے ہوتے تھے۔ ان کے چار رفیق یا مصاحب بھی اسی وضع و پشت میں رہتے تھے۔^۱ الہ آباد والوں نے شاہزادہ کے مرنے کا بڑا ماتم کیا اور انہو اندوہ کے ساتھ تاریخیں لکھی تھیں۔ ادیماتِ مقل اور مفتاح التواریخ سے چند قطعے نقل کئے جاتے ہیں۔

چوں چہل سالدار ابنِ اکبر بادشاہ ^(۱)	در جہاں بادا نش و باداد گشت
از قدم آں درِ بحرِ کرم ما	روئی شہرِ الہ آباد گشت
آں چنان بہساد خوانِ فیض را	ہر یک از فکرِ مساش آزا گشت
چوں زسی یکسال عمرش شد قزو	طبع او از زندگی ناشاد گشت
نیمہ زد در منزلِ جنت سرا	ایں پہ از دورِ فلک بیداد گشت
عالے شد در غمش چندان اسیر	نام شادی از جہاں برباد گشت
ابر آمد در عسرا گریہ کنان	بر فلک ہم مانے ایباد گشت
از پئے تاریخِ فوتِ او دم ما	ہر طرف بانالہ و فساد گشت

شد میاں ایں مصرع از ترکیب آف

حیعت بے رونقِ الہ آباد گشت

سنہ ۱۲۰۷ھ = ۱۸۲۲ء

(۱) شہنشاہِ عالمگیری نے مرزا کوئی چوند روز بچاؤ تھا (موقوفہ) ۱۷۴۷ء و نجات ۱۷۴۸ء لکھنؤ، ص ۸۷۔ ۱۷۴۸ء جہاندار لکھتے ہیں، جہانگیر نہیں۔ سنہ نامی۔

بچوں از جہاں برفت جہانگیر میرزا نورنگاؤ اکبر دوسلار دوسرا
شد خانہ عزائمش دارِ سلطنت ماہ محروں شد از دفاتِ دے آن ظلِ کبریا

تاریخِ قوتِ او بظہورِ آمدہ چنیں

از کانِ شاہِ رفت زہے لعلِ نیہا

۱۲۳۷ھ

جہانگیر شہزادہ بچوں از جہاں (۳) بشہزادگی دل بہ برداشتہ
بسج فنا شہبِ عزمِ راندہ بجگشتِ حینتِ عنانِ تافتہ
چہ شورِ قیامتِ فضاں درغش بردے زماں آہِ برخاستہ
بہ ہاتھ بگتتم کہ کلکِ سید چہ تاریخِ فوٹس رقمِ ساختہ

بدیں گوئے گفتہ کبے پائے سید

بکلکِ بقا سلطنتِ یافتہ

۱۲۳۷ = ۱۲۴۰

از گردشِ چرخِ ستم ایجاد چرا شد + کاں خیزِ زمانی (۴)

افسوس کہ عازمِ سوے فردوسِ شہر + درینِ جوانی

تاریخِ دے از کلکِ قضائشی تقدیر + بر لوحِ محفوظ
بنوشت "جہانگیر جہاندار بقا شد + از منزلِ فانی" لے

۱۲۳۷ = ۱۲۴۰ + ۹۹۰

بوڑھوں سے سنا ہوا ان کے بوڑھوں کا دیکھا ہوا لگتا ہوں۔ مرزا جہانگیر کو جب دہلی لے چلے
ہیں تو نمازِ جنازہ جامع شاہجہانی (ممرۃ نواب شاہستہ خاں) میں پڑھی گئی تھی۔ شاہزادہ کے آخری

لے ابرہاق مثل۔ مفتاح التواریخ، صفحہ ۵۷۱۔

نظارے کیلئے ہزاروں لاکھوں آنے والوں سے قلعہ کالوق و دوق میدان بھرا ہوا تھا جسقدر از و حام ہر ایک طبقہ و جماعت کے لوگوں کا اُس روز ہوا تھا پھر کبھی دیکھایا سنا نہیں گیا۔ اور جو ماتی باجا اُس وقت بجایا گیا تھا اُس کے درد انگیز ترانے اور دلہ وز تانیں ان ثقہ و متین بزرگوں کے کانوں اور دل و دماغ میں ان کے آخر دم تک گونجتی رہی تھیں۔

باز ہوا ہے چنم آرزو دست۔ سید کمال الدین حیدر متوسل دربار لکھنؤ نے گورنمنٹ ہند کے سیکرٹری اعظم (نامور مورخ) سر ہنری ایلیٹ کے ایماء سے ۱۸۷۷ء میں ہوائی سلاطین اودھ کے نام سے ایک مبسوط تاریخ لکھی تھی۔ بقول اُن کے ڈاکٹر اسپر بنجر محاذ کتب خانہ شاہی، کرنل و لکاکس تہم ر صد خانہ سلطانی، گلنٹ صاحب منتظم کالج جہل مارٹن اور جنرل سلی مین رزیدنٹ نے اُس کو دیکھا اور پسند فرمایا تھا۔ مرزا جہانگیر کا لکھنؤ جانا اور پھر وہاں سے ہٹایا جانا ان کی یاد اور ان کے سامنے کی بات ہے۔ کتاب مذکور کی اردو ایڈیشن میں ”درد و مرزا جہانگیر شاہزادہ دہلی کے عنوان سے فرماتے ہیں۔ ۱۵

محمد اکبر شاہ بادشاہ دلی مرزا جہانگیر شاہزادہ کو بہت چاہتے تھے کہ عبت پوری سے حالت تشن تھی۔ اس جہت سے جو اُن سے حرکت خلان منزلت شاہی یا محبت بد کی جہت سے سرزد ہوتی تھی اُسے ازراہ محبت عفو فرما کر دروہی سے سمجھاتے رہتے تھے۔ جب تاثیر محبت غیر جنس سے اُن کے حرکات ناشائستہ بڑے۔ سیٹن صاحب رزیدنٹ دربار شاہی میں ہر صبح حاضر ہوتے تھے اُن کی نسبت بھی حرفہاے خلان و نامتول کہنے لگے۔ اُن کو دیکھ کے ملازم ”لوہو ہے“ کہا کرتے تھے۔ آخر تنگ ہو کر صاحب نے بادشاہ سے عرض کیا کہ شاہزادے سے حرکات خلان منزلت شاہی سرزد ہوتے ہیں، مبادا ان سے کوئی ایسا امر خلان ہو جس کی اصلاح بہت دشوار ہو موجب توہین ہو، لہذا اگر صاحب عالم بہادر چند بطریق تفرج مثل حضرت علی علیحداری ملکیت شریہ میں رہیں غالب ہے کہ اصلاح حال ہو جائے۔ بادشاہ نے پھر انھیں سمجھایا اُن کی وفادارت بہت شاق تھی چنہ تامل فرمایا مگر لاڈ لائیاں کب سنتا ہے۔ غلامہ انھیں الفاظ کی ایک بیعت ”لوہو سنتے سنتے ایک دن شاہزادہ بہادر نقار خانے پر کھڑے تھے پیچھے ہاتھ میں تھا، رہیٹھے۔ صاحب دربار سے باہر نکلتے تھے۔ گولی کنارہ ٹوپی سے جو کر نکلی گئی اسوقت

صاحب زہیں کھڑے ہو گئے توپ منگو اکر سر دروازہ افکار خانہ سے دیوان عام تک توپ مارتے چلے گئے۔ بادشاہ سب ملازمین کو حکم قطعی فرمایا کہ ہر شخص اپنے مقام پر شل تصویر کھڑا رہے۔ جس طرح سے صاحب آتے ہیں آنے دو۔ صاحب عالم بہادر کشتی پر سوار ہو پار دیا کے بادشاہ کے پاس جا کر چھپے۔ صاحب ریڈنٹ تنہا کشتی پر سوار ہو حاضر حضور شاہی ہوئے۔ عرض کی آپ حضرت صاحب عالم کو ہمارے سپرد فرمائیں۔ بادشاہ نے شاہزادے کا ہاتھ اٹکے ہاتھ میں دیکر فرمایا انھیں تعلیم و تربیت کے واسطے تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ صاحب انھیں اپنے ساتھ قلعہ کے باہر لیکر چلے آئے۔

اُس دن شاہزادہ باہر شہر کے رہا۔ دو چار دن میں سامان ضروری شاہانہ درست کر کے روانہ مملداری سرکار ہوئے۔ ہزار آدمی کی جمیعت لشکر اور سلمان ہاتھی گھوڑا وغیرہ سب درست ہو گیا۔ ناکہ خیال میں آیا کہ پہلے لکھنؤ میں وزیر اعظم کے پاس چلے اور وہاں کا عیش و نشاط دیکھئے جو مشہور آفاق ہے۔ اہل محبت جو اس طریق کے جمع ہو گئے تھے وہ بھی غنیمت سمجھے۔ کس واسطے کہ لکھنؤ پر سب زہر کھائے ہوئے تھے۔ بادشاہ نے وقت رواں لکھا بھیجا تھا کہ اگر لکھنؤ جانے کا اتفاق ہو تو وزیر اعظم کا بہت پاس خاطر رکھنا کس واسطے کہ ہمیشہ سے قرب منزلت اُن کی اس سلطنت میں رہی ہے۔ عرض جناب عالی نے خبر آمد کہ شاہزادہ داخلہ لکھنؤ کی سُنی بہت خوش ہوئے اور مزید عزت و تعارف سمجھ کر متعین ریڈنٹ کر نل جان پیلی صاحب مرزا سلیمان شکوہ مرزا سکندر شکوہ شاہزادے بڑی دعووم و دھام سے تاکہ شہر تک استقبال کو گئے اور شہر میں چوک کی بڑی طیاری کی۔ کوچہ و بازار دھام تماشائیوں سے بھر گیا۔ جناب عالی نے ایک سو اشرفی نذر گزرائی عرض کی آج حضور کی بدولت منصب آیاتی تدبیر خواصی نشینی بعد ایک مدت العمر کے پھر حاصل ہو گئی۔ شاہزادے نے ہاتھ پکڑ کر اپنے پہلو جانب چپ بٹھا لیلہ برج سعادت میں قرآن السعدین ظاہر ہوا۔ نظر خاص و عام میں بھی جلوہ افروزی ہوئی۔ شہر میں اشار زار کرتے ہوئے داخل نہج بخش ہوئے۔ لشکر سلامی توپ ہوئی۔ لباس شاہزادہ انگریزی سر پر لمبی کالی ٹوپی ترکمانی ولایتی زیب کر، چڑچوان حقہ نیلبان ہاتھی کے ماتھے پر رکھے اُس کا بیج شاہزادے کے ہاتھ میں ہر طرف نجوم عام کو دیکھتے ہوئے بد چالے پانی کے کشتیاں تدر کی دیں۔ چار گھوڑے کی گاڑی اُس پر سوار ہو کر پسند باغ میں داخل ہوئے دو سو روپے کا خاصہ طعام معین ہوا۔ شیخ امام بخش دکیل، لاس علی خاں مروہ سن صاحب لیاقت ہہتمم بجا آوری خدمت مقرر ہوئے۔

دوسرے دن جناب عالی مع صاحب ریڈنٹ اور مرشد زادے دامر کے حاضر ہوئے۔ بعد چائے پانی کے سب کی ندریں برائے گذریں۔ جب وقت خلعت آیا شیخ امام بخش نے ازرا وطن مرزا جعفر سے کہا وزیراعظم کو خلعت پہنوا دیں۔ صاحب ریڈنٹ کے واسطے آپ نے کونسا خلعت تجویز کیا ہے۔ یہ سُن کر لا جواب ہوئے۔ جناب عالی کو پارچہ خلعت ہونے لگا۔ ہر پارچہ پر جناب عالی آداب گاہ پر جا کر آداب بجالاتے تھے۔ نذر دیتے تھے۔ انسوس ہے اس دن تک خاندان طنجویہ کا یہ مرتبہ تھا۔ ظاہر حال سب آداب شاہی باقی رہا تھا۔ صاحب ریڈنٹ کا بیچ خطاب اُسی سلطنت سے ملتا تھا۔ عماد الدولہ افضل اللک مہر جان بلی صاحب بہادر سراں جنگ نواب گورنر جنرل بہادر کو بھی خطاب زمان لاؤڈ مایر سے سب موتوں ہو گیا۔ غرض جب نوبت خلعت صاحب ریڈنٹ پہنچوئی فقط دو سالہ ورد مال کا حکم چلا۔ جناب عالی نے عرض کیا پانچ پارچہ عنایت فرمائیے صاحب نے نادانستگی سے چاہا کہ مثل وزیراعظم میں بھی ہر پارچہ خلعت پر نذر دے کر آداب گاہ پر آداب بجالاؤں۔ خواص شاہی نے کہا کہ یہ مختص رتبہ وزیراعظم کا ہے۔ تمہارا رتبہ نہیں ہے۔ یہ سُنتے ہی کیسا انفعال صاحب کو ہوا اور اپنے آج کے آپنے پر بہت شرمندہ ہوئے۔

غرض جناب عالی ہر روز ہر قسم کے دایا و تحائف بطیب خاطر بھیجتے تھے اور ہر تن مصروف تھے اور بدل منظور تھا کہ انکی ایسی خدمت سب طرح سے کیجئے کہ باعث خوشی دلی بادشاہ ہو بلکہ رنج کو دور تھا۔ ماضیہ ہوا اور بادشاہ کے بھی متواتر شے شاہزادے کو آتے تھے کہ خبردار کوئی امر خلافت وزیر نہ کرنا۔ شاہزادہ عالم یہ کب ایسی بات سُنتے تھے۔ اشرف علی خاں ایک شخص ستار خوب بچا تھا اُسے اپنا وزیراعظم کیا تھا اُسے جناب عالی کی خبر کو بھیجتے تھے۔ جناب عالی انکی آمد کو سُکر سُکتے تھے۔ یہ سلام علیک ہمسری کہتے تھے۔ بہت ناگوار ہوتا تھا۔ شاہزادے ہر صبح گھوڑے پر سوار گلی کوچوں میں بے تحاشا دوڑاتے جاتے تھے۔ اکثر عورتیں موکل جاتے تھے۔ غصہ میں بو بکرا لیکر گھوڑا پھیرنے لگے۔ دسترخوان پر عیب صحبت ہوتی تھی۔ ایک دن شیخ امام بخش نے انتظام کر کے عرض کیا۔ بہت خوش ہوئے۔ ارباب نشاط حاضر رہتے تھے غرض شہر شہب حید صبح نوروز تھی۔ جناب عالی کو پرچہ اخبار جب ایسے گزرتے تھے۔ انسوس کہہ کر دیکھتے تھے۔ قصہ متضمر شاہزادہ عالم ایک کسی سماء دلمری جوانی میں بہت نامور تھی اُس پر عاشق ہوئے اور اُسے داخل محل کیا۔ اپنے عم نامدار مرزا جواں بخت کا

لے شاہزادہ کے سلسلہ ملازمت کے قطع ہو جانے پر (بہرہ قادی الیہ میں حیدر بادشاہ کھنڈ) دو دنوں کی بیگ ستم شاہی کا مقرب ہو گیا تھا۔ کلکتہ پہنچ کر دو دنوں نے فکر خود کو قتلے ناز و نیاز اور دفر سفارت کو غرق نہ بنے ناب کروید۔ [تو ادب خ سلطین اودہ، صفحہ ۲۴۰، بعد ازل۔]

درتہ پایا۔ جب یہ موت ہوئی، خانبغاالی نے بڑے صاحب سے کہلا بھیجا کہ اہلوار شاہزادے کے شاہجہاں آباد سے بھی یہاں زیادہ جوتے ہیں۔ ہم پاس آداب شاہی سے مجبور ہیں۔ ایسا نہ ہوا نکلی کسی حرکت سے عبت بٹ نہ دست و جباب بادشاہ سے ہو۔ مناسب ہے کہ اب صاحب عالم بہادر مملکت سرکار میں سیر و سیاحت کریں تو بہتر ہے۔ صاحب زید ٹنٹ پیشتر سے خار کھا گئے تھے۔ حکم عطی کہلا بھیجا۔ اسی دن پردہ شب میں سوار ہو کر الہ آباد چلے گئے۔ سلطان خسرو کے باغ میں مقیم ہوئے۔ یہاں کوئی خبر بھی نہ ہوا۔ بلکہ سب کو غنیمت ہوا۔ عافیت سب کی تنگ ہو گئی تھی۔ پانچ ہزار روپے ماہوری گورنمنٹ سے خرچ کو ملتے تھے۔ از بسکہ بادشاہ اور نواب ممتاز محل انکی محبت پوری و ماہوری حد سے زیادہ تھی برضا مندی صاحب زید ٹنٹ پھر دلی تشریف لیگے۔ ٹیڈو قیام چند روز کے اُس سے زیادہ حرکات خلان شروع ہوئے۔ آخر ماں باپ نے لاچار ہو کر پھر صاحب زید ٹنٹ سے کہا کہ ان کے حرکات جنوں اُس سے زیادہ بڑھتے جلتے ہیں۔ ہمارے واسطے موجب تعین ہو چکا ہے۔ یہ کچھ متنبہ نہ ہوئے۔ مبادا پھر کوئی ایسی حرکت کریں گے۔ لہذا مناسب حال ان کا رہنا تمھاری عمارت میں بہتر ہے۔ بڑے صاحب نے عرض کی کہ سیٹن صاحب کے اختیار سے صاحب کی مراجعت دلی کو ہوئی مگر اب ہمارے حکم و تجویز سے جائیں گے مراجعت نہ ہو سکے گی۔ اس جہت سے پھر الہ آباد آئے۔ دائم الخمر رہتے تھے۔ آؤ اسی بخودی میں ایک دن ہستے ہستے دنیائے سفر کر گئے۔ جنازہ روانہ دلی ہوا۔ جب داخل شہر ہوا جلوس شاہی ساتھ ہوا۔ ملازمین شاہی اور معلم مردم شہر وضع و شریف ساتھ تھے۔ شہنا نوازوں نے یہ شمر اپنے مضامین میں شروع کیا ہے

سرد سیمینا تو تنہا میروی سخت بے مہری کہ بے مایروی ما

اس پر بخودی سے سب روئے تھے کہ حسب حال تھا۔ تین دن تک ماں باپ نے کہا نہ کھایا نہ کھڑا حجرہ خلوت سے باہر نہ نکلے۔ آخر بڑے صاحب نے آکر سمجھایا اور کلمات صبر عرض کیے بدستور پھر دربار ہونے لگا۔

ملہ مرزا چاند ارشاہ عرف مرزا جواں بخت (صفحہ ۲۲۶ نوٹ ۴) کو زمانہ قیام کلکتہ میں ایک آئینہ شہر رقاصہ ”جھلیا“ نام سے تشن و تعلق ہو گیا تھا۔ نواب آصف الدولہ نے روک ٹوک کر ناچا ہی تو شاہزادہ نے لاڑ و ہسٹنگز سے التجائی کہ ”مجھے نواب بھائی سے تم جھلیا کو دلا دو“ یہ کامیاب ہوئے، وہ محل میں داخل۔ نواب جہان آبادی خط طلب ملا۔ شاہزادہ عالی قدر اسی کے بطن سے تھا۔ سید کمال الدین حیدر نے اس داستان حسن و عشق کو تو اس طرح اودھ میں مزے لے لے کر لکھا ہے۔ (جلد اول، صفحات ۱۱۰ و ۱۱۱ و ۱۱۲)۔ ملہ مرزا میر ہو ناچا ہے کتابت کی غلطی ہے۔

اعتراف۔ حقیقتِ تاریخ

ان اوراق میں میں نے بارہا تاریخ اور تاریخ لکھنے والوں کا نام لیا اور اکثر جگہ اُن کا حوالہ دیا ہے۔ یہاں فنِ تاریخ، اُسکی تعریف و تفصیل، سیرت و تذکرہ پر تفصیل یا اُس کے بیسویں علمی شعبوں سے اجمالاً بحث چھیڑنا مقصود نہیں ہے۔ بلکہ ایک حقیقت کا جتا دینا، اسی کے ساتھ اپنے معقدات سے آگاہ کر دینا مد نظر ہے۔

دینا جانتی ہے کہ تاریخ کا شریف فن بزرگانِ عرب اور مسلمانوں کا ارث اور اُن کے افتخار و مہابت کا سرچوش چشمہ ہے۔ سب سے پہلے انھیں نے آفرینشِ عالم، کم از کم رسول مقبول صلعم کی بعثت سے چودہ سہ ہزار برس پیشتر تک کے واقعات فراہم و یکجا کر کے اُن کی تنقید و تصحیح فرمائی۔ معینِ اصول پر ترتیب دی۔ تدوین کی۔ جس جس قسم کی تاریخی شہادتیں موجود پائیں اُن کا استعلا و استقصاء فرمایا۔ فصیح عرب نے تاریخ کے معنی دو جامع و مانع کلموں میں بتائے تھے۔ تَعْرِيفُ الْوَقْتِ یعنی وقت کی پہچان کرنا ان حضرات نے اپنے علمِ تاریخ کی بنیاد صدق و راستی پر قائم کی تھی اور اسی سچ کی پابندی کے لئے تکیہ کرتے رہے۔ یہی انکے سلفِ صالح اور اکابرِ دین و ملت کا شیوہِ حسنہ تھا۔ خدائے برتر و

ملہ عروجِ اسلام کے زمانہ میں یورپ کے بادشاہ بھی جو تحائف و ہدایا مسلمان سلاطین کو بھیجا کرتے تھے ان میں انکے علمی مذاق و قدر شناسی کی رعایت سے زیادہ تر علمی نوادر ہوتے تھے۔ اربانیوس ۷۷۷ء - ۸۰۵ء - ۸۱۰ء - ۸۱۵ء - ۸۲۰ء - ۸۲۵ء - ۸۳۰ء - ۸۳۵ء - ۸۴۰ء - ۸۴۵ء - ۸۵۰ء - ۸۵۵ء - ۸۶۰ء - ۸۶۵ء - ۸۷۰ء - ۸۷۵ء - ۸۸۰ء - ۸۸۵ء - ۸۹۰ء - ۸۹۵ء - ۹۰۰ء - ۹۰۵ء - ۹۱۰ء - ۹۱۵ء - ۹۲۰ء - ۹۲۵ء - ۹۳۰ء - ۹۳۵ء - ۹۴۰ء - ۹۴۵ء - ۹۵۰ء - ۹۵۵ء - ۹۶۰ء - ۹۶۵ء - ۹۷۰ء - ۹۷۵ء - ۹۸۰ء - ۹۸۵ء - ۹۹۰ء - ۹۹۵ء - ۱۰۰۰ء - ۱۰۰۵ء - ۱۰۱۰ء - ۱۰۱۵ء - ۱۰۲۰ء - ۱۰۲۵ء - ۱۰۳۰ء - ۱۰۳۵ء - ۱۰۴۰ء - ۱۰۴۵ء - ۱۰۵۰ء - ۱۰۵۵ء - ۱۰۶۰ء - ۱۰۶۵ء - ۱۰۷۰ء - ۱۰۷۵ء - ۱۰۸۰ء - ۱۰۸۵ء - ۱۰۹۰ء - ۱۰۹۵ء - ۱۱۰۰ء - ۱۱۰۵ء - ۱۱۱۰ء - ۱۱۱۵ء - ۱۱۲۰ء - ۱۱۲۵ء - ۱۱۳۰ء - ۱۱۳۵ء - ۱۱۴۰ء - ۱۱۴۵ء - ۱۱۵۰ء - ۱۱۵۵ء - ۱۱۶۰ء - ۱۱۶۵ء - ۱۱۷۰ء - ۱۱۷۵ء - ۱۱۸۰ء - ۱۱۸۵ء - ۱۱۹۰ء - ۱۱۹۵ء - ۱۲۰۰ء - ۱۲۰۵ء - ۱۲۱۰ء - ۱۲۱۵ء - ۱۲۲۰ء - ۱۲۲۵ء - ۱۲۳۰ء - ۱۲۳۵ء - ۱۲۴۰ء - ۱۲۴۵ء - ۱۲۵۰ء - ۱۲۵۵ء - ۱۲۶۰ء - ۱۲۶۵ء - ۱۲۷۰ء - ۱۲۷۵ء - ۱۲۸۰ء - ۱۲۸۵ء - ۱۲۹۰ء - ۱۲۹۵ء - ۱۳۰۰ء - ۱۳۰۵ء - ۱۳۱۰ء - ۱۳۱۵ء - ۱۳۲۰ء - ۱۳۲۵ء - ۱۳۳۰ء - ۱۳۳۵ء - ۱۳۴۰ء - ۱۳۴۵ء - ۱۳۵۰ء - ۱۳۵۵ء - ۱۳۶۰ء - ۱۳۶۵ء - ۱۳۷۰ء - ۱۳۷۵ء - ۱۳۸۰ء - ۱۳۸۵ء - ۱۳۹۰ء - ۱۳۹۵ء - ۱۴۰۰ء - ۱۴۰۵ء - ۱۴۱۰ء - ۱۴۱۵ء - ۱۴۲۰ء - ۱۴۲۵ء - ۱۴۳۰ء - ۱۴۳۵ء - ۱۴۴۰ء - ۱۴۴۵ء - ۱۴۵۰ء - ۱۴۵۵ء - ۱۴۶۰ء - ۱۴۶۵ء - ۱۴۷۰ء - ۱۴۷۵ء - ۱۴۸۰ء - ۱۴۸۵ء - ۱۴۹۰ء - ۱۴۹۵ء - ۱۵۰۰ء - ۱۵۰۵ء - ۱۵۱۰ء - ۱۵۱۵ء - ۱۵۲۰ء - ۱۵۲۵ء - ۱۵۳۰ء - ۱۵۳۵ء - ۱۵۴۰ء - ۱۵۴۵ء - ۱۵۵۰ء - ۱۵۵۵ء - ۱۵۶۰ء - ۱۵۶۵ء - ۱۵۷۰ء - ۱۵۷۵ء - ۱۵۸۰ء - ۱۵۸۵ء - ۱۵۹۰ء - ۱۵۹۵ء - ۱۶۰۰ء - ۱۶۰۵ء - ۱۶۱۰ء - ۱۶۱۵ء - ۱۶۲۰ء - ۱۶۲۵ء - ۱۶۳۰ء - ۱۶۳۵ء - ۱۶۴۰ء - ۱۶۴۵ء - ۱۶۵۰ء - ۱۶۵۵ء - ۱۶۶۰ء - ۱۶۶۵ء - ۱۶۷۰ء - ۱۶۷۵ء - ۱۶۸۰ء - ۱۶۸۵ء - ۱۶۹۰ء - ۱۶۹۵ء - ۱۷۰۰ء - ۱۷۰۵ء - ۱۷۱۰ء - ۱۷۱۵ء - ۱۷۲۰ء - ۱۷۲۵ء - ۱۷۳۰ء - ۱۷۳۵ء - ۱۷۴۰ء - ۱۷۴۵ء - ۱۷۵۰ء - ۱۷۵۵ء - ۱۷۶۰ء - ۱۷۶۵ء - ۱۷۷۰ء - ۱۷۷۵ء - ۱۷۸۰ء - ۱۷۸۵ء - ۱۷۹۰ء - ۱۷۹۵ء - ۱۸۰۰ء - ۱۸۰۵ء - ۱۸۱۰ء - ۱۸۱۵ء - ۱۸۲۰ء - ۱۸۲۵ء - ۱۸۳۰ء - ۱۸۳۵ء - ۱۸۴۰ء - ۱۸۴۵ء - ۱۸۵۰ء - ۱۸۵۵ء - ۱۸۶۰ء - ۱۸۶۵ء - ۱۸۷۰ء - ۱۸۷۵ء - ۱۸۸۰ء - ۱۸۸۵ء - ۱۸۹۰ء - ۱۸۹۵ء - ۱۹۰۰ء - ۱۹۰۵ء - ۱۹۱۰ء - ۱۹۱۵ء - ۱۹۲۰ء - ۱۹۲۵ء - ۱۹۳۰ء - ۱۹۳۵ء - ۱۹۴۰ء - ۱۹۴۵ء - ۱۹۵۰ء - ۱۹۵۵ء - ۱۹۶۰ء - ۱۹۶۵ء - ۱۹۷۰ء - ۱۹۷۵ء - ۱۹۸۰ء - ۱۹۸۵ء - ۱۹۹۰ء - ۱۹۹۵ء - ۲۰۰۰ء - ۲۰۰۵ء - ۲۰۱۰ء - ۲۰۱۵ء - ۲۰۲۰ء - ۲۰۲۵ء - ۲۰۳۰ء - ۲۰۳۵ء - ۲۰۴۰ء - ۲۰۴۵ء - ۲۰۵۰ء - ۲۰۵۵ء - ۲۰۶۰ء - ۲۰۶۵ء - ۲۰۷۰ء - ۲۰۷۵ء - ۲۰۸۰ء - ۲۰۸۵ء - ۲۰۹۰ء - ۲۰۹۵ء - ۲۱۰۰ء - ۲۱۰۵ء - ۲۱۱۰ء - ۲۱۱۵ء - ۲۱۲۰ء - ۲۱۲۵ء - ۲۱۳۰ء - ۲۱۳۵ء - ۲۱۴۰ء - ۲۱۴۵ء - ۲۱۵۰ء - ۲۱۵۵ء - ۲۱۶۰ء - ۲۱۶۵ء - ۲۱۷۰ء - ۲۱۷۵ء - ۲۱۸۰ء - ۲۱۸۵ء - ۲۱۹۰ء - ۲۱۹۵ء - ۲۲۰۰ء - ۲۲۰۵ء - ۲۲۱۰ء - ۲۲۱۵ء - ۲۲۲۰ء - ۲۲۲۵ء - ۲۲۳۰ء - ۲۲۳۵ء - ۲۲۴۰ء - ۲۲۴۵ء - ۲۲۵۰ء - ۲۲۵۵ء - ۲۲۶۰ء - ۲۲۶۵ء - ۲۲۷۰ء - ۲۲۷۵ء - ۲۲۸۰ء - ۲۲۸۵ء - ۲۲۹۰ء - ۲۲۹۵ء - ۲۳۰۰ء - ۲۳۰۵ء - ۲۳۱۰ء - ۲۳۱۵ء - ۲۳۲۰ء - ۲۳۲۵ء - ۲۳۳۰ء - ۲۳۳۵ء - ۲۳۴۰ء - ۲۳۴۵ء - ۲۳۵۰ء - ۲۳۵۵ء - ۲۳۶۰ء - ۲۳۶۵ء - ۲۳۷۰ء - ۲۳۷۵ء - ۲۳۸۰ء - ۲۳۸۵ء - ۲۳۹۰ء - ۲۳۹۵ء - ۲۴۰۰ء - ۲۴۰۵ء - ۲۴۱۰ء - ۲۴۱۵ء - ۲۴۲۰ء - ۲۴۲۵ء - ۲۴۳۰ء - ۲۴۳۵ء - ۲۴۴۰ء - ۲۴۴۵ء - ۲۴۵۰ء - ۲۴۵۵ء - ۲۴۶۰ء - ۲۴۶۵ء - ۲۴۷۰ء - ۲۴۷۵ء - ۲۴۸۰ء - ۲۴۸۵ء - ۲۴۹۰ء - ۲۴۹۵ء - ۲۵۰۰ء - ۲۵۰۵ء - ۲۵۱۰ء - ۲۵۱۵ء - ۲۵۲۰ء - ۲۵۲۵ء - ۲۵۳۰ء - ۲۵۳۵ء - ۲۵۴۰ء - ۲۵۴۵ء - ۲۵۵۰ء - ۲۵۵۵ء - ۲۵۶۰ء - ۲۵۶۵ء - ۲۵۷۰ء - ۲۵۷۵ء - ۲۵۸۰ء - ۲۵۸۵ء - ۲۵۹۰ء - ۲۵۹۵ء - ۲۶۰۰ء - ۲۶۰۵ء - ۲۶۱۰ء - ۲۶۱۵ء - ۲۶۲۰ء - ۲۶۲۵ء - ۲۶۳۰ء - ۲۶۳۵ء - ۲۶۴۰ء - ۲۶۴۵ء - ۲۶۵۰ء - ۲۶۵۵ء - ۲۶۶۰ء - ۲۶۶۵ء - ۲۶۷۰ء - ۲۶۷۵ء - ۲۶۸۰ء - ۲۶۸۵ء - ۲۶۹۰ء - ۲۶۹۵ء - ۲۷۰۰ء - ۲۷۰۵ء - ۲۷۱۰ء - ۲۷۱۵ء - ۲۷۲۰ء - ۲۷۲۵ء - ۲۷۳۰ء - ۲۷۳۵ء - ۲۷۴۰ء - ۲۷۴۵ء - ۲۷۵۰ء - ۲۷۵۵ء - ۲۷۶۰ء - ۲۷۶۵ء - ۲۷۷۰ء - ۲۷۷۵ء - ۲۷۸۰ء - ۲۷۸۵ء - ۲۷۹۰ء - ۲۷۹۵ء - ۲۸۰۰ء - ۲۸۰۵ء - ۲۸۱۰ء - ۲۸۱۵ء - ۲۸۲۰ء - ۲۸۲۵ء - ۲۸۳۰ء - ۲۸۳۵ء - ۲۸۴۰ء - ۲۸۴۵ء - ۲۸۵۰ء - ۲۸۵۵ء - ۲۸۶۰ء - ۲۸۶۵ء - ۲۸۷۰ء - ۲۸۷۵ء - ۲۸۸۰ء - ۲۸۸۵ء - ۲۸۹۰ء - ۲۸۹۵ء - ۲۹۰۰ء - ۲۹۰۵ء - ۲۹۱۰ء - ۲۹۱۵ء - ۲۹۲۰ء - ۲۹۲۵ء - ۲۹۳۰ء - ۲۹۳۵ء - ۲۹۴۰ء - ۲۹۴۵ء - ۲۹۵۰ء - ۲۹۵۵ء - ۲۹۶۰ء - ۲۹۶۵ء - ۲۹۷۰ء - ۲۹۷۵ء - ۲۹۸۰ء - ۲۹۸۵ء - ۲۹۹۰ء - ۲۹۹۵ء - ۳۰۰۰ء - ۳۰۰۵ء - ۳۰۱۰ء - ۳۰۱۵ء - ۳۰۲۰ء - ۳۰۲۵ء - ۳۰۳۰ء - ۳۰۳۵ء - ۳۰۴۰ء - ۳۰۴۵ء - ۳۰۵۰ء - ۳۰۵۵ء - ۳۰۶۰ء - ۳۰۶۵ء - ۳۰۷۰ء - ۳۰۷۵ء - ۳۰۸۰ء - ۳۰۸۵ء - ۳۰۹۰ء - ۳۰۹۵ء - ۳۱۰۰ء - ۳۱۰۵ء - ۳۱۱۰ء - ۳۱۱۵ء - ۳۱۲۰ء - ۳۱۲۵ء - ۳۱۳۰ء - ۳۱۳۵ء - ۳۱۴۰ء - ۳۱۴۵ء - ۳۱۵۰ء - ۳۱۵۵ء - ۳۱۶۰ء - ۳۱۶۵ء - ۳۱۷۰ء - ۳۱۷۵ء - ۳۱۸۰ء - ۳۱۸۵ء - ۳۱۹۰ء - ۳۱۹۵ء - ۳۲۰۰ء - ۳۲۰۵ء - ۳۲۱۰ء - ۳۲۱۵ء - ۳۲۲۰ء - ۳۲۲۵ء - ۳۲۳۰ء - ۳۲۳۵ء - ۳۲۴۰ء - ۳۲۴۵ء - ۳۲۵۰ء - ۳۲۵۵ء - ۳۲۶۰ء - ۳۲۶۵ء - ۳۲۷۰ء - ۳۲۷۵ء - ۳۲۸۰ء - ۳۲۸۵ء - ۳۲۹۰ء - ۳۲۹۵ء - ۳۳۰۰ء - ۳۳۰۵ء - ۳۳۱۰ء - ۳۳۱۵ء - ۳۳۲۰ء - ۳۳۲۵ء - ۳۳۳۰ء - ۳۳۳۵ء - ۳۳۴۰ء - ۳۳۴۵ء - ۳۳۵۰ء - ۳۳۵۵ء - ۳۳۶۰ء - ۳۳۶۵ء - ۳۳۷۰ء - ۳۳۷۵ء - ۳۳۸۰ء - ۳۳۸۵ء - ۳۳۹۰ء - ۳۳۹۵ء - ۳۴۰۰ء - ۳۴۰۵ء - ۳۴۱۰ء - ۳۴۱۵ء - ۳۴۲۰ء - ۳۴۲۵ء - ۳۴۳۰ء - ۳۴۳۵ء - ۳۴۴۰ء - ۳۴۴۵ء - ۳۴۵۰ء - ۳۴۵۵ء - ۳۴۶۰ء - ۳۴۶۵ء - ۳۴۷۰ء - ۳۴۷۵ء - ۳۴۸۰ء - ۳۴۸۵ء - ۳۴۹۰ء - ۳۴۹۵ء - ۳۵۰۰ء - ۳۵۰۵ء - ۳۵۱۰ء - ۳۵۱۵ء - ۳۵۲۰ء - ۳۵۲۵ء - ۳۵۳۰ء - ۳۵۳۵ء - ۳۵۴۰ء - ۳۵۴۵ء - ۳۵۵۰ء - ۳۵۵۵ء - ۳۵۶۰ء - ۳۵۶۵ء - ۳۵۷۰ء - ۳۵۷۵ء - ۳۵۸۰ء - ۳۵۸۵ء - ۳۵۹۰ء - ۳۵۹۵ء - ۳۶۰۰ء - ۳۶۰۵ء - ۳۶۱۰ء - ۳۶۱۵ء - ۳۶۲۰ء - ۳۶۲۵ء - ۳۶۳۰ء - ۳۶۳۵ء - ۳۶۴۰ء - ۳۶۴۵ء - ۳۶۵۰ء - ۳۶۵۵ء - ۳۶۶۰ء - ۳۶۶۵ء - ۳۶۷۰ء - ۳۶۷۵ء - ۳۶۸۰ء - ۳۶۸۵ء - ۳۶۹۰ء - ۳۶۹۵ء - ۳۷۰۰ء - ۳۷۰۵ء - ۳۷۱۰ء - ۳۷۱۵ء - ۳۷۲۰ء - ۳۷۲۵ء - ۳۷۳۰ء - ۳۷۳۵ء - ۳۷۴۰ء - ۳۷۴۵ء - ۳۷۵۰ء - ۳۷۵۵ء - ۳۷۶۰ء - ۳۷۶۵ء - ۳۷۷۰ء - ۳۷۷۵ء - ۳۷۸۰ء - ۳۷۸۵ء - ۳۷۹۰ء - ۳۷۹۵ء - ۳۸۰۰ء - ۳۸۰۵ء - ۳۸۱۰ء - ۳۸۱۵ء - ۳۸۲۰ء - ۳۸۲۵ء - ۳۸۳۰ء - ۳۸۳۵ء - ۳۸۴۰ء - ۳۸۴۵ء - ۳۸۵۰ء - ۳۸۵۵ء - ۳۸۶۰ء - ۳۸۶۵ء - ۳۸۷۰ء - ۳۸۷۵ء - ۳۸۸۰ء - ۳۸۸۵ء - ۳۸۹۰ء - ۳۸۹۵ء - ۳۹۰۰ء - ۳۹۰۵ء - ۳۹۱۰ء - ۳۹۱۵ء - ۳۹۲۰ء - ۳۹۲۵ء - ۳۹۳۰ء - ۳۹۳۵ء - ۳۹۴۰ء - ۳۹۴۵ء - ۳۹۵۰ء - ۳۹۵۵ء - ۳۹۶۰ء - ۳۹۶۵ء - ۳۹۷۰ء - ۳۹۷۵ء - ۳۹۸۰ء - ۳۹۸۵ء - ۳۹۹۰ء - ۳۹۹۵ء - ۴۰۰۰ء - ۴۰۰۵ء - ۴۰۱۰ء - ۴۰۱۵ء - ۴۰۲۰ء - ۴۰۲۵ء - ۴۰۳۰ء - ۴۰۳۵ء - ۴۰۴۰ء - ۴۰۴۵ء - ۴۰۵۰ء - ۴۰۵۵ء - ۴۰۶۰ء - ۴۰۶۵ء - ۴۰۷۰ء - ۴۰۷۵ء - ۴۰۸۰ء - ۴۰۸۵ء - ۴۰۹۰ء - ۴۰۹۵ء - ۴۱۰۰ء - ۴۱۰۵ء - ۴۱۱۰ء - ۴۱۱۵ء - ۴۱۲۰ء - ۴۱۲۵ء - ۴۱۳۰ء - ۴۱۳۵ء - ۴۱۴۰ء - ۴۱۴۵ء - ۴۱۵۰ء - ۴۱۵۵ء - ۴۱۶۰ء - ۴۱۶۵ء - ۴۱۷۰ء - ۴۱۷۵ء - ۴۱۸۰ء - ۴۱۸۵ء - ۴۱۹۰ء - ۴۱۹۵ء - ۴۲۰۰ء - ۴۲۰۵ء - ۴۲۱۰ء - ۴۲۱۵ء - ۴۲۲۰ء - ۴۲۲۵ء - ۴۲۳۰ء - ۴۲۳۵ء - ۴۲۴۰ء - ۴۲۴۵ء - ۴۲۵۰ء - ۴۲۵۵ء - ۴۲۶۰ء - ۴۲۶۵ء - ۴۲۷۰ء - ۴۲۷۵ء - ۴۲۸۰ء - ۴۲۸۵ء - ۴۲۹۰ء - ۴۲۹۵ء - ۴۳۰۰ء - ۴۳۰۵ء - ۴۳۱۰ء - ۴۳۱۵ء - ۴۳۲۰ء - ۴۳۲۵ء - ۴۳۳۰ء - ۴۳۳۵ء - ۴۳۴۰ء - ۴۳۴۵ء - ۴۳۵۰ء - ۴۳۵۵ء - ۴۳۶۰ء - ۴۳۶۵ء - ۴۳۷۰ء - ۴۳۷۵ء - ۴۳۸۰ء - ۴۳۸۵ء - ۴۳۹۰ء - ۴۳۹۵ء - ۴۴۰۰ء - ۴۴۰۵ء - ۴۴۱۰ء - ۴۴۱۵ء - ۴۴۲۰ء - ۴۴۲۵ء - ۴۴۳۰ء - ۴۴۳۵ء - ۴۴۴۰ء - ۴۴۴۵ء - ۴۴۵۰ء - ۴۴۵۵ء - ۴۴۶۰ء - ۴۴۶۵ء - ۴۴۷۰ء - ۴۴۷۵ء - ۴۴۸۰ء - ۴۴۸۵ء - ۴۴۹۰ء - ۴۴۹۵ء - ۴۵۰۰ء - ۴۵۰۵ء - ۴۵۱۰ء - ۴۵۱۵ء - ۴۵۲۰ء - ۴۵۲۵ء - ۴۵۳۰ء - ۴۵۳۵ء - ۴۵۴۰ء - ۴۵۴۵ء - ۴۵۵۰ء - ۴۵۵۵ء - ۴۵۶۰ء - ۴۵۶۵ء - ۴۵۷۰ء - ۴۵۷۵ء - ۴۵۸۰ء - ۴۵۸۵ء - ۴۵۹۰ء - ۴۵۹۵ء - ۴۶۰۰ء - ۴۶۰۵ء - ۴۶۱۰ء - ۴۶۱۵ء - ۴۶۲۰ء - ۴۶۲۵ء - ۴۶۳۰ء - ۴۶۳۵ء - ۴۶۴۰ء - ۴۶۴۵ء - ۴۶۵۰ء - ۴۶۵۵ء - ۴۶۶۰ء - ۴۶۶۵ء - ۴۶۷۰ء - ۴۶۷۵ء - ۴۶۸۰ء - ۴۶۸۵ء - ۴۶۹۰ء - ۴۶۹۵ء - ۴۷۰۰ء - ۴۷۰۵ء - ۴۷۱۰ء - ۴۷۱۵ء - ۴۷۲۰ء - ۴۷۲۵ء - ۴۷۳۰ء - ۴۷۳۵ء - ۴۷۴۰ء - ۴۷۴۵ء - ۴۷۵۰ء - ۴۷۵۵ء - ۴۷۶۰ء - ۴۷۶۵ء - ۴۷۷۰ء - ۴۷۷۵ء - ۴۷۸۰ء - ۴۷۸۵ء - ۴۷۹۰ء - ۴۷۹۵ء - ۴۸۰۰ء - ۴۸۰۵ء - ۴۸۱۰ء - ۴۸۱۵ء - ۴۸۲۰ء - ۴۸۲۵ء - ۴۸۳۰ء - ۴۸۳۵ء - ۴۸۴۰ء - ۴۸۴۵ء - ۴۸۵۰ء - ۴۸۵۵ء - ۴۸۶۰ء - ۴۸۶۵ء - ۴۸۷۰ء - ۴۸۷۵ء - ۴۸۸۰ء - ۴۸۸۵ء - ۴۸۹۰ء - ۴۸۹۵ء - ۴۹۰۰ء - ۴۹۰۵ء - ۴۹۱۰ء - ۴۹۱۵ء - ۴۹۲۰ء - ۴۹۲۵ء - ۴۹۳۰ء - ۴۹۳۵ء - ۴۹۴۰ء - ۴۹۴۵ء - ۴۹۵۰ء - ۴۹۵۵ء - ۴۹۶۰ء - ۴۹۶۵ء - ۴۹۷۰ء - ۴۹۷۵ء - ۴۹۸۰ء - ۴۹۸۵ء - ۴۹۹۰ء - ۴۹۹۵ء - ۵۰۰۰ء - ۵۰۰۵ء - ۵۰۱۰ء - ۵۰۱۵ء - ۵۰۲۰ء - ۵۰۲۵ء - ۵۰۳۰ء - ۵۰۳۵ء - ۵۰۴۰ء - ۵۰۴۵ء - ۵۰۵۰ء - ۵۰۵۵ء - ۵۰۶۰ء - ۵۰۶۵ء - ۵۰۷۰ء - ۵۰۷۵ء - ۵۰۸۰ء - ۵۰۸۵ء - ۵۰۹۰ء - ۵۰۹۵ء - ۵۱۰۰ء - ۵۱۰۵ء - ۵۱۱۰ء - ۵۱۱۵ء - ۵۱۲۰ء - ۵۱۲۵ء - ۵۱۳۰ء - ۵۱۳۵ء - ۵۱۴۰ء - ۵۱۴۵ء - ۵۱۵۰ء - ۵۱۵۵ء - ۵۱۶۰ء - ۵۱۶۵ء - ۵۱۷۰ء - ۵۱۷۵ء - ۵۱۸۰ء - ۵۱۸۵ء - ۵۱۹۰ء - ۵۱۹۵ء - ۵۲۰۰ء - ۵۲۰۵ء - ۵۲۱۰ء - ۵۲۱۵ء - ۵۲۲۰ء - ۵۲۲۵ء - ۵۲۳۰ء - ۵۲۳۵ء - ۵۲۴۰ء - ۵۲۴۵ء - ۵۲۵۰ء - ۵۲۵۵ء - ۵۲۶۰ء - ۵۲۶۵ء - ۵۲۷۰ء - ۵۲۷۵ء - ۵۲۸۰ء - ۵۲۸۵ء - ۵۲۹۰ء - ۵۲۹۵ء - ۵۳۰۰ء - ۵۳۰۵ء - ۵۳۱۰ء - ۵۳۱۵ء - ۵۳۲۰ء - ۵۳۲۵ء - ۵۳۳۰ء - ۵۳۳۵ء - ۵۳۴۰ء - ۵۳۴۵ء - ۵۳۵۰ء - ۵۳۵۵ء - ۵۳۶۰ء - ۵۳۶۵ء - ۵۳۷۰ء - ۵۳۷۵ء - ۵۳۸۰ء - ۵۳۸۵ء - ۵۳۹۰ء - ۵۳۹۵ء - ۵۴۰۰ء - ۵۴۰۵ء - ۵۴۱۰ء - ۵۴۱۵ء - ۵۴۲۰ء - ۵۴۲۵ء - ۵۴۳۰ء - ۵۴۳۵ء - ۵۴۴۰ء - ۵۴۴۵ء - ۵۴۵۰ء - ۵۴۵۵ء - ۵۴۶۰ء - ۵۴۶۵ء - ۵۴۷۰ء - ۵۴۷۵ء - ۵۴۸۰ء - ۵۴۸۵ء - ۵۴۹۰ء - ۵۴۹۵ء - ۵۵۰۰ء - ۵۵۰۵ء - ۵۵۱۰ء - ۵۵۱۵ء - ۵۵۲۰ء - ۵۵۲۵ء - ۵۵۳۰ء - ۵۵۳۵ء - ۵۵۴۰ء - ۵۵۴۵ء - ۵۵۵۰ء - ۵۵۵۵ء - ۵۵۶۰ء - ۵۵۶۵ء - ۵۵۷۰ء - ۵۵۷۵ء - ۵۵۸۰ء - ۵۵۸۵ء - ۵۵۹۰ء - ۵۵۹۵ء - ۵۶۰۰ء - ۵۶۰۵ء - ۵۶۱۰ء - ۵۶۱۵ء - ۵۶۲۰ء - ۵۶۲۵ء - ۵۶۳۰ء - ۵۶۳۵ء - ۵۶۴۰ء - ۵۶۴۵ء - ۵۶۵۰ء - ۵۶۵۵ء - ۵۶۶۰ء - ۵۶۶۵ء - ۵۶۷۰ء - ۵۶۷۵ء - ۵۶۸۰ء - ۵۶۸۵ء - ۵۶۹۰ء - ۵۶۹۵ء - ۵۷۰۰ء - ۵۷۰۵ء - ۵۷۱۰ء - ۵۷۱۵ء - ۵۷۲۰ء - ۵۷۲۵ء - ۵۷۳۰ء - ۵۷۳۵ء - ۵۷۴۰ء - ۵۷۴۵ء - ۵۷۵۰ء - ۵۷۵۵ء - ۵۷۶۰ء - ۵۷۶۵ء - ۵۷۷۰ء - ۵۷۷۵ء - ۵۷۸۰ء - ۵۷۸۵ء - ۵۷۹۰ء - ۵۷۹۵ء - ۵۸۰۰ء - ۵۸۰۵ء - ۵۸۱۰ء - ۵۸۱۵ء - ۵۸۲۰ء - ۵۸۲۵ء - ۵۸۳۰ء - ۵۸۳۵ء - ۵۸۴۰ء - ۵۸۴۵ء - ۵۸۵۰ء - ۵۸۵۵ء - ۵۸۶۰ء - ۵۸۶۵ء - ۵۸۷۰ء - ۵۸۷۵ء - ۵۸۸۰ء - ۵۸۸۵ء - ۵۸۹۰ء - ۵۸۹۵ء - ۵۹۰۰ء - ۵۹۰۵ء - ۵۹۱۰ء - ۵۹۱۵ء - ۵۹۲۰ء - ۵۹۲۵ء - ۵۹۳۰ء - ۵۹۳۵ء - ۵۹۴۰ء - ۵۹۴۵ء - ۵۹۵۰ء - ۵۹۵۵ء - ۵۹۶۰ء - ۵۹۶۵ء - ۵۹۷۰ء - ۵۹۷۵ء - ۵۹۸۰ء - ۵۹۸۵ء - ۵۹۹۰ء - ۵۹۹۵ء - ۶۰۰۰ء - ۶۰۰۵ء - ۶۰۱۰ء - ۶۰۱۵ء - ۶۰۲۰ء - ۶۰۲۵ء - ۶۰۳۰ء - ۶۰۳۵ء - ۶۰۴۰ء - ۶۰۴۵ء - ۶۰۵۰ء - ۶۰۵۵ء - ۶۰۶۰ء - ۶۰۶۵ء - ۶۰۷۰ء - ۶۰۷۵ء - ۶۰۸۰ء - ۶۰۸۵ء - ۶۰۹۰ء - ۶۰۹۵ء - ۶۱۰۰ء - ۶۱۰۵ء - ۶۱۱۰ء - ۶۱۱۵ء - ۶۱۲۰ء - ۶۱۲۵ء - ۶۱۳۰ء - ۶۱۳۵ء - ۶۱۴۰ء - ۶۱۴۵ء - ۶۱۵۰ء - ۶۱۵۵ء - ۶۱۶۰ء - ۶۱۶۵ء

بزرگ سے اُس کے پاک و برگزیدہ نبی، خلیل، حبیب، ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی تھی: **وَاجْعَلْ لِّی لِسَانَ صِدِّیقٍ فِیْ اَکْثَرِ عَرَبٍ**۔ [اور پچھلوں میں میرا بول سچا رکھ۔ سورہ شعراء۔ ع ۵۷]۔
 جھوٹ لکھنے والوں کی نسبت حق سبحانہ تعالیٰ شانہ نے تو بیچ و سرزنش کی ہے، **يُخْرِجُونَ اَلْكِتٰبَ عَنْ مَوَاضِعِهِ** [کلام کو اُس کے ٹھکانے سے بدلتے ہیں۔ سورہ مائدہ۔ ع ۳۰]۔

یہ تسلیم کر لینا ناگزیر ہے کہ علوم اجتماعیہ میں تاریخ کی شان بہت بڑی ہے۔ اُس کو منزلتِ مستقل حاصل ہے۔ اس کے بارہ میں خطیبِ رومان شیشرون کا قول عربوں نے اپنی زبان میں یوں نقل کیا ہے۔ **شَاهِدُ اَلْاَكْثَرِ مَنَدَةٍ وَ اَلْاَوْفَقَةِ**۔ **مَنْ رَسَدَ اَلْحَيَاةَ تَدْرُسُ مَوَاضِعَ السَّلَفِ اِلٰی اَلْخَلَفِ**۔
 تاریخِ زمانوں اور حقیقت کی گواہ ہے، زندگی و حیات کی درسگاہ پچھلوں کے لئے لگوں کی پیام رسان ایک جگہ (صفحہ ۳۲۲ پر) عدمِ ضرورت سے میں نے اپنے عرضِ مدعا کو طول نہیں دیا، واضح نہیں کیا ہے۔ مبادا کہ کسی صائب الرائے کو اس سے کچھ غلط فہمی پیدا ہو، اور وہ سمجھے کہ میں تذکرہ دلوں کو تاریخ کے سامنے معیارِ تحقیق و صداقت سے گرا ہوا بتاتا ہوں۔ نہیں، عاںشا کہ نہیں، لیکن 'نفسِ الامر' یہ ہے کہ میں نے موجودہ تاریخی ہمارا کو کبھی اعتدال کی آنکھ سے نہیں دیکھا۔ نہ ان کے مقولات کو اپنے یاوروں کے واسطے مایہ استناد سمجھا ہے۔ بے شبہ تاریخوں نے اقوامِ عالم کے جذبات کو ابھارنے اور ملتوں اور جماعتوں کو بیدار کرنے میں بڑا کام کیا ہے۔ لیکن دانشورانِ فرنگ اور ان کے متبع و خوشامین شاگردوں کی لکھی ہوئی تاریخوں نے، خواہ اقوامِ دہل وادیانِ دیگر کے متعلق ہوں خواہ مالکِ غیرِ ایران کی فتوحات اور فیوض و برکات کے بارہ میں، ہم اہل ہند کی اُخوت و حریت پر بڑا برا اثر ڈالا ہے۔ ان صاحبوں کا مقصد و مطلب تاریخ نہیں ہوتی بلکہ پاسی اور پرچار ہے۔ اپنے سوانح نامہ قوموں کے تاریک پہلوؤں کو چمکا کر اُن کے مقابلہ میں اپنے تمدن، اپنی معاشرت کو روشن و تابدار بنا کر دکھانا اور اپنا اثر و اقتدار جہاں ان کا مطیع نگاہ ہے۔

عام تاریخوں سے بدگانی، ان میں حق و باطل کی آمیزش اور ان کو مشتبہ سمجھنے کا مجرم و خطا کار اکیلا میں ہی نہیں، بلکہ اس خیال میں بہت سے عالی مرتبت مفکرین اور شاہرہ حکماء و فضلا کو بھی مبتلا

پاتا ہوں۔ یا یوں کہوں کہ بر ملا شریک ہیں۔

حاجی غلیف (مصطفیٰ ابن عبداللہ) کا تب شلبی نے کشف الظنون عن اسامی الکتاب والفنون میں تیرہ سو تاریخیں مختلف انواع و عنوانات کی گنائی ہیں۔ مگر صاحب نتائج نے ان میں سے صرف پندرہ سولہ کو حسن ترتیب، ربط معنوی اور صداقت واقعی کے اعتبار سے قابل اعتبار بتایا ہے۔

ماننا پڑتا ہے کہ تاریخوں کے لکھنے والے بھی انسان ہی ہوتے تھے۔ اور مورخ کو ان تاریخوں میں خود اپنے جذبات، حق شناسی و حق گوئی سے زیادہ ملک و قوم کی اُس وقت کی حالت اور سلطنت کے رجحانات اور مصلحتوں کا لحاظ رکھنا پڑتا تھا۔

مشہور مصنف و ادیب، ابوالفتح صابئی، عضد الدولہ تاج الملک کی فرمائش سے اُس کی دولتِ ولیئہ کی ضخیم تاریخ ”تاجی“ لکھ رہا تھا۔ نام ہی سے ظاہر ہے کہ تاج الملک سے منسوب ہے۔ اُس کا کوئی دوست آگیا۔ پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ بولا کہ ابنا طیل منقضا و اکاذیب الفقہاء۔ (نورودرغ جنکو قلمبند کر رہا اور جو بی باتیں جنگ ترتیب دے رہا ہوں۔ ایسی اقرار خطایا اعلان فرمان اس با کمال کے مصنف اور جان جانے کا سبب ہوا۔ ایک دوسرے بلند پایہ مورخ نے بعض لڑائیوں کی تاریخ لکھتے وقت

لے متونی ۱۲۸۴ھ (۱۶۷۷ء)۔ مرن قسطنطنیہ۔ اس کتاب کی عظمت و وقعت کی شہادت یہی کافی ہے کہ

اور شیل ٹرانسلیشن نمٹے ۱۸۳۵ء میں اس کو مع اس کے لاطینی ترجمہ کے چھپوانا شروع کیا تھا۔ پندرہ برس میں یہ کام ختم ہوا۔ پروفیسر فلوگیل LUEGEL نے مترجم دہنہم تھے۔ ابن الفتح صابئی کا پورا نام ابوالحسن ہلال بن یمن

بن ابراہیم حرانی تھا۔ عضد الدولہ کا کتاب تھا۔ اسی حیثیت سے شہرت زیادہ پائی۔ صابئی کہلاتا ہے۔ جو ایک مذہب سے دوسرا

مذہب برسنے والے کو کہتے ہیں۔ آخر عربین مسلمان ہوا تھا۔ ۳۵۹ھ (۹۷۰ء) میں پیدا ہوا۔ ۴۵۵ھ (۱۰۶۵ء) میں

اس عالم سے رخصت ہوا۔ تاجی کے سوا کتب الا اثنی عشر و الامان لکھ کر چھوڑی تھی۔ یہ غازی و دیار بھی کہلاتا ہے۔ اس سال قمری

فرمانروائی کی۔ دیکھ ایک مورخ کا نام ہے، جہاں کا علی ابن بویہ باشندہ تھا۔ بویہ مورث کا نام تھا۔ ان کو قدیم شاہان ایران

کی نسل سے ہونے کا دعویٰ تھا۔ خوشامدی و متعلقین اس پر ایمان رکھتے تھے۔ تاریخ یہ ثابت کرتی تھی کہ بویہ ایک معمولی ماہی گیر

دیکھ کا تھا۔ اس کے بیٹوں، علی (علاء الدولہ) و حسن (رکن الدولہ) و احمد (مضر الدولہ) نے بڑا عروج پایا۔ بڑے بڑے

کام کیے۔ رکن الدولہ کا بیٹا عضد الدولہ تھا، واثی فارس و عراق، خلیفہ بغداد، الخلیفہ بشار نے اس کو اپنا وزیر اور امیر الامرا

بھی بنادیا تھا۔ (تاریخ ابوالفدا، عربی، جلد دوم، صفحہ ۳۷۰، مرقیہ قسطنطنیہ، ۱۲۸۴ھ و ۱۲۸۵ھ و ۱۲۸۶ھ و ۱۲۸۷ھ و ۱۲۸۸ھ و ۱۲۸۹ھ و ۱۲۹۰ھ و ۱۲۹۱ھ و ۱۲۹۲ھ و ۱۲۹۳ھ و ۱۲۹۴ھ و ۱۲۹۵ھ و ۱۲۹۶ھ و ۱۲۹۷ھ و ۱۲۹۸ھ و ۱۲۹۹ھ و ۱۳۰۰ھ و ۱۳۰۱ھ و ۱۳۰۲ھ و ۱۳۰۳ھ و ۱۳۰۴ھ و ۱۳۰۵ھ و ۱۳۰۶ھ و ۱۳۰۷ھ و ۱۳۰۸ھ و ۱۳۰۹ھ و ۱۳۱۰ھ و ۱۳۱۱ھ و ۱۳۱۲ھ و ۱۳۱۳ھ و ۱۳۱۴ھ و ۱۳۱۵ھ و ۱۳۱۶ھ و ۱۳۱۷ھ و ۱۳۱۸ھ و ۱۳۱۹ھ و ۱۳۲۰ھ و ۱۳۲۱ھ و ۱۳۲۲ھ و ۱۳۲۳ھ و ۱۳۲۴ھ و ۱۳۲۵ھ و ۱۳۲۶ھ و ۱۳۲۷ھ و ۱۳۲۸ھ و ۱۳۲۹ھ و ۱۳۳۰ھ و ۱۳۳۱ھ و ۱۳۳۲ھ و ۱۳۳۳ھ و ۱۳۳۴ھ و ۱۳۳۵ھ و ۱۳۳۶ھ و ۱۳۳۷ھ و ۱۳۳۸ھ و ۱۳۳۹ھ و ۱۳۴۰ھ و ۱۳۴۱ھ و ۱۳۴۲ھ و ۱۳۴۳ھ و ۱۳۴۴ھ و ۱۳۴۵ھ و ۱۳۴۶ھ و ۱۳۴۷ھ و ۱۳۴۸ھ و ۱۳۴۹ھ و ۱۳۵۰ھ و ۱۳۵۱ھ و ۱۳۵۲ھ و ۱۳۵۳ھ و ۱۳۵۴ھ و ۱۳۵۵ھ و ۱۳۵۶ھ و ۱۳۵۷ھ و ۱۳۵۸ھ و ۱۳۵۹ھ و ۱۳۶۰ھ و ۱۳۶۱ھ و ۱۳۶۲ھ و ۱۳۶۳ھ و ۱۳۶۴ھ و ۱۳۶۵ھ و ۱۳۶۶ھ و ۱۳۶۷ھ و ۱۳۶۸ھ و ۱۳۶۹ھ و ۱۳۷۰ھ و ۱۳۷۱ھ و ۱۳۷۲ھ و ۱۳۷۳ھ و ۱۳۷۴ھ و ۱۳۷۵ھ و ۱۳۷۶ھ و ۱۳۷۷ھ و ۱۳۷۸ھ و ۱۳۷۹ھ و ۱۳۸۰ھ و ۱۳۸۱ھ و ۱۳۸۲ھ و ۱۳۸۳ھ و ۱۳۸۴ھ و ۱۳۸۵ھ و ۱۳۸۶ھ و ۱۳۸۷ھ و ۱۳۸۸ھ و ۱۳۸۹ھ و ۱۳۹۰ھ و ۱۳۹۱ھ و ۱۳۹۲ھ و ۱۳۹۳ھ و ۱۳۹۴ھ و ۱۳۹۵ھ و ۱۳۹۶ھ و ۱۳۹۷ھ و ۱۳۹۸ھ و ۱۳۹۹ھ و ۱۴۰۰ھ و ۱۴۰۱ھ و ۱۴۰۲ھ و ۱۴۰۳ھ و ۱۴۰۴ھ و ۱۴۰۵ھ و ۱۴۰۶ھ و ۱۴۰۷ھ و ۱۴۰۸ھ و ۱۴۰۹ھ و ۱۴۱۰ھ و ۱۴۱۱ھ و ۱۴۱۲ھ و ۱۴۱۳ھ و ۱۴۱۴ھ و ۱۴۱۵ھ و ۱۴۱۶ھ و ۱۴۱۷ھ و ۱۴۱۸ھ و ۱۴۱۹ھ و ۱۴۲۰ھ و ۱۴۲۱ھ و ۱۴۲۲ھ و ۱۴۲۳ھ و ۱۴۲۴ھ و ۱۴۲۵ھ و ۱۴۲۶ھ و ۱۴۲۷ھ و ۱۴۲۸ھ و ۱۴۲۹ھ و ۱۴۳۰ھ و ۱۴۳۱ھ و ۱۴۳۲ھ و ۱۴۳۳ھ و ۱۴۳۴ھ و ۱۴۳۵ھ و ۱۴۳۶ھ و ۱۴۳۷ھ و ۱۴۳۸ھ و ۱۴۳۹ھ و ۱۴۴۰ھ و ۱۴۴۱ھ و ۱۴۴۲ھ و ۱۴۴۳ھ و ۱۴۴۴ھ و ۱۴۴۵ھ و ۱۴۴۶ھ و ۱۴۴۷ھ و ۱۴۴۸ھ و ۱۴۴۹ھ و ۱۴۵۰ھ و ۱۴۵۱ھ و ۱۴۵۲ھ و ۱۴۵۳ھ و ۱۴۵۴ھ و ۱۴۵۵ھ و ۱۴۵۶ھ و ۱۴۵۷ھ و ۱۴۵۸ھ و ۱۴۵۹ھ و ۱۴۶۰ھ و ۱۴۶۱ھ و ۱۴۶۲ھ و ۱۴۶۳ھ و ۱۴۶۴ھ و ۱۴۶۵ھ و ۱۴۶۶ھ و ۱۴۶۷ھ و ۱۴۶۸ھ و ۱۴۶۹ھ و ۱۴۷۰ھ و ۱۴۷۱ھ و ۱۴۷۲ھ و ۱۴۷۳ھ و ۱۴۷۴ھ و ۱۴۷۵ھ و ۱۴۷۶ھ و ۱۴۷۷ھ و ۱۴۷۸ھ و ۱۴۷۹ھ و ۱۴۸۰ھ و ۱۴۸۱ھ و ۱۴۸۲ھ و ۱۴۸۳ھ و ۱۴۸۴ھ و ۱۴۸۵ھ و ۱۴۸۶ھ و ۱۴۸۷ھ و ۱۴۸۸ھ و ۱۴۸۹ھ و ۱۴۹۰ھ و ۱۴۹۱ھ و ۱۴۹۲ھ و ۱۴۹۳ھ و ۱۴۹۴ھ و ۱۴۹۵ھ و ۱۴۹۶ھ و ۱۴۹۷ھ و ۱۴۹۸ھ و ۱۴۹۹ھ و ۱۵۰۰ھ و ۱۵۰۱ھ و ۱۵۰۲ھ و ۱۵۰۳ھ و ۱۵۰۴ھ و ۱۵۰۵ھ و ۱۵۰۶ھ و ۱۵۰۷ھ و ۱۵۰۸ھ و ۱۵۰۹ھ و ۱۵۱۰ھ و ۱۵۱۱ھ و ۱۵۱۲ھ و ۱۵۱۳ھ و ۱۵۱۴ھ و ۱۵۱۵ھ و ۱۵۱۶ھ و ۱۵۱۷ھ و ۱۵۱۸ھ و ۱۵۱۹ھ و ۱۵۲۰ھ و ۱۵۲۱ھ و ۱۵۲۲ھ و ۱۵۲۳ھ و ۱۵۲۴ھ و ۱۵۲۵ھ و ۱۵۲۶ھ و ۱۵۲۷ھ و ۱۵۲۸ھ و ۱۵۲۹ھ و ۱۵۳۰ھ و ۱۵۳۱ھ و ۱۵۳۲ھ و ۱۵۳۳ھ و ۱۵۳۴ھ و ۱۵۳۵ھ و ۱۵۳۶ھ و ۱۵۳۷ھ و ۱۵۳۸ھ و ۱۵۳۹ھ و ۱۵۴۰ھ و ۱۵۴۱ھ و ۱۵۴۲ھ و ۱۵۴۳ھ و ۱۵۴۴ھ و ۱۵۴۵ھ و ۱۵۴۶ھ و ۱۵۴۷ھ و ۱۵۴۸ھ و ۱۵۴۹ھ و ۱۵۵۰ھ و ۱۵۵۱ھ و ۱۵۵۲ھ و ۱۵۵۳ھ و ۱۵۵۴ھ و ۱۵۵۵ھ و ۱۵۵۶ھ و ۱۵۵۷ھ و ۱۵۵۸ھ و ۱۵۵۹ھ و ۱۵۶۰ھ و ۱۵۶۱ھ و ۱۵۶۲ھ و ۱۵۶۳ھ و ۱۵۶۴ھ و ۱۵۶۵ھ و ۱۵۶۶ھ و ۱۵۶۷ھ و ۱۵۶۸ھ و ۱۵۶۹ھ و ۱۵۷۰ھ و ۱۵۷۱ھ و ۱۵۷۲ھ و ۱۵۷۳ھ و ۱۵۷۴ھ و ۱۵۷۵ھ و ۱۵۷۶ھ و ۱۵۷۷ھ و ۱۵۷۸ھ و ۱۵۷۹ھ و ۱۵۸۰ھ و ۱۵۸۱ھ و ۱۵۸۲ھ و ۱۵۸۳ھ و ۱۵۸۴ھ و ۱۵۸۵ھ و ۱۵۸۶ھ و ۱۵۸۷ھ و ۱۵۸۸ھ و ۱۵۸۹ھ و ۱۵۹۰ھ و ۱۵۹۱ھ و ۱۵۹۲ھ و ۱۵۹۳ھ و ۱۵۹۴ھ و ۱۵۹۵ھ و ۱۵۹۶ھ و ۱۵۹۷ھ و ۱۵۹۸ھ و ۱۵۹۹ھ و ۱۶۰۰ھ و ۱۶۰۱ھ و ۱۶۰۲ھ و ۱۶۰۳ھ و ۱۶۰۴ھ و ۱۶۰۵ھ و ۱۶۰۶ھ و ۱۶۰۷ھ و ۱۶۰۸ھ و ۱۶۰۹ھ و ۱۶۱۰ھ و ۱۶۱۱ھ و ۱۶۱۲ھ و ۱۶۱۳ھ و ۱۶۱۴ھ و ۱۶۱۵ھ و ۱۶۱۶ھ و ۱۶۱۷ھ و ۱۶۱۸ھ و ۱۶۱۹ھ و ۱۶۲۰ھ و ۱۶۲۱ھ و ۱۶۲۲ھ و ۱۶۲۳ھ و ۱۶۲۴ھ و ۱۶۲۵ھ و ۱۶۲۶ھ و ۱۶۲۷ھ و ۱۶۲۸ھ و ۱۶۲۹ھ و ۱۶۳۰ھ و ۱۶۳۱ھ و ۱۶۳۲ھ و ۱۶۳۳ھ و ۱۶۳۴ھ و ۱۶۳۵ھ و ۱۶۳۶ھ و ۱۶۳۷ھ و ۱۶۳۸ھ و ۱۶۳۹ھ و ۱۶۴۰ھ و ۱۶۴۱ھ و ۱۶۴۲ھ و ۱۶۴۳ھ و ۱۶۴۴ھ و ۱۶۴۵ھ و ۱۶۴۶ھ و ۱۶۴۷ھ و ۱۶۴۸ھ و ۱۶۴۹ھ و ۱۶۵۰ھ و ۱۶۵۱ھ و ۱۶۵۲ھ و ۱۶۵۳ھ و ۱۶۵۴ھ و ۱۶۵۵ھ و ۱۶۵۶ھ و ۱۶۵۷ھ و ۱۶۵۸ھ و ۱۶۵۹ھ و ۱۶۶۰ھ و ۱۶۶۱ھ و ۱۶۶۲ھ و ۱۶۶۳ھ و ۱۶۶۴ھ و ۱۶۶۵ھ و ۱۶۶۶ھ و ۱۶۶۷ھ و ۱۶۶۸ھ و ۱۶۶۹ھ و ۱۶۷۰ھ و ۱۶۷۱ھ و ۱۶۷۲ھ و ۱۶۷۳ھ و ۱۶۷۴ھ و ۱۶۷۵ھ و ۱۶۷۶ھ و ۱۶۷۷ھ و ۱۶۷۸ھ و ۱۶۷۹ھ و ۱۶۸۰ھ و ۱۶۸۱ھ و ۱۶۸۲ھ و ۱۶۸۳ھ و ۱۶۸۴ھ و ۱۶۸۵ھ و ۱۶۸۶ھ و ۱۶۸۷ھ و ۱۶۸۸ھ و ۱۶۸۹ھ و ۱۶۹۰ھ و ۱۶۹۱ھ و ۱۶۹۲ھ و ۱۶۹۳ھ و ۱۶۹۴ھ و ۱۶۹۵ھ و ۱۶۹۶ھ و ۱۶۹۷ھ و ۱۶۹۸ھ و ۱۶۹۹ھ و ۱۷۰۰ھ و ۱۷۰۱ھ و ۱۷۰۲ھ و ۱۷۰۳ھ و ۱۷۰۴ھ و ۱۷۰۵ھ و ۱۷۰۶ھ و ۱۷۰۷ھ و ۱۷۰۸ھ و ۱۷۰۹ھ و ۱۷۱۰ھ و ۱۷۱۱ھ و ۱۷۱۲ھ و ۱۷۱۳ھ و ۱۷۱۴ھ و ۱۷۱۵ھ و ۱۷۱۶ھ و ۱۷۱۷ھ و ۱۷۱۸ھ و ۱۷۱۹ھ و ۱۷۲۰ھ و ۱۷۲۱ھ و ۱۷۲۲ھ و ۱۷۲۳ھ و ۱۷۲۴ھ و ۱۷۲۵ھ و ۱۷۲۶ھ و ۱۷۲۷ھ و ۱۷۲۸ھ و ۱۷۲۹ھ و ۱۷۳۰ھ و ۱۷۳۱ھ و ۱۷۳۲ھ و ۱۷۳۳ھ و ۱۷۳۴ھ و ۱۷۳۵ھ و ۱۷۳۶ھ و ۱۷۳۷ھ و ۱۷۳۸ھ و ۱۷۳۹ھ و ۱۷۴۰ھ و ۱۷۴۱ھ و ۱۷۴۲ھ و ۱۷۴۳ھ و ۱۷۴۴ھ و ۱۷۴۵ھ و ۱۷۴۶ھ و ۱۷۴۷ھ و ۱۷۴۸ھ و ۱۷۴۹ھ و ۱۷۵۰ھ و ۱۷۵۱ھ و ۱۷۵۲ھ و ۱۷۵۳ھ و ۱۷۵۴ھ و ۱۷۵۵ھ و ۱۷۵۶ھ و ۱۷۵۷ھ و ۱۷۵۸ھ و ۱۷۵۹ھ و ۱۷۶۰ھ و ۱۷۶۱ھ و ۱۷۶۲ھ و ۱۷۶۳ھ و ۱۷۶۴ھ و ۱۷۶۵ھ و ۱۷۶۶ھ و ۱۷۶۷ھ و ۱۷۶۸ھ و ۱۷۶۹ھ و ۱۷۷۰ھ و ۱۷۷۱ھ و ۱۷۷۲ھ و ۱۷۷۳ھ و ۱۷۷۴ھ و ۱۷۷۵ھ و ۱۷۷۶ھ و ۱۷۷۷ھ و ۱۷۷۸ھ و ۱۷۷۹ھ و ۱۷۸۰ھ و ۱۷۸۱ھ و ۱۷۸۲ھ و ۱۷۸۳ھ و ۱۷۸۴ھ و ۱۷۸۵ھ و ۱۷۸۶ھ و ۱۷۸۷ھ و ۱۷۸۸ھ و ۱۷۸۹ھ و ۱۷۹۰ھ و ۱۷۹۱ھ و ۱۷۹۲ھ و ۱۷۹۳ھ و ۱۷۹۴ھ و ۱۷۹۵ھ و ۱۷۹۶ھ و ۱۷۹۷ھ و ۱۷۹۸ھ و ۱۷۹۹ھ و ۱۸۰۰ھ و ۱۸۰۱ھ و ۱۸۰۲ھ و ۱۸۰۳ھ و ۱۸۰۴ھ و ۱۸۰۵ھ و ۱۸۰۶ھ و ۱۸۰۷ھ و ۱۸۰۸ھ و ۱۸۰۹ھ و ۱۸۱۰ھ و ۱۸۱۱ھ و ۱۸۱۲ھ و ۱۸۱۳ھ و ۱۸۱۴ھ و ۱۸۱۵ھ و ۱۸۱۶ھ و ۱۸۱۷ھ و ۱۸۱۸ھ و ۱۸۱۹ھ و ۱۸۲۰ھ و ۱۸۲۱ھ و ۱۸۲۲ھ و ۱۸۲۳ھ و ۱۸۲۴ھ و ۱۸۲۵ھ و ۱۸۲۶ھ و ۱۸۲۷ھ و ۱۸۲۸ھ و ۱۸۲۹ھ و ۱۸۳۰ھ و ۱۸۳۱ھ و ۱۸۳۲ھ و ۱۸۳۳ھ و ۱۸۳۴ھ و ۱۸۳۵ھ و ۱۸۳۶ھ و ۱۸۳۷ھ و ۱۸۳۸ھ و ۱۸۳۹ھ و ۱۸۴۰ھ و ۱۸۴۱ھ و ۱۸۴۲ھ و ۱۸۴۳ھ و ۱۸۴۴ھ و ۱۸۴۵ھ و ۱۸۴۶ھ و ۱۸۴۷ھ و ۱۸۴۸ھ و ۱۸۴۹ھ و ۱۸۵۰ھ و ۱۸۵۱ھ و ۱۸۵۲ھ و ۱۸۵۳ھ و ۱۸۵۴ھ و ۱۸۵۵ھ و ۱۸۵۶ھ و ۱۸۵۷ھ و ۱۸۵۸ھ و ۱۸۵۹ھ و ۱۸۶۰ھ و ۱۸۶۱ھ و ۱۸۶۲ھ و ۱۸۶۳ھ و ۱۸۶۴ھ و ۱۸۶۵ھ و ۱۸۶۶ھ و ۱۸۶۷ھ و ۱۸۶۸ھ و ۱۸۶۹ھ و ۱۸۷۰ھ و ۱۸۷۱ھ و ۱۸۷۲ھ و ۱۸۷۳ھ و ۱۸۷۴ھ و ۱۸۷۵ھ و ۱۸۷۶ھ و ۱۸۷۷ھ و ۱۸۷۸ھ و ۱۸۷۹ھ و ۱۸۸۰ھ و ۱۸۸۱ھ و ۱۸۸۲ھ و ۱۸۸۳ھ و ۱۸۸۴ھ و ۱۸۸۵ھ و ۱۸۸۶ھ و ۱۸۸۷ھ و ۱۸۸۸ھ و ۱۸۸۹ھ و ۱۸۹۰ھ و ۱۸۹۱ھ و ۱۸۹۲ھ و ۱۸۹۳ھ و ۱۸۹۴ھ و ۱۸۹۵ھ و ۱۸۹۶ھ و ۱۸۹۷ھ و ۱۸۹۸ھ و ۱۸۹۹ھ و ۱۹۰۰ھ و ۱۹۰۱ھ و ۱۹۰۲ھ و ۱۹۰۳ھ و ۱۹۰۴ھ و ۱۹۰۵ھ و ۱۹۰۶ھ و ۱۹۰۷ھ و ۱۹۰۸ھ و ۱۹۰۹ھ و ۱۹۱۰ھ و ۱۹۱۱ھ و ۱۹۱۲ھ و ۱۹۱۳ھ و ۱۹۱۴ھ و ۱۹۱۵ھ و ۱۹۱۶ھ و ۱۹۱۷ھ و ۱۹۱۸ھ و ۱۹۱۹ھ و ۱۹۲۰ھ و ۱۹۲۱ھ و ۱۹۲۲ھ و ۱۹۲۳ھ و ۱۹۲۴ھ و ۱۹۲۵ھ و ۱۹۲۶ھ و ۱۹۲۷ھ و ۱۹۲۸ھ و ۱۹۲۹ھ و ۱۹۳۰ھ و ۱۹۳۱ھ و ۱۹۳۲ھ و ۱۹۳۳ھ و ۱۹۳۴ھ و ۱۹۳۵ھ و ۱۹۳۶ھ و ۱۹۳۷ھ و ۱۹۳۸ھ و ۱۹۳۹ھ و ۱۹۴۰ھ و ۱۹۴۱ھ و ۱۹۴۲ھ و ۱۹۴۳ھ و ۱۹۴۴ھ و ۱۹۴۵ھ و ۱۹۴۶ھ و ۱۹۴۷ھ و ۱۹۴۸ھ و ۱۹۴۹ھ و ۱۹۵۰ھ و ۱۹۵۱ھ و ۱۹۵۲ھ و ۱۹۵۳ھ و ۱۹۵۴ھ و ۱۹۵۵ھ و ۱۹۵۶ھ و ۱۹۵۷ھ و ۱۹۵۸ھ و ۱۹۵۹ھ و ۱۹۶۰ھ و ۱۹۶۱ھ و ۱۹۶۲ھ و ۱۹۶۳ھ و ۱۹۶۴ھ و ۱۹۶۵ھ و ۱۹۶۶ھ و ۱۹۶۷ھ و ۱۹۶۸ھ و ۱۹۶۹ھ و ۱۹۷۰ھ و ۱۹۷۱ھ و ۱۹۷۲ھ و ۱۹۷۳ھ و ۱۹۷۴ھ و ۱۹۷۵ھ و ۱۹۷۶ھ و ۱۹۷۷ھ و ۱۹۷۸ھ و ۱۹۷۹ھ و ۱۹۸۰ھ و ۱۹۸۱ھ و ۱۹۸۲ھ و ۱۹۸۳ھ و ۱۹۸۴ھ و ۱۹۸۵ھ و ۱۹۸۶ھ و ۱۹۸۷ھ و ۱۹۸۸ھ و ۱۹۸۹ھ و ۱۹۹۰ھ و ۱۹۹۱ھ و ۱۹۹۲ھ و ۱۹۹۳ھ و ۱۹۹۴ھ و ۱۹۹۵ھ و ۱۹۹۶ھ و ۱۹۹۷ھ و ۱۹۹۸ھ و ۱۹۹۹ھ و ۲۰۰۰ھ و ۲۰۰۱ھ و ۲۰۰۲ھ و ۲۰۰۳ھ و ۲۰۰۴ھ و ۲۰۰۵ھ و ۲۰۰۶ھ و ۲۰۰۷ھ و ۲۰۰۸ھ و ۲۰۰۹ھ و ۲۰۱۰ھ و ۲۰۱۱ھ و ۲۰۱۲ھ و ۲۰۱۳ھ و ۲۰۱۴ھ و ۲۰۱۵ھ و ۲۰۱۶ھ و ۲۰۱۷ھ و ۲۰۱۸ھ و ۲۰۱۹ھ و ۲۰۲۰ھ و ۲۰۲۱ھ و ۲۰۲۲ھ و ۲۰۲۳ھ و ۲۰۲۴ھ و ۲۰۲۵ھ و ۲۰۲۶ھ و ۲۰۲۷ھ و ۲۰۲۸ھ و ۲۰۲۹ھ و ۲۰۳۰ھ و ۲۰۳۱ھ و ۲۰۳۲ھ و ۲۰۳۳ھ و ۲۰۳۴ھ و ۲۰۳۵ھ و ۲۰۳۶ھ و ۲۰۳۷ھ و ۲۰۳۸ھ و ۲۰۳۹ھ و ۲۰۴۰ھ و ۲۰۴۱ھ و ۲۰۴۲ھ و ۲۰۴۳ھ و ۲۰۴۴ھ و ۲۰۴۵ھ و ۲۰۴۶ھ و ۲۰۴۷ھ و ۲۰۴۸ھ و ۲۰۴۹ھ و ۲۰۵۰ھ و ۲۰۵۱ھ و ۲۰۵۲ھ و ۲۰۵۳ھ و ۲۰۵۴ھ و ۲۰۵۵ھ و ۲۰۵۶ھ و ۲۰۵۷ھ و ۲۰۵۸ھ و ۲۰۵۹ھ و ۲۰۶۰ھ و ۲۰۶۱ھ و ۲۰۶۲ھ و ۲۰۶۳ھ و ۲۰۶۴ھ و ۲۰۶۵ھ و ۲۰۶۶ھ و ۲۰۶۷ھ و ۲۰۶۸ھ و ۲۰۶۹ھ و ۲۰۷۰ھ و ۲۰۷۱ھ و ۲۰۷۲ھ و ۲۰۷۳ھ و ۲۰۷۴ھ و ۲۰۷۵ھ و ۲۰۷۶ھ و ۲۰۷۷ھ و ۲۰۷۸ھ و ۲۰۷۹ھ و ۲۰۸۰ھ و ۲۰۸۱ھ و ۲۰۸۲ھ و ۲۰۸۳ھ و ۲۰۸۴ھ و ۲۰۸۵ھ و ۲۰۸۶ھ و ۲۰۸۷ھ و ۲۰۸۸ھ و ۲۰۸۹ھ و ۲۰۹۰ھ و ۲۰۹۱ھ و ۲۰۹۲ھ و ۲۰۹۳ھ و ۲۰۹۴ھ و ۲۰۹۵ھ و ۲۰۹۶ھ و ۲۰۹۷ھ و ۲۰۹۸ھ و ۲۰۹۹ھ و ۲۱۰۰ھ و ۲۱۰۱ھ و ۲۱۰۲ھ و ۲۱۰۳ھ و ۲۱۰۴ھ و ۲۱۰۵ھ و ۲۱۰۶ھ و ۲۱۰۷ھ و ۲۱۰۸ھ و ۲۱۰۹ھ و ۲۱۱۰ھ و ۲۱۱۱ھ و ۲۱۱۲ھ و ۲۱۱۳ھ و ۲۱۱۴ھ و ۲۱۱۵ھ و ۲۱۱۶ھ و ۲۱۱۷ھ و ۲۱۱۸ھ و ۲۱۱۹ھ و ۲۱۲۰ھ و ۲۱۲۱ھ و ۲۱۲۲ھ و ۲۱۲۳ھ و ۲۱۲۴ھ و ۲۱۲۵ھ و ۲۱۲۶ھ و ۲۱۲۷ھ و ۲۱۲۸ھ و ۲۱۲۹ھ و ۲۱۳۰ھ و ۲۱۳۱ھ و ۲۱۳۲ھ و ۲۱۳۳ھ و ۲۱۳۴ھ و ۲۱۳۵ھ و ۲۱۳۶ھ و ۲۱۳۷ھ و ۲۱۳۸ھ و ۲۱۳۹ھ و ۲۱۴۰ھ و ۲۱۴۱ھ و ۲۱۴۲ھ و ۲۱۴۳ھ و ۲۱۴۴ھ و ۲۱۴۵ھ و ۲۱۴۶ھ و ۲۱۴۷ھ و ۲۱۴۸ھ و ۲۱۴۹ھ و ۲۱۵۰ھ و ۲۱۵۱ھ و ۲۱۵۲ھ و ۲۱۵۳ھ و ۲۱۵۴ھ و ۲۱۵۵ھ و ۲۱۵۶ھ و ۲۱۵۷ھ و ۲۱۵۸ھ و ۲۱۵۹ھ و ۲۱۶۰ھ و ۲۱۶۱ھ و ۲۱۶۲ھ و ۲۱۶۳ھ و ۲۱۶۴ھ و ۲۱۶۵ھ و ۲۱۶۶ھ و ۲۱۶۷ھ و ۲۱۶۸ھ و ۲۱۶۹ھ و ۲۱۷۰ھ و ۲۱۷۱ھ و ۲۱۷۲ھ و ۲۱۷۳ھ و ۲۱۷۴ھ و ۲۱۷۵ھ و ۲۱۷۶ھ و ۲۱۷۷ھ و ۲۱۷۸ھ و ۲۱۷۹ھ و ۲۱۸۰ھ و ۲۱۸۱ھ و ۲۱۸۲ھ و ۲۱۸۳ھ و ۲۱۸۴ھ و ۲۱۸۵ھ و ۲۱۸۶ھ و ۲۱۸۷ھ و ۲۱۸۸ھ و ۲۱۸۹ھ و ۲۱۹۰ھ و ۲۱۹۱ھ و ۲۱۹۲ھ و ۲۱۹۳ھ و ۲۱۹۴ھ و ۲۱۹۵ھ و ۲۱۹۶ھ و ۲۱۹۷ھ و ۲۱۹۸ھ و ۲۱۹۹ھ و ۲۲۰۰ھ و ۲۲۰۱ھ و ۲۲۰۲ھ و ۲۲۰۳ھ و ۲۲۰۴ھ و ۲۲۰۵ھ و ۲۲۰۶ھ و ۲۲۰۷ھ و ۲۲۰۸ھ و ۲۲۰۹ھ و ۲۲۱۰ھ و ۲۲۱۱ھ و ۲۲۱۲ھ و ۲۲۱۳ھ و ۲۲۱۴ھ و ۲۲۱۵ھ و ۲۲۱۶ھ و ۲۲۱۷ھ و ۲۲۱۸ھ و ۲۲۱۹ھ و ۲۲۲۰ھ و ۲۲۲۱ھ و ۲۲۲۲ھ و ۲۲۲۳ھ و ۲۲۲۴ھ و ۲۲۲۵ھ و ۲۲۲۶ھ و ۲۲۲۷ھ و ۲۲۲۸ھ و ۲۲۲۹ھ و ۲۲۳۰ھ و ۲۲۳۱ھ و ۲۲۳۲ھ و ۲۲۳۳ھ و ۲۲۳۴ھ و ۲۲۳۵ھ و ۲۲۳۶ھ و ۲۲۳۷ھ و ۲۲۳۸ھ و ۲۲۳۹ھ و ۲۲۴۰ھ و ۲۲۴۱ھ و ۲۲۴۲ھ و ۲۲۴۳ھ و ۲۲۴۴ھ و ۲۲۴۵ھ و ۲۲۴۶ھ و ۲۲۴۷ھ و ۲۲۴۸ھ و ۲۲۴۹ھ و ۲۲۵۰ھ و ۲۲۵۱ھ و ۲۲۵۲ھ و ۲۲۵۳ھ و ۲۲۵۴ھ و ۲۲۵۵ھ و ۲۲۵۶ھ و ۲۲۵۷ھ و ۲۲۵۸ھ و ۲۲۵۹ھ و ۲۲۶۰ھ و ۲۲۶۱ھ و ۲۲۶۲ھ و ۲۲۶۳ھ و ۲۲۶۴ھ و ۲۲۶۵ھ و ۲۲۶۶ھ و ۲۲۶۷ھ و ۲۲۶۸ھ و ۲۲۶۹ھ و ۲۲۷۰ھ و ۲۲۷۱ھ و ۲۲۷۲ھ و ۲۲۷۳ھ و ۲۲۷۴ھ و ۲۲۷۵ھ و

اپنے دو صاحبزادوں کی دوستِ معلومات داگنا ہی کے لئے لکھی تھی بھو اسی ملک میں معزز ذمہ دارانہ عہدوں پر مامور تھے۔ فرماتے ہیں کہ تاریخ نویس کا سب سے پہلا نیز سب سے آخر فرض یہی ہے کہ سچ بولے۔۔۔

[کسی ملک میں کسی حکومت کا تذکرہ کرتے وقت] لازماً حد سے زیادہ ستائش اور حد سے زیادہ تنکایت و نکو ہش کرنا ہوتی ہے۔ اگر ہم ایسا غدار ہیں تو ہم کو بُرائی بھی اُسی صفائی کے ساتھ کر دینا چاہئے جیسی کہ تحسین کرتے ہیں۔“ (دیباچہ صفحہ ۱۰)۔ تاریخ اگر واقعات کی سچی تحریر نہ ہوگی تو لاشعاً محض ہے۔ اگر وہ اپنا کام انجام دینا چاہے تو اُس کو ہر ایک طرف کی اچھائی اور بُرائی قلمبند کر دینا واجب ہے۔“ (صفحہ ۷۷)

بہر حال، میں نے جن کتابوں سے فائدہ اٹھایا اور ذکر کیا ہے وہ مجھے ملک اور حلقہٴ علم و خبر میں برسی عزت و عظمت کے ساتھ دیکھی جاتی ہیں۔ تدریجی حیثیت سے اُن کی روایات و اقوال پر پورا بھروسہ کیا جاتا ہے۔ بعض کے متغولات تو صدیوں سے ہند کے آئین و قوانین کا مدار و مسند علیہ ہو رہے ہیں۔ ان خیالات اور اپنے اعتقادات کو واضح کر دینے کی ضرورت میں نے اس لئے اور بھی سمجھی کہ قلم کا سلیح اپنے نزدیک تاریخ کا ہفت نواں طے کر چکا ہے۔ یہ حالات موجودہ و بے اسباب ظہر شاید اُس کو پُرانے قصوں اور داستانوں کے دُہرائے اور اُن کو یاد کرنے کی نوبت اب نہ آئے گی۔

اچھا، قبول! باز گویا باغ و از احوالِ باغ تاکہ از دیور و دریا بی فسرارغ

پُھوٹوں کی ٹوکری۔ باقی چیزیں

دور رس نکتہ بین سیلانی باغ میں خوب گھوم پھر کر ایک ایک پتے اور ایک ایک گوشے کو دیکھ بھال آیا۔ تھک کر بیٹھ جانا چاہتا ہے۔ کسی پرانے استاد کا شعر زبان پر ہے۔
 سیر کی، خوب پھرے، پھول چنے نشا در ہے باغبان! جاتے ہیں گلشنِ ترا آباد رہے
 پھر بھی وہ بڑی حسرت و عبرت کے ساتھ دیکھتا ہے کہ تفتہ و سکون اُس کے نصیبوں میں نہیں۔ اُس نے سمجھا تھا کہ اُس کی آنکھ اور قلم، دونوں اپنا کام پورا کر چکے۔ اب فراغت و راحت میسر ہے۔ لیکن بیک نظر سرسری باغ کے اندر اور باہر کی کچھ اور یاد گاریں اُس کے سامنے آ جاتی ہیں۔ دامن چھوڑنا نہیں چاہتیں بیشِ نگاہ باغ کے رُخ پھاٹک کی عمارت ہے۔ اُس کے اندر (چنوں) کی طرف بھی نشست گاہیں اور سیر گاہیں ہیں۔ ایک اچھی قطع اور نئے ڈسنگ سے گنجائش پیدا کر کے کچھ اور جگہ بھی رہنے بہنے کے لئے نکال دی گئی ہے۔ بجائے خود بہت سی چیزیں جاذبِ نظر اور دلکش ہیں اور۔ اُسے جنونِ ہمت کہ منزل اور دروازہ گام ہے۔ لیکن ہمتِ عزِ خواہ نے بڑھ کے جواب دے دیا۔ پھر بھی دو چار متفرق باتیں ایسی ضرور رہی جاتی ہیں جن کا ذکر اسی سلسلہ میں مختصراً و مجملًا ہو جانا مناسب ہے۔

(۱) واٹر وکس کا کارخانہ، دفتر، تالاب اور شنگی وغیرہ باغ کے مشرق و شمال، دیوار کے متصل ہیں۔ ان کے سلسلہ میں دروازے بھی نئے قائم کئے گئے ہیں۔ یہ چیزیں نئی ہیں اس لئے اس وقت میرے دائرہ خدمتِ تحریر سے خارج ہیں۔ اسی طرح اینٹ کی دیوار، جو اُس طرف کی دیوارِ باغ کو ہٹا کر بازار کی طرف یعنی باغ کے پورب اہد دکن، واٹر وکس نے اپنی ضرورتوں سے بالو گودام وغیرہ کے احاطے کے طور پر ۹۷-۹۸ء میں بنائی تھی، جدید ہے۔ مگر اُس کو شوریت کے خانہ برانداز اثر نے بڑھاتا رکھا ہے۔ وہ باغ کی اصلی، سنگین و عربیہ دیوار کے مقابلہ میں بہت کمزور اور اپنی پستی و کم چوڑائی کی بدولت

انگشت نما ہے۔

(۲) سہ ماہی کے آشوب و انقلاب سے پہلے کے ممبر اور سینر سینیہ حضرات کی چشم دید یہ ہے کہ اس پھانگ کے سوا بود و باش کے قابل شاہی زمانہ کے مکانات یہاں نہیں تھے۔ اتفاقیہ سیر و تفریح آمد و رفت کی اور بات ہے۔

(۳) موجودہ کارٹرز (مساکرن) حالات اور ضرورتوں سے مجبور ہو کر مایوں اور شاگرد پیشہ کے لئے بنوائے گئے ہیں۔ بعض شمال و غرب کے گوشہ میں دیوار سے ملحق ہیں اور بعض متصل مگر اس انداز سے تیار ہوئے ہیں کہ اس حصہ باغ کی عدم آراستگی اور تعریف نادر اپران سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ان کے سامنے کے بلند درختوں کے گھنے جھنڈوں نے پردہ ڈال رکھا ہے۔

(۴) سوپرٹنڈنٹ باغات یعنی محلہ زرعی کا دفتر و سامان خانہ، تہولی بیگم کے گنبد کے اوڑے سلیقہ و شعور سے نیا تعمیر ہوا ہے۔

(۵) محافظ آثار قدیمہ کا دفتر پھانگ کے ایک مغربی کمرہ میں (صفحہ ۶۱) بدستور عمارت گزیر ہے۔ سیاحتی تحفہ پر سفید حروفوں میں یہ عبارت تحریر ہے
Office. Conservation
Assistant Archaeological Survey. Mubam -
Madan and British Monuments, Northern Circle.

Allahabad. مقابل کی کوٹھری میں نگران سپاہی رہتے ہیں۔ ان کے سوا

بھی نیچے اوپر کئی کمرے اور کوٹھریاں ہیں۔ خالی پڑے ہیں۔ سناٹا چھایا رہتا ہے۔

خامشی میں زندگی کی بو کہیں باقی نہیں ہیں مکاں باقی مگر ان کے سبکیں باقی نہیں

(۶) باغ کے اندر اندر دیوار احاطہ کے ساتھ ساتھ بچہ سڑک گھومتی ہوئی چلی جاتی ہے کہیں کہیں

بانیسی اور ناٹو وغیرہ کے آسمان شگاف درخت بھی نظر آفر و سایہ انداز ہو جاتے ہیں۔

(۷) باغ کے پُراںے پختہ چاہ لائق ذکر تین ہیں۔ یہ کنوئیں خوب بڑے بڑے اور چوڑے پکے ہیں۔ اس عالم

کی تمام فنانڈیز بریوں اور اس دیرنا پادار کی بوفائوں اور زود میریوں کے باوجود مضبوط، مستحکم اور دیرپا سمجھے

جاتے ہیں۔ انفسوس ہے کہ ان میں سے کسی پر کوئی کٹنگ نہیں لگا ہے۔ نہ باہر سطح زمین پر کوئی سائبہ تعمیر کھلی ہوئی ہے جس سے ان کی تداومت و حالت گزشتہ کا اندازہ ہو سکے۔ تمیاس غالب یہ ہے کہ آبیاری کے واسطے یہ کنوئیں پہلے تیار کر دئے گئے ہوں گے تب باغ و درخت لگائے گئے ہوں گے۔ (پہلا یہاں والوں کے طعن آمیز قول کے مطابق واٹر ورک پر تصدیق ہو گیا۔ کچھ دن اُس کے کار پروازوں اور خدمت پیشہ جماعت کے مصرف میں بہا تھا۔ بہر کیف اب اس سے شہر اور باغ کی آب رسانی اور باشندگان کی راحت و فیضان کا کام نہیں لیا جاتا ہے۔ اصلی غرض منقود اور اُس کی نفع رسانی مام معدوم ہے۔ بے شہرہ موجودہ نظام سلسلہ آب رسانی کے قائم ہو جانے کے بعد اس کی ضرورت بھی چنداں نہ رہی تھی۔ اس میں آہنی زنجیریں اور تیار ٹرا ہے۔ صفائی کے وقت کبھی اس کے اندر سے پتیل کے نل (پائپ) مخصوص وضع اور مضبوط ساخت کے نکلے تھے۔ (دوسرا)۔ تہولی بگیم کے گنبد کے قریب، آٹھ پچھم کو، باغ کی غرنی دیوار سے متصل ہے۔ زیادہ تر مایوں، محافل باغ اور اُن کے اہالی کے تعریف میں رہتا اور ”پور وہ والا“ کہلاتا ہے۔ (تیسرا)۔ تقریباً وسط میں شاہ بیگم کے مقبرہ کے پیچھے، یعنی شمال کو، پشت پہل ہے۔ ”خزانہ والا“ اس کے دو منہ یاد دہانے تھے۔ ایک اوپر کا دہانہ، اصلی جہاں سے پانی کھینچا جاتا ہوگا اور اب بھی لیا جاتا ہے۔ دوسرا کنوئیں کے دور یا گہرے میں اس کی سنگین بگمت، پختہ من اور چو وغیرہ بغیر خفیف، سب کچھ موجود ہے۔ پوریت پچھم دونوں طرف کدکساں۔ دونوں جانب کی دیواروں کو بقدر ضرورت بلندی دے کر پھر نشیب میں لاکر شیریاں بنادی ہیں اور مناسب طور پر ڈھالو بنا کر اور اونچائی دے کر خشک مٹی سے بھر دیا ہے۔ ان پر پٹل چلتے ہوں گے۔ اور شیلد ب بھی کبھی کبھی چلتے ہیں۔ بظاہر یہ اُٹانے یا ان کی ساخت نئی نہیں معلوم ہوتی۔ کنوئیں کا وہ دوسرا (خاص) دروازہ، جنوب کو مقبروں کے رخ، لمبی دیوار کے عین وسط میں تھا، سلطان شتار بانو کے گنبد کے بالکل پیچھے۔ کھلا ہوا، بے کواڑوں کا تھا۔ جو کھٹ باز و پتھر کی تھی۔ اسی (صدر) دروازہ میں مہر کہ اندر جانے کے لئے زمین کھلا اور صرف یہی ایک راستہ نیچے جانے کا تھا۔ داخل ہونے پر ایک اوسط درجہ کا چوکور تقریباً تین تین گز لمبائی چوڑائی کا کمرہ ملتا تھا۔ جس کی چاروں طرفوں میں چار کھڑکیاں یا چھوٹے چھوٹے دروازے تھے۔ گز ڈیڑھ گز سے زیادہ اونچے نہ رہے ہوں گے۔ اندر اندر قالبونی یا محراب دار بنے تھے اور کنوئیں کی گولائی میں گھلتے تھے۔

دروازوں کے اُدھر روک یا اڑکے لئے پھسکے واسے کھڑے اور چڑے تھے۔ کوڑا نہیں تھے۔ کنوئیں کی ساخت اور اس کی گہرائی کے وسط سے کچھ اوپر محرابوں کے نشان اور کچھ اتار باقی ماندہ اب بھی نظر آتے ہیں۔

جانتے والے بتاتے ہیں کہ یہیں کھڑکیاں یا نفلی دروازے تھے۔ اس جگہ غسل ہوتا تھا۔ یہاں سے پانی

تک پہنچ جانا اتنا ہی آسان تھا جتنا یہاں سے بیٹھے بیٹھے پانی کھینچ لینا۔ پانی سے اُٹنے والی ہوائیں اور ابھرے اُس کو سرد رکھتے تھے۔ وقت ضرورت ہی طوت خانہ ہو جاتا تھا اور یہ سب کارخانے اور کھیل ٹمٹے رعایا کی سیر و تفریح کے لئے تیار و ہتیا کئے گئے تھے۔ مینہ، قلعہ و محلات و قصور کو چھوڑ کر بیگمات

دشہزادیاں یہاں آتی تھیں اور نہ امراء و عماء کی خواتین کی نشست و برخاست اور مجلسیں کبھی یہاں ہونے پاتی تھیں۔ باشندگان شہر کے لئے یہ دروازے کھلے ہوئے تھے۔ انھیں کے سوز و ساز کے رنگین دفتر یہاں کھلتے اور راز و نیاز کی داستانیں پھرتی تھیں۔ محبت و نشاط اور مہر و وفا کی روح جالیدہ ہوتی تھی۔

گرمی کا موسم یہاں کی لطیف اندوزیوں، سرمستیوں اور عیش پرستیوں کے لئے فصل بہار تھا۔ جگت سے

کچھ نیچے ٹپے ٹپے پتھروں کے گڑھے ہرے سوراخ دار دو دروازوں کے اندر چاروں طرف

برابر برابر لگے ہوئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان سے شمایانے نصب کرنے پر دروں کے لگانے اور امور ضرورتوں

کا کام لیا جاتا تھا۔ میں برس ہوئے کنوئیں کا یہ دروازہ یا مدخل باہر سے بند کر دیا گیا۔ دیوار میں ایک

جو کھٹہ یا دروازہ صاف نمودار ہے جو اینٹوں سے چُن دیا گیا ہے اور جس کو دیوار پر لٹکی ہوئی سیلیں نگاہ سے

پہنناں رکھتی ہیں۔ پل چلانے یا پانی لینے کے لئے صرف اوپر کا منہ کھلا رکھا ہے۔

یہ کنواں فوارہ والے حوضوں کے واسطے سب سے قریب ہے۔ یہیں سے دونوں حوضوں اور فواروں

کے لئے پانی کی بہم رسانی ہوتی تھی۔ اس کی جگت کی اونچائی دیوار کی بلندی کی مناسبت سے رکھی

گئی تھی۔ کنوئیں سے دیوار پائنتہ پر ہوتا ہوا پانی حوضوں میں بھی پہنچتا تھا۔ فوارے چھوٹے تھے۔ حوض

اب خشک رہتے ہیں۔ کوئی قدر دران نہیں۔ فوارے اپنی خستہ حالی پر نالاں ہیں۔ کوئی پُر سال نہیں۔

یہ سنگین و متعوش تھے۔ ایک بالکل ٹوٹ گیا۔ اس کی جگہ سادہ سانیا لگا دیا گیا ہے۔ اُن بل بے جوڑ۔

یہ کنواں نہ صرف سموی چاہات بلکہ اپنے چپ و راست کے کنوؤں سے بھی بڑے بڑے مسٹر انیل کے کھینچے ہوئے

نقشہ میں یہی کٹواں اور یہی دیوار دکھائی دیتی ہے۔ حاجت مندوں اور پیاسوں کا ہجوم ہے۔ کیلوں اور اور جانوروں پر کچھا لیس، زنبیلوں اور مختلف وضع و طرز کے برتنوں میں، نیز سروں پر لوگ پانی لئے جا رہے ہیں۔ افسوس ہے کہ اس پر کوئی کتبہ نہیں اور کہا جاتا ہے کہ جو حصہ بند کر دیا گیا ہے وہاں بھی کوئی پتھر نہیں تھا۔

(۸) مقبروں کے درمیان کے دونوں حوض، جن کا ذکر صفحہ ۲۹، ۳۰ پر آچکا ہے اندر اندر مرجع ہیں۔ لیکن ان کی سطح بالائی پر، چاروں کونوں پر، پتھروں کے چھوٹے بڑے تختے، 'اقدار مناسب' سلیقہ سے رکھ کر مثلث بنائے گئے ہیں، جس سے ان کی شکل اوپر اور پرہشت پہل نظر آتی ہے۔ ان میں مصنوعی آبشار بھی تھے، پانی کے اخراج کے لئے بند رو بھی۔ زرد و سرخ پتھر لگا تھا۔ چڑھنے کے لئے پتھرم پورب، دونوں طرف سیڑھیاں ہیں۔

(۹) مقبروں کے شمال، چوتروں سے ہٹ کر، اینٹ چونے کی پختہ دیوار، شاہ سیگم کے روضہ سے سلطان بہار کے گنبد تک شرقاً غرباً چلی گئی ہے۔ مقبرہ خسرو کے شمالی و غربی گوشے کو مس کر لینے پر اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اس میں جابجا آبشلا اور پتھر بنے تھے۔ جھسرنے خشک پڑے ہیں۔ بدنامی دور کرنے کے لئے دیوار پر سداہری سلیس چڑھا دی گئی ہیں خوب بھیلی اور بڑھ گئی ہیں۔ دیر پا اور لطیف نظر ثابت ہو رہی ہیں۔ کنوئیں کے اندرونی کمرے کا تعلق اسی دیوار سے تھا۔ اور اسی ضرورت سے نیچے کو ایک دروازہ بھی اس میں رکھا گیا تھا۔ دیوار کا طول پچھتر قدم، عرض ساڑھے تین فٹ اور بلندی گیارہ فٹ ہے۔ دیوار کی بلندی سے ڈیڑھ فٹ نیچے کنوئیں کی سنگین جگت ہے۔ سوا دس فٹ کی بلندی پر پہنچ کر دیوار پر نواج چوڑی نہریا نالی رواں کی گئی ہے۔

دیوار کی ساخت میں بھی خوشنمائی اور استحکام کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ دیوار تین حصوں میں منقسم نظر آتی ہے۔ پنج والا حصہ، جو زیادہ بلند اور بظاہر کچھ زیادہ مضبوط بھی ہے گیارہ فٹ اونچا ہے۔ اس کے دونوں سروں پر گولائی دے کر پٹہ سا بنا دیا ہے، اور اس کے ذریعہ سے نہر کو دوسرے یعنی پست حصہ دیوار پر اتار دیا ہے۔ اس کے بعد دونوں طرف یعنی دائیں بائیں ہاتھ کی دیواریں کم بلند

اور اسی مناسبت سے موٹی بھی لکم ہیں۔ پیچم کو جہاں دیوار ختم ہوتی ہے، یہ نہر مذور پشتہ میں ہو کر بائیں فٹ کی بلندی سے، پتھر کے گول خوبصورت دہانہ (پرنا لے) کے ذریعہ سے نیچے کو گر جاتی ہے۔ یہاں ایک چھوٹا سا آب گیر (حوض) یا آبدان ہے جس میں اس نالی یا نہر کا لایا ہوا پانی گرتا اور جمع ہوتا تھا اور یہیں سے تقسیم ہو کر ہر طرف پہنچتا تھا۔ دیوار کے آس پاس، ایک دو حوض اور، چھوٹے چھوٹے، جا بجا، آب دُزد (زمین دُزد) و آب خورد و آب ریز کی ضرورتوں سے بنائے گئے تھے۔ اب تک ہیں سنگی آبشہ کا زیریں حصہ جو پتھر کا خوشنما تراشا ہوا ایک بڑا تختہ ہے، سلامی دار نصب کیا گیا ہے۔ اس کے کھلے ہونے دامن پر ابھرے ہوئے پھول اور ٹہو ماہی کی شکل کے نقش و نگار ہیں، جو دلکشی اور جذب نگاہ کے سوا پانی کے منتشر کرنے اور نیچے پہنچانے میں بھی خوب کام دیتے ہوں گے۔ پرانے راجپہاؤں اور نالیوں کا سلسلہ ہنوز قائم و کار آمد ہے۔ جہاں تک تحقیق کر سکا، دیوار کے اندر یا کسی اور جگہ کوئی اور آب رو یا آب خور یا سرداب ایسا نہیں ہے، جو میری آنکھ سے اوجھل بہا اور تلاش سے چھوٹ گیا ہو۔ یہ مختصر مادہ سائبند و بست، بجائے خود، آبپاشی و آبپاشی کا نہایت کار آمد، عمدہ اور مکمل، طریقہ اور کارخانہ تھا جو اس وسیع رقبہ کے لئے کفایت کرتا، اور سارے باغ کو خوب سیراب رکھتا تھا۔

(۱۱) اسی دیوار کے پیچم والے سرے پر ایک چھوٹی سی کوٹھری شاہ بیگم کے مقبرہ کے نزدیک ہے۔ ”بُرجیا“ کہلاتی ہے۔ دکن کو چھوڑ کر اندر سے بالکل گول ہے۔ اس میں ایک چھوٹا سا دروازہ یا سنگی چوکت بازو جنوب، رخ نصب ہے۔ کوٹھراب نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کبھی حمام تھا۔ لیکن اس کے ماننے میں مجھے تاثر ہے۔ کسی معمولی مسجد کے غسل خانہ سے زیادہ گنجائش اس میں پائی نہیں جاتی، نہ اُٹھنے بیٹھنے کے لئے کافی جگہ ہے۔ پھر یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ اس کے اندر نیچے بھی کوئی عمارت تھی یا نہیں۔ اگر تھی تو اُس کا راستہ کہاں اور کبھر سے تھا۔ میرے نزدیک اس حجرہ کا صرف اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ غریب خدمت پیشہ دھوپ اور بارش میں یہاں پناہ لیتے ہوں گے۔

(۱۲) سلطان بہار بیگم کے گنبد کے اتر ایک ہشت پہل مرفیع سنگی چوڑ ہے اور اچھی حالت

میں ہے۔ اس کے چاروں طرف اور تمام دیہوں پر عمدہ و دل پسند کام پتھر پر نقش و نگار کا ہے۔ اندر کا
 جوت بھی سیکار نہیں چھوڑا گیا بلکہ ایک متوسط گنجائش کے کمرے کے قالب میں ڈھال دیا گیا ہے۔ اس کا
 دروازہ شمال روئے، مربع بلا جو کھٹ اور کوار کا تنگ، نیچا اور مختصر ہے۔ اندر اترنے کے لئے سیڑھیاں ہیں۔
 کمرہ روشن اور چوڑا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ افسران و منتظرانِ باغ یہاں بیٹھ کر شاگردِ پیشہ مزدوروں اور
 ملازموں کو تنخواہ، ذرا اجرت و انعام تقسیم کیا کرتے تھے۔ لیکن یہ قمرین قیاس نہیں۔ اُمراء و علماء کے داخلہ
 کے لئے یہ نیچا دروازہ یا چوڑا سو رنج اور کھڑے ہونے کے لئے یہ پست چھت قطعاً موزوں نہیں۔ تقریباً
 نشست کے واسطے جو ترہ اوپر اور بہت کافی اور اچھا ہے۔

قلم کا مسافر خداوند کے اپنی منزل مقصود پر پہنچا۔ اُس کی محنت ٹھکانے لگی۔ اُس نے خسرو باغ
 کے در و دیوار، گل و گلزار، خزاں و بہار کو اچھی طرح دیکھ لیا ہے۔ عہدِ جہانگیری کی رنگ رلیاں اُس کے ساتھ
 ہیں اور سلیم کی وفا پرستیوں کی تصویر پیشِ نظر۔ وہ خسرو باغ کے ایک ذرہ ذرہ میں محو ہو رہا اور اُس کی
 ایک ایک چیز کا خیال کر کے والہانہ انداز سے گنگنا رہا ہے۔

سر اس جا، سجدہ اس جا، بندگی اس جا، قرا اس جا
 بہار اس جا، قشار اس جا، مزار اس جا، گھا اس جا



بگاراؤلیں، بہارِ آخریں

باغ کا مجوزہ خاکہ یا بعدِ تعمیر و نصب کا کوئی پُرانا نقشہ مجھے دستیاب نہیں ہوا۔ نہ کسی کا پتہ چلا۔ جس سے اس کی ابتدائی ترتیب و تشکیل اور بعدِ تنظیم کے اضافوں اور اصلاحوں کا اندازہ ہو سکتا۔ ضلع کے محافظ خانہ مال میں قلعہ آباد کا ایک نقشہ شاہی عہد کا محفوظ ہے جس کے ساتھ کچھ تفصیلات و حساباتِ تعمیر بھی منسلک ہیں مگر ان سے خسرو باغ کے معاملات پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔

سب سے پُرانی چیز جو میری نظر سے گزری وہ رانی (شاہِ گیم) کے روضے اور اُس کے حوالی کا نقشہ ہے جو سنہ ۱۶۹۷ء میں یا اُس کے قریب مشہور صنّاع و دست کار ٹامس ڈانیال نے کھینچا تھا اور جس کی پُرانی طرز سے چھاپی اور رنگ دی ہوئی نقیص اب بھی کہیں کہیں پائی جاتی ہیں۔ میں نے اس کو قیصر باغ لکھنؤ کی امیر الدولہ بیلک لائبریری میں دیکھا تھا (صفحات ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳) جو جو خسرو باغ کا اس نقشہ سے مقابلہ کرنا میرے لئے مشکل ہے۔ اس لئے کہ نہ وہ کمیاب چیز قیصر باغ سے خسرو باغ پہنچ سکتی ہے نہ خسرو باغ کا کوئی حصہ قیصر باغ تک منتقل کر سکتا ہوں۔ میرے امکان و قوت سے دونوں باہر ہیں۔

اس لئے باغ کی گزشتہ و موجودہ حالت کے موازنہ کے لئے آپ کو زیادہ تر قرائن و قیاسات سے کام لینا ہوگا۔ ساتھ ہی ایک انصاف کو شش ناظر و ناقد کی حیثیت سے یہ دو باتیں پہلے ہی دیکھ لینا ہوں گی:-

۱) باغ کی نگہداشت و پرداخت کیسی کی جاتی ہے۔ حکومت کے چشمہ فیض و چشمِ کرم کی کیا کیفیت ہے؟

۲) کسی ایسے پُرانے باغ کا بحالہ و اصلہ آب تک قائم رہنا کہاں تک ممکن تھا؟ جدید ترتیب و گلشن آرائی و چمن پیرائی سے اس کے بچنے کی کیا صورت ہو سکتی تھی؟ گزشتہ چار سو برس میں 'راجِ اوقت' اصلاحات و تنظیمات کا کیا اثر پڑا ہوگا؟

ایک غیر ذمہ دار سہل انگار شخص کے لئے کمال جرأت سے بے تکلف کہہ ڈالنا آسان ہے کہ باغ کی وہ مورت ویسٹ نہیں رہی جو مجوزین اور کاریگروں کے ذہن و خیال میں تھی۔ تاڑوں کی افراط اور جابجا موجودگی کے سوا قدامت و کہن سالی کی باتیں اور پرانی چیزیں یہاں کیا رکھی ہیں؟ منتظرانِ حال نے بالفاظِ شالیستہ خود ہی تسلیم فرمایا ہے کہ نو دس برس پہلے بعض ٹکڑے مغربی طرز میں ڈھلے اور نگے ہوئے تھے، جن کی ایک بڑی حد تک درستی کر دی گئی ہے۔ بیگانہ وضع کی دماغِ انبیا دور کر دی گئی ہیں (ص ۷۰)۔ بایں ہمہ پہلی ہی غلط انداز نگاہ سے روشن ہو جاتا ہے کہ اس مرکز کی مترعویہ اصلاح یافتہ ترتیب و حالت بھی اس کے بانیوں کی اصلی تجویز و مقصود کی آئینہ دار نہیں مانی جاسکتی۔ شاید اس کی مکمل بازگشت و رجعت کے لئے کئی قرن درکار ہوں گے۔

مانا کہ وہ گنجان و تنہا درخت اور گمنی گمنی جھاڑیاں اور گنج اب اس وسیع رقبہ پر ہر جگہ بھیلے ہوئے نظر نہیں آتے، جو مغلوں اور وسط ایشیا کے اُمراء کے قدیم باغوں کی رونق و دلکشی کا سرمایہ سمجھے جاتے تھے، اور جن کے یہاں بھی بکثرت موجود ہونے کی توقع کی جاتی ہوگی۔ لیکن کیا پھاٹک سے مقبروں تک کے فرائح راستہ پر دورویہ پُرانے پرانے درختوں کی قطاریں ہم کو کھلی نہیں معلوم ہوتیں؟ کیا مقبرہ و خسر و تین جانب (یعنی پتھر چھوڑ کر) اس کے سید و عریض سنگین چوترہ کے گرد اگر دایوں کے جھنڈ ہم کو مہوت نہیں بنادیتے۔ کیا اور مقبروں، روضوں اور مرقد الحال خاندانوں کے گورستانوں کی طرح مولسری کے درخت اس جگہ پائے نہیں جاتے؟ جن کے پھولوں کی بھیننی بھیننی خوشبو اور گمنی گمنی چھاؤں کوئی کشش و دلربائی نہیں رکھتی؟ کیا مقبروں کے پاس سے دیکھنے پر ہر جانب خصوصاً دیوار باغ کے برابر شاندار چھتدار میروں کا سلسلہ ہماری آنکھوں اور دلوں کو نہیں کھینچتا؟ کیا اہلہائے ہونے مہزنے اور تروتازہ گھاس کے ہوا لیے چوٹے پادک غما قلعے خوش نما و نظریہ نہیں کہے جاسکتے؟ قدیم چٹنوں اور خیابانوں کا نشان اگر کوئی صحیح نہیں پاسکتا، تو کس کا تصور ہے؟ گردشِ یل و نہار کا اتمہ ہی ہے۔ ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے۔ دنیا کے حافظ کا بڑا زاد اسکی بہت سی مثالوں سے مالا مال ہے۔ اسی ہیخ تالیس چوپالیس برس ہوئے، تاج محل کے ایسے نادر و روزگار

واجوبہ عالمِ روضہ کے پرنے پرنے درخت جو بجائے خود ایک ایک تاریخ کے حامل اور اہم واقعات کے مستقل یاد دلائے والے تھے، ایک سبک مغز کوتاہ اندیش حاکم نے کٹوا ڈالے۔ ان کی خالی جگہ تو پُر کر دی گئی ہے، مگر ان صنادیدِ کہن کے وداعِ دائمی اور تاریخی یادگاروں کے نابود ہوجانے کا قلق و تاسف کس کو سوا انِ روح نہ رہے گا؟

دل کا ٹوٹا ہوا شیشہ ہے زبانِ نیرنگ ساری دُنیا کے ہیں قصے جبے انسا نہیں
خوش نصیب ہیں آپ اور خوش قسمت ہے آپ کا باغ، کہ ایسی گردشوں اور تباہ کاریوں سے
آمن و محفوظ رہا ہے۔

یہ بھی تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ شاہِ عالمِ ثانی کے قیامِ الٰہ آباد اور برائے نام عہدِ سلطنت، اور انگریزوں کے تسلط سے بیشتر باغ کی کوئی تقسیم اور آرکیالوجی کل اور ایگریکلچرل ٹکڑوں کی تفویض نہ رہی ہوگی۔

توفتہ زمانہ شدی، ورنہ روزگار نہ بود است پیش ازین قدرے آرمیدہ تر
لیکن مقبروں اور اُن کے حوالی و متعلقات کی بدیہی حالت دیکھ کر کون حق شناس و حق گو اس سے
انکار کرے گا کہ ان کی حالت میں حسبِ اقتضا زمانہ کوئی شاندار رونق افزا تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔

اُن کا احسان ہے اور ہم پر شکر لازم، کہ عاملانِ حکومت کی توجہ و انتفاع سے عمارت و غیرو کی
قرار واقعی حفاظت و نگرانی اور صفائی، بوقتِ ضرورت مرمت بھی ہوتی رہتی ہے۔ ان کے آس پاس
حال میں بعض معروف و مشہور اقسام کے درخت بھی لگائے گئے ہیں۔ وہ قدرتی دلکشی اور مرکزی خوشنما

جو بار کے اخلاط کی یادگاروں اور تیوری تاجداروں کے باغات کا طرز امتیاز اور جودِ نودبتائی جاتی ہے،
اگر اب بھی محفوظ اور کسی حد تک نیست و نابود ہو، عظیم البمشہ پھل دار درختوں کے ساتھ ساتھ ششاد و منوبز
انار و سنگترہ کے پیڑوں، گل و ریامین، لالہ و زگس کا امتزاج و اختلاط جو دوسری جگہوں پر اتنا اثر انداز
نہا کر اور کیفیت افزا معلوم ہوتا ہے، یہاں پورے طور پر قائم یا کہیں پیدا ہی نہیں ہوا ہو تو اس کے لئے جھکو
کچھ روز اور صبر و انتظار کی ضرورت ہے۔ آپ کے توقعات یقیناً کامیاب اور بار آور ہوں گے۔

انگریزی مثل ہے۔ *Everything comes to him who waits.*

رہا دوسرا جزو زری۔ مانا کہ اس روح پرورد قطعہ خاک میں اس کے اصلی خاکے کے کچھ نقش و نگار مٹ گئے ہیں؛ یا یوں کہے کہ ان کو خاطر خواہ بدل کر اپنی مصلحت دید یا مغربی ذوق کے موافق یا مغیرہ کاروباری شکلوں میں تغیر دے دیا ہے۔ کچھ نظر فریب پھلواریاں اور فرخ بخش چیزیں فراہم؛ یا تجارتی اصولوں پر پود گا ہیں قائم کر دی گئی ہیں، تو اس کے لئے علامہ فہامہ سید سلیمان ندوی کا ایک فقرہ مجھے بے اختیار یاد آتا ہے جو رسالہ نقاد کے تبصرہ میں فرمایا تھا۔ ”یہ اعتراض صحیح نہیں ہے کہ اس قسم کی ادبیات سے ہکو مٹی و دماغی فائدہ نہیں پہنچتا کہ اس باغ، ہستی کی ہر چیز کھانے کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ کچھ دیکھنے اور سونگھنے کے لئے بھی ہے۔“ لہ

ان جزئیات و نغیفات تیزات سے قطع نظر فرمائیے گا تو باغ کے یہ چاروں حسین رونقے جو ایک لائن ایک محاذ میں، ایک دوسرے سے مناسب فصل و دوری پر واقع ہیں، بجائے خود قابل دید، حاذب نگاہ و شاندار نظر آئیں گے۔ آپ ان چار گلدستوں میں اہل ہند کے فردوس فرار و سکون کے چار شگفتہ پھول بستان افروز پائیں گے، یا گو گمانوں کے سحر کارانہ سلسلہ امیرات اور ان کے کالات رنگ و جمال کے چار ظہر جلوہ افروز دیکھیں گے یہی نہیں، جب اس مقام سے آپ اپنے گرد و پیش نگاہ ڈالیں گے تو سارا باغ اپنے سرسبز و عالی شان حاشیوں اور ہرے بھرے دامنوں، دلکش لالوں کے ساتھ پوری رعنائیاں لئے ہوئے آپ کی آنکھوں میں کھینچ کر آجائے گا اور آپ اُس وقت محسوس فرمائیں گے کہ اس پیکر لطیف میں وہ سب خوبیاں اور زیبائیاں مجتمع ہیں جن کا آپ کا ذوقِ سلیم مشتاق و تمثلی تھا۔ نہیں۔ خسرو بلخ میں اسکے علاوہ بھی آپ کو وہ بہت سی باتیں موجود ملیں گی جو ہمارے ملک کے بہت سے باغات اور نہایت گاہوں میں عموماً ملحوظ نہیں رکھی جاتیں۔ میرے نزدیک اگر کچھ کمی ہے اور فرق و امتیاز تو اسی قدر کہ اکبری و جاگیر کی عہد کی بعض تفریح گاہوں کی طرح اس میں سنگ مرمر کی نہیں اور عوض نہیں بنائے گئے تھے، نہ کوئی شاہانہ کوشک یا بارہ درمی تعمیر ہوئی تھی۔ میں کہوں گا کہ سنگ مرمر کی کھیت اور زیادہ استعمال تو نفاست پسند شاہجہاں کے دن و دماغ کی ایجاد اور اُس کی نازک خیالی کا کارنامہ تھا۔ حقیقتہً اس کا پورا رولج اس باغ کے

پچاس ساٹھ برس بعد ہوا ہے۔

صاحبِ مفتاح التواریخ نے اس کو ”باغِ یادشاہی“ کے نام سے یاد کیا ہے۔ ممکن ہے کہ سو برس سے پہلے یہ باغ اسی نام سے یا زیادہ تر اسی نام سے مشہور و معروف رہا ہو۔ لیکن دہی ممتاز مورخ کچھ دن بعد اپنے انگریزی تذکرہ سٹاہیمیر شرق میں اس کو ”ہر جگہ“ ”باغِ سلطان خسرو“ لکھنے لگا تھا۔ ابکل تو علوم الناس میں ”بڑی بلخ“ کے نام سے شہرت رکھتا اور غلہ آباد کی منڈی اور تروتارہ میوؤں اور موسمی پھلوں کی جگہ فروخت کے قریب کی وجہ سے زیادہ تر اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔

ایک عطائی یا ناماہرن کہہ سکتا ہے کہ بادی الراء میں بلخ کے لئے اس سے زیادہ موزوں اور اچھی جگہ قلعہ کے قریب اور ایک کنارے ہو سکتی تھی۔ جہاں تحلات و قصود کے غروں اور دریچوں اور بادشاہی ایوانات کے برصوں اور کنگروں سے ملنے قدرت کی جاندار نیز بے جان مخلوق صبح کے طلوع اور شام کی شفق کی رنگارنگ تجلیوں اور نظاروں سے متنع ہوتی۔ باغ کے سرسبز و سدا بہار شجار و صوب گرمی اور روشنی سے فائدہ اٹھاتے اپنے پتوں پر سونے کے ورق چڑھتے، تابشِ مہر و ماہ سے حیاتِ تازہ حاصل کیا کرتے۔

عابائہ بلخ کسی ویران غیر سطحِ رقبہ پر آباد کیا گیا تھا۔ اسی لئے یہاں کوئی قدرتی مناظر یا چشمِ زیب تماشا گاہیں پائی نہیں جاتیں۔ بنیاد پہلے ہی پڑ چکی تھی کہ شاہِ گیم کی اچانک موت اور بہ نسبت تدفین اس غیر آباد و سطحِ قطعہ زمین کی عزت افزائی و سر بلندی کا باعث ہوئی، جو نو آباد شہر کے سواد میں ہونے کے سوا اس وقت بھی کوئی سامان و اسباب دلکشی اپنے اندر نہ رکھتا ہوگا۔ اور پھر مرقہ کے اطراف اور متصلہ رقبہ کو شاداب بنانا، پُر لطافت و بار و فن رکھنا لا بُد ہوا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ رعایا کی سہولت، باشندگانِ شہر کی آسائش و تفریح کے خیال سے قریب شہر کی اس اراضی کو ترجیح دی گئی ہو۔ کوئی اور معقول وجہ میری ناقص فہم اور رسائی ذہن سے باہر ہے۔

سلام! اے خسرو باغ سلام!۔۔۔۔۔ اے گلگشتِ آخریں سلام!!! اور نصرت
بہارِ لالہ و گل پھر کبھی کلاہ کو دیکھیں گے چلے ہیں اس چین سے ہم نگاہ واپس ہر کہر

حوالی باغ

خدا کا شکر ہے کہ ”خسرو باغ“ اور اُس کے منادید و تفصیلات سے فراغت ہو گئی۔ لیکن باغ کے سرِ باب
 باہر بھی بعض چیزیں پُرانی اور اُسی کے ساتھ کی پائی یا بتائی جاتی ہیں، جو قابلِ انتفات ہیں اور جن کا ذکر
 ان ادراق پر ضروری ہے۔

نُقُوشِ عِبرَت - مَسْجِدِیں

شاہِ عالم ثانی کا قیام الہ آباد میں سا لہا سال رہا تھا۔ اس کے منصبِ داروں اور مقررانِ دولت نے
 اطرافِ بلدہ کے مختلف حقول، نیرِ شہر کے چند تھلؤں میں یادگاریں چھوڑی تھیں۔ بعض کا ذکر مسٹر ریل نے
 مفتاحِ اتوارِ رخ میں کیا ہے۔ ”مسجدِ الہ آباد“ کے زیرِ عنوان ایک مسجد کی نسبت تحریر فرماتے ہیں کہ ”باغِ پادشاہی“
 (خسرو باغ سے مراد ہے) کے قریب محسام الدین علی خاں نے (۱۱۸۱ھ) میں تعمیر کرائی تھی۔

۱۔ نقشبِ تنقِج الاخبار، مطبوعہ ۱۳۶۶ھ، ص ۴۰۴۔ گلستانِ ہند، دوم، صفحہ ۲۴۸۔ مفتاحِ اتوارِ رخ، مطبوعہ ۱۸۴۹ء، صفحات

۵۲۲ و ۵۲۹۔ بیس دہشتری، صفحہ ۲۴۲۔ سفرنامہ جنرل گاؤفرے، مئذی، صفحہ ۲۵۲۔ شاہِ عالم کی سکونت ۱۱۸۱ھ تک الہ آباد میں رہی تھی۔

(ڈسٹرکٹ گزیٹیر، مطبوعہ ۱۸۸۳ء، صفحہ ۱۳۶)۔ ۲۔ نسلاً ایرانی تھا۔ یہ اور اس کا چھوٹا بھائی وحید الدین خاں دونوں سخنِ نہم اور

شعرا کے قدر شناس و سرپرست تھے۔ اس کیپانچ بیٹوں میں سے دو نامہ و اکال شاعر گزرے ہیں۔ (۱) مولیٰ خاں تین مولوں

تذکرۃ الاعیاء الاشرع۔ یہ بھی پادشاہی منصبِ دہلی کے تہہ میں داخل تھا۔ (۲) مرزا قلندر جو کبھی کبھی قبر بھی قلعہ کرتا تھا ایک لاکھ شہر

یادگار چھوڑے تھے۔ میر غلام حسین خاں، لہا طبائی، صاحبِ سیرِ السانین، محسام الدین کا ایک مہما مصر مورخ قلعہ ادھ کی

بُے الفاظ میں یاد فرماتا اور سفدِ فرشِ ملازمینِ شاہی میں شمار کرتا ہے۔ لکھتا ہے کہ پری بیکران نویدہ کوراک و قلعہ

کی تعلیم دلا کر حضور میں پہنچاتا اور شفقتِ کثیر حاصل کرتا تھا۔ اسی سلسلہ سے معتبرِ سلطنت بن گیا تھا۔ شاہِ عالم اس کا بے حد

مطلع تھا۔ (ترجمہ مُردو، جلد سوم، صفحات ۶۸، ۷۳ و ۸۹)۔

اس کے دروازے پر قطعہ تاریخ منقوش ہے۔

در زمان شاہ عالم خسرو روئے زمین
خلق پرورداد گستر حامی دین کرام

صاحب عدل و سخا و بادشاہ ذوالکرام
مستفیض از جود او ہستند جملہ عام

تا کہ مہر و ماہ باشد رونق افزائے سپہر
زیر حکمش ہفت کشور باد نصرت مستدام

چوں حسام الدین علی خاں غازی زو بارگاہ
ساختہ تعمیر این مسجد بآئین عظام

سال تائیش سرورش آورد از مرثیہ بریں
کہہ دیں سجدہ گاہ مسلمین بیت المحرام

میری رسائی خیال نے رہبری کی کہ اس کی تعمیر باغ کی آبادی سے پونے دو سو برس بعد

ہوئی تھی، وہ بھی ایک مفلوک ٹٹم بادشاہ کے ایک توسل یا نام یوا کے ہاتھ سے۔ شاید اس لئے باغ کے

لے منسلح التاریخ، صفحہ ۳۲۹۔ ۱۵۱۵ ایضاً صفحہ ۵۲۵۔ نیز مقبول بیچ مران کا مقالہ ملاحظہ ہو، رسالہ معارف

نمبر ۲، جلد ۲، صفحات ۱۵۱ انشائیہ ۱۵، ۱۹۲۵ء۔

مانشیر راسمان (حامی معطلے) اپنے ترجمہ انگریزی سیر السائنین (جلد دوم) کے ایک نوٹ میں لکھتے ہیں: "لاکھنؤ"

جب صوبیات بنگال و بہار و اودیسیہ کی سند بادشاہ سے لینے آئے تھے تو خود الہ آباد میں اپنی جانب سے کرنسیل (جرنل) اسمتیک کو صابر بادشاہی میں ایجنٹ مقرر کر گئے تھے۔ اُن کا کام مرن بادشاہ کے قریب رہنے کا تھا۔ مگر کرنسیل فکدہ

عملی طور پر بادشاہ کے آگاہ بن گئے۔ اپنی قوت و زور کے بہرہ سے پر قلعہ بلکہ محلات شاہی میں حکومت و انتظام کی۔ بادشاہ کو باہر

رہنا پڑا۔ جہاں جہاں پناہ نے اپنی خفت و سبکی کے چھپانے کو مگر بظاہر تفریح خاطر کی خاطر سنگ و سخت سے سر مارنا

اختیار کیا تھا۔ یا الفاظ دیگر سلسلہ تعمیرات شروع کر دیا تھا۔ غریب کو پھر بھی نجات دلی۔ ایک نئی دولت اٹھانا پڑی۔ ایک دفعہ

کرنیل صاحب نے نوبت خاندان شاہی کے شور و غل سے متاوش ہو کر نیر قلعہ کے دروازہ پر جو آلات جنگ و زبرد کرائی رہتے تھے اُن کی

جھٹکار سے رافرت ہو کر سب کے بند کر دینے کا حکم دے دیا اور یہاں کی ممانت کر دی۔ جس سے بہت سے فریاد و سہا و مدق اور

اداسے خدمت سے محروم ہو گئے۔ یہ کوئی سمولی بات نہ تھی، پہلے انگریز اس کو کچھ بھی سمجھیں۔ باجوں کا بجا نا جن میں متحدہ چیزیں

ہوتی ہیں اور تین یا چار بار دن میں اور ایک مرتبہ رات میں بجا ئی جاتی ہیں، شاہان شان و شوکت، تجر و ت و جلالت کی علامت

و غائبش اور فرمانروائی و حکمرانی کی دلیل ہوتی ہے۔"

اندر اس مسجد کے بنانے کی اجازت نہ ملی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ کرنیل اسمتھ مانع آئے ہوں جو اُس وقت انگریزوں کی طرف سے دربار میں ایجنٹ کے طور پر مامور تھے اور شاہ عالم کی ذات اور حرکات و سکنات کے نگراں اور مکانات و عمارات شہنشاہی (قلعہ وغیرہ) پر متصرف و ذخیل اور ہر حیثیت سے مختار مطلق ہو رہے تھے۔ جن کی دراز دستی کے بہت سے واقعات تاریخ الہ آباد کے صفحات پر مذکور ہیں۔ لہٰذا بہر کیف محافظانِ باغ اور یہاں کے فوجی و لشکر سی ٹیپے کے نمازیوں کی عبادت گاہ تو یہی رہی ہوگی۔ اہل بازار بھی یہیں آکر باگاہِ خداوندی میں سر جھکاتے ہوں گے۔

مجھ سو وازدہ شوریدہ سر کو اس مسجد کی تلاش میں یہ اندازہ زحمت و تردد سے سنا بھر پڑا پھر بھی ناکام رہا۔ خسرو باغ کے پچھم کی کوئی پُرانی یا نئی مسجد دور در تک ایسی نہ تھی جس پر نظر نہ ڈالی ہو نہ کوئی ٹوٹا پھوٹا یا ثابت مقبرہ ایسا چھوڑا جس کے اطراف و گرد و فواح میں اس کی جستجو نہ کی ہو۔ اگر کہیں کوئی دل خوش کن تبدیلی دیکھی بھی تو اُس کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں تھی کہ جواہر پاروں کی مجسمہ خیز بنیاد نے حاصل کر لی ہے۔ جس کو میں تو تھیں مال و تنقیصِ حال سے تعبیر کروں گا۔

جاننے والوں نے اس کا موقع خسرو باغ کے پھاٹک کے باہر مگر اس کے نہایت قریب یعنی صحنِ پیش دروازہ کے مغربی بازو کا جنوبی گوشہ تجویز کیا تھا۔ لیکن میری حیرت کی کوئی انتہاء تھی جب

لہٰذا منشی گوگل پر شاہد لکھنوی اسی کتاب کے ترجمہ اردو (جلد دوم) صفحہ ۴۶۸ میں تحریر کرتے ہیں کہ العجب لارڈ کلایو

نہایت جنگ بھارے اپنے دار الحکومت کلکتہ کو سلووت کی اور کرنیل اسمتھ کو جو بعد جانے لارڈ موصوف کے ولایت میں جبرل ہو گئے تھے انگلشی فوج کا سردار بنا کر بادشاہ کے حضور میں الہ آباد میں چھوڑا۔ لیکن فی الحقیقت وہ حاکم تھے اور بادشاہ محکوم۔ وہ قلعہ میں رہتے تھے اور حضرت بیرون پھانسی میں جو خود تعمیر کرائی تھی۔ جبرل نفسا راہِ نبوت بادشاہی کی وصول و حصول سے جو قلعہ میں تھا ناخوش ہوئے۔ نبوت نوازوں کو ممانعت ہوئی۔ سچ ہے ہر کراچی روزِ نبوتِ اوست

جبرل موصوف کی سخت گیری کی نسبت سرسبز بیل فرماتے ہیں۔ ”جبرل صاحب خود قلعہ میں رہتے تھے اور بادشاہ سلامت جی میں۔ شاہی فوجت خانہ کی آواز صاحب کو تپا بند و ناگوار تھی۔ اس لئے جملے سے روک دیا تھا۔ ملازمانِ شاہی کو سرتابی کی کہا مجال ہو سکتی تھی۔“ (اورینٹل میگزین کی ’ڈکشنری‘ صفحہ ۲۴۲)۔

میں نے اُس جگہ ایک نئی وضع قطع کی خوشنما مسجد ایک حوصلہ مند مخیر تاجر کی (۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۴ء کی) بنائی ہوئی دیکھی۔ پہلے اس کو قریب نظر سمجھا۔ پھر فلسفۂ تناسخ کا ردِ عمل قرار دیا۔ اہل وقت و غربت نے یہ راز روشن بتایا کہ کسی وقت اس جگہ پر یکے بعد دیگرے تین مسجدیں رہی ہیں۔ ایک قتاتی، شمسستہ دُریں دوسری قدرے کہن سالِ مگر کار آمد۔ جس کے کھبے پتھر کے تھے۔ گنجائش کافی تھی۔ جس میں نماز جمعہ و جماعت ہوتی تھی۔ ایرانی شاہی زمانہ کی مشہور تھی۔ ایک اتفاقی حادثہ یا درخت کے گرنے سے شہید ہو گئی۔ بے لگانِ عسائب، یہی حسام الدین علی خاں کی رہی ہوگی۔ تیسری کے آثار کسی گز گہرائی پر مع سنگی ستون اور پتھر کے تختوں اور ایک زیرِ زمین قبر کے اُس وقت برآمد ہوئے جب اس نئی مسجد کی بنیاد کھد رہی تھی۔ ان مساجد میں سے اب ایک کا بھی نشان باقی نہیں۔ سب ہونڈھا کر ہو چکیں۔ فکھ مین غائب تختِ اشراف انھیں کی جگہ موجودہ مسجد ایک بڑے پیمانہ اور وسیع تر ترتیب پر تعمیر ہوئی ہے۔

میں نے اس پر نگاہ ڈالی اور اس قدر دیکھا اور اس کے تمام قطعات، تاریخوں، ہدایتوں اور تحریروں پر نگاہ ڈالی جو ہر قدم پر عنانگیر نظر ہوتے ہیں اور اوپر سے نیچے تک دیواروں کی زیب و زینت ہو رہے ہیں۔ مجھے تاسف ہوا کہ ان کا ایک حرف بھی یہاں کبھی مسجد جوئے کے شعلے، یا باپانِ سابق کی یاد دلانے والا اور اُن کا نام و نشان بتانے والا نہ نکلا، جنکو اَلْسَابِقُونَ اَلْاَوَّلُونَ کہنے کا شرف و فضل حاصل تھا۔

یا لَلْغَيْب۔ نئی مسجد کے تہ خانہ میں ایک سادہ سُرخ رنگ کا پتھر رکھا ہوا ہے۔ اس تختہ پر ابھرے ہوئے حرفوں میں تین سطروں میں مع بدول یہ متوش ہے۔

(سطر اول) اَفْضَلُ الزَّمَانِ اِلَّا اِلَهَ اللّٰهُ (دوم) مُحَمَّدٌ اَكْرَمُ رُسُلِ الْاَلْفِ عَمْرِ ۱۳۳۷ھ

(سوم) این مسجد و قبر سرورِ دارخان لوحہ نے تھد سار۔

آخری سطر سہاری نا (باصول معنی) رسم الخط میں (سید سے سیدے) کھٹ کھٹ (اور کہیں کہیں پڑے پڑے حرفوں میں لکھی ہے، جس کے حرف چند لفظ بلا کسی دشواری کے پڑے جلتے ہیں۔ اس جگہ یہ

احقران حقیقت سے قطعاً دُور نہ ہو گا کہ میری اور مجھ بے کال کے بہت سے بالال اور اہل بصیرت بزرگوں اور اساتذہ کی چند در چند کوششیں اور دقیق مساعی اس مسئلے کے حل کرنے میں ایک نکتہ ناکام رہی ہیں۔ اس پرانی مسجد اور برآمد شدہ قبر کے گزشتہ حالات مرقوم نہیں، معلوم نہیں۔ زبانِ روایتیں تلمذ مختلف و متباہن ہیں، اس لئے ان پر اعتماد نہیں کر سکتا۔ سیاق عبارت کو فہم و قیاس کی مدد سے درست کرنا چاہتا ہوں۔ عیورانہ نقل بلاچہ عقل سے کام لیا گیا ہے۔ خدا کرے کہ آئندہ مع مردم از غیب بروں آید و کارے بکند۔ خط نسخ پتھا خاصاً اور کسی حد تک باقاعدہ اور صاف ہے۔ تاہم خوش قلم عمر کی سر نوشت تقدیر نے حرف اور اعراب کی بہیم غلطیوں کو نہ صرف اپنے دامن میں پناہ دی بلکہ نمودار کر رکھا ہے۔

کچھ بہت دن کی بات نہ تھی جو کوئی شخص یہ نہ بتا سکتا کہ یہ لوح تاریخ کب اور کہاں نکلی تھی۔ نفع و معاملہ معزوز و مقدس، ہستیاں شاہد ہیں کہ یہ بچا کچھ پتھر اسی زیرِ زمین مسجد کا تھا جو دفن تبرکات اور مٹھروں کے ساتھ دستیاب ہوا تھا۔ اسی لئے قابلِ تہنیت یادگار کے طور پر محفوظ و محفوظ رکھا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ تھوڑے ہی زمانہ بعد، قبل از وقت، اس سردار خانی مسجد کو کسی آفت ارضی یا سماوی نے رخصت کر دیا ہو گا، یا کسی ناخدا ترس سنگدل نے اپنے بقائے نام و شہرت اور تعمیرِ جدید کے شوق میں خیر باد کہا ہو گا۔

اللہ رے انقلاب نہ محراب ہے نہ در پتھر فقط عمارت مسجد کلہ گیا

میرا مبلغ علم و وسائلِ تحقیق یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ یہ سردار خاں لوحانی کون تھا؟ اُس زمانہ کی تاریخ کے اوراق پر جس سردار خاں کا نام زیادہ روشن نظر آتا ہے، وہ ایک مقتدر عالمگیری، امیر شش ہزاری منصب تھا۔ جو فوراً اعتمادِ ملوکانہ سے زیادہ درجۂ شائشاہی کے قریب خدماتِ نظارت و ادارہ نگاری خاندانِ غور پر مامور رہا تھا۔ اُس کا کبھی الہ آباد آنا پایا نہیں جاتا اور ۱۱۳۶ھ (۱۷۲۳ء) یعنی محمد شاہ کے عہد تک زندہ و برسرِ کار رہنا تو قطعاً غیر متیقن ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نام کے جتنے ممتاز ارکانِ دولت کا ذکر کتابوں اور تاریخوں میں ملتا ہے ان میں سے کسی کا تعلق الہ آباد سے ثابت نہیں ہوتا۔

میرادل اسی تحقیقات و خلفشار میں مبتلا اور دماغ انھیں گتھیوں کے سلجھانے میں مصروف تھا کہ

ایک مختصر طریقت نے رہبری فرمائی اور اُس مسجد کا ذکر کیا جو غلہ آباد کے مشرقی پھاٹک کے متصل بربہ شاریع اعظم واقع ہے۔ میں نے وہاں بھی حاضر ہو کر آستان پوسی کی تو اُس جگہ بھی ایک نئی مسجد پائی۔ بہر حال کہ رسیدیم آسمان پیدا ست۔ دریافت ہوا کہ یہاں کبھی ایک مختصر سی مسجد سنگی تین در کی ضرورت تھی۔ بعض اُس کو اکبری عہد کی یادگار کہہ سکتے ہیں کہ خسرو باغ اور غلہ آباد کی ہم عمر تانے تھے۔ لیکن کچھ باخبر و شہسود چند در چند قرائن و قیاسات اور تواتر روایات کی بنا پر شاہجہانی قرار دیتے تھے۔ ایک بڑی جماعت اسی طرف تھی۔ اس بارہ میں کہ آیا یہ مسجد شاہی انفصالے نشانہ اور گردشِ لہا میں سے گئی تھی یا کسی شورش کے استیصال اور مفسدین کی تنبیہ و عبرت کے لئے مسجد کی بنیاد پر نشانہ کی گئی تھی، اختلاف اقوال ہے۔ بہر صورت کچھ دن یوں ہی گری پڑی رہی۔ حتیٰ کہ ۱۱۰۷ھ (۱۶۹۵ء) میں چند ذی ہمت، بانثر مسلمانوں نے توجہ فرمائی اور اس کو از سر نو تعمیر کرا دیا۔ اس کے بعد یعنی تیسری بار کی درستی و تکمیل میں اس کا دالان اور بھی عریض و طویل اور صحن وسیع و فراخ ہو گیا۔ اور اب تو بہر طور یہ ایک کامل و مکمل نئی چیز ہے۔

شاہی مسجد میں داخل ہونے کے لئے سرائے کے مشرقی و شمالی کونے سے بھی ایک راستہ تھا اس جانب (پورب کو) جو آب محدود اور بلدیہ کی کسی عمارت سے محدود سا ہو رہا ہے) مسجد کی پرانی دیوار ہنوز موجود ہے۔ اس میں دو دروازے سنگی چوڑے بازو کے نصب، اور اب تک باقی ہیں۔ جو اس کی عظمت و شان گذشتہ کی یاد تازہ رکھتے ہیں۔ ایک دروازے میں جو کر اوپر جانے کے لئے زینہ تھا۔ یہ بدستور قائم ہے۔ مگر آگے چل کر بندروں کی دستبرد و غارتگری یا اور مجبوروں سے متظہین نے خود ہی بند کرا دیا ہے۔ تازیوں کو مسجد تک پہنچانے سے قاصر ہے۔

بائیں ہمہ حرمان و ناگامی، تلاش در پیش رہی، کوشش جاری۔ شوق تدقیق باقی تھا اور عزیمت واضح و استوار کہ ایک نیک منش آگاہ دل نے زحمت و رفاقت کو افرامائی اور مجھے خسرو باغ کے مغربی گوشہ تک پہنچایا جہاں حسبِ اموال فن دیوار گول کر دی گئی ہے اور جس کے سامنے سے جنوب کو بڑی شیر شاہی سڑک گزرتی ہے۔ بیرون باغ کی چند قدم کی سڑک طے کرنے کے بعد ایک بڑا "تکیہ" صحن بہت سی خالی زمین اور محدود

قبروں کے پیشِ نظر تھا۔ باغ کے کُنج ایک بند محراب دار چھوٹی ٹیسی دیوار کھڑی ہے۔ بظاہر چرم کا مسافر بھی سامانِ باندھ چکا اور آخری اجازت کا منتظر ہے۔ اس کی ساخت کسی بُرائی قتائی مسجد کے جزو ہونے پر خود گواہ ہے۔ اس کے آگے لمبا چوڑا فرش ہے۔ غریب مسلمانوں کی ایک محترم جماعت بڑے حوصلہ و ہمت سے اس کو آج کل درست کر رہی ہے۔ میرے رہنما کی چشمِ تصور میں وہاں پوری مسجد موجود تھی مگر ابیں نہیں۔ طاقی مسجد تھا، نیز مسجد کا پیشِ دروازہ۔ دروازہ کی پیشانی پر پیل صاحب کا نقل کردہ قطعہ تلمیح بھی ثبت تھا۔ لیکن سیری ظاہر ہیں آنکھیں اس خیالی نقشہ پر نگاہیں ڈالتیں اور لوٹ آتیں اور اس مسجد کو مسجد حُسامی ملنے میں قائل کر رہی تھیں۔ انھوں نے پُرانے گورستانوں اور مدفنوں میں ایسی بہت سی شکستہ و نیم تہ مسجدیں اور جا بجا دیواریں دیکھی تھیں۔ مزید برآں وہ اس کی چھوٹی چھوٹی اینٹوں اور اور چمنوں کو دیگر بادشاہی عمارات، چمبات وغیرہ کی اینٹوں اور اشیائے تعمیر سے جدا اور مختلف پاتی تھیں۔ میرا ذہن و تجربہ بھی خاموشی و ادب کے ساتھ اُن کا ساتھ دے رہا اور اس تصور و تصور کو واقعی یاد کرنے سے معذور و مسامح رہنا چاہتا تھا۔ ہاں یہ ایک سبق ضرور لے رہا تھا۔

ہے تری تصویرِ تمسیلِ تصور کی نشا ط جو قنّا کا نقشِ سن کر دیدِ عجب میں ہے
 دے ہو دمی کہ ان اطراف کی تبتائی ہوئی بُرائی مسجدوں میں سے ایک کو بھی قدیم اور بحال نہ پایا۔
 ہم خیال و محض واقعِ حال احباب کی امانت و رہنمائی کے باوجود مسجدِ حُسامی کا پتہ نہ چلتا تھا، نہ چلا۔
 اُسے بسا اُرز و کُھاک شدہ۔ البتہ تجربہ و مشاہدہ اکثر مگر ہوا کہ دو ڈیڑھ سو برس کی مضبوط سی مضبوط سنگین عمارتوں اور عبادت گاہوں کو بھی زمانہ کے جفاکوش اور تباہ کار ہاتھ نے الٹا دیں، برقرار نہیں رہنے دیا ہے۔
 کس آسانی سے مٹا دیا ہے۔ جی بھر آیا عالمِ گورِ غریباں دیکھ کر!

چاہِ خلد آباد

خسرو باغ کی دیوار سے متصل، پچھم طرف، خلد آباد کے بیرونی پھاٹک کے باہر، لبِ سڑک کلاں، اُسی وقت کا نہایت وسیع و عریض دس ہل کا مضبوط پختہ کنواں واقع ہے۔ جواب تک خوب کام دیتا اور باشندگانِ قریب و جوار کو سیراب کر رہا ہے۔ اور امید ہے کہ ابھی ایک مدت دراز تک اور کارآمد رہے گا۔ اس کے وسیع دور میں اندر کی جانب سن (دہانہ) سے ڈیڑھ گز نیچے ایک مربع سا پتھر، ہاتھ بھر لیا اور اس سے کچھ کم چوڑا لکڑی کے کنواں اوپر سے نیچے تک موٹی اینٹوں کا بنایا ہے اور اُسی جڑائی میں پتھر پیوست ہے۔ اس پر خوب موٹے موٹے اُبھرے ہوئے نستعلیق حرفوں میں، فن و ہنر کی تمام نزاکتوں اور خوشنمائیوں کے انداز کے ساتھ ”باہتمام محمد رضا مصور مرید نور الدین محمد جہانگیر بادشاہ غازی“ تحریر ہے۔ حرفِ خوب جلی (یا آج کل کی عربی اصطلاح میں ”بلند“) ہیں، صاف پڑھ جاتے ہیں۔ یہ کتبہ اوپر سے کھڑے ہو کر دیکھنے والے کی آنکھوں کے سامنے نہیں پڑتا ہے بلکہ کنوئیں کے دہانے سے کچھ نیچے اندر کو ہے۔ اس پر کنوئیں کا قطر اور پستانی ستر اوس ہے۔ اس لئے اس کے پڑنے میں کسی تدر توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

معمول کے خلاف (سہی، مگر کسی قدر وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ) سالِ تعمیر شروع ہی سے نہیں لکھا گیا تھا۔ مٹے، مٹائے جانے کے نشان یا خراش پائے نہیں جاتے۔ باریک بین و خردہ نگار کی مدد سے بھی اطمینان کر چکا ہوں۔ بہت سے اہلِ علم و صاحبِ نظر حضرات نے بھی غور و توجہ سے دیکھا ہے۔ تاہم اس کتبہ کا نظری نقشہ یا نقل بناتے وقت میرے عزیز سید اختر حسین نے رضا اور مصور کے درمیان نیچے کو، پندرہ کا ہندسہ پڑھا اور لکھ دیا ہے۔ اگر اُن کا مطاعہ درست ہے تو اس کا مقصود صرف ”۱۵۰۰ھ“ ہو سکتا ہے۔ کیا میرے کہے کا باغ کے پھاٹک کی تعمیر (۱۰۱۰ھ) سے پانچ سال بعد اس کنوئیں کی تکمیل ہوئی تھی، حالانکہ جہانگیر اس سے سال بھر پہلے الہ آباد سے نکلتا تھا۔ اور آگے میں سر رہنشاہی پر رونق افروز تھا اور اس طرح خلد آباد کے پھاٹکوں سے لے کر اس کنوئیں کے بننے تک بیس سال لگے تھے۔

یہ بھی قابلِ لحاظ ہے کہ آقا رضا اپنی اقا سیت ترک کر کے اُس وقت صرف ”محمد رضا مصور“ رو گیا تھا۔ عبارت کے گرد خوش سواؤ ابھری ہوئی جدول اور پھولاری موجود ہے محراب بھی نفیس و خوبصورت پیالہ دار بنی ہے۔ بادشاہ کا نام اور نگلفاتِ کتابت سب برقرار ہیں۔



اس کتبہ کی اصلی شان مجموعی طور پر اب تک قائم و محفوظ ہے۔ البتہ ساڑھے تین سو برس گزر جانے یا پانی کی بھاپ اور شوریت کے اثر سے نیچے والے حصہ میں بعض لکیریں یا حزن کسی قدر گھس گئے ہیں جہاں پتھر جھڑنے لگا ہے کچھ کچھ شے بھی لگے ہیں خدا کرے کہ کتبکی روز افزوں فرودگی دیکھ کر آقا رضا کی روح چیخ اُٹھے۔

محو ہونا ہی تجھے ہے اگر اسے یاد و فسا میری ازیت پر نشانِ سر تربت ہونا

جب تک باغ کو اندر کس سے پانی نہیں دیا جاتا تھا، باغ کے کنوؤں کے ساتھ ساتھ وقتِ فروت اس کنوئیں پر بھی پوروت چلتا تھا اور اس سے پانی دیا جاتا تھا۔ اس وقت اس پر پلاسٹریائی نہیں ہے۔

بڑی بڑی اینٹیں جو چوٹے کی خوب موٹی موٹی تھوں میں پیوست ہیں کھل رہی ہیں۔

سراے خلد آباد

خلد آباد کی سرکاری نسبت حال کے گزٹیر والے تحریر فرماتے ہیں کہ ”یہ ایک بڑا اور وسیع احاطہ ہے۔ اس کے دونوں طرف بھاری بھاری پھانک لگے ہیں۔ پچھم ولے پھانک پر سنگ کتاب نصب ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تعمیر جہانگیر کے حکم سے ہوئی تھی“۔^۱
مسٹر سٹیل اور ان کے ہم قلم معاونین نے گزٹیر سابق میں لکھا ہے ”سراے خلد آباد خسرو باغ کے متصل، جانب جنوب، ایک بڑا احاطہ دار بازار ہے۔ سراے کے پھانک پر یہ قطعہ فارسی لگا تھا جو خسرو باغ کے اصلی پھانک کے مقابل تھا۔

بفرمان شہنشاہ جہانگیرؒ کہ زبید ملکش ازہم تا بہ ماہی
بناشد این سراے آسمان قدر کہ باد آباد خلد آباد شاہی ہے
ڈاکٹر فوہر اپنی کتاب یادگار ہائے قدیمہ میں لکھتے ہیں کہ ”سراے خلد آباد“^{۹۹} میں تعمیر ہوئی تھی۔^{۱۰} معلوم نہیں کہ ان کی سند تحریر کیسے ہے؟

سرا اور خلد آباد کے پھاٹکوں کا احوال، گزشتہ وحال، پوری تفصیل کے ساتھ آغاز کتاب میں (صفحات ۵۴ و ۵۵ پر) لکھ چکا ہوں۔ اس موقع پر اتنا اور بتا دینا ضروری ہے کہ سرکاری کوٹھڑیوں کی وضع تعمیر، خلد آباد یعنی باغ کے پھاٹک کے دونوں جانب والی کوٹھڑیوں سے مختلف اور الگ ہے۔ ان کے دروازوں کی محرابیں بھی مجباً طرز کی ہیں۔ سرا کا اصلی دروازہ تو باقی نہیں جس کا مزید شروع میں (صفحات ۵۴ و ۵۵ پر) پڑھ چکا ہوں۔ اُس کے موقع پر عمارت و شاندار ڈکھات بن گئی ہیں۔

جنوبی دروازہ موجود ہے۔ وہ اُسی طول و عرض، بلندی و استواری کا ہے جیسا معمولاً قلعوں اور شہر بنیادوں میں ”کھڑکی“ کا ہوتا ہے۔ یہاں کھڑے ہو کر دیکھنے سے باغ کا پھاٹک بالکل سامنے نظر آتا ہے۔ سرا کا صحن

اب بھی قی و دق سید و عریض ہے۔ بادشاہی سرک اپنے دونوں طرف کی زمین سے برابر بلند ہوتی چلی جاتی ہے۔ تاہم بارغ کے پھانگ یا سرک پر سے دیکھنے سے سرکی کوٹھڑوں کے اند تک کا سامنا پڑتا ہے۔ اسی طرح اس کھڑکی یا چھوٹے دروازہ سے باغ کا سارا منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔

اس دروازے کے دونوں کواڑ پرلنے، اب بھی باقی ہیں؛ مگر اس حال میں کہ ایک بجائے خود کھڑا ہے دوسرا ایک جانب یعنی باغ کو پرٹا ہے۔ چوکت بازو ادھر ادھر کی دیواروں سے الگ ہو رہی ہے، باہمی تفرقہ یا فاصلہ بڑھتا جا رہا ہے۔

سرک انکوائ بھی خوب وسیع اور مناسب حال و ضرورت ہے۔ مگر اتنا نہیں جتنا اعلیٰ آباد کا پھانگ والا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے اندر بھی پتھر لگا تھا جو کہیں نیچے کو پانی کے قریب تھا۔ تصدیق کون کر سکتا ہے! نہ سطح آب تک رسائی ہو سکتی ہے، نہ نگاہ پہنچ سکتی ہے۔ قلم دوات میں غوطے کھاتا یا لگاتا ہے مگر پڑھا قلم کش قہر جاہ میں غوطہ بازی کی ہمت و جرأت نہیں رکھتا۔ کیا یہ حقیقت ہے، یا مہربان بتانے والوں نے ستم ظریفی سے کام لیا ہے؟

معن سرزمین گرمی باز کے لئے ٹین کے سایہ بان جا بجا رونق افروز نظر آتے ہیں۔ سہالہ پوش اُرد مستط و مکطف ڈکانات بھی ہیں۔

اس وسیع مربع کے گرد اگر درکی باہر والی قدیم سرک بدستور رواں ہے۔

سرکی مسجد تو شاہی ہے، نہ شاہی و قتل کی ہے۔ سو اوپر سر بلانی بتائی جاتی ہے۔ کسی عالی ہمت ہشیامے نے خوش سلیقگی و حسن اہتمام سے تعمیر کرائی تھی۔ یہ من کے غریب نصف کے وسط میں مختصر و سبک تین درکی فشتی بنی ہے۔ آبد و درست حالت میں ہے۔ ایک مدت کی استرکاری اور سال بہ سال کی قلمی اور تبرتہ سفیدی کے باوجود اس عجوز پر زال کے من و جمال کے نقش و نگار برقرار اور خط و خال نوز و دہریا۔



باؤلی

خِدْمَةُ النَّاسِ أَفْضَلُ الْإِشْغَالِ خدا کی رحمت ہو ان حق شناس، حق گزار، حق پرست
عالی ہمت ہوانے والوں پر جنھوں نے اپنی آسائش و تفریح کے لئے نہیں، بلکہ مخلوق خدا کی راحت و آرام
اور سیرابی کے واسطے، فصیلِ باغ کے باہر یہ باؤلی بنوائی تھی، تاکہ لوگوں کی آمد و رفت میں روک ٹوک نہ ہو
اور شاہی موبکہ و کویہ جاہ و جلال عوام الناس کی رسائی اور بے تکلف و تردد فائدہ اٹھانے اور آرام
پانے میں مغل و مانع نہ آئے۔

یہ باؤلی باغ کے شہری پھاٹک کے جنوب و شرق، دیوار سے باہر یعنی احاطہ باغ سے خارج جگر اسکی
جنوبی دیوار کے ٹخن، فخذ آباد کے شرعی پھاٹک کے قریب واقع تھی۔ باغ سے اس کو ہمسائیگی کا حق اور
قرب کا گہرا علاقتہ حاصل تھا۔ اس کی عمارت بہت لمبی چوڑی و دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ حفاظت کے لئے
اس کے گرد دیوار تھی۔ اندر جانے کا راستہ باؤلی کے پورب سڑک کے سُرُخ تھا۔ دروازہ خوش قطع خوشنا
اور خاصا چوڑا اور اونچا تھا۔

میں نے اس کو نہیں دیکھا۔ ۱۸۸۶ء کی یاد نہیں۔ ۱۹۱۸ء میں جب الہ آباد آیا اور ضرور باغ کو
دیکھا تو معلوم ہوا کہ باؤلی پچیس بیس برس ہوئے پاٹ دی گئی۔ سلام یہ تھا کہ یہاں کبھی کبھی کسی انسان یا
کُتے کی جان جاتی رہتی تھی یا کوئی شامت زندہ ڈوب مرنے لگا تھا۔ تمدن سمانک اور نیم وحشی اقوام سب کے
یہاں اتلافِ جان کی پیدائش خود مجرم کا مہدم کردیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس بلا جان، ناقضِ امن و امان
کے لئے تہذیبی قوانین کی سب سے بڑی سزا صادر کر دی گئی۔ کم سمجھنا حقیقت شناس کہتا ہے کہ اہلِ مل
و عقد کو وحشت و بربریت قدیمانہ کا یہ مظاہرہ پسند نہیں آیا تھا۔ ورنہ کیا ممکن نہ تھا کہ دلوور سن کی جگہ
سجوان و زنجیر سے کام لے لیا جاتا اور روک کے لئے کنوئیں کے منہ اور منافذ و محتاج پر چوکھے اور جنگلے
لگا دیئے جاتے۔ وہ کثیر مرن جو اس کے پٹنے میں کیا گیا یقیناً اس سے بہت کم میں آئندہ کا غمظا اور
سہرِ باب ہو سکتا تھا۔

تیری رسوائی کے خونِ شہد اور پے ہے۔ دامنِ یار! خدا دعا پے پردہ تیرا
عرصہ عالم کاسب سے پُرانا مشہور کنواں جس کی ظاہری عمر بھی ساٹھے چھ ہزار برس سے کم
تجويز نہیں کی جاتی ہے، اور جس کی پاکی و بزرگی اُنہر کرور انسان (مسلمان) اپنے پیچھے جیت
نیز بعدِ ممات، دھبرِ برکت و شرف و تقدیس سمجھتے ہیں، یعنی ”زمزم“ بھی مسلمانوں کے دستِ اقتدار میں
آنے سے پیشتر اس قسم کے واقعات یا حادثات کا باعث ہو جاتا تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ صدرِ اسلام میں
بعدِ حضرت عبداللہ بن زبیر ایک حبشی اس میں گرا اور مر گیا تھا۔ یہ تیرہ سو برس کی پُرانی بات ہے۔ مگر
اُسی وقت سے ایسا انتظام حفاظتِ جان و انسداد کا کر دیا گیا کہ ہر سال کے آنے جانے والے پانچ
چھ لاکھ زائر و حاجی، جن میں بھانت بھانت کے انسان اور مختلف اقلیتوں، تمدن و تربیت اور کم و بیش
سن و سال اور ہوش و حواس کے آدمی ہوتے ہیں اس سے بفرارِ غت و اطمینانِ تمام ہر وقت فیضیاب
و سرب ہوتے رہتے ہیں۔ وہ دو ڈیڑھ لاکھ باشندگانِ شہر کہ ان کے علاوہ ہیں جن کی زندگی و معیشت
کا کارِ اسی متبرک پانی پر ہے۔ اِنَّه طعامِ طعم و شفاءِ سقم۔

اس باؤلی کا صنفِ سخی سے مٹا دیا جانا کچھ زیادہ دن کی بات نہیں۔ اس کے دیکھنے اور درد کے
کے ساتھ یاد رکھنے والے اب بھی ہزاروں زندہ و باقی ہیں۔

سنوا سنا، جم، جام رکھ کر سامنے آئے ابھی دو چار ہیں جم کا زمانہ دیکھنے والے

یہ باؤلی ۴۰-۴۵ برس ہوئے بند کرادی گئی۔ اس کی تمام وسیع و نفیس عمارت پر جو اُس وقت
تک قائم تھی خاک ڈال دی گئی۔ اس کی پاتاں توڑ گہرائی (قعر) لوہاروں کے کھنجر اور پڑاؤں کی
ٹوٹی پھوٹی اینٹوں اور رومروں سے بھردی گئی۔ ہزاروں من مٹی اور بالو جو ڈاڑھ رک کے تالابوں کی
کھدائی سے نکل تھی باؤلی کے اندر سما گئی۔ پانی کے سوت سے لے کر اوپر کے ستونوں تک بھردی گئی۔
یوں کہنے کہ اس کی آرام گاہیں، اس کی بھول بھلیاں، اس کے پوشاک بدلنے کے کمرے اس کے سرو خانے

لے میں کی بیگرنی کل دشمنی، ذکرِ عبدالطلب، صنف۔ سہ تاریخِ عمارۃ السجد الحرام، مطبوعہ جدہ شریفہ

سب کے سب مسلم زندہ دفن کر دئے گئے۔ اسی پر قناعت نہیں ہوئی بلکہ اس کے قریب والے بلوغ کے حصہ زمین کو اچھا خاصا ٹیلا یا ٹیکرا بنادیا گیا۔ کافی ہوتا کہ باولی کے دہانے پر دروازہ یا کٹہر لگا کر نیے اوپر سے محفوظ کر دیئے جاتے۔ یا شہتیرہ تختے رکھ کر بالائی حصہ مٹی سے پات دیا جاتا یا کسی اور مقبول و کلار طریقہ پر آمدورفت و داخل خارج انسانی کا راستہ مسدود کر دیا جاتا۔ لیکن اس سے یہ اندیشہ قائم رہتا تھا کہ کہیں پھر کسی وقت اس فرمانِ قصا جریان پر نظر ثانی ہو تو یہ باولی کھلوا دی جائے۔ اس لئے اس کو انتہائی حد تک معدوم کر دیا جانا لازم ہوا۔ آئندہ نہ اتنے عظیم صرفہ کی فراہمی ہو سکے گی نہ اس کی مٹی نکالنے اور صفائی کی نوبت آئے گی۔ مزید یہ کہ اس مقام پر اس کے قریب و جوار کی زمین پر قبضہ پانے والوں اور مکان بنوانے والوں کے دعووں پر ہر بہرہ و معاوضہ کی ناقابلِ برداشت رقم ادا کرنے پر سرکار یا بلدیہ کب تیار ہوگی۔

باولی تین درجہ یا منزل کی تھی۔ ہر طبقہ میں محراب دار دروازے بلا کواڑ کے تھے۔ دروازوں کے نیچے حصے میں دو دونٹ اونچی منڈیریں (مینڈیس) اٹھادی گئی تھیں، تاکہ پھسلنے اور گر جانے کی روک رہے۔ دروازہ سے داخل ہونے اور کچھ ہی نیچے اترنے کے بعد عمارات کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ شمال و جنوب دونوں جانب سیڑھیاں پندرہ پندرہ سولہ سولہ ہاتھ کے قریب لمبی اور ہاتھ سوا ہاتھ چوڑی تھیں۔ منڈیریں کسائش اور نشست با فراغت کے لئے ہر دس بارہ سیڑھیوں کے بعد ایک ایک سیڑھی کئی کئی ہاتھ چوڑی چوڑی گئی تھی۔ یہ سیڑھیاں نہایت پست تھیں، اور ایک پچھ سیڑھی آسانی سے اتر سکتا تھا۔ کوئی سیڑھی پانچ چھ انگل سے زیادہ اونچی نہ ہوگی۔ اطمینان و احتیاط مفرط یا سہولت کے لئے موٹی موٹی مضبوط ذخیریں دیواروں کے ساتھ ساتھ پکڑ کر چڑھنے اترنے کے لئے آویزاں تھیں۔ سطح آب پر ڈوبنے سے بچاؤ کے واسطے، متقاطع (ٹیرٹی ٹیری) ذخیریں الگ ڈالی گئی تھیں۔ مجز کہن سال ہو جانے کے اس باولی میں کوئی خوابی یا کمزوری پیدا نہیں ہوئی تھی۔ پیٹر منڈی صاحب کی ۱۹۳۲ء کی بیان کردہ خوبیاں اور تفصیلات (مندرجہ صفحہ ۷، کتاب ہذا) برقرار و قائم تھیں۔ باولی کے آس پاس اُس وقت تک اعلیٰ سرس اور نیب کے سایہ دار و تناور بُرائے بُرائے درخت اور آم نام لگی اور چکوتے کے پھل دار پیڑ بھی موجود تھے۔ پیڑوں پر دور وید بازار لگتا تھا۔ نیو ہاروں کے زمانے اور میلے ٹیلے کے دنوں میں یہاں رونق اور جیل پہل بہت رہتی تھی۔ لوگ اندر

جمع ہوتے، کھاتے پیتے اور ہر طرح کا لطف اٹھاتے تھے۔ بھول بھلیوں میں کھیتے، پھنستے اور ہنستے ہنساتے تھے۔ چٹھہر روایت یہ ہے کہ اس باؤلی سے پورے شہر الہ آباد کو پانی ملتا تھا۔ سرکارِ دولت مارنے سنہ ۱۸۵۰ء میں اس کی صفائی کرائی۔ کونٹیں کے سوتوں سے بہت زیادہ پانی اوپر آگیا۔ ایک بانس کے قریب جب نکال دیا گیا تو بہت موندے موندے کڑے مع زبردست زنجیروں کے ہر پہل میں الگ الگ نظر آئے۔ معلوم ہوا سیکڑوں کن کا آہنی تواجو تعمیر کے وقت اس میں ڈالا گیا تھا، بحالہ موجود و محفوظ بلکہ سب کا محافظ تھی ہے۔ تاہم پانی کی طینیانی اور زور کارو کنا کچھ آسان کام نہ تھا۔ نیچے کا حل کون جان سکتا ہے۔ تو سے اوپر اوپر ہی بیس بائیس ہاتھ پانی چڑھ آیا تھا۔ صفائی کا کام تو تک نہیں پہنچ سکتا تھا، روک دینا پڑا۔ بھاری پتھر تھا، چوم کر چھوڑ دیا۔

اندر جانے کے زینے کے نشانات مٹی میں دبے ہوئے اب بھی اپنی ہستی کا ثبوت دے رہی ہیں اس کی جگت بھی بالکل درست کھلی ہوئی ہے۔ دہانہ مٹی سے بھرا ہوا ہشت پہل صاف نظر آتا ہے۔ اسی مناسبت سے اندر کو ایک کمرہ بھی ہشت پہل رکھا گیا تھا۔ گولائی بیس اکیس فٹ کے قریب ہوگی۔ ۱۸۹۱ء میں وارڈور کس کا آغاز ہوا۔ میونسپل بورڈ نے 'بالو گودام' یعنی تالابوں کی مٹی اور دیت وغیرہ کے لئے پختہ اینٹوں کا احاطہ بنوایا، جو خضر و باغ کی پُرانی سنگین دیوار کے ادھر بازار کی طرف دُور تک چلا جاتا ہے۔ باؤلی کے دروازے پر ایک کچی دیوار عارضی اٹھائی گئی۔ بارش کے پانی ریلے اور سیل سے وہ ٹھہر نہ سکی۔ اپنی کچی اینٹوں، بالو اور ہر چیز کو ساتھ لے کر اندر چلی گئی۔ حکام کھڑے کھڑے دیکھتے تھے اور اپنی ہنگامی مفدوری کو خاموشی اور ایک اداسے بے نیازی سے چھپاتے تھے۔ اس کے بعد وہی قصہ، وہی جیل و حوالہ اور غدر و شکوہ تھا۔ نکتے آتے ہیں، جانور گرتے ہیں، لوگ پاخانہ پھرتے ہیں۔ انسان مرتے ہیں۔ اس لئے اس کا بند ہو جانا ہی مناسب ہے۔ باؤلی زبانِ حال سے فریاد ہی کرتی ہے کہ مجھے یوں نہ خاک میں تو ملا، میں اگر بچوں تو نقش پا ترے جلوے جلوے کی ہے بقا، مرنے کا نام بنام سے مگر میونسپلٹی نے ۱۸۹۲ء میں بھر وادی۔

کہا جاتا ہے کہ باؤلی کا کھلوا دیا جانا کچھ مشکل نہیں۔ بورڈ نے سب سے پہلے لوگوں کی تلاش اور زار نالی پر فیصلہ کیا تھا کہ کھلوا دی جائے۔ اور واٹرورکس کے لئے نئے چاہات بنانے کی بجائے پانی اسی سے لیا جائے۔ چنانچہ صفائی کا ٹھیکہ بھی چھ ہزار روپیہ میں ملے ہو گیا تھا۔ مگر مزید کارروائی یا نتیجہ عمل سے پبلک کو ہنوز آگاہی نصیب نہیں ہوئی۔ شاید وہی دشواریاں مانع آئی ہوں جن کا اندیشہ بیشتر ظاہر کیا جا چکا ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ صرف پندرہ روپیہ سالانہ پر یہ زمین سٹی بورڈ نے سال بہ سال کے پتہ پر دے

رکھی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ ہندوستان کے فلسفہ ستاسخ کے مطابق باؤلی نے اپنے سے متصل واٹرورکس کا چو لاء لاپے اور عمل ارتقا کے بموجب باؤلی کا پانی جو تحت الشرے یا زیر زمین رواں تھا، آسمان سے باتیں کرنے والے تالابوں کی بلندی پر پہنچ گیا ہے۔ لیکن دیدہ ظاہر بین سے یہ حقیقت بھی پوشیدہ نہیں کہ اس آبجی ہوئی، اُداس بزم کا رنگ واٹرورکس کا کارخانہ ذرا بھی نہ جاسکا۔ محفلِ عبت و حسرت کی حشر سامانیاں ہر سونیاں ہیں۔ بحالتِ موجودہ خسرو باغ اور اس کے مضافات میں سب سے بے کاؤ ناہموار و وحشت خیز مقام بھی باؤلی کے پڑوس والا دھیر ہے۔ اس کو بے ترتیب جھاڑیوں اور خود رو خشکی پھڑوں نے گھیر رکھا ہے۔ اچھا ہوا کہ واٹرورکس کے حوضوں کے قریب ہونے سے اُدھر کی آمد و رفت روک دی گئی اور حفاظت کے لئے پہرہ رہنے لگا تھا۔ اور اب لوہے کے ستونوں اور کانٹے دار تاروں سے مستقل طور پر محصور کر دینے سے اس طرف کا آنا جانا ہی قطعاً ممنوع و مسدود و غیر دشوار ہو گیا ہے۔ یاد رہے

اور بھی دورِ فلک میں ابھی آنے والے نازِ اُستانہ کریں ہم کو مٹانے والے

اس ٹریجڈی یا وارداتِ ہوش رُبا، روح فرسا کا نہایت گہرا اثر اہل شہر پر اب تک باقی ہے۔

کوئی انسان خواہ کسی قدر قدرت یا طبقہ و جماعت کا ہو جس نے اس باؤلی کو دیکھا ہو اس میں نہانے اور تیرنے کا مزہ پایا ہو، یہاں کی گل بازیوں میں مصروف رہا ہو یا وہ جو اس کے لطفِ نظر اور میوہِ فرحت

سے محروم رہا ہو، ہر پچھنے والے کو اپنا جوٹ کھایا ہو ا دل دکھا دیتا ہے۔ اور بھری ہوئی آواز سے اس کا مرثیہ سُنانے اور ماتم کرنے لگتا ہے۔ بشری فطرت کا اقتضا تھا جس نے مجھے بھی نہایت متاثر کیا۔ تاہم ایک واقعہ نویس کی حیثیت سے میں نے اپنے حدود سے تجاوز نہیں کیا نہ اپنے جذبات کو قابو سے باہر ہونے دیا ہے۔

جہاں وفا شعار کو شکوہ غم سے کیا غرض مگر جہاں سے کام کیا، عرض کر رہے کیا غرض اس تر خاک یار و پوش باؤ لی کے سلسلہ میں ایک دوسری باؤ لی یاد آگئی۔ جو اسی عہد یا استقبال زمانہ کی یادگار ہے اور موضوع برہم باد (ابراہیم باد، مضامین بیاد، علاقہ بھرت پور) میں فتح پور سیکری کی ٹرک پر ایک مالیشان مسجد سے تھوڑے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس کو مع اس کے وسیع باغ کے سسٹنٹ جٹوس جہانگیری یعنی ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ء) میں اُس نامور و عالی فخر دراجپوت شاہنشاہی نے تعمیر کرایا تھا جس کو ایک بڑے شاہنشاہ (اکبر اعظم) کی ملکہ اور ایک جلیل القدر فرمانروا (جہانگیر) کی ماں ہونے کا فخر حاصل ہے اور جس کو تاریخ راجہ بہاری مل کچا سہ والی امیر کی بیٹی اور مریم زانی کے لقب سے یاد کرتی ہے۔

۱۷ سالہ محزون لاہور، جلد ۱۲، باب۱۲، صفحہ ۱۹۰، نیز تزک جہانگیری (ترجمہ انگریزی از پرنسپل حصہ دوم صفحہ ۶۶) مع نوٹ مقصود، مائثر الامرا، جلد دوم، صفحات ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳۔ ۱۱۴، اعلیٰ نام معلوم نہیں۔ مولوی سعید احمد مہرودی اپنے سیاحت نامہ میں مریم الزمانی لکھتے ہیں لیکن قطعہ کو نقل کرتے وقت سہواً مریم مکانی قلم سے نکل گیا ہے۔ صفحہ ۷۲۔ مریم مکانی۔ حیدرہ باؤ، حاجی بیگم مادر اکبر نے بعد وفات یہ لقب پایا تھا۔ بیل صاحب کی اورینٹل ڈکشنری صفحہ ۷۲، اور ڈاکٹر فخر کی ڈکٹیا لوجی کل مروسے آف انڈیا جلد دوم، صفحات ۷۱، ۷۲، بھی ملاحظہ ہوں۔ اکبر کے عہد میں ایسے لقب یا خطاب زیادہ رائج تھے۔ اُس کی پہلی ٹکڑ تہیہ بیگم خدیجۃ الزمانی تھی۔ حکیم ابوالفتح علامۃ الزمانی، اور حکیم علی گیلانی، جالینوس الزمانی بنائے گئے تھے۔

وقلدا سب اوی سلطانہ مریم زانی کو خطاب کر کے فرماتے ہیں۔ اور وہ حقیقتاً اس ستائش کی مستحق ہے۔

ترے آواز سے تاریخ کے صفحات روشن ہیں ترے جلوں سے مریم ہند کے دن رات روشن ہیں

تری خوش خاموشی پر فخر کرتی ہے جہانگیری عروس آسمان کو یاد ہے تیر سی طرحدری

تری نگینیوں سے فصل لگن ہے الال اب تک تری رعنائوں سے محسوس فطرت ہے نہال اب تک

اس باؤلی کا نہایت بلند و شاندار سہ منزلہ دروازہ اور فراخ نشست گاہیں پورب کی طرف واقع ہیں۔
اس پر نہایت خوش خط نستعلیق حروف میں یہ قطعہ تاریخ کندہ ہے۔

بہمد شاہ نور الدین جہانگیر جہاں شد گلشن از مہتاباہی
بحکم مادر شش مریم زمانی کزو تابندہ شد نور الہی
مرتب گشت باغ و بائی و مکش ز شرمش غلدر اشد چہرہ کاہی
خود گفت از پے تاریخ ہجری ۱۰۰۰ سنہ ہفت جلوس بادشاہی

یہ قطعہ تاریخ یا کتابہ ہم کو بے اختیار اپنے غلہ آباد (الآباد) کے پھانگ والے قطعہ کی یاد دلانا ہے جو اسی بحر میں ہے۔ جس کا وزن 'جس کا قافیہ' حتی کہ بیشتر الفاظ بھی وہی ہیں۔ تیاس غالب ہے کہ ان دونوں قطعوں کا ناظم ایک ہی تھا، یا اگر دونوں ایک ہی شخص نہ ہوں تو بھی اس میں شک نہیں کہ اس دوسرے تاریخ گو نے اپنے الہ آبادی پیشرو کا نہایت کامیاب 'حیرت انگیز و قابل قدر' نتیجہ کیا ہے۔



تری تو صیغ میں اب تک ہوا میں گیت گاتی ہیں ترے افوار سے اب تک فضا میں جگ گاتی ہیں
تری رنگیں نوائی سے ہے موسیقی میں جوش اب تک ترے جان بخش نغموں کا اثر فردوسِ جوش اب تک
نزاکت آج تک کھاتی ہے تیرے نام پر قسمیں لطافت اب بھی ہے گویا تری تو میرے کس میں
تری تصویر سے جاری ہے سیرِ رنگ و نور اب بھی ترے دیدار سے آگاہ ہے ہر دل کو سرور اب بھی

(مغھڑا) لے قطعہ تاریخ یہ ہے۔ بفرمانِ شہنشاہِ جہانگیر کزید مکش از مہتاباہی

پناشد اس سرے آسمان قدر [کہ باد آباد غلہ آباد شاہی]

(مقتول از مغھڑا کتاب ہذا)۔ لیکن ڈسٹرکٹ گزیٹیر ۱۸۸۳ء کے صفحات ۱۶۹ و ۱۷۰ پر لکھا ہے کہ غلہ آباد کی سر

کے پھانگ پر جو مصرعہ بنغ کے اصلی پھانگ کے بالکل مقابل تھا یہ پورا قطعہ لکھا ہوا تھا۔ (صفحہ ۷۷ تا تاریخ ہذا)۔

مُثَبَّرَةُ زِينَتِ النِّسَاءِ بِسْمِ

اسی کتاب میں (صفحہ ۶۲ پر) ڈاکٹر فوہرر کا یہ قول نقل کر چکا ہوں کہ الہ آباد میں ہندو مسلمانوں کی یادگاریں کم ہیں اور جو ہیں وہ بھی کوئی بڑی دلچسپی کی چیز نہیں۔ میرا تجربہ اور مشاہدہ اس سے مختلف ہے۔ موصوف کی نظر بہت وسیع و بلند تھی اور معیار پسند بلند تر۔ وہ عمارات کی جستجو، دستیابی اور بالآخر انتخاب کے وقت خاص خاص اوصاف، تکلفات، تعمیر، وسعت، عمارت اور سب سے زیادہ شہرت و شان و عظمت پر نگاہ رکھتے تھے۔ ہر ایک چیز ان کی آنکھ میں کیسے کھب سکتی تھی۔ تاہم عرض کروں گا۔

حریف کا دوش مرگانِ غنیمتِ ناصح بدست اور رگ جانے دشتِ راتماشاکن
اس گئی گزری حالت میں بھی شہر اور اطرافِ شہر میں قابلِ دید و لائقِ ذکر صنایعِ گہن کی
کمی نہیں۔ الہ آباد کے آباد ہونے سے نام کے شاہ عالم کے قیام یا انگریزوں کے قبضہ کرنے تک
یعنی تقریباً دو سو برس سلطنتِ تیموری اور دولتِ اسلامی کا یہاں دورِ نورہ رہا ہے۔ بے شبہ
مسلمانوں نے اپنے اتنے دنوں کی زندگی کی بہت سی یادگاریں یہاں چھوڑی تھیں۔ شہر کے ایک
کنارے سے دوسرے تک کوئی دیکھتا ہوا گزر جائے تو اُس کو عسکری ماضی کے بیسیوں تبرکات
ہر سمت جا بجا ملیں گے۔

چپے چپے پہ ہیں یاں گوہرِ کتلہ خاک دفن ہو گانہ کہسین اتنا خزانہ ہرگز
البتہ ماننا پڑے گا کہ حکومتوں کے تبادلوں اور فنا کردار و زگار کی گردشوں نے بہت سے قدیم
آثار کو درہم و برہم کر دیا یا نیم دیران بنا رکھا ہے۔

میرے علم میں خسرو باغ کے پھاگٹ کے بعد مسلمانوں کی سب سے پرانی تعمیرِ رنجو

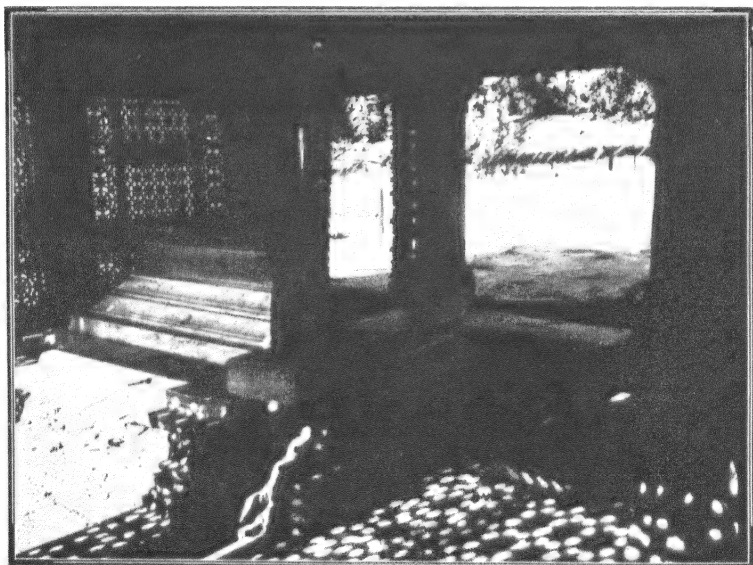
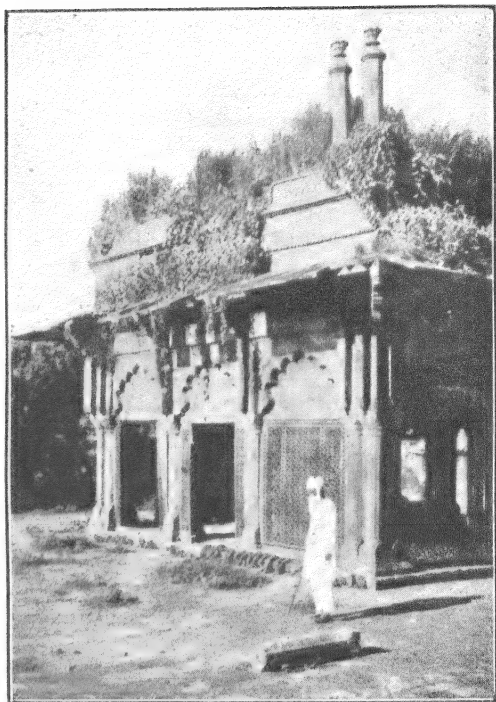
تاریخِ اہل آباد

مقبورۂ زینت النساء بیگم

(۹) باہر سے

(۱۰) اندر تیر - جالہاں

مقبول صدنی



محمد قلی کو اس سے انکار تھا۔ محمد قلی الہ آباد میں صوبہ دار رہا تھا۔ اسکی کثیر الماک یہاں تھیں۔ سید کمال الدین حیدر ملہا طبائی نے اس کو محمد قلی خان شہید لکھا ہے۔

زینت النساءؑ ۱۱۴۳ھ (۱۷۲۹ء) میں انتقال کیا۔ اسی شہر میں دفن ہوئی۔ اسی خلفا اور پس ماند گال کی دارو گیر اور انتشار و ناداری کے ہا وجود اس کا نہایت خوبصورت مقبرہ ایک خاص طرز و شان سے تیار کیا گیا۔ احاطہ بہت وسیع تھا۔ گرد گرد پتھر کی دیوار تھی۔ دیوار کے پتھروں پر، ادھر ادھر، نیز خاص عمارت (۹) میں عربی و فارسی کے بہت سے قطعات تاریخ منقوش تھے۔ حسب روایت مسٹر نیل یہاں تین تربتیں (قبریں) تھیں۔ دو پر تاریخ کندہ تھی۔ تیسری سادہ و صاف تھی۔ کچھ لکھا نہیں تھا۔ خود بیگم کا قطعہ تاریخ یہ تھا۔

چو زینت نسا رفت از دیار فانی بفر دوس جائے سکونت گزشتہ
بحسبیم تاریخ سال وفاتش خرد گفت جائے بہ جنت گرفتہ ۱۱۴۳ھ
دوسرے مزار (یا قبر) پر۔

ہزار و یک صد و بائج و ہفتاد بر رفت مریم سوے فسد دوس دلشاد ۱۱۴۳ھ
فارسی کے اشار بہ تعداد کثیر مع متعدد ماڈ بائے تاریخ کے دیواروں پر باہر کی جانب کندہ تھے۔ سو برس پہلے تک یہ شعر اور مختلف کتبے موجود و مرقوم تھے۔ انہوں نے کہیل صاحب نے سب کو نقل نہیں فرمایا۔ ذیل کی سات بیتیں لکھ کر باقی چھوڑ دی تھیں۔ جن کا آج نہ نشان ہے نہ کہیں یادداشت۔

جبرئیلش ز سر صدق و صفاء ہر شد تاکہ داخل لبس پردہ پیغمبر شد
رفت با فاطمہ بنت رسول مدنی گشت ہم صحبت اور ست ز دنیا دنی
روح پاکاں ہمہ با طائفہ مجور العین گشتہ از صدق و صفاء خیرہ خلیہ بریں
منزلش خلیہ بریں کرد خداوند جلیل خبرم داد ز تاریخ وفاتش جبریل

کو سر شعر بکن نقش سیر لوح مزار ولد خلی جنتی از سورہ والنجم بار ۱۱۴۳-۱۱۴۴
 اندریں ظلمت شب خالق ستار مجید بضیافت بر خود زینت نسا اطلید
 ہزارو صد و ہفتاد و چہار، جسرت رفت از عالم فانی بر باض جنت ۱۱۴۴
 وہ لکھتے ہیں کہ سیر لوح یعنی لام کے عدد تیس ولد خلی جنتی کے ساتھ جوڑ دئے جائیں تو
 تاریخ وفات نکل آئے گی۔ مگر نہ تو (قلید الرحمن) حضرت شاعر نے اور نہ بیل صاحب نے لحاظ
 فرمایا کہ قرآن میں ۷۰ دہ خلی جنتی وار دہوا ہے۔ ولد خلی نہیں۔ صحیح الفاظ کے اعداد صرف ۱۱۴۳
 نکلتے ہیں نہ کہ ۱۱۴۴۔

یہ قبر پاک فراموشان، سنگ سرخ کی شاندار بارہ درسی کے اندر موجود ہے، جو گز سوا گز اونچے
 اور اٹھائیس اٹھائیس گز لمبے چوڑے سنگین چوڑے پر بنائی گئی تھی چوتھرہ سے اس کا فرش نواچھ
 اونچا ہوگا۔ اس خوبصورت پتھری نما عمارت کا ہر ضلع نو گز ہے۔ ہر ضلع میں تین تین در ہیں۔
 جو نہایت نازک نظر فریب پتھر کی جالیوں سے بند تھے۔ صرف ایک شمال طرف کو بیچ والا
 آمد و رفت کے لئے گھلار کھا گیا تھا۔ پتھر کے دوہرے دوہرے (آگے پیچھے) بھاری بھاری
 مضبوط بارہ پہل کے کھبوں پر یہ عمارت قائم ہے۔ ان پالیوں کی تائیں بھی اُسی مناسبت سے
 موٹی موٹی زبردست ہیں۔ پُر تکلف و متقش بھی۔ پیالہ دار محرابیں اُس زمانہ کی رائج وضع کے
 مطابق ہیں، جو آج بھی ویسی ہی ابھی اور پسندیدہ سمجھی جاتی ہیں۔ پوچھار اور دھوپ سے
 بچانے کے لئے خوب دور تک نکلا ہوا مضبوط لکڑی کا سبک چھجا چاروں طرف گھیرے تھا۔ چھت
 کے پائینے میں خاصا تکلف و اہتمام ہوا تھا۔ یعنی ہر چہار جانب سے ستونوں اور محرابوں پر پتھر کے
 مقووس و محڈب تختے رکھ کر اس حصہ بالائی کو اندر سے مربع و مستطیل بنا لیا اور اوپر سے چوڑے اور
 گچ سے بند کر دیا تھا۔ اس سے گنبد یا بُرج کی ایسی گولائی اور پوری ادنیائی تو پیدا نہیں ہونے
 پائی تھی۔ تاہم مسقف و مشید ہو کر مجموعی کیفیت اندر اور باہر سے یکساں اثر انداز، دل پسند اور

غوش منظر ہو گئی تھی۔

قبر کا چوترو (ساہت و تنوید ملا کر) تین گز لمبا و گز چوڑا، ڈیڑھ گز اونچا ہے۔ قبر نہایت مستحکم تھی۔ باہری

کے اندر کا فرش بھی خوب مستحکم تھا۔ قبر میں سنگ مرمر کے سونے ٹمٹے ٹمٹے بڑے بڑے تختے جوڑے تھے۔ سادہ تھے لیکن شقائق اور جلاوا۔ تنوید ایک ڈال مرمر کا تھا جو سطح دہرا ہوا ہے۔ اس پر نہ تختی کا نشان ہے نہ قلمدان بنایا۔ سنگ بالیں پر چراغ دان یا چھوٹا سا طاق ہے۔ بلند تنوید کے ارد گرد چوتروہ قبر کے مرمر میں تختوں میں چوڑے سوراخ کچھ کچھ دور پر کھدے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ شاید وغیرہ نصب کرنے اور چوڑوں کے کام میں آئے۔ میرے خیال میں یہاں چوبیس یا مرمر میں کنہرا لگا ہو گا۔ شاید چپر کھٹ کا انتظام بھی رہا ہو گا۔ یہ سوراخ بعد کو کسی دوسرے پتھر سے بند کر دیے گئے ہیں۔

چوتروہ اور بارہری کی جو زبور زمین کی تقسیم اس خوبی و خوش نظری سے کی گئی تھی کہ ہر چیز اور اُس کا ہر جزو اور ہر ٹکڑا نوگوں کا تھا۔ مقبرہ کا طول و عرض اگر نوگوں ہے تو اُس کے باہر بھی ہر طرف اور چوتروہ کے ہر ایک رخ کا ہر ایک ٹکڑا اور ہر ٹکڑے کا ہر ضلع نوگوں کا بن جاتا ہے۔ چوتروہ پر چڑھنے کے لئے چاروں طرف میں بے چوڑے زینے پانچ پانچ سیڑھیوں کے بنائے گئے تھے۔ جن کے پتھر آنے جانے والوں کی ناپیدائی اور اپنی شکستہ پائی سے دیگر دولہا بدستہ ہو کر قدم قدم پر ٹھوکیں بکھا رہے ہیں۔ مقبرہ کی موجودہ حالت یہ ہے۔ کوٹھاپارچہ علاقہ بہار گنج میں پختہ سرحد سے کچھ دور ایک بیچ دار راستہ سے جانے پر وہ بند اور تنگ جگہ لے گی جو اسی قبر کی بدولت اب بھی ”سیگم باغ“ کہلاتی ہے۔ حالانکہ نہ باغ باقی ہے نہ اُس کا وسیع و فراخ احاطہ۔ احاطہ کی دیواروں کا پتہ نہیں۔ اسکے لیے چوڑے رقبہ پر مکانات بگٹے باکسی نہ کسی اور صورت میں یاد و اغیار کے تعریف میں ہیں۔ چوتروہ سے ہٹ کر یا یوں کہئے کہ نیچے اتر کر دو دو گز سے زیادہ زمین کسی طرف نہیں بھوٹی ہے۔ ہر سمت محدود و محدود ہے۔ یہ تنگ حصہ یا جانے مراد بھی گندگی و نجاست سے ناقابل گزر رہتا ہے۔ چوتروہ کے فرش کے پتھر باہر کھل گئے ہیں۔ اُکھڑے ہیں۔ کچھ فائض بھی۔ چوتروہ کے پہلوؤں کی بنیادی دیوار میں ہر طرف دہلوں پر مستطیل جدولیں اور خوش فاکام تھلے۔ یہ پتھر بھی اب ایک دوسرے سے مفارقت کر رہے ہیں۔ چاروں گوشوں کے بھاری بھاری پتھر کے ٹکڑوں پر جو سنگ تراشی و نقاشی کی گئی تھی، پھوٹے پھوٹے ملحق کھمبوں کی شکل میں ہنوز برقرار ہے۔ پتھر کنہرا جو اس فراخ دیہن چوتروہ کی پوری وسعت پر محیط تھا کہیں اور پنچا۔ اب صرف اسکی نالیاں اور کہیں کہیں سوراخ یا آئندہ کھائی پڑ جاتے ہیں۔

بارہوی کی ستونوں اور محرابوں کے اوپر والے پتھر اور چھجے کے تختے بالکل کھل گئے بہت سے کھل گئے ہیں بعض گر کر ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں۔ اسی طرح گنبد یا چھت کے پتھر ایک دوسرے سے منفصل و جدا ہو رہے ہیں۔ بہشت پہل سنگی سناڑے جو مقبرہ کے چاروں گوشوں پر ایک وسط میں عین کونے پر اور دو کسی قدر فصل سے ادھر ادھر لگائے گئے تھے، اب محدودے چند اپنی جگہ پر قائم ہیں۔ ایک آدھ کے پتھر کلفت میں حکرت زین پر جبرہ سائی کر رہے ہیں۔ پیچھے سے اوپر اوپر دو دو گز کے قریب اونچی دیوار اٹھائی گئی تھی۔ اس میں پتھر کلفت مشق تھڑو کار میں لگے تھے جس سے عمارت کے سامنے کے بالائی حصہ کا نظارہ اور بھی دلکش ہو گیا تھا۔ یہ اب بھی کم و بیش اہلی حالت میں ہے۔ اس کے چاروں کونوں پر بہشت پہل کام کٹاؤ کا تھا۔ پھول بتیاں تھیں۔ اب بھی ہیں۔ پیچھے کے منزل پتھر کے ہیں۔ ان میں شامیانہ نصب کرنے پر درے لگائے، رسیاں باندھنے کے لئے چمیر موجود ہیں۔ ریسے کے بھاری بھاری کڑے با فرط لگے ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب لوہا کی باب اور سونے کی طرح گراں تھا۔ مقبرہ کے اندر اور باہر کچھ ایسی چیزوں کے ٹکڑے جو غالباً کسی اور موقع یا کسی دوسری قبر پر لگے ہوئے اور کچھ متفرق سامان اور پتھر کے تختے بھی ادھر ادھر پڑے ہیں۔ بعض پر نفیس کٹہہ کاری ہے۔ نقش و نگار ہیں۔ دور درازوں کو چھوڑ کر باقی کی لمبی چوڑی اونچی اونچی باریک و نازک کام کی جالیاں ٹوٹ گئی ہیں۔ ان کے اجزا بکھر گئے ہیں۔

قبر کا نظارہ سب سے زیادہ رنج وہ اور الم آؤں ہے۔ چونکہ کئی جگہ ٹوٹ پھوٹ گیا ہے۔ سوراخ اور شکاں ہو گئے ہیں سنگ مرمر کے کئی تختے کھڑے ہیں۔ کچھ اپنی جگہ پڑے ہیں کچھ ادھر ادھر تشرنگ بایں جو سامنے سے سادہ اور بہشت کی جانب سے بیل وار تراشا گیا تھا معذورانہ شکستہ پائی طرح سر ہانے چت پڑا ہے۔ غرض کہ سارا انتظام درہم و برہم ہو رہا ہے۔ حیرت تو یہ ہے کہ ان پہل الاشغال سرایع الانہضام قیمتی اشیاء کا کوئی جوہر شناس قدر دان اب تک پیدا نہیں ہوا۔ شاید

طفالان شہر بے خبر بند از جنوں ماندا، یا ایں جنون ہنوز سزاوار سنگ نیست؟

اس عمارت کو بنے ہوئے دو سو برس بھی پورے نہیں ہوئے مگر اسکی مجموعی ہیئت اور ظاہری کیفیت اسکو دینی عمر کا ناظر دکھائی دیتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ پوری عمارت نہایت مخدوش، اندیشہ ناک اور سرسبز و فخر و حال میں ہے۔ قریب انداز۔ مسرت و شہل! تمھاری گور و خنک رہے اور تمھاری کتاب زندہ جس سے اس مقبرہ کی یاد مغفوت، ہستی پر کچھ دن اور رہ جائے گی۔ ورنہ تو وہ دونوں تربتیں باقی ہیں نہ ان کے قطعاً تاریخ۔ نہ باغ ہے نہ باغ کا احاطہ۔ نہ احاطہ پر کی متوقش تاریخیں ملے۔ رہے نام باقی بس اللہ کا۔

جامع مسجد

یہ مسجد خسرو باغ سے دو دریاؤں جس کے کنارے قلعہ کے پاس، پچھم طرف، نو پیدا نو خواستہ منو پارک کے دو کھن واقع تھی۔ اس کا ذکر اسی کتاب کے صفحات ۲۱۲ و ۲۱۳ پر کسی دوسرے سلسلہ میں کر چکا ہوں۔ جس سے اس کی مختصر سرگزشت یعنی ابتدائی کیفیت، درمیانی تغیرات و انقلابات اور موجودہ حالت و تباہی کا اندازہ ہوا ہو گا۔ یہ مسجد اس وقت کسی عمارت کی صورت میں باقی نہیں ہے اگر بحالہ قائم ہوتی تو بھی فی الحال اس کو میری تحقیقات کے حدود دائرہ تحریر سے خارج و باہر رہنا چاہئے تھا۔ ناظرین مرقع اور قاریان کرام عالم تصور میں اس کی تصویر بنا سکتے ہیں۔

۱۲۷۳ھ (۱۸۵۸ء یعنی مفتاح التواریخ کے زمانہ تالیف) تک مسٹر بیل نے اس کو دیکھا تھا۔ اور اس کا تذکرہ مفتاح میں ”جامع مسجد بلوہ الہ آباد“ کے عنوان سے کیا ہے۔ اور بیل سیارگنی کل و کشری کے اوراق پر بھی اس ”کے تمیڈرل ماسک“ *Cardinal Moore* کی نسبت گل افشانی فرمائی ہے۔ ۱۰

مسجد کے باقی کا نام ابوطالب مرزا مراد تھا۔ جو اعتماد الدولہ مرزا غیاث بیگ رطہرائی کا پوتا، یمن الدولہ خواجہ ابوالحسن آصفت خاں گلہ کا بڑا بیٹا، اور ان دونوں سے بھی زیادہ مشہور و معروف بیگم نور جہاں کا بھتیجا تھا۔ ہندوستان کی تاریخیں اور دولت تیسوریہ کے دفاتر اس کو امیر الامراء اعمدة الملک خاں جہاں بہادر

۱۰ صفحہ ۳۹۹، مطبوعہ ۱۸۳۰ء۔ ۱۱ صفحہ ۲۵۰۔ ۱۲ جس کا مفصل حال تاثر الامراء، جلد اول، صفحات ۱۵۱

نفاذ ۱۴۰ میں درج ہے۔ ۱۳ اقبال نامہ جہانگیری، صفحہ ۲۷۰۔ ۱۴ مفتاح التواریخ، صفحہ ۴۴۲۔ ۱۵ سیارگنی کل و کشری، صفحہ ۵۰۔ ۱۶ تاریخ سین الاثمار، صفحہ ۳۔ ۱۷ تاریخ تاج انگریزی، صفحہ ۳۔ ۱۸ ملاحظہ ہوں۔ ۱۹ شاہ جہاں نے خان جہاں بہادر خطاب ۱۲۷۳ھ (۱۸۵۷ء) میں عطا کیا اور شش ہزاری منصب پر ترقی دی تھی۔ تنویر العباب، جلد اول، صفحہ ۷۵۔

نواب شایستہ خاںؒ کے خطاب سے یاد کرتے ہیں۔ باپ کے مرنے پر ۱۱۵۱ھ (۱۷۴۱ء) میں شاہ جہاں نے اس کو منصب جلیلہ وزارت پر مامور و سفر فرما دیا تھا جس پر عہد اورنگ زیب میں بھی بحال و قائم رہا۔ اس طاقتور و جبریل منتظم گورنر دور اندیش مدد کی عظیم الشان خدمات اور ملکی و سیاسی یا جنگی کارناموں کے گنائے کا نہ یہاں موقع ہے نہ ضرورت۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے انگریز گماشتوں پر نگاہیوں اور مرہٹوں سے اس کو سابقہ پڑا تھا۔ معاملہ و مقابلہ رہا تھا۔ وہی لوگ اس کو اچھے نظروں میں یاد نہیں کرتے ہیں، نہ اُن کے اخلاف و نیزہ چیں اس کو اچھی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

شاید یہ زبان تشدد فرما رہے گی کہ جب تک غلش درد خدا دور ہے گی
 ڈسٹرکٹ گزٹیر میں لکھا ہے کہ شایستہ خاںؒ ۱۱۷۳ھ (۱۷۶۴ء) میں الہ آباد کا گورنر تھا۔ مجھے اس کے صحیح ماننے میں تامل ہے۔ ملا عبد الحمید لاہوری، تعین تاریخ کے ساتھ، بادشاہ نامہ میں لکھتے ہیں کہ شایستہ خاںؒ ۱۱۷۲ھ (۱۷۶۳ء) کو نظامت صوبہ بہار سے تبدیل ہو کر صوبہ داری الہ آباد پر بجائے سید عبداللہ خاں بہادر فیروز جنگ کے مامور ہوا تھا۔ اسی طرح خانی خاں کی تحریر سے بھی ثابت ہے کہ وہ شروع جمادی الاول ۱۱۷۵ھ (وسط جون ۱۷۶۵ء) میں مالوہ بھیجا گیا تھا اور صوبہ الہ آباد شاہزادہ سید ار بخت کے سپرد کیا گیا تھا۔

۱۷۵۵ء (۱۱۷۳ھ) کو تراوے سال قمری کی عمر میں اس عالم سے رخصت ہوا۔ اگرچہ میں جتنا کتا رہا اپنی بس ملکہ جہاں، ارجمند بانو، ممتاز الزمانی کے شہرہ آفاق مرقد کی سرزمین

۱۔ ابوالعالم کو جہاںگیر نے ۱۱۷۲ھ (۱۷۶۳ء) میں شایستہ خاںؒ کو خطاب دیا تھا۔ منتخب اللباب، جلد اول، صفحہ ۲۸۷۔ ۲۔ بادشاہ نامہ، حصہ اول، دور اول، صفحہ ۲۹۶۔ ۳۔ گنج تاریخ، صفحہ ۲۰۳۔ ۴۔ شاہ جہاں نامہ، جلد دوم، صفحہ ۳۴۶۔ ۵۔ اصفیاء، جلد دوم، صفحہ ۴۰۵۔ ۶۔ اورینٹل ڈکشنری، صفحہ ۲۵۰۔ ۷۔ سابق، جلد ہفتم، صفحہ ۵۲۔ ۸۔ ۱۸۸۲ء۔ نیز گزٹیر جدید، صفحہ ۹۹، مرتبہ ۱۹۱۱ء۔ ۹۔ حصہ اول، دور اول، صفحہ ۳۲۷۔ ۱۰۔ منتخب اللباب، جلد اول، صفحہ ۶۱۰۔ ۱۱۔ بادشاہ نامہ، حصہ دوم، صفحہ ۴۲۴۔ ۱۲۔ اورینٹل ڈکشنری، صفحہ ۲۵۰۔ ۱۳۔ خبر الواصلین۔ ۱۴۔ گلستانِ مرست، صفحہ ۶۹۹۔ ۱۵۔ مطبوعہ ۱۲۷۶ھ۔

پر ایک پُر فضا باغ اور نفیس مقبرہ میں پیوند خاک کیا گیا تھا۔ مگر اب وہاں خاک ہی خاک اُڑتی ہے اور نام ہی نام رہ گیا ہے۔

شاہ جہاںِ عہد کی یہ قابلِ نازش یادگار آشوبِ ہندوستان یعنی ۱۶۵۸ء تک قائم تھی۔ نام نہاد پیش پینوں، دور رسوں، فوجی مصلحتوں اور جنگی ضرورتوں سے حکومتِ وقت نے گولہ باری اور ڈائنامیٹ بازی فرما کر شہید کر دیا۔ اس منہدم و مسمار عمارت کے بڑے بڑے مضبوط ٹکڑے اور ٹوٹے ہوئے بُرج و منارے غرقِ آبِ آب بھی نظر آتے ہیں۔ بعض دروازے بھی کسی قدر بلند ہی تک نمودار ہیں۔ مسجد کی ہیئتِ مجموعی البتہ مٹ چکی ہے۔ سنگی دیواروں کے برائے نام جامبا آثار، آبِ رسانی کے لئے زمین دوز نالیاں، پانی کے بدر روا، دریا میں جانے کے لئے سیرھیاں، تقریباً آٹھ میل تک کچھ نہ کچھ موجود ہیں۔ جن سے اس عمارت کی وسعت و عظمت اور رفعت و شہمت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ جانے دے یہ بھی بتاتے ہیں کہ کبھی یہاں تسبیح خانہ تھا۔ یہ درخت کی جگہ تھی۔ یہاں علماء و صلحا کی فردگاہیں تھیں، یہاں مشائخ و فقرائے لئے زاویے، یہاں دار و صادر کے ٹھہرنے ٹھہرانے کے ٹھکانے تھے۔ یہ حصہ طالبِ علموں کے لئے مخصوص تھا۔ اوھر غسل خانے تھے۔ غرض ہر طبقہ اور ہر فرد کے لئے پوری آسائش اور کمال فراغت کا انتظام و اہتمام تھا۔

ایک کنواں بھی وسیع و مضبوط تھا۔ اُس زمانہ کی تمام ضرورتوں کو بخوبی پورا کرتا ہوگا۔ اب بھی موجود ہے اور اُس کا کتبہ بھی محفوظ۔

تعمیر کا آغاز غالباً ۱۶۵۳ء (وسط ۱۶۵۳ء) میں ہوا ہوگا۔ ختم ہونے کی نوبت سنہ ۱۶۵۶ء میں پہنچی۔ قطعہ تاریخ مسجد کے اندر گنبد کے قریب منقوش تھا۔ اہیں تینیس شعر تھے۔ ان میں سے تین شعر تو چونہ گاری کی بدولت مسمار بھی نہ پڑھ سکے تھے، نہ کوئی اور اُن کو بتا سکا تھا۔ باقی بیس شعر یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔ آخر میں وہ فقرہ بھی ہے جس

لنگرانِ تعمیر کا نام معلوم ہوتا ہے۔ خدا نہ کرے کہ کچھ دن بعد اس مسجد کا احوال اور ان اشعار کا بتانے والا
یاد پتہ دینے والا بھی صفحہ ہستی پر نہ مل سکے۔

زہے بنائے ہمایوں کہ در الہ آباد
بجگم بادشہ دین پناہ شد بُنیاد
شہے کہ از پئے آرایشِ سریر و کلاہ
چو او ز مادرِ ایام ماسچ گاہ نژاد
شہے کہ عالم آباے مصلحتی و سفلی
برادر دین و شرافت چو او نہ آرد یاد
شہے جہاں کہ بزرنگیں گرفتہ جہاں
چو آفتابِ فروزاں ہمیشہ عدل و دہاد
غبارِ معصیتش می برد نسیمِ عطا
کے کہ ناصیہ صدق را بخاک نہاد
ز رواجِ یافتہ دیں در جہاں اتین مسجد
نکرد خانہ دیں کس چو بادشہ آباد
کس از شرافت و قدرش نیاورد شہاد
بسطحِ محض شفقِ فلک بود ہمزاد
چو خشت بہر بنا ماند بر زمیں معمار
فلک زعرش بیاد پئے مبارکیاد
بلند قدر بنائے کہ بہر کسب ضیا
بر آستانش مہرِ منیر سر نہاد
بخن سنگ درش عینکِ خدا بینی
زہے صفائی دستِ ہنر و استاد
ازیں بناید و عالم ز باعثِ وبائی
خداست راضی و سرخدا و کشاد (۹)
بشد ز لطفِ الہی باین بنا باعث
ز صدق و صفائی شایستہ خانِ نیکاد
زہے بناؤ زہے باعثِ وزہے بانی
بہ لطفِ حق ہمہ مہر دین و دنیا باد
ز چار سوے بنا عفو جوم می بارد
زہے شرافتِ بانی و تربہ بنیاد
چو دورِ گنبدِ ایں کعبہ دید چشمِ فلک
براہِ حیرت ہچول زمیں ز پا اُنتاد
بنہ بسجده سر ایں جا کہ فیضِ مسجدِ شاہ
بہ ہیں بسنگ چو انساں زبانِ گویا داد
قدم ز سر پئے اتمامِ ساختی غنی (۹)
بہ نورِ دین اندیشہ دلوش تزیین (۱۰)
گفت ہاتھ تاریخ سالِ تعمیرش
چو اہتمامِ بنامِ من اتفاق اُنتاد
نہاچو کوہ کن از دستِ دستہ فواد
بر آستانش مہرِ منیر سر نہاد

ہزار و پنچوشش رفتہ بود از ہجرت کہ دست باز کشید از عمارتش استاد

باہتمام مریدندوی نلیل اللہ موسوی باہتمام رسید فقط

آستان اور مہر نیر کے اعداد کے ملانے سے، اھانکلتے ہیں۔ صحیح سال کے حساب سے ایک بڑھ جاتا ہے۔ اس نقص کے سوا یہ نظم زبان و بیان کی خامیوں سے بھی خالی نہیں پائی جاتی، جن میں سے کچھ نہ کچھ تو کاتبوں اور نقل کرنے والوں کے دست فیض و نگاہ کرم کی طرف منسوب و محمول کی جاسکتی ہیں۔ لیکن اس بیچ مداں کے نزدیک خود آستان مہر نیر کسی ایسی رفیع الشان عبادت گاہ کے لئے قابلِ قدر و لائق ستائش تاریخ قرار نہیں دی جاسکتی۔ سترھویں شعر سے واضح ہوتا ہے کہ یہ قطعہ مرزا طاہر غنی ملے کا ہے، جو اُس دور کے ممتاز و نامور شعرا میں تھے۔ لیکن ان کے دیوان میں نہیں ملتا۔ سب سے پُرانا نسخہ بھی دیکھ چکا ہوں جو مطبع مصطفائی لکھنؤ ۱۲۹۱ھ (۱۸۷۵ء) کا نہایت صحیح اور پاکیزہ چھپا ہوا ہے۔ چھاپنے والوں نے اس مجموعہ کی ترتیب و تہذیب میں بڑا اہتمام کیا تھا۔ دیوان کے متعدد قلمی نسخے جمع کر کے سامنے رکھے تھے اور مقابلہ کر کے مکمل و شایع فرمایا تھا۔ ملا غنی کے موجودہ دیوان کو ناقص کون کہہ سکتا ہے، جس کی نسبت مسٹر نیل تحریر فرماتے ہیں کہ محمد علی مرزا ماہر نے ترتیب دیا تھا جو مرزا جعفر معنائی کے متنبے تھے میر حسین دوست سنبھلی راوی ہیں کہ غنی کے اشعار انبار و در انبار بلکہ ایک لاکھ شمار میں تھے، جن میں سے خود ہی چھانٹ کر صرف ایک ہزار رکھے تھے، باقی دریا میں بہا دیئے تھے۔ وہی مجموعہ منتخب مرزا صاحب کے نزد کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس نخوڑ میں ہر رطب و یابس یا کم سے کم ایسی تاریخ کی گنجائش کہاں ہو سکتی تھی۔ یہ مسلم ہے کہ ملا صاحب شوقین و رنگین تاریخ گو تھے۔ ان کے دیوان میں نیز اُس کے

ملے غنی اصلاً و سلاً کشمیری تھے، کشمیری میں رہے۔ یہ بھی جو ان تھے اور ان کی شاعری و شہرت

بھی جو ان اشعار سال کی تھی کہ ۱۱۶۹ھ (۱۷۵۶ء) میں ایک عجیب و غریب کیفیت سے وفات پائی۔ بڑے قانع،

بے نیاز اسمِ ہاشمی تھے۔ سروآزاد، صفحہ ۱۰۳۔ شمعِ انجن، صفحہ ۳۳۹۔ میل کی ڈکشنری، صفحہ ۹۴۔ مفتاح التواریخ،

صفحہ ۴۰۹۔ میرِ مضافی، ادراک ۱۵۴ و ۱۶۸۔ ملے مفتاح التواریخ، صفحہ ۴۰۹۔ ملے تذکرہ حسینی، صفحات ۲۲۸ و ۲۲۹۔

باہر ان کی نکالی ہوئیں تاریخیں اچھی اچھی نظر پڑتی ہیں بے غنی کے استاد شیخ محمد محسن فانی تھے وہ اس صوبہ (الہ آباد) میں سا لہا سال خدمتِ صدارت پر متاثر رہے تھے بے شاہجہاں ان پر بہت مہربان تھا۔ پھر یہ عتاب میں آگئے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ ملا صاحب نے یہ قطعہ استاد کی فرمائش و ارشاد سے کہا ہو۔

لیکن اگر اس (سترھویں) شعر کے پہلے مصرع کی غلطی، بیل صاحب کی ہو یا چھاپنے والوں کی غلطی مان لی جائے تو یہ عقدہ خود بخود کھل جاتا ہے۔ یعنی، غنی، کی جگہ "فانی" پڑھا جائے۔ مصرع پورا اور شعر کا وزن بھی ٹھیک ہو جاتا ہے اور حالات بھی صحیح ہو جاتے ہیں۔ غنی کا گھر سے نکلنا، خاکسراں آباد پہنچنا ثابت نہیں ہوتا۔ بخلاف اس کے محسن فانی اُس وقت بھی الہ آباد میں موجود اور برسرِ کار تھے۔ حسبِ دعویٰ مصرع دوم اگر کسی اہتمام کا فرعہ اُن کے نام پڑا ہو تو کچھ بعید نہیں۔ فانی کا دیوان مجھے دستیاب نہیں ہوا۔ ورنہ پورا اطمینان ہو جاتا۔ خاصاً ضخیم سات ہزار شعر کا بتایا جاتا ہے۔

اگر شاعرانہ طباعی، اظہارِ نیاز اور شاہانہ عقیدہ تندی و وفا کو شکی کا جوش نہ سمجھا جائے تو اس قطعہ سے پتہ چلتا ہے کہ شایستہ خاں نے اس مسجد کی بنیاد از خود نہیں ڈالی تھی، بلکہ اس کی تعمیر کے لئے بارگاہِ جہاں پناہی سے ایما ہوا تھا۔ اسی لئے شاعر نے کئی جگہ بادشاہ کو باعث اور نواب کے بانی تعمیر کے لفظ سے یاد کیا ہے۔

مہتمم تعمیر خلیل اللہ موسوی، کا حال مجھے کسی کتاب میں نہیں ملا۔ عمدۃ اللک خلیل اللہ لہ گستانِ سرتِ لقب چاندنی المعانی، مطبوعہ ۱۲۶۶ھ، مصطفائی لکھنؤ، صفحہ ۴۰۴۔ یہ وہی کتاب ہے جس کا ذکر ماہرِ فرانسسیسی مشرقِ شہر CH. SNEFER نے اپنی کتاب *Chanoine* کے حصہ دوم *Tome Second* مطبوعہ پاریس، ۱۸۵۵ء میں صفحہ ۲۵۰ پر کیا ہے

اور جس سے بذیل "اشعار متون"، بعض تاریخیں نقل فرمائی ہیں۔ (صفحات ۲۳، ۲۴ وغیرہ)۔ لے مفتاح التواریخ، صفحہ ۴۱۱۔ و۔ اورینٹل ڈکشنری، صفحہ ۱۹۴۔

خان شاہجہاں کے حالات پڑھنے کے بعد احتمال ہوتا ہے کہ وہ کوئی اور بڑے شخص ہوں گے یا شاید گنج تاریخ ڈالے میر خلیل اللہ خاں دلد میر میران نعمت اللہ خاں بھی ہوں۔ جن کو یہ عروج و مرتبہ اور شش ہزاری منصب بعد کو نصیب ہوا ہو۔ ۷

ایک حقیقت شناس حق اندیش نے سچ کہا تھا۔

یاد من در بیس من فاتح خوانم باقی است گر چہ فانی شدہ ام نام و نشانم باقی است
مسجد باقی نہیں لیکن عوام الناس میں اس کی یاد اس کے نام سے منسوب گھاٹ کی وجہ باقی ہے اور باقی رہے گی۔ جس کا مختصر سا ذکر گزیٹر نویسوں نے بھی کیا ہے۔ ریلوں کے ٹکڑے سے پیشتر مال تجارت کے لانے جانے کا کاروبار زیادہ تر نہروں اور دریاؤں کے ذریعہ سے ہوتا تھا۔ ساتھ برس ہوئے محکمہ زراعت و تجارت کے قائم ہونے پر اس صوبہ کی (جو اس وقت مالک مغربی و شمالی وادوہ سے موسوم تھا) بحری درآمد و برآمد کے بارہ میں تحقیقات کرائی گئی تھی۔ ۱۸۷۹ء کے متعلق مسٹر (بعد ازاں سر) جے بی فلر B. Fuller اسسٹنٹ ڈائریکٹر محکمہ مذکور کی مفصل و مکمل رپورٹ کا خلاصہ یہ ہے کہ الہ آباد خاص میں جن کے معتبر ترین ہیں۔ ایک بکوا گھاٹ۔ دوسرا گنگا گھاٹ۔ تیسرا جامع مسجد کا۔ اس جامع مسجد والے گھاٹ سے وابستہ چالیس کشتیاں تھیں اور سب سے زیادہ مال یعنی سوا دو لاکھ من سالانہ ہمیں اُترتا تھا۔ اس کی تائید میں پُرانے گزیٹروں اور پورٹوں کا حوالہ بھی دیا تھا۔ گھاٹ کی کیفیت و ترقی اور نام کی شہرت ہنوز بدستور ہے بلکہ روز افزوں۔ اس نام کی دوسری یادگار میونسپلٹی کی چوٹگی چوکی ہے۔ اس کی گرم بازاری و رونق بھی برقرار ہے۔

مسجد کا ہے چراغ بجھایا نہ جائے گا، ظاہری حیثیت سے مسجد رخصت ہو چکی۔

۱۷ اور نیل بیارنی کل ڈکشنری، صفحہ ۱۴۷۔ ۱۵ گنج تاریخ باتلر، پنج سروری، صفحہ ۲۰۳۔ ۱۶ ڈکشنری گزیٹر سابق، صفحہ ۱۱، جلد ۱۸، مطبوعہ ۱۸۸۸ء۔ ۱۷ تحقیق مابعد۔ میر خلیل مخالف بہ خان زماں، بین الدولہ آصف خاں کا داماد تھا۔ بہرن کامل۔ عہد عالمگیری میں پنج ہزاری منصب پر ممتاز اور مالوہ کا گورنر ہو گیا تھا۔ آثار الامرا و ڈکشنری، صفحہ ۱۴۹۔

نیستی کا سیلاب اُس کے پیکرِ خاکی کو یکسر بہا لے گیا، اُس کا ذرہ ذرہ تباہی و بربادی کے ہاتھ سے فنا کی نذر ہو رہا ہے لیکن یہاں کی فضائے بسیط میں تسبیح و تہلیل کی صدائیں عالمِ بالا سے گونجتی ہوئی اب بھی آجائیں اور فردوسِ گوش ہوتی ہیں۔ انوارِ الہی کی تابش، رحمتِ نامتناہی کی بارش دیکھنے والی آنکھوں کو سرد و خشک رکھتی ہے۔ بے شبہ یہ پرتو ہے، یہ تجلیاں، یہ تابانیاں اہل اللہ اور اہل دل کے لئے مخصوص ہیں جو روحانی نزاکتوں اور پاکیزگیوں سے مالا مال ہیں۔ ہم ایسے بے بھر بندگانِ دنیا کا ان لطافتوں اور نفاذاتوں میں حصہ کہاں۔

خستہ، عاجز و ازما جز گنہ مقبول نیست تکبیر وارد بر شکستِ توبہ استغفار ما



قلعہ

شائستہ خاں کی بے قرار روح کی بے چینی اور بھی بڑھ جاتی ہے، جب وہ اپنی مسجد کے دیوانہ کے قریب ہی اکبر اعظم کے عظیم الشان قلعہ کو بھی بگڑی اور بگاڑی ہوئی حالت میں پاتی اور اکبر کی روح کو قلق و اضطراب میں دیکھتی ہے۔ یہ وہی قلعہ ہے جو شہنشاہ کی ذاتی تجویز و ہدایت سے بناتھا جس کی بنیاد ڈالنے کے لئے جہاں بیابان کو چار چھینے یہاں ٹھہرنا پڑا تھا۔ جس کی تعمیر و تیاری شاہنژادہ ولی عہد مرزا سلیم کی نگرانی میں ہوئی۔ جس کے اہتمام و تکمیل میں شجاعت خضر سعید خاں، مخلص خاں، راجہ ڈوڈرمل، رائے بھارتھ دیوان اور پیگ داس شرن نے خون بانی ایک کر دیا تھا۔ جس کی مختصر سی ابتدائی تاریخ یہ ہے کہ اکبر ۹۶۹ھ (۱۵۵۷ء) میں پٹنہ کی مہم پر جا رہا تھا اس مقام (پریگ) پر پہنچا تو حکم دیا کہ ”ایک حصار عظیم الشان قلعہ اگر دے کے نقشہ پر تعمیر ہو۔ اور یہ ایجاد زیادہ ہو کہ چار قلعوں میں تقسیم ہو۔ ہر قلعہ میں محل، مکانات، بالاخانے، خوشنماظروں کے ساتھ خربہ ہوں۔ پہلا قلعہ وہاں ہو جہاں ٹھیک دو نوں دریاؤں کی ٹکڑ ہے۔ اس میں بارہ خانہ کباب ہوں۔ ہر باغ میں کئی کئی مکانات دلگشا۔ یہ خاص دولت خاں بادشاہی (۱۶۰۳ء) میں بیگمات اور شاہنژادہ (۱۶۰۳ء) اقرباے سلطانی۔ ملازم اور اہل خدمت۔ خاص و عام۔ ہنر، زبان، نیز، ہوش نے اُس کے نقشوں کی ترائیں پیدا کرنے میں ذہن لگا کر کارنامے دکھلائے۔ اور ساتھ ہی ایک کوس طولانی، چالیس گز عریض، چار گز بلند، بند مستحکم باندھ کر عمارتیں تیار کھڑی کر دیں۔ ۹۷۵ھ جلوس میں عمارت کا کام ختم ہوا تھا۔ یہ پوری عبارت مفتی الملوک لاد سببان رائے بلالوی کی خلاصۃ التواریخ سے ماخوذ بلکہ حرف بہ حرف ترجمہ ہے۔ اُس کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔

۱۔ ڈیڑھ لکھ گز پتھر، ص ۱۹۵۔ ۲۔ ایلیٹ صادق کی تاریخ ہندوستان، جلد پنجم، صفحہ ۴۳۷۔ ۳۔ ڈیڑھ لکھ گز پتھر، ص ۱۹۶۔ ۴۔ متعارف التواریخ، ص ۱۹۶۔ ۵۔ دربار اکبری، صفحات ۲۲ و ۱۲۳۔ ۶۔ قلعہ، موجودہ کتاب خانہ صمدن، دہلی ۱۳۱۱ھ۔

اسی قلعہ کے تیار ہونے پر شاہی موزخ منشی محمد کاظم بن محمد امین نے عالمگیر نامہ میں فرمایا تھا کہ قلعہ آباد درمناقت و حصانت شہرہ آفاق است۔ لہ۔ خانی خاں نے تحریر کیا تھا کہ ”قلعہ آباد باگردون ابد بنیاد ہم اساس است“ یہ میر غلام حسین خان طباطبائی نے لکھا تھا ”دقلعہ سنگین آبخا (الکباد) بالاخ و لایو انہائے دیگر بسعی کبر بادشاہ افزاختہ آید“ جسے مسٹر میل نے بنایا تھا ”درمناقت و استحکام نظیرے ندارد“۔

گردش روزگار سے وہ قلعہ ان بے درد و ناقد ر یا نااہل ہاتھوں میں پہنچا جنہوں نے اپنے قبض و تصرف کے آٹماڑی سے اس کو ستیاناس کر دیا اور نسخ و بنما بنا ڈالا۔ فوجی آئین و قوانین کی دار و گیر، نیز سرکاری رازوں کے افشاکی ٹاپت گبری و سواخذہ کا اندیشہ ہے۔ پوری تفصیل یا تطویل کے ساتھ لکھنے سے قلم رکنا ہے۔ اس لئے چند معتدین حکومت ہی کی تحریرات کو مختصر نقل کر دینا قرین مصلحت سمجھتا ہوں۔

سب سے پہلے قلعہ آباد میں کرنل کیڈ کپٹ (۱) نے اس پر ہاتھ صاف کیا۔ اندر قلعہ کے مکانات گر کر باقی چیزوں، عمارتوں اور قلعہ کی دیواروں کی صورت و ہیئت یکسر بدل دی۔ مسٹر میل نے اسی پر وادھ میں دی تھی ”است این است کہ پیش ازین لائق بزم بود حال قابل رزم است“۔ پکستان (بعدہ جنرل) گاڈ فرسے چارلس منڈی شروع فروری ۱۸۵۷ء میں الکباد آئے تھے۔ قلعہ بھی گئے تھے۔ اس کو نہایت وسیع و مستحکم بتاتے ہیں۔ دونوں دریاؤں کی کشتیاں اور کشتی ران یہاں سے نظر پڑتے تھے۔ کہتے ہیں ”اگر نے اس نئے شہر کی بنیاد ۱۵۷۰ء میں ڈالی تھی۔ اس کے نایکار اخلاص کے ہاتھوں سے نکل کر قلعہ انگریزوں کے پنج میں ۱۵۷۰ء میں آیا۔۔۔۔۔ یہیں پر شاہ عالم بادشاہ دہلی سے لارڈ کلایڈ نے بشرط حفاظت صوبہ بنگالہ کا قبضہ قانونی حاصل کیا تھا۔ اس اہم حصار کی قلعہ بندیوں میں کمپنی نے زکریا صرف کر دیا۔ اس کو فوجی ذخائر کا ایک ہنٹ ٹراڈپو بنایا ہے۔“۔

مسٹر میل اور ان کے ہم قلم رفقاء نے ۱۸۵۷ء میں کیفیت یہ بتائی تھی ”قلعہ تو اب بھی قائم و برقرار

۱۔ مطبوعہ کلکتہ، ۱۸۶۸ء، صفحہ ۱۲۹۔ ۲۔ منتخب المآب، حصہ اول، صفحہ ۱۳۴۔ ۳۔ سیر الہ تاریخین، جلد اول، صفحہ ۲۰۔
۴۔ مفتاح التواریخ، صفحہ ۱۹۶۔ ۵۔ مفتاح التواریخ، صفحہ ۱۹۶۔ ۶۔ سفرنامہ، صفحہ ۲۵۲۔

ہے لیکن اُس کی خوبصورتی و خوشنمائی رخصت کر دی گئی ہے۔ بقول مہر پرچہ جی کین زمانہ حال کی تعمیرین واقعہ بندی نظر آتی ہے۔ برج و منارے کانٹ چھانٹ دئے گئے ہیں۔ اونچی اونچی پتھر کی دیواریں خوشکی کی جانب تھیں ان کے اوپر گھاناس و انصیلیں قائم کی گئیں اور ہرے بھرے ڈھالو پشتوں سے ڈھانک دی گئی ہیں قلعہ فوجی اغراض کے لئے مستعمل ہے اس لئے حسب قواعد و آئین اُس کی تفصیلات نہیں دی جاتیں۔

لغٹنٹ کرنل ایچ آر نیویل کو گزٹیر جدید میں اقرار کرنا پڑا تھا کہ ”یہ قلعہ جب الکر نے تعمیر کرایا تھا تو اگرہ اور دہلی کے قلعوں کی شان و نمود کو مات کرتا تھا۔ مگر بد قسمتی کہنا چاہئے یا اتفاق وقت کہ اس کی گردشہ عظمت و شان کے شمار اب کچھ بھی باقی نہیں ہیں..... انگریزوں نے جب اس پر قبضہ کیا تو کوشش کی کہ اس قلعہ کو عصر حاضر کا ایک حصہ بنادیں۔ اور اس کی اصلاح و استحکام و دیواروں

اصلاحات اور دستکاریوں کی تکمیل ہوئی۔ قلعہ کی خوشنمائی و خوبصورتی اور حسن تعمیر کا خون کر دیا گیا۔ برج و منارے کانٹ چھانٹ کر صاف کر دئے گئے..... دریا کے رخ صرف اسی قدر عنایت ہوئی کہ مغلوں کی دیواریں اور فصیلیں دور کر دی گئیں۔ قلعہ کی شان و لطف نظارہ میں بڑا فرق آگیا۔ جتنا دروازہ بند کر دیا گیا۔ صدر دروازے کی اوپر والی منزلیں گرا دی گئیں..... لاٹو ایلن برلے کے نام سے منسوب کر کے بڑی بڑی بارکین قلعہ کے اندر تعمیر کر دی گئیں..... گورنر ان آباد کا پڑنا محل تبدیل کر کے سلاح خانہ کر دیا گیا۔ بیچ والی عمارت جو غلیہ تعمیرات اور بود و باش کے مکانات کا تیس ترین اور عمدہ سے عمدہ نمونہ کہی جا سکتی تھی اس پر بھی عمارت کے معمولی طرز کا لیس چڑھا دیا گیا۔ بعد کو لاٹو گزن کی توجہ و نظر التفات سے یہ عمارت اپنی اصلی حالت پر لا گئی اور بلا سٹر پٹا دیا گیا ہے لیکن شاہی مجلس اس پر ہنوز حکمرانوں کے تصرف میں ہے۔ اس میں سلاح خانہ قائم ہے اس میں مزید رو و بدل اغراض فوجی مقبول۔ لگم گردہ راہ کہاں سے کہاں پہنچا۔ خسرو باغ میں بہاراں کا لطف اٹھایا۔ گل نشینا دیکھیں۔ شائستہ خانی مسجد کے گھنٹہ گروں پر آنسو بہائے۔ ناصیہ فرسائی کی۔ دعا کے لئے اچھے اٹھائے۔ اب قلعہ کی زیورن حالی کا ماتم ہے اور اشک ریزیاں۔

ان نوحہ خوانیوں سے اگست گئی طبیعت پھولوں کی ڈالیں میں تو سوز خواں یہ کہ کب تک

ہوئے بمبستان

حال (نومبر ۱۹۳۷ء) میں ایک بہاری اہل قلم حافظ سید عبدالرؤف ٹائل اورنگ آبادی نے نواب داؤد خاں پیر جھیکن خاں قریشی کے حالات کی ضمن میں کسی پُرانی بیاض کے حوالہ سے لکھا تھا کہ اُنھوں نے لاہور آباد کی صوبہ داری کے زمانہ میں لاہور آباد کو گنگا کے سیلاب سے محفوظ رکھنے کے لئے ایک نہایت مضبوط و مستحکم پتہ تیار کر لیا تھا اور شہر کے باہر ایک بلند سطح پر خلد آباد کے نام سے ایک نئی آبادی بسائی، اور ایک سڑک، سبڑ اور کنواں پتہ تعمیر کر لیا تھا۔ لہذا ”بادی النظر میں ان دعاوی کی وقعت و حقیقت کسی طبل بلند بانگ کی آواز سے زیادہ ثابت نہیں ہوتی تھی۔ میں ان کو صحیح ماننے سے معذور تھا۔

”مرغ دل من نغمہ داؤد نداند آزاد کنیدش کہ نہ مرغ قفس است اس
اس لئے میں نے اراقم مضمون اور نواب مرحوم کے اخلاق سے اس حصہ بیاض کی نقل کی درخواست کی تاکہ اُس کی مدد و سہجی سے تحقیق و تلاش میں سہولت ہو اور ان چیزوں کی حالت موجود اور آثار باقیہ کا اندازہ کیا جاسکے۔ حافظ صاحب نے عنایت فرمائی شکر گزار ہوں۔ عبارت یہ ہے۔

”صوبہ داری لاہور از تخریب میر خاں مقرر شدہ بود۔ چون در وقتے خاں مذکور سیلے با فراطدہ بود کہ تمام شہر را غارت کردہ برقت۔ و ایشان را بعتاب تمام طلب حضور فرمودند۔ از انکہ در وقت غارت ہر کہ زیرے بموکل ناظم می داد اور در قلعہ می گرفتند و غریبا را بغارت می دادند چہل صوبہ لاہور متعلق نواب آمد۔ اول پتہ محکم برے محافظت شہر و از اسباب سیلے دریا بستہ۔ و طرح آبادی نو کہ برل سیل منور نہ رساند بنیاد نہادند۔ و بہ خلد آباد موسوم کردند۔ و از برادر زادے نواب ہر یک سر پہلے برے مسافرن ترتیب دادند۔ الحال سرے احمد خاں مشہور است۔ و ایشان پیر سوم خان خانان برادر خود و نواب محمد و فتح بودند۔“

اس بیاض فارسی کا عنوان ہے ”مولفہ نواب حمید خاں نمبر ۱۲۷ نواب محمد و فتح ۱۲۷۷ھ (۱۸۵۷ء)۔

لہذا یہاں معارف، نمبر ۱۲۷۷، جلد ۴، صفحہ ۳۰۳۔ لہذا یہ نقل ہے۔ انشاء و اطلاعی صحت کی ذمہ داری مجھ پر نہیں۔

مؤرخ تاینخ داؤد نے بھی یہی تفصیلات اسی بیاض سے لے کر اپنے یہاں درج کی ہیں۔ لی
(ترجمہ)۔ نواب داؤد خاں صوبہ داری آباد پر بجائے میر خاں کے مقرر ہوئے تھے۔ خان مذکور
کے وقت میں بڑا بھاری سیلاب آیا تھا جس سے تمام شہر غارت ہو گیا تھا۔ اس لئے اُن پر بڑا عتاب
ہوا اور وہ حضور میں بلائے گئے۔ وجہ یہ تھی کہ سیلاب کے وقت جو کوئی نالئم کو روپیہ دے دیتا
تھا اس کو قلعہ میں لے لیتے تھے غریب غرابغات و تباہ ہوتے۔ جب صوبہ آباد نواب
کے متعلق ہوا تو پہلے مضبوط پختہ حفاظت شہر اور سیلاب سے بچانے کے لئے باندھا اور ایک نئی
آبادی کی بنیاد ڈالی کہ اسے سیلاب کا نقصان نہ پہنچے۔ اس کا نام قلعہ آباد رکھا۔ نواب کے
بھتیجوں میں سے ہر ایک نے مسافروں کے لئے سرائیں بنوائیں۔ احمد خاں کی مراب تک
مشہور ہے۔ یہ تیسرے بیٹے خان خانان کے تھے، جو نواب مدوح کے چھوٹے بھائی تھے۔

بیاض کی تحریر واقعت اور تسلسل واقعات و محنت موقع سے بظاہر خالی اور سنی سنائی بلکہ کبھی
ہوئی باتوں سے مجھے مختلف نظر آئی۔ جاننے والوں کو قلعہ آباد کے قریب دریا شہر کے اُس طرفت ہو۔ نیپر
ہنسی آتی تھی۔ فاضل مقالہ نویس کی تحریر اور اس عبارت میں اختلاف بھی نمایاں تھا۔ اس میں نہ گنگا کا
نام لیا گیا ہے نہ شہر کے باہر بلند سطح پر اس قلعہ آباد کا موقع بتایا ہے۔ نہ نواب کی توجہ سے کسی سربا مسجد یا
چاہ پختہ بنائے جانے کا ذکر ہے۔ بظاہر ان کے متعلق بحث کرنا فضول تھا، تاہم مجھے گوارا نہ ہوا کہ
پشتہ اور سرے متذکرہ کے متعلق تفتیش و تلاش نہ کی جائے۔

یہ مسلم ہے کہ داؤد خاں عہد مالگیر کا ایک کار گزار و دار و پنج ہزاری امیر تھا۔ منشی الملک مستعد خاں
محمد ساقی اور مسٹر بیل کے کی تحریرات سے پایا جاتا ہے کہ وہ ششہ (ششہ) میں میر خاں معزول کی جگہ۔

۱۔ مطبوعہ ششہ، مولفہ مولوی سید محمد نامہ لکھاری بکوال حافظ صاحب۔ ۲۔ اسی آرٹیکل (صفحہ ۸۸) معارف سے پایا جاتا ہے
کہ احمد خاں، محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں ششہ میں آباد کی نواب صوبہ داری کے لئے نامزد ہوئے تھے۔ اسی کے بعد
غلام آباد کی صوبہ داری پر مامور ہوئے تھے۔ یہ خلف جین خاں پیر تہ خاں ولد داؤد خاں تھے لیکن بیاض والی عبارت کے
ختم پر احمد خاں کو خان خاناں کا بیٹا بتایا ہے اور خان خاناں کو داؤد خاں کا چھوٹا بھائی ظاہر ہے کہ کوئی دوسرے احمد خاں
ہوں گے معلوم نہیں کہ ان کا تعلق بھی الہ آباد سے کچھ رہا تھا یا نہیں۔ رہا تھا تو جس حیثیت سے۔ ۳۔ عالمگیر نامہ مطبوعہ آگرہ
صفحہ ۲۰۲۔ ۴۔ مطبوعہ کلکتہ ششہ، صفحہ ۱۱، عالمگیر کی۔ ۵۔ آرٹیکل بیاضی کل دشمنی، صفحہ ۸۰۔

برہان پور (خاندان میں) سے تبدیل ہو کر گورزی آباد پر آیا تھا۔ مگر اس کے قیام کی مدت اور یہاں سے منتقل ہونے کا سال کسی تاریخ میں پوری نظر سے نہیں گزرا۔ یہ بھی معلوم ہے کہ اس زمانہ میں پانچ سات برس کے اندر اندر کیے بعد دیگرے کئی صوبہ دار آباد بھیجے اور جلد بادل ہٹائے گئے تھے تیس چار تلبے کہ داؤد خاں کا قیام تھوڑے ہی دن رہا ہوگا۔ بقول رڈیارڈ کیپٹننگ میں بھی کہوں گا کہ آباد کو وہ لوگ جان ہی نہیں سکتے جو صف آباد کو جانتے ہیں۔

یہاں ہر کی خبر تھی۔ اس لئے امور مندرجہ مقالہ مستزکرہ کی نسبت میں نے احتیاط و کاوش سے تفتیش و تلاش کی تو ایک مرتبہ صحیح پایا۔ اس کتاب کے اہمہ قند میں جب بعد پیمائش و مساحت دیا کے یا شہر کے بانڈھوں کا ذکر آئے گا تو لنگا کے متعویہ پشتہ کے بارہ میں گزارش کیا جائے گا۔ پُرانی تاریخوں سے تو اسی قدر پتہ چلتا ہے کہ اکبر نے دونوں دریاؤں کے ملنے کی جگہ پر ایک مضبوط قلعہ کی بنیاد ڈالی تھی اور نیا شہر آباد کر کے الہاس نام رکھا اور ایک مستحکم بند تعمیر کرایا تھا۔ جو طول میں کوس بھر عرض میں چالیس گز اور ٹہنی میں چار گز تھا۔ یہ عمارت اٹھائیسویں سال جلوس میں مکمل ہوئی تھیں۔ "منشی سبحان رائے کھتری اور میر غلام حسین خان طباطبائی آباد کے بسائے جانے کے سلسلہ میں فرماتے ہیں"..... بجائے اتصال ہر دو دریا قلعہ محکم اساس نہاد و طہرے بتازگی احداث فرمودہ الہاس نام گزاشت۔ ورنہ مستحکم در طول یک سوڑہ عرض چل گز و ارتفاع چار درہ مقرر گشت۔ وایں عمارت در سال بست و ہشتتم جلوس اکبر باتمام رسیدے" ایسے ہی الفاظ مورخ بدایونی کے ہیں۔ تاسیس شہر آباد و تعمیر قلعہ و تکمیل عمارت، کی تفصیل کے لئے ابو الفضل علامی کا اکبر نامہ ملاحظہ طلب ہے۔

اہل شہر کو دھوکے سے بچانے اور غلط فہمی سے بچنے کے لئے سرسری طور پر یہ بتادینا لازم ہے کہ اگر ایک گز قلعہ آباد کے نام سے کسی اور نئی بستی کا آباد کیا جانا تعجب خیز ہے تو دوسری طرف بڑی جاگزیری سرے (ظلم آباد) کی تعمیر کو داؤد خاں سے منسوب سمجھ لینا ناش بلکہ ناش غلطی ہے۔ قلعہ آباد اور بڑی سرادوں داؤد خاں کے آباد آنے سے اسی نوے برس پیشتر عرصہ گاہ عالم میں قدم رکھ چکے تھے قطعہ تاریخ جو پہلا ملک پر ثبت ہے یا تھا (صفحات ۷۲ و ۷۳) شاہد ناطق ہے۔

بعض زمان شہنشاہ جہانگیرؑ کہ زبید ملکش از مہ تابا ہی

لکھ گڑھ۔ ایک کوس یا چار ہزار گز مسافت زمین سے مراد ہے۔ گز و ذراع کا ہوتا ہے اور درہ آٹھ گڑھ کا۔ گز سو گڑھ کا ہوتا ہے۔ سیر المتاخرین، حصہ اول، صفحہ ۱۹۰، مطبوعہ نوگشور۔ صفحہ ۴۱۲، جلد سوم، مطبوعہ نوگشور۔ ۱۸۶۷ء۔

ہناشد اس سرے آسمان قدر کہ باد آباد حشد آباد شہی لہ
 اس میں سر اور خلد آباد دونوں کا نام اور دو خط کا ذکر تعمیر موجود ہے۔ اس کے علاوہ بہت سی بڑی
 تحریرات بھی ملتی ہیں۔ آباد کے مشہور سیر طریقت اور ہندوستان کے مقبول و عارف ولی اللہ حضرت شیخ
 محب اللہ نے اپنے ایک عزیز دوست و خدوم کو لکھا تھا ”چند روز است کہ فقیر را گوشت و دشت رو داده بود
 بنا بر آن در شہر آرا باغ قرار گرفته است کہ اگر دشت فقیر و سلاحتے مرتفع شد چنانکہ می دانند کہ ہمہ لامعد در باید
 داشت لیکن چون در اینجا آدم دیدن آسانی یافتہ ہے جمیتی اس بے فکر و دہان آشنایاں مقرر و مسلم
 است ال قرار بر قرار داشت و از تن آسانی فرزند و در ہفتہ یک دو شب در خانہ نیز می باشد و احیانا
 سیر باغ خلد آباد نیز می کنند۔ و یک دو شب در اینجا نیز می گزارند۔“ یہ شیخ نے ۹ ربیع ثانی ۱۲۸۵ ہجری
 (۱۳ جولائی ۱۹۶۸ء) کو رحلت فرما تھے۔ اور یہ زمانہ داؤد خاں کے آنے سے بہت پہلے تھا۔

یہی سر۔ میر شیر علی ناموس، مؤلف آرائش محفل کے زمانہ تک شہر آباد میں بارہ سرائیں اور بارہ
 دائرے تھے یہ صحیح ہے کہ خلد آباد والی سر سے اسی طرز قریب، اگر مخالف سمت پر مشہر میں نواب نے
 بھی ایک سر یا آبادی کی بنیاد ڈالی تھی۔ پتھر گلی کے ایک گوشہ میں ایک جگہ اب تک سر نے داؤد خاں یا
 سر نے داؤد کے نام سے جانی پہچانی جاتی ہے۔ اس وقت وہاں کوئی عمارت سر کی شکل نہیں رکھتی۔
 بود و باش کے معمولی مکانات بنے پڑے ہیں۔ بڑے بوڑھوں کی روایت بھی یہی ہے کہ نام کے سوا
 یہاں سرادکھی نہیں گئی کبھی یہاں چند خام کوٹھریاں سر کے طور پر تھیں جو مدت ہوئی ویران ہو گئیں۔
 ان پر مکان بن گئے۔ دو پرانے پختہ کنوئیں بھی اسی رقبہ کے اندر تھے نواب گھروں میں آگئے ہیں۔

ایک بڑی مسجد بھی باقی ہے۔ مسقف اور معمولی۔ نہ تنگی ہے نہ اس پر کوئی سنگ کتبہ۔ اس سے علیٰ اہمیت
 نوب کی بلند چوٹی کا اظہار نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ سال ٹھڑے سال کی نظامت آباد میں نواب اس سے زیادہ
 زیادہ کیا یادگاریں چھوڑ سکتے تھے۔ سر نے داؤد خاں اب ایک مختصر ساحلہ ہے جیسا کہ شہر کے بعض اور
 محلے سر کے لفظ سے مشہور اور کسی سابق گورنر کے نام سے منسوب پائے جاتے ہیں۔ مثلاً اس کے میخان، اس کے

۱۔ گریٹر سرائی، صفحہ ۱۶۶۔ ۲۔ مجموعہ مکتوبات، غلطی و تحریف۔ موجودہ کتاب خانہ خانقاہ حضرت شیخ۔ ۳۔ مفتاح التواریخ،
 صفحہ ۲۵۵۔ ۴۔ اور نیل بیارنی کل و کشوری، صفحہ ۱۵۲۔ ۵۔ حیات طلیل، حصہ دوم، صفحہ ۱۲۴، نوٹ ۱۰۲۔
 ۶۔ گریٹر سرائی، صفحہ ۱۶۹۔

مابوس ذنا امید کر دیا ہو گا جو یہ توقع رکھتے ہوں گے کہ ان کے اسلاف کا تذکرہ ان بے حقیقت صفوں پر کسی نہ کسی پہلو میں ضرور آجائے گا۔ اور وہ چھوٹی بڑی باتیں جو کچھ عرصہ سے کسی شخص خاص یا قائدانہ رجحانات کے ساتھ منسوب و مشہور ہو گئی ہیں، اس شکستہ ظلم کی مد سے تختہ کا قندیر فریت ہو جائیں گی۔ ایسے حضرات سے میل روئے سخن اور عہدہ یہ ہے کہ اپنے امکان بکھر بس یہ نامہ نے ذاتیات و خصوصیات، اہنگامی منافقات، مقامی اختلافات اور متنازع فیہ روایات و معاملات کو قلب بند کرنے سے احتراز کیا ہے۔ بلکہ مابوس کو اعتقاد ہے جہاننا اور لغویات سے بھرتاب جز نظر رکھا ہے۔ صوفی باتیں سپر ظلم کی ہیں جن کی کسی تحریر یا کم سے کم تواتر روایات سے تصدیق ہوتی تھی۔

افسوس ہے کہ اگر ابا دایسا بلا اور پڑا نایت العلم جس کی موجودہ شہریت اور تباہک عمر چار سو برس، سکم نہ ہوگی جس کو اپنے اور اپنے کارناموں کے متعلق بہت سے دفتر ترقب و مدون دکھنا چاہئے تھے ایک تاریخ بھی قابل لحاظ پیش نہیں کر سکتا۔ کوئی مستقل کتاب دکھاتا تو درکنار وہ پڑائی تحریرات یا انہو فارسی کے کاغذات حتیٰ کہ قصوں اور انصافوں ہی میں کوئی نمودار عنصر نہیں رکھتا ہے۔ مجھے مان لینا چاہئے کہ یہ محض سری بر نصیبی و ناقابلیت تھی کہ بہت تاریخیوں کی ورق گردانی کے بعد کبھی شہر لہر اہل شہر کے بارہ میں کوئی کار آمد بلکہ بکار بات بھی بعض سے اخذ نہ کر سکا۔

بے شبہ ان میں کہیں کہیں گورنروں کے نام ملتے ہیں، کہیں فوجداروں اور قلعہ کے محافظوں کے بعض اوقات صوبہ داروں کی معزلی و تبدیلی کا بھی پتہ دیا جاتا ہے مگر بے ربط و غیر مسلسل سلطنت کے حریف و دعوے دلوں اور باپ بیٹوں کے مقابلہ کا ذکر بھی آجاتا ہے، جو اگر باؤں میں اپنی ضرورتوں یا اہل کی سازشوں اور بغاوتوں کے سلسلہ میں وارد ہوئے تھے اگر آباد کبھی چھوڑا اور روضہ شامی تھا۔ حوند حوند کے لئے لگا دھر بھی جاتا اور مابوس لٹنا پڑتا ہے شہر کے حالات، اہل کی عزت، اہل کی ترقی و عروج، رونق و تعمیرات کے ذکر سے ان سب کے اوراق یکسر کھوئے جاتے ہیں۔ مکتب و مدارس کی بنیاد اور علوم و فنون کی اشاعت کے بارہ میں قطعاً سکوت و خاموشی ہے۔ نہ یہاں مجالس درس و محفلت نظر آتی ہیں نہ طالبانِ ہنر و ادب کا ہجوم ہے۔ نہ صاحبانِ فضل و کمال کا اجتماع پایا جاتا ہے نہ اربابِ لادوت و دقان کا ازحام۔ نہ استفادہ کی کوششیں ہیں نہ افادہ و افاضت کی تدبیریں۔ یہ صورت ہمارے خاموشی و ناخواندگی کی سبب سے کمزیر نہیں ہے یہ اسے زنی فراہمی تھی کہ مسلمانوں کی قلمداری کے نام میں کھڑے یا اگر آباد کی سرزمین کسی مشہور صنف کو پس انداز کر سکی۔ میں بھی کہوں گا کہ یہ خیال صحیح ہے بعض مشائخ و فقہاء کو

لہذا حرکت کر۔ طبع سابق اسفند ۱۱۔ لکھنؤ میں جدید مصحف ۱۱۱۱۔

پھر کسی نامور دانشور دراز، ممتاز فلسفی یا مورخ یا کسی اور شعبہ علم و فن کے متجرب و کامل الابدائی حضرت کی ملازمت میں نہیں ملتا ہے۔ بعض اہل الزام یا اہل قلم کے نام جو بعد کو ملتے ہیں دہلی بھائی کی بدولت ہیں۔

ہاں پیریاگ بھی جو ہندوستانی تقدیس و پاکیزگی اور ہندوؤں کی ہزار ہا برس کی عظیم الشان تہذیب و تمدن کا سرچشمہ ہے (مجھے بتایا جاتا ہے کہ ایک پیریاگ ہاتھ Prayaś Mahatmya کے سوا کوئی ملے) ادبی سرمایہ یا کوئی پرانی سند اپنی عظمت و جلالت کی نہیں رکھتا۔ البتہ بجائے خود یہی ایک بہت بڑی چیز اور نہایت قدیم تالیف ہے۔ اور جو Matsya Purana "مسیہ پوران" کے جزو جلیل ہونے کا خود دعویدار ہے۔

رہا یوہین سیاہوں سے جو کچھ میں نے لیا ہے، شاید اس پر خود انھیں حضرات کو اطمینان نہ ہو گا۔ مجھے ایسے مشکوک مزاج کو کہاں تک اعتماد ہو سکتا تھا۔ تاہم ضرورت تھی اور میرا فرض، کہ میں نے ان سے سب کچھ اٹھایا اور بقول شیخ شیراز "تمتع زہر گوشہ یافتہ" پر عمل کیا ہے۔

مجھے اعتراف ہے کہ ادب و انشا کے شائق اس دفتر پریشان میں اپنے ذوق طیف کی چیزیں کم پائیں گے۔

اس کا بڑا سبب خود میری بے کمالی و بے استعدادی ہے۔ دوسرے تاریخ کے قلمرو سے ادب و انشا کا جولاں نگاہ قلم فاصلہ دارد، "نہیں" بلکہ یوں بیکار رکھتا ہے۔ جو ایک مسلم علمی مسئلہ اور متعارف حقیقت ہے۔ تیسرے میرے مایہ نازش فاضل شاگرد کاوشاد جو علامہ استاد آموزگار تھا۔ لیو ہرٹ مرحوم نے میری حقیر تالیف "حیات جلیل" پر رایل انیشیائیٹک سوسائٹی کے رسالہ میں تبصرو ملتے ہوئے جہاں کتاب اور پورے کتاب اس کے خاندان جی کی دکان کی بے صداغایت تحسین و ستائش فرمائی تھی، وہاں میرے طرز انشا پر مجھے ان لفظوں میں تنبیہ کیا تھا۔ "صوت وہی حضرت جو اردو کی کمال و مکمل معلومات کے علاوہ عربی و فارسی دونوں پر قدرت رکھتے ہوں اس کتاب کو کسی آسانی و دروہی کے ساتھ پڑھ سکیں گے۔ قلم ہے کہ ایسے اشخاص خود ہندوستان ہی میں کم ہوتے جاتے ہیں۔ آخر میں۔" وہ تھوڑے سے اہل علم جو سمجھ اور ہمت آہنگی کے ساتھ اس کو پڑھنے کی قابلیت رکھتے ہوں اس سے سہرت و تعلیم دونوں حاصل کریں گے۔"۔

اب کتاب کا اختتام ہے اور لکھنے والے کی انجام پر نظر۔

آج کل سلاوے کی سب کو آخر کسی بہانے تھیک تھیک کر نہ ہم میں گئے رقم رہو گے نہ آہ یہ داستان رہے گی

لکھنؤ، ۱۰ دسمبر ۱۹۱۱ء۔ ۱۱۔ دوسری دراز۔ ۱۲۔ لندن، اکتوبر ۱۹۱۱ء۔

(ب)

ابن حنیبل - عبد اللہ بن عبد الوہاب (حدیث و فقہ) - ۴	ابن حنیبل - عبد اللہ بن عبد الوہاب (حدیث و فقہ) - ۴
ابن قتیبة (مفسر و مورخ) - ۶ - ۱۷۸	ابن قتیبة (مفسر و مورخ) - ۶ - ۱۷۸
ابو جعفر محمد بن یزید، کبری (حدیث و مورخ) - ۷ - ۷۷	ابو جعفر محمد بن یزید، کبری (حدیث و مورخ) - ۷ - ۷۷
ابو الحسن ابن اسحاق ہامی (مورخ و کاتب) - ۲۳۲	ابو الحسن ابن اسحاق ہامی (مورخ و کاتب) - ۲۳۲
ابو الحسن (پسر آقا رضا) - معصوم - ۵۹	ابو الحسن (پسر آقا رضا) - معصوم - ۵۹
ابو الحسن، خواجہ محمد خاں - ۲۱ - ۵۶ - ۱۸۷	ابو الحسن، خواجہ محمد خاں - ۲۱ - ۵۶ - ۱۸۷
ابو الحسن، رز (بین الدولہ) - ۱۵۱ - ۲۸۲	ابو الحسن، رز (بین الدولہ) - ۱۵۱ - ۲۸۲
ابو حصص حداد (شیخ) - ۱۷۸	ابو حصص حداد (شیخ) - ۱۷۸
ابو الحیر (شیخ) - ۱۳۶	ابو الحیر (شیخ) - ۱۳۶
ابو یحییٰ محمد بن احمد بیرونی (حکیم و فیلسوف) - ۱۵	ابو یحییٰ محمد بن احمد بیرونی (حکیم و فیلسوف) - ۱۵
ابو طالب، مرزا مراد - ۲۸۳	ابو طالب، مرزا مراد - ۲۸۳
ابو نصر (پہلوان) - ۲۱۹ - ۲۲۲ - ۲۲۵ - ۲۲۶	ابو نصر (پہلوان) - ۲۱۹ - ۲۲۲ - ۲۲۵ - ۲۲۶
ابو السہاس، احمد (شیخ جزائی) - ۲۰	ابو السہاس، احمد (شیخ جزائی) - ۲۰
ابو عبد اللہ محمد بن سلمی (شیخ) - ۱۷۸	ابو عبد اللہ محمد بن سلمی (شیخ) - ۱۷۸
ابو الفتح (حکیم) - ۲۷۳	ابو الفتح (حکیم) - ۲۷۳
ابو الفدا، اسماعیل (شاعر و مورخ) - ۱۱۶	ابو الفدا، اسماعیل (شاعر و مورخ) - ۱۱۶
ابو الفضل، شیخ (علما) - ۹ - ۱۶ - ۱۹ - ۲۵ - ۲۸	ابو الفضل، شیخ (علما) - ۹ - ۱۶ - ۱۹ - ۲۵ - ۲۸
۴۸ - ۸۱ - ۸۲ - ۹۱ - ۹۳ - ۹۴ - ۱۱۰ - ۱۲۳ - ۱۲۳ - ۱۲۶	۴۸ - ۸۱ - ۸۲ - ۹۱ - ۹۳ - ۹۴ - ۱۱۰ - ۱۲۳ - ۱۲۳ - ۱۲۶
۲۳۸ - ۲۴۵	۲۳۸ - ۲۴۵
ابو الفیض، یعنی (ملک الشعرا) - ۹۲	ابو الفیض، یعنی (ملک الشعرا) - ۹۲
آبک - ۹۹ - ۲۱۱	آبک - ۹۹ - ۲۱۱
احمد سنگھ (مہاراجا) - ۱۰۲	احمد سنگھ (مہاراجا) - ۱۰۲
اچانک باغ - ۲۲	اچانک باغ - ۲۲
آٹھ (راجا) - ۱۰۵	آٹھ (راجا) - ۱۰۵
احمدی (بادی گارڈ) - ۲۸۸	احمدی (بادی گارڈ) - ۲۸۸
احمد آباد - ۳۶	احمد آباد - ۳۶
احمد امین (علما) - ۱۰۳ - ۱۱۵	احمد امین (علما) - ۱۰۳ - ۱۱۵
احمد حافظ، مصری (معلم) - ۱۸	احمد حافظ، مصری (معلم) - ۱۸
احمد خاں، بگلش (ذباب) - ۱۳۶	احمد خاں، بگلش (ذباب) - ۱۳۶
احمد خاں خلف جیون خاں - ۲۹۳	احمد خاں خلف جیون خاں - ۲۹۳
احمد خاں پیر خان خاں - ۲۹۴	احمد خاں پیر خان خاں - ۲۹۴
احمد سلمی (شیخ وقت) - ۱۷۸	احمد سلمی (شیخ وقت) - ۱۷۸
احمد نگر - ۱۳۸	احمد نگر - ۱۳۸
اخبار الحکما (کتاب) - ۲۴۷	اخبار الحکما (کتاب) - ۲۴۷
افتر حسین، سید (شاہ) - ۲۷۵	افتر حسین، سید (شاہ) - ۲۷۵
ادبی دنیا (رسالہ) - ۱۸۴ - ۲۱۰	ادبی دنیا (رسالہ) - ۱۸۴ - ۲۱۰
ادب خاں (کوکلتاش) - ۲۰۹ - ۲۱۱	ادب خاں (کوکلتاش) - ۲۰۹ - ۲۱۱
ادب خاں کامتیر - ۲۰۹ - ۲۱۱	ادب خاں کامتیر - ۲۰۹ - ۲۱۱
ارکان - ۸	ارکان - ۸
ارجمند باغ بیگم - ۱۰۱ - ۱۰۲ - ۱۵۴ - ۲۸۳	ارجمند باغ بیگم - ۱۰۱ - ۱۰۲ - ۱۵۴ - ۲۸۳
اردو (رسالہ) - ۲۱۳ - ۲۱۴	اردو (رسالہ) - ۲۱۳ - ۲۱۴
اردو زبان - ۲۹۹	اردو زبان - ۲۹۹
ارمانوس (شہنشاہ) - ۲۴۰	ارمانوس (شہنشاہ) - ۲۴۰
از قسطنطنیہ تا بدین مرعیام (کتاب) - ۱۳۷	از قسطنطنیہ تا بدین مرعیام (کتاب) - ۱۳۷
سان بنا (خاقان) - ۱۲۴	سان بنا (خاقان) - ۱۲۴
اسپر نگر، ڈاکٹر - ۲۳۶	اسپر نگر، ڈاکٹر - ۲۳۶
استاد بی بی بیگم (سلطان) - ۷۶ - ۲۰۵ - ۲۰۶ - ۲۰۷	استاد بی بی بیگم (سلطان) - ۷۶ - ۲۰۵ - ۲۰۶ - ۲۰۷
استرچی، سر جان (لیفٹنٹ گورنر) - ۶۸	استرچی، سر جان (لیفٹنٹ گورنر) - ۶۸
استوارٹ، اسی، ایم (مسیحی) - ۴۲	استوارٹ، اسی، ایم (مسیحی) - ۴۲
ایشین ریلوے، ایٹ انڈیا - ۳۳	ایشین ریلوے، ایٹ انڈیا - ۳۳
اشیل، سی ڈی (مستر) - ۱۵ - ۳۲ - ۶۶ - ۷۶ - ۷۷ - ۷۸	اشیل، سی ڈی (مستر) - ۱۵ - ۳۲ - ۶۶ - ۷۶ - ۷۷ - ۷۸
۱۸۷ - ۲۰۵ - ۲۶۷ - ۲۹۱	۱۸۷ - ۲۰۵ - ۲۶۷ - ۲۹۱
اسد خاں (مدد الملک، امیر الامرا) - ۴۱	اسد خاں (مدد الملک، امیر الامرا) - ۴۱
اسد علی بیگ (مرزا) - ۲۵	اسد علی بیگ (مرزا) - ۲۵
اسرارے کلاں - ۲۳۲	اسرارے کلاں - ۲۳۲
اسرارہ (کرنیل) - ۲۱۰	اسرارہ (کرنیل) - ۲۱۰
اسکیج آف گوا (کتاب) - ۱۶	اسکیج آف گوا (کتاب) - ۱۶
اسلام - ۹۷ - ۱۰۲ - ۱۰۶ - ۱۲۵ - ۲۷۰	اسلام - ۹۷ - ۱۰۲ - ۱۰۶ - ۱۲۵ - ۲۷۰
اسلام آباد - ۲۶	اسلام آباد - ۲۶
اسماعیل مرزا، سلطان - ۵۹	اسماعیل مرزا، سلطان - ۵۹
اسمہ، سی ڈی (مستر) - ۲۰۶	اسمہ، سی ڈی (مستر) - ۲۰۶
اسمہ (کرنیل) - ۲۵۹ - ۲۶۰	اسمہ (کرنیل) - ۲۵۹ - ۲۶۰
اسمہ، ونشٹ (مستر) - ۱۳ - ۲۹ - ۸۲ - ۹۸ - ۱۲۲ - ۱۵۳	اسمہ، ونشٹ (مستر) - ۱۳ - ۲۹ - ۸۲ - ۹۸ - ۱۲۲ - ۱۵۳
اسمہ السلی (شاعر) - ۱۷۸	اسمہ السلی (شاعر) - ۱۷۸

انتش، شمس الدین (سلطان) - ۶۷ - ۲۰۰ -	انتشاس - ۳۵ -
الفرید پارک - ۲۷۷ - ۳۸ - ۳۱۵ -	انی راے سنگھ دکن - (راجا انوپ سنگھ) - ۱۳۸ -
افغانستان (تاریخ و جغرافیہ) - ۱۳۱ - ۲۲ - ۱۰۰ - ۱۵۰ - ۱۸۳ -	اوجین - ۲۱۸ -
الاس علی خاں (نواب) - ۲۳۷ -	اودے پور (میرٹھ) - ۲۱۷ -
النجی خاں - ۱۳۱ -	اودے پوری بانی - ۱۰۰ - ۱۰۳ -
الشراف - ۱۳۱ -	اودے سنگھ (راجا) - ۸۳ - ۹۵ - ۹۶ - ۱۰۹ - ۲۳۱ -
امام بخش، شیخ - (وکیل) - ۲۶۴ -	اودھ - ۱۳۷ - ۲۲ - ۶۳ - ۲۴۶ - ۲۷۷ - ۲۹۸ -
امام مشہدی - ۲۰۹ -	اورچھا - ۸۳ -
امیر علی گڑھ شیر آف انڈیا - ۷۷ - ۱۶۸ -	اورنگ آباد، دکن - ۶۳ - ۱۶۹ -
امراے ہندو (کتاب) - ۹۲ - ۱۰۰ - ۱۰۲ - ۱۰۹ - ۱۲۰ -	اورنگ زیب، عالمگیر - ۱۷ - ۲۱ - ۲۲ - ۳۹ - ۴۱ - ۴۳ - ۸۱ -
امرتنگھ - دروازہ - ۱۷۲ -	اورنگ - ۹۸ - ۹۹ - ۱۰۰ - ۱۰۳ - ۱۰۵ - ۱۶۰ - ۱۶۹ -
امرنیکاو امریکن - ۱۳۶ - ۱۳۷ -	اورنگ - ۱۷۷ - ۲۲۹ - ۲۸۳ - ۲۸۸ - ۲۹۲ -
امرد - ۶۹ -	اورنگ زیب کی سوانح عمری (کتاب) - ۹۹ - ۱۰۲ - ۱۰۶ - ۱۷۰ -
امی - ۱۲۶ - ۲۵۲ - ۲۷۱ -	اورنگ زیب اور زوال سلطنت مغلیہ (کتاب) - ۹۸ - ۱۰۰ -
امن آباد - ۳۱ -	اورنگ - ۱۰۲ - ۱۰۳ - ۱۰۷ - ۱۵۲ -
امیر صفائی (مجموعہ) - ۱۹۶ -	اورنگ پیم (بیت المقدس) - ۱۱۵ -
امیر الدولہ گورنٹ لائبریری - ۷۱ - ۷۸ - ۱۲۷ - ۲۵۳ -	اورنگ پیل گارنی کل وکشنری - ۳۱ - ۳۲ - ۴۳ - ۷۵ - ۷۷ -
امین - امینا (مرزا) - ۱۸۸ -	اورنگ - ۸۳ - ۸۹ - ۱۰۱ - ۱۰۲ - ۱۰۹ - ۱۱۱ - ۱۲۰ - ۱۲۱ - ۱۳۹ -
امین الدین خاں (سید) - ۲۸ -	اورنگ - ۱۲۲ - ۱۲۸ - ۱۸۱ - ۱۸۳ - ۱۸۹ - ۲۲۰ - ۲۲۱ - ۲۴۰ - ۲۴۲ - ۲۹۲ -
امین ہروی (علامہ) - ۱۸۴ - ۹۰ -	اورنگ کا بیگزین - ۵۸ -
انیسیر - امیر (بے پور) - ۱۰ - ۹۲ - ۹۷ - ۲۷۲ -	اورنگ بک متااری (قرآن) - ۵۰ -
انین ادبی (کابل) - ۱۲۱ -	اورنگ (مستر) - ۳۲ -
انجمنیر - ۵۵ - ۱۳۳ - ۲۱۳ -	اویماق منقل - ۷۷ - ۷۷ - ۸۲ - ۸۵ - ۹۱ - ۱۳۸ -
انزلیسی مسلمان - ۱۷۵ -	اورنگ - ۱۲۹ - ۱۸۷ - ۲۲۱ - ۲۳۲ -
انڈیا جوس - ۲۷۷ -	اوام مصری - ۳۵ -
انڈین میگزین - ۳۷ -	اوپل فائس کی تصویر کشی (کتاب) - ۵۸ -
انفکس - ۱۴ -	ایاز (امیر غلام) - ۹۱ -
انگریز - انگریزی - ۱۳۱ - ۱۳۱ - ۱۵۷ - ۱۶۳ - ۱۸۷ - ۲۱۹ -	ایجنٹ وربار شاہی - ۲۵۹ - ۲۶۰ -
انگریزی فیکریاں - کوئٹہ - ۱۵۶ -	ایران - ۶۰ - ۱۰۱ - ۱۲۶ - ۱۳۶ - ۱۸۳ - ۲۰۵ - ۲۲۸ -
انگلستان و انگلیٹ - ۱۰۴ - ۱۱۲ - ۱۵۹ -	ایران - ۲۲۲ - ۲۲۳ - ۲۲۴ - ۲۲۵ - ۲۲۶ - ۲۲۷ - ۲۲۸ - ۲۲۹ - ۲۳۰ - ۲۳۱ - ۲۳۲ - ۲۳۳ - ۲۳۴ - ۲۳۵ - ۲۳۶ - ۲۳۷ - ۲۳۸ - ۲۳۹ - ۲۴۰ - ۲۴۱ - ۲۴۲ - ۲۴۳ - ۲۴۴ - ۲۴۵ - ۲۴۶ - ۲۴۷ - ۲۴۸ - ۲۴۹ - ۲۵۰ - ۲۵۱ - ۲۵۲ - ۲۵۳ - ۲۵۴ - ۲۵۵ - ۲۵۶ - ۲۵۷ - ۲۵۸ - ۲۵۹ - ۲۶۰ - ۲۶۱ - ۲۶۲ - ۲۶۳ - ۲۶۴ - ۲۶۵ - ۲۶۶ - ۲۶۷ - ۲۶۸ - ۲۶۹ - ۲۷۰ - ۲۷۱ - ۲۷۲ - ۲۷۳ - ۲۷۴ - ۲۷۵ - ۲۷۶ - ۲۷۷ - ۲۷۸ - ۲۷۹ - ۲۸۰ - ۲۸۱ - ۲۸۲ - ۲۸۳ - ۲۸۴ - ۲۸۵ - ۲۸۶ - ۲۸۷ - ۲۸۸ - ۲۸۹ - ۲۹۰ - ۲۹۱ - ۲۹۲ - ۲۹۳ - ۲۹۴ - ۲۹۵ - ۲۹۶ - ۲۹۷ - ۲۹۸ - ۲۹۹ - ۳۰۰ - ۳۰۱ - ۳۰۲ - ۳۰۳ - ۳۰۴ - ۳۰۵ - ۳۰۶ - ۳۰۷ - ۳۰۸ - ۳۰۹ - ۳۱۰ - ۳۱۱ - ۳۱۲ - ۳۱۳ - ۳۱۴ - ۳۱۵ - ۳۱۶ - ۳۱۷ - ۳۱۸ - ۳۱۹ - ۳۲۰ - ۳۲۱ - ۳۲۲ - ۳۲۳ - ۳۲۴ - ۳۲۵ - ۳۲۶ - ۳۲۷ - ۳۲۸ - ۳۲۹ - ۳۳۰ - ۳۳۱ - ۳۳۲ - ۳۳۳ - ۳۳۴ - ۳۳۵ - ۳۳۶ - ۳۳۷ - ۳۳۸ - ۳۳۹ - ۳۴۰ - ۳۴۱ - ۳۴۲ - ۳۴۳ - ۳۴۴ - ۳۴۵ - ۳۴۶ - ۳۴۷ - ۳۴۸ - ۳۴۹ - ۳۵۰ - ۳۵۱ - ۳۵۲ - ۳۵۳ - ۳۵۴ - ۳۵۵ - ۳۵۶ - ۳۵۷ - ۳۵۸ - ۳۵۹ - ۳۶۰ - ۳۶۱ - ۳۶۲ - ۳۶۳ - ۳۶۴ - ۳۶۵ - ۳۶۶ - ۳۶۷ - ۳۶۸ - ۳۶۹ - ۳۷۰ - ۳۷۱ - ۳۷۲ - ۳۷۳ - ۳۷۴ - ۳۷۵ - ۳۷۶ - ۳۷۷ - ۳۷۸ - ۳۷۹ - ۳۸۰ - ۳۸۱ - ۳۸۲ - ۳۸۳ - ۳۸۴ - ۳۸۵ - ۳۸۶ - ۳۸۷ - ۳۸۸ - ۳۸۹ - ۳۹۰ - ۳۹۱ - ۳۹۲ - ۳۹۳ - ۳۹۴ - ۳۹۵ - ۳۹۶ - ۳۹۷ - ۳۹۸ - ۳۹۹ - ۴۰۰ - ۴۰۱ - ۴۰۲ - ۴۰۳ - ۴۰۴ - ۴۰۵ - ۴۰۶ - ۴۰۷ - ۴۰۸ - ۴۰۹ - ۴۱۰ - ۴۱۱ - ۴۱۲ - ۴۱۳ - ۴۱۴ - ۴۱۵ - ۴۱۶ - ۴۱۷ - ۴۱۸ - ۴۱۹ - ۴۲۰ - ۴۲۱ - ۴۲۲ - ۴۲۳ - ۴۲۴ - ۴۲۵ - ۴۲۶ - ۴۲۷ - ۴۲۸ - ۴۲۹ - ۴۳۰ - ۴۳۱ - ۴۳۲ - ۴۳۳ - ۴۳۴ - ۴۳۵ - ۴۳۶ - ۴۳۷ - ۴۳۸ - ۴۳۹ - ۴۴۰ - ۴۴۱ - ۴۴۲ - ۴۴۳ - ۴۴۴ - ۴۴۵ - ۴۴۶ - ۴۴۷ - ۴۴۸ - ۴۴۹ - ۴۵۰ - ۴۵۱ - ۴۵۲ - ۴۵۳ - ۴۵۴ - ۴۵۵ - ۴۵۶ - ۴۵۷ - ۴۵۸ - ۴۵۹ - ۴۶۰ - ۴۶۱ - ۴۶۲ - ۴۶۳ - ۴۶۴ - ۴۶۵ - ۴۶۶ - ۴۶۷ - ۴۶۸ - ۴۶۹ - ۴۷۰ - ۴۷۱ - ۴۷۲ - ۴۷۳ - ۴۷۴ - ۴۷۵ - ۴۷۶ - ۴۷۷ - ۴۷۸ - ۴۷۹ - ۴۸۰ - ۴۸۱ - ۴۸۲ - ۴۸۳ - ۴۸۴ - ۴۸۵ - ۴۸۶ - ۴۸۷ - ۴۸۸ - ۴۸۹ - ۴۹۰ - ۴۹۱ - ۴۹۲ - ۴۹۳ - ۴۹۴ - ۴۹۵ - ۴۹۶ - ۴۹۷ - ۴۹۸ - ۴۹۹ - ۵۰۰ - ۵۰۱ - ۵۰۲ - ۵۰۳ - ۵۰۴ - ۵۰۵ - ۵۰۶ - ۵۰۷ - ۵۰۸ - ۵۰۹ - ۵۱۰ - ۵۱۱ - ۵۱۲ - ۵۱۳ - ۵۱۴ - ۵۱۵ - ۵۱۶ - ۵۱۷ - ۵۱۸ - ۵۱۹ - ۵۲۰ - ۵۲۱ - ۵۲۲ - ۵۲۳ - ۵۲۴ - ۵۲۵ - ۵۲۶ - ۵۲۷ - ۵۲۸ - ۵۲۹ - ۵۳۰ - ۵۳۱ - ۵۳۲ - ۵۳۳ - ۵۳۴ - ۵۳۵ - ۵۳۶ - ۵۳۷ - ۵۳۸ - ۵۳۹ - ۵۴۰ - ۵۴۱ - ۵۴۲ - ۵۴۳ - ۵۴۴ - ۵۴۵ - ۵۴۶ - ۵۴۷ - ۵۴۸ - ۵۴۹ - ۵۵۰ - ۵۵۱ - ۵۵۲ - ۵۵۳ - ۵۵۴ - ۵۵۵ - ۵۵۶ - ۵۵۷ - ۵۵۸ - ۵۵۹ - ۵۶۰ - ۵۶۱ - ۵۶۲ - ۵۶۳ - ۵۶۴ - ۵۶۵ - ۵۶۶ - ۵۶۷ - ۵۶۸ - ۵۶۹ - ۵۷۰ - ۵۷۱ - ۵۷۲ - ۵۷۳ - ۵۷۴ - ۵۷۵ - ۵۷۶ - ۵۷۷ - ۵۷۸ - ۵۷۹ - ۵۸۰ - ۵۸۱ - ۵۸۲ - ۵۸۳ - ۵۸۴ - ۵۸۵ - ۵۸۶ - ۵۸۷ - ۵۸۸ - ۵۸۹ - ۵۹۰ - ۵۹۱ - ۵۹۲ - ۵۹۳ - ۵۹۴ - ۵۹۵ - ۵۹۶ - ۵۹۷ - ۵۹۸ - ۵۹۹ - ۶۰۰ - ۶۰۱ - ۶۰۲ - ۶۰۳ - ۶۰۴ - ۶۰۵ - ۶۰۶ - ۶۰۷ - ۶۰۸ - ۶۰۹ - ۶۱۰ - ۶۱۱ - ۶۱۲ - ۶۱۳ - ۶۱۴ - ۶۱۵ - ۶۱۶ - ۶۱۷ - ۶۱۸ - ۶۱۹ - ۶۲۰ - ۶۲۱ - ۶۲۲ - ۶۲۳ - ۶۲۴ - ۶۲۵ - ۶۲۶ - ۶۲۷ - ۶۲۸ - ۶۲۹ - ۶۳۰ - ۶۳۱ - ۶۳۲ - ۶۳۳ - ۶۳۴ - ۶۳۵ - ۶۳۶ - ۶۳۷ - ۶۳۸ - ۶۳۹ - ۶۴۰ - ۶۴۱ - ۶۴۲ - ۶۴۳ - ۶۴۴ - ۶۴۵ - ۶۴۶ - ۶۴۷ - ۶۴۸ - ۶۴۹ - ۶۵۰ - ۶۵۱ - ۶۵۲ - ۶۵۳ - ۶۵۴ - ۶۵۵ - ۶۵۶ - ۶۵۷ - ۶۵۸ - ۶۵۹ - ۶۶۰ - ۶۶۱ - ۶۶۲ - ۶۶۳ - ۶۶۴ - ۶۶۵ - ۶۶۶ - ۶۶۷ - ۶۶۸ - ۶۶۹ - ۶۷۰ - ۶۷۱ - ۶۷۲ - ۶۷۳ - ۶۷۴ - ۶۷۵ - ۶۷۶ - ۶۷۷ - ۶۷۸ - ۶۷۹ - ۶۸۰ - ۶۸۱ - ۶۸۲ - ۶۸۳ - ۶۸۴ - ۶۸۵ - ۶۸۶ - ۶۸۷ - ۶۸۸ - ۶۸۹ - ۶۹۰ - ۶۹۱ - ۶۹۲ - ۶۹۳ - ۶۹۴ - ۶۹۵ - ۶۹۶ - ۶۹۷ - ۶۹۸ - ۶۹۹ - ۷۰۰ - ۷۰۱ - ۷۰۲ - ۷۰۳ - ۷۰۴ - ۷۰۵ - ۷۰۶ - ۷۰۷ - ۷۰۸ - ۷۰۹ - ۷۱۰ - ۷۱۱ - ۷۱۲ - ۷۱۳ - ۷۱۴ - ۷۱۵ - ۷۱۶ - ۷۱۷ - ۷۱۸ - ۷۱۹ - ۷۲۰ - ۷۲۱ - ۷۲۲ - ۷۲۳ - ۷۲۴ - ۷۲۵ - ۷۲۶ - ۷۲۷ - ۷۲۸ - ۷۲۹ - ۷۳۰ - ۷۳۱ - ۷۳۲ - ۷۳۳ - ۷۳۴ - ۷۳۵ - ۷۳۶ - ۷۳۷ - ۷۳۸ - ۷۳۹ - ۷۴۰ - ۷۴۱ - ۷۴۲ - ۷۴۳ - ۷۴۴ - ۷۴۵ - ۷۴۶ - ۷۴۷ - ۷۴۸ - ۷۴۹ - ۷۵۰ - ۷۵۱ - ۷۵۲ - ۷۵۳ - ۷۵۴ - ۷۵۵ - ۷۵۶ - ۷۵۷ - ۷۵۸ - ۷۵۹ - ۷۶۰ - ۷۶۱ - ۷۶۲ - ۷۶۳ - ۷۶۴ - ۷۶۵ - ۷۶۶ - ۷۶۷ - ۷۶۸ - ۷۶۹ - ۷۷۰ - ۷۷۱ - ۷۷۲ - ۷۷۳ - ۷۷۴ - ۷۷۵ - ۷۷۶ - ۷۷۷ - ۷۷۸ - ۷۷۹ - ۷۸۰ - ۷۸۱ - ۷۸۲ - ۷۸۳ - ۷۸۴ - ۷۸۵ - ۷۸۶ - ۷۸۷ - ۷۸۸ - ۷۸۹ - ۷۹۰ - ۷۹۱ - ۷۹۲ - ۷۹۳ - ۷۹۴ - ۷۹۵ - ۷۹۶ - ۷۹۷ - ۷۹۸ - ۷۹۹ - ۸۰۰ - ۸۰۱ - ۸۰۲ - ۸۰۳ - ۸۰۴ - ۸۰۵ - ۸۰۶ - ۸۰۷ - ۸۰۸ - ۸۰۹ - ۸۱۰ - ۸۱۱ - ۸۱۲ - ۸۱۳ - ۸۱۴ - ۸۱۵ - ۸۱۶ - ۸۱۷ - ۸۱۸ - ۸۱۹ - ۸۲۰ - ۸۲۱ - ۸۲۲ - ۸۲۳ - ۸۲۴ - ۸۲۵ - ۸۲۶ - ۸۲۷ - ۸۲۸ - ۸۲۹ - ۸۳۰ - ۸۳۱ - ۸۳۲ - ۸۳۳ - ۸۳۴ - ۸۳۵ - ۸۳۶ - ۸۳۷ - ۸۳۸ - ۸۳۹ - ۸۴۰ - ۸۴۱ - ۸۴۲ - ۸۴۳ - ۸۴۴ - ۸۴۵ - ۸۴۶ - ۸۴۷ - ۸۴۸ - ۸۴۹ - ۸۵۰ - ۸۵۱ - ۸۵۲ - ۸۵۳ - ۸۵۴ - ۸۵۵ - ۸۵۶ - ۸۵۷ - ۸۵۸ - ۸۵۹ - ۸۶۰ - ۸۶۱ - ۸۶۲ - ۸۶۳ - ۸۶۴ - ۸۶۵ - ۸۶۶ - ۸۶۷ - ۸۶۸ - ۸۶۹ - ۸۷۰ - ۸۷۱ - ۸۷۲ - ۸۷۳ - ۸۷۴ - ۸۷۵ - ۸۷۶ - ۸۷۷ - ۸۷۸ - ۸۷۹ - ۸۸۰ - ۸۸۱ - ۸۸۲ - ۸۸۳ - ۸۸۴ - ۸۸۵ - ۸۸۶ - ۸۸۷ - ۸۸۸ - ۸۸۹ - ۸۹۰ - ۸۹۱ - ۸۹۲ - ۸۹۳ - ۸۹۴ - ۸۹۵ - ۸۹۶ - ۸۹۷ - ۸۹۸ - ۸۹۹ - ۹۰۰ - ۹۰۱ - ۹۰۲ - ۹۰۳ - ۹۰۴ - ۹۰۵ - ۹۰۶ - ۹۰۷ - ۹۰۸ - ۹۰۹ - ۹۱۰ - ۹۱۱ - ۹۱۲ - ۹۱۳ - ۹۱۴ - ۹۱۵ - ۹۱۶ - ۹۱۷ - ۹۱۸ - ۹۱۹ - ۹۲۰ - ۹۲۱ - ۹۲۲ - ۹۲۳ - ۹۲۴ - ۹۲۵ - ۹۲۶ - ۹۲۷ - ۹۲۸ - ۹۲۹ - ۹۳۰ - ۹۳۱ - ۹۳۲ - ۹۳۳ - ۹۳۴ - ۹۳۵ - ۹۳۶ - ۹۳۷ - ۹۳۸ - ۹۳۹ - ۹۴۰ - ۹۴۱ - ۹۴۲ - ۹۴۳ - ۹۴۴ - ۹۴۵ - ۹۴۶ - ۹۴۷ - ۹۴۸ - ۹۴۹ - ۹۵۰ - ۹۵۱ - ۹۵۲ - ۹۵۳ - ۹۵۴ - ۹۵۵ - ۹۵۶ - ۹۵۷ - ۹۵۸ - ۹۵۹ - ۹۶۰ - ۹۶۱ - ۹۶۲ - ۹۶۳ - ۹۶۴ - ۹۶۵ - ۹۶۶ - ۹۶۷ - ۹۶۸ - ۹۶۹ - ۹۷۰ - ۹۷۱ - ۹۷۲ - ۹۷۳ - ۹۷۴ - ۹۷۵ - ۹۷۶ - ۹۷۷ - ۹۷۸ - ۹۷۹ - ۹۸۰ - ۹۸۱ - ۹۸۲ - ۹۸۳ - ۹۸۴ - ۹۸۵ - ۹۸۶ - ۹۸۷ - ۹۸۸ - ۹۸۹ - ۹۹۰ - ۹۹۱ - ۹۹۲ - ۹۹۳ - ۹۹۴ - ۹۹۵ - ۹۹۶ - ۹۹۷ - ۹۹۸ - ۹۹۹ - ۱۰۰۰ - ۱۰۰۱ - ۱۰۰۲ - ۱۰۰۳ - ۱۰۰۴ - ۱۰۰۵ - ۱۰۰۶ - ۱۰۰۷ - ۱۰۰۸ - ۱۰۰۹ - ۱۰۱۰ - ۱۰۱۱ - ۱۰۱۲ - ۱۰۱۳ - ۱۰۱۴ - ۱۰۱۵ - ۱۰۱۶ - ۱۰۱۷ - ۱۰۱۸ - ۱۰۱۹ - ۱۰۲۰ - ۱۰۲۱ - ۱۰۲۲ - ۱۰۲۳ - ۱۰۲۴ - ۱۰۲۵ - ۱۰۲۶ - ۱۰۲۷ - ۱۰۲۸ - ۱۰۲۹ - ۱۰۳۰ - ۱۰۳۱ - ۱۰۳۲ - ۱۰۳۳ - ۱۰۳۴ - ۱۰۳۵ - ۱۰۳۶ - ۱۰۳۷ - ۱۰۳۸ - ۱۰۳۹ - ۱۰۴۰ - ۱۰۴۱ - ۱۰۴۲ - ۱۰۴۳ - ۱۰۴۴ - ۱۰۴۵ - ۱۰۴۶ - ۱۰۴۷ - ۱۰۴۸ - ۱۰۴۹ - ۱۰۵۰ - ۱۰۵۱ - ۱۰۵۲ - ۱۰۵۳ - ۱۰۵۴ - ۱۰۵۵ - ۱۰۵۶ - ۱۰۵۷ - ۱۰۵۸ - ۱۰۵۹ - ۱۰۶۰ - ۱۰۶۱ - ۱۰۶۲ - ۱۰۶۳ - ۱۰۶۴ - ۱۰۶۵ - ۱۰۶۶ - ۱۰۶۷ - ۱۰۶۸ - ۱۰۶۹ - ۱۰۷۰ - ۱۰۷۱ - ۱۰۷۲ - ۱۰۷۳ - ۱۰۷۴ - ۱۰۷۵ - ۱۰۷۶ - ۱۰۷۷ - ۱۰۷۸ - ۱۰۷۹ - ۱۰۸۰ - ۱۰۸۱ - ۱۰۸۲ - ۱۰۸۳ - ۱۰۸۴ - ۱۰۸۵ - ۱۰۸۶ - ۱۰۸۷ - ۱۰۸۸ - ۱۰۸۹ - ۱۰۹۰ - ۱۰۹۱ - ۱۰۹۲ - ۱۰۹۳ - ۱۰۹۴ - ۱۰۹۵ - ۱۰۹۶ - ۱۰۹۷ - ۱۰۹۸ - ۱۰۹۹ - ۱۱۰۰ - ۱۱۰۱ - ۱۱۰۲ - ۱۱۰۳ - ۱۱۰۴ - ۱۱۰۵ - ۱۱۰۶ - ۱۱۰۷ - ۱۱۰۸ - ۱۱۰۹ - ۱۱۱۰ - ۱۱۱۱ - ۱۱۱۲ - ۱۱۱۳ - ۱۱۱۴ - ۱۱۱۵ - ۱۱۱۶ - ۱۱۱۷ - ۱۱۱۸ - ۱۱۱۹ - ۱۱۲۰ - ۱۱۲۱ - ۱۱۲۲ - ۱۱۲۳ - ۱۱۲۴ - ۱۱۲۵ - ۱۱۲۶ - ۱۱۲۷ - ۱۱۲۸ - ۱۱۲۹ - ۱۱۳۰ - ۱۱۳۱ - ۱۱۳۲ - ۱۱۳۳ - ۱۱۳۴ - ۱۱۳۵ - ۱۱۳۶ - ۱۱۳۷ - ۱۱۳۸ - ۱۱۳۹ - ۱۱۴۰ - ۱۱۴۱ - ۱۱۴۲ - ۱۱۴۳ - ۱۱۴۴ - ۱۱۴۵ - ۱۱۴۶ - ۱۱۴۷ - ۱۱۴۸ - ۱۱۴۹ - ۱۱۵۰ - ۱۱۵۱ - ۱۱۵۲ - ۱۱۵۳ - ۱۱۵۴ - ۱۱۵۵ - ۱۱۵۶ - ۱۱۵۷ - ۱۱۵۸ - ۱۱۵۹ - ۱۱۶۰ - ۱۱۶۱ - ۱۱۶۲ - ۱۱۶۳ - ۱۱۶۴ - ۱۱۶۵ - ۱۱۶۶ - ۱۱۶۷ - ۱۱۶۸ - ۱۱۶۹ - ۱۱۷۰ - ۱۱۷۱ - ۱۱۷۲ - ۱۱۷۳ - ۱۱۷۴ - ۱۱۷۵ - ۱۱۷۶ - ۱۱۷۷ - ۱۱۷۸ - ۱۱۷۹ - ۱۱۸۰ - ۱۱۸۱ - ۱۱۸۲ - ۱۱۸۳ - ۱۱۸۴ - ۱۱۸۵ - ۱۱۸۶ - ۱۱۸۷ - ۱۱۸۸ - ۱۱۸۹ - ۱۱۹۰ - ۱۱۹۱ - ۱۱۹۲ - ۱۱۹۳ - ۱۱۹۴ - ۱۱۹۵ - ۱۱۹۶ - ۱۱۹۷ - ۱۱۹۸ - ۱۱۹۹ - ۱۲۰۰ - ۱۲۰۱ - ۱۲۰۲ - ۱۲۰۳ - ۱۲۰۴ - ۱۲۰۵ - ۱۲۰۶ - ۱۲۰۷ - ۱۲۰۸ - ۱۲۰۹ - ۱۲۱۰ - ۱۲۱۱ - ۱۲۱۲ - ۱۲۱۳ - ۱۲۱۴ - ۱۲۱۵ - ۱۲۱۶ - ۱۲۱۷ - ۱۲۱۸ - ۱۲۱۹ - ۱۲۲۰ - ۱۲۲۱ - ۱۲۲۲ - ۱۲۲۳ - ۱۲۲۴ - ۱۲۲۵ - ۱۲۲۶ - ۱۲۲۷ - ۱۲۲۸ - ۱۲۲۹ - ۱۲۳۰ - ۱۲۳۱ - ۱۲۳۲ - ۱۲۳۳ - ۱۲۳۴ - ۱۲۳۵ - ۱۲۳۶ - ۱۲۳۷ - ۱۲۳۸ - ۱۲۳۹ - ۱۲۴۰ - ۱۲۴۱ - ۱۲۴۲ - ۱۲۴۳ - ۱۲۴۴ - ۱۲۴۵ - ۱۲۴۶ - ۱۲۴۷ - ۱۲۴۸ - ۱۲۴۹ - ۱۲۵۰ - ۱۲۵۱ - ۱۲۵۲ - ۱۲۵۳ - ۱۲۵۴ - ۱۲۵۵ - ۱۲۵۶ - ۱۲۵۷ - ۱۲۵۸ - ۱۲۵۹ - ۱۲۶۰ - ۱۲۶۱ - ۱۲۶۲ - ۱۲۶۳ - ۱۲۶۴ - ۱۲۶۵ - ۱۲۶۶ - ۱۲۶۷ - ۱۲۶۸ - ۱۲۶۹ - ۱۲۷۰ - ۱۲۷۱ - ۱۲۷۲ - ۱۲۷۳ - ۱۲۷۴ - ۱۲۷۵ - ۱۲۷۶ - ۱۲۷۷ - ۱۲۷۸ - ۱۲۷۹ - ۱۲۸۰ - ۱۲۸۱ - ۱۲۸۲ - ۱۲۸۳ - ۱۲۸۴ - ۱۲۸۵ - ۱۲۸۶ - ۱۲۸۷ - ۱۲۸۸ - ۱۲۸۹ - ۱۲۹۰ - ۱۲۹۱ - ۱۲۹۲ - ۱۲۹۳ - ۱۲۹۴ - ۱۲۹۵ - ۱۲۹۶ - ۱۲۹۷ - ۱۲۹۸ - ۱۲۹۹ - ۱۳۰۰ - ۱۳۰۱ - ۱۳۰۲ - ۱۳۰۳ - ۱۳۰۴ - ۱۳۰۵ - ۱۳۰۶ - ۱۳۰۷ - ۱۳۰۸ - ۱۳۰۹ - ۱۳۱۰ - ۱۳۱۱ - ۱۳۱۲ - ۱۳۱۳ - ۱۳۱۴ - ۱۳۱۵ - ۱۳۱۶ - ۱۳۱۷ - ۱۳۱۸ - ۱۳۱۹ - ۱۳۲۰ - ۱۳۲۱ - ۱۳۲۲ - ۱۳۲۳ - ۱۳۲۴ - ۱۳۲۵ - ۱۳۲۶ - ۱۳۲۷ - ۱۳۲۸ - ۱۳۲۹ - ۱۳۳۰ - ۱۳۳۱ - ۱۳۳۲ - ۱۳۳۳ - ۱۳۳۴ - ۱۳۳۵ - ۱۳۳۶ - ۱۳۳۷ - ۱۳۳۸ - ۱۳۳۹ - ۱۳۴۰ - ۱۳۴۱ - ۱۳۴۲ - ۱۳۴۳ - ۱۳۴۴ - ۱۳۴۵ - ۱۳۴۶ - ۱۳۴۷ - ۱۳۴۸ - ۱۳۴۹ - ۱۳۵۰ - ۱۳۵۱ - ۱۳۵۲ - ۱۳۵۳ - ۱۳۵۴ - ۱۳۵۵ - ۱۳۵۶ - ۱۳۵۷ - ۱۳۵۸ - ۱۳۵۹ - ۱۳۶۰ - ۱۳۶۱ - ۱۳۶۲ - ۱۳۶۳ - ۱۳۶۴ - ۱۳۶۵ - ۱۳۶۶ - ۱۳۶۷ - ۱۳۶۸ - ۱۳۶۹ - ۱۳۷۰ - ۱۳۷۱ - ۱۳۷۲ - ۱۳۷۳ - ۱۳۷۴ - ۱۳۷۵ - ۱۳۷۶ - ۱۳۷۷ - ۱۳۷۸ - ۱۳۷۹ - ۱۳۸۰ - ۱۳۸۱ - ۱۳۸۲ - ۱۳۸۳ - ۱۳۸۴ - ۱۳۸۵ - ۱۳۸۶ - ۱۳۸۷ - ۱۳۸۸ - ۱۳۸۹ - ۱۳۹۰ - ۱۳۹۱ - ۱۳۹۲ - ۱۳۹۳ - ۱۳۹۴ - ۱۳۹۵ - ۱۳۹

ایست وک، ای بی (مستر) - ۴۲ - ۴۵ - ۴۴ - ۱۹۰ - ۲۱۶	باغ ارم اساس - ۳۶ -
ایطردی، بی بی - ۱۳۵ -	باغ بابز (کابل میں) - ۳۵ -
ایشور داس ناگر، پٹرت (مورخ) - ۲۶ -	باغ بادشاہی - ۲۵۴ - ۲۵۸ -
ایشیا ویشیائی - ۲۹ - ۱۴۳ - ۱۴۳ - ۲۰۸ -	باغ بیکم - ۶۳ -
ایشیا لک سوسائٹی بنگال - ۱۴ - ۱۶۱ -	باغ خان عالم - ۴۴ -
ایل - ۲۵ - ۲۴ -	ر روشن آرا - ۹۹ -
ایٹن برا، لارڈ - ۱۴۳ - ۲۹۲ -	سلطان خسرو - ۲۵۴ -
ایلورا - ۱۶۹ -	فلج - ۳۶ -
ایلیٹ، سرہنری (مورخ وگورز) - ۱۳ - ۴۵ - ۱۰۹ -	فرج بخش - ۳۵ -
۱۲۲ - ۱۲۳ - ۲۳۶ - ۲۹۰ -	گل افشاں - ۳۸ - ۳۴ -
ایگری کلرل - ۶۹ - ۲۵۵ -	نور افشاں - ۳۵ - ۳۸ -
ایگنیو (مستر) - ۲۱۳ -	وفا - ۲۴ -
ایٹھرسن (تفصیلات) - ۲۱۳ -	بال حتی (رائی) - ۸۳ - ۸۳ -
اینگرنگا سوامی (پرنسپل) - ۸۲ - ۱۶۹ -	باوگودام - ۲۴۲ -
	باندہ بند - ۲۹۰ - ۲۹۵ -
	بانگم، نکولا - ۱۵۵ - ۱۵۶ -
	باوے باوایان - ۱۲۴ -
بابز (خشنشاه) - ۲۰ - ۲۴ - ۳۴ - ۳۵ - ۳۶ - ۳۷ - ۳۸ -	باولی - ۶۸ - ۶۰ - ۴۸ - ۲۴۹ - ۲۴۰ - ۲۴۱ - ۲۴۲ -
۴۹ - ۵۰ - ۱۰۵ - ۱۴۱ - ۱۵۴ - ۲۲۸ - ۲۲۹ -	۲۴۳ - ۲۴۴ -
۲۳۱ - ۲۵۵ -	بایزید، سلطان - ۱۵۴ -
بابز کاتپوت، دن - ۳۵ -	بیتس کھبا (بند باغ) - ۳۸ -
بابز کامزار - ۳۵ -	بلاوی (مورخ) - ۱۴ -
بابز، مرزا (شاهزادہ) - ۲۲۰ -	بجر بدم - ۴ - ۸ -
بابا جاکر (بیدار شینڈ) - ۸۰ -	بجر فارس - ۴ - ۸ -
بابا، مانی - ۲۳۶ -	بجرین - ۸ -
بادشاہ نامہ (کتاب) - ۲۹ - ۱۰۴ - ۱۵۵ - ۱۸۸ - ۱۸۸ -	بنار - ۱۵۳ -
بادشاہی سرک - ۲۶۸ -	بنکارا - ۳۴ -
باڈی گلڈ، شاہی - ۸۸ -	برالونی (مورخ) - ۹۰ - ۱۰۰ - ۲۹۵ -
بارہ دری - ۳۹ - ۴۳ - ۶۴ - ۱۳۲ - ۲۴۹ - ۲۸۱ -	برخشاں - ۳۴ - ۳۴ -
باریسال - ۸ -	برار (مویہ) - ۱۴۸ -
بارار - ۵۴ - ۲۶۰ - ۲۶۶ -	برجیا - ۵۲ - ۶۲ - ۲۵۱ -
بازار خلوت باد - ۵۴ -	برفش، یوزیم - ۱۴ -

بر سنگھ دیو، یونید (راجا) - ۲۸-	یونیدی - ۲۳۱-
برطانیہ، دولت - ۱۵۷-۲۱۲-۲۵۸-	یونید ابن یونید - ۲۳۲-
برن، سرچارڈ - ۷۳-۱۵۷-۱۶۰-	یونید (موسن آباد) بہادر شاہ، محمد معظم - ۱۰۳-
برنیر (ڈاکٹر) - ۹۹-۱۱۴-	۳۶-
برہمان الدین غریب (شاہ) - ۱۶۹-	بہادر شاہ، والی گجرات - ۲۳۱-
برہمان پور (دکن) - ۱۱-۱۷-۶۶-۱۵۱-۱۵۳-۱۵۷-۱۵۵-	بہادر شاہ ثانی - ۱۵۷-۲۳۶-۲۳۷-۲۳۸-۲۳۹-
برہم آباد - ۲۷۴-	۲۸۰-
برہمن، برہمنی - ۲۲۹-۲۳۰-	بہادر گج - ۲۸۰-
برہمی باغ - ۲۵۷-	بہادوں - ۱۷۱-
برہمی نیگم - ۸۱-	بہار (صوبہ) - ۲۶-۹۰-۲۵۹-۲۷۷-۲۸۳-
برہم صاحب - ۲۳۹-	بہار ایل - بہاری مل (راجہ) - ۹۰-۲۷۷-
برہم جو - ۱۴۸-	بہار باز، شاہزادی - ۸۴-
برہم انڈر - ۱۴۴-۱۴۶-	بہار تھ دیوان (راے) - ۲۹۰-
برہمنان (موض) - ۲۳۲-	بہار تھ اہناس سن شودھک منڈل - ۲۳-
برشپ کا عہدہ - ۲۱۳-	بہار تھ (نعت) - ۲۹-
برندادی، خطیب (مورخ) - ۶-	بھٹا چارج - ۱۴۶-
برنات، ۱۵۷-۵۲-۵۳-۱۳۵-۲۲۷-۲۶۳-	بھٹیارا، بھٹیاریے - ۵۴-۲۶۸-
بکر، حاجت (راجا) - ۲۳۱-	بھرت پور - ۱۲۲-۱۲۳-۱۲۴-
بکٹانا (ملک) - ۱۰۵-	بہشت آباد، سکندریہ - ۸۵-۸۸-
بکلی، مرزا (شاہزادہ) - ۱۸۳-	بہشت آباد سکندریہ میں اکبر کا مقبرہ - ۶۶-۶۷-
بلاک یٹن، مسٹر (مستشرق) - ۷۲-۹۱-۱۱۳-۱۲۲-	بہشت باغ (فرخ آباد) - ۱۳۶-
بلند باغ - ۳۸-	بھگوان داس - بھگوت داس (راجا) - ۸۷-۸۸-۸۹-
بلنڈر دوازہ - ۵۶-۱۷۲-	۸۹-۹۰-۹۱-۱۰۸-۱۱۹-۱۲۳-۱۲۵-۱۲۸-
بلوا گھاٹ - ۲۸۸-	بھکر - ۱۹۸-
بلیک (مسٹر) - ۲۰۹-	بھگیا، رتنام - ۲۳۹-
بلندس (عمو آباد) - ۱۴-۳۶-۲۲۷-	بھرائی داس (راجا) - ۱۰۵-
بنگل، بنگالہ - ۸-۲۶-۷۱-۷۲-۱۱۳-۱۲۷-	بھونیک (زوجہ شجاع الدولہ) - ۲۱۲-
بنگل پاست اینڈ پریژنٹ (کتاب) - ۷۱-	بھوت برہمن - ۱۳۶-
بنامہ، بھینا، شیخ - ۳۹-	بھول بھلیاں - ۲۱۱-۲۷۰-
بنی اسرائیل - ۱۰۶-	بھیکن خان (قریشی) - ۲۹۳-
بودہ (ہماچل) - ۱۵-	بیاض عنایت مرشدزادہ (کتاب) - ۲۷۷-
بودھون کا طرز تعمیر - ۱۳۶-۱۳۷-	بیاض فارسی، پرانی - ۲۹۳-۲۹۴-
	بیان القرآن - ۸-

۱۶۹-۱۸۸-۱۸۹-۱۹۰-۲۱۷

۵۲

پاٹ رانی - ۹۴-

پارکس، فیضی (مستر) - ۷۱-

پارکس، سی سی (مستر) - ۷۲-

پارکسٹر (صاحب) - ۲۴-

پان - ۲۰۶-

پانیئر (انبار) - ۲۴-

پانی پت - ۳۹-۳۳۱-

پیبلک لائبریری، الہ آباد - ۲۴-۲۸-

پتالوری (مندر) - ۱۴۳-

پتھر، ایک پرانی مسجد کا - ۲۶۳-

پتھرگی - ۲۹۶-

پٹنہ (عظیم آباد) - ۲۱-۱۷۲-۱۸۴-۲۷۹-۲۷۰-

پٹھانی عمارات - ۲۱۱-

پٹیل - ۳۹-

پٹیلی، موسن آباد (قصبہ) - ۲۶۶-

پڑاں، ہمارا ج. برہمن - ۱۲-۱۳-

پڑان - ۲۴-

پڑان شے - ۲۹۹-

پڑاش، مسٹر (مورخ) - ۳۶-۱۸۷-

پر تاب، رانا - ۲۱۷-

پرنگالی - ۱۸۱-۲۸۳-

پرنگلیوں کی عیاشی - ۱۱۶-

پریشاد ویس (شہزادہ ولی محمد) - ۳۳-۲۰۹-

پریموشن آف عثمان لرننگ (کتاب) - ۲۲۸-

پرویز (شہزادہ) - ۸۴-۱۰۲-۱۱۰-۱۲۶-۱۵۲-۱۵۱-

۲۱۰-

پڑ پڑا تو بیگم (شاہزادی) - ۱۰۱-

پریاگ - پیاگ - پراگ - ۵-۷-۱۳-۱۴-۱۵-

۱۸۷-۱۸۴-۱۸۳-۲۸-۲۵-۲۳-۲۲-۲۱-۲۰-۱۹-

بیان خسرو باغ (تاریخ ہذا) - ۲۹۷-۳-

بیان (شہر) - ۲۷۴-

بیت العلم - ۲۹۸-

بیت المقدس - ۱۱۵-

بیدار کنت، شاہزادہ - ۲۸۳-

بیر بیل نامہ (کتاب) - ۱۹-

بیرم خان - ۲۷۰-۲۳۰-

بیرنڈن، بوندیلہ - ۱۳۸-

بیروت - ۱۱۵-

بے قبر کے مقبرے - ۱۸۵-۱۹۴-

بیگم باغ - ۱۲-۱۱۳-۱۳۷-

بیگم کا باغ - ۶۳-

بیگم سلطان، شاہزادی - ۸۴-

بیگم کا مقبرہ - ۶۳-

بیل، طافس ولیم (مستر) - ۱۶-۳۰-۳۱-۳۹-۴۸-

۵۶-۶۲-۷۲-۷۳-۷۴-۷۵-۷۶-۷۷-۷۸-

۷۹-۸۰-۸۱-۸۵-۸۹-۹۴-۱۰۱-۱۰۲-۱۰۳-۱۰۴-۱۰۵-

۱۰۶-۱۰۷-۱۰۸-۱۱۲-۱۱۳-۱۱۴-۱۱۵-۱۱۶-

۱۱۷-۱۱۸-۱۱۹-۱۲۰-۱۲۱-۱۲۲-۱۲۳-۱۲۴-

۱۲۵-۱۲۶-۱۲۷-۱۲۸-۱۲۹-۱۳۰-۱۳۱-۱۳۲-

۱۳۳-۱۳۴-۱۳۵-۱۳۶-۱۳۷-۱۳۸-۱۳۹-۱۴۰-

۱۴۱-۱۴۲-۱۴۳-۱۴۴-۱۴۵-۱۴۶-۱۴۷-

۱۴۸-۱۴۹-۱۵۰-۱۵۱-۱۵۲-۱۵۳-۱۵۴-

۱۵۵-۱۵۶-۱۵۷-۱۵۸-۱۵۹-۱۶۰-۱۶۱-

۱۶۲-۱۶۳-۱۶۴-۱۶۵-۱۶۶-۱۶۷-

۱۶۸-۱۶۹-۱۷۰-۱۷۱-۱۷۲-۱۷۳-

۱۷۴-۱۷۵-۱۷۶-۱۷۷-۱۷۸-۱۷۹-

۱۸۰-۱۸۱-۱۸۲-۱۸۳-۱۸۴-۱۸۵-

۱۸۶-۱۸۷-۱۸۸-۱۸۹-۱۹۰-۱۹۱-

۱۹۲-۱۹۳-۱۹۴-۱۹۵-۱۹۶-۱۹۷-

۱۹۸-۱۹۹-۲۰۰-۲۰۱-۲۰۲-۲۰۳-

۲۰۴-۲۰۵-۲۰۶-۲۰۷-۲۰۸-۲۰۹-

۲۱۰-۲۱۱-۲۱۲-۲۱۳-۲۱۴-۲۱۵-

تاریخ آگرہ - ۳۲-۳۵-۴۳-۹۸-۱۰۰-۱۳۴-۱۳۸
-۲۱۴-۱۸۸-۱۴۳-۱۶۹-۱۵۵-۱۳۸

تاریخ اسلام - ۶

اکبر - ۹۷

الکبار - ۳-۲۶

المیث - ۱۲۳

بادشاہان دہلی - ۱۲۲-۲۲۲

بکارت - ۱۸۴

بنارس - ۲۶

بندیل کھنڈ - ۲۸

تاج - ۳۲-۳۴-۴۲-۴۵-۸۸-۱۰۱-۱۰۲

۱۵۵-۱۶۲

کی تعریف - ۲۲۰

جدولہ - ۳۱-۲۲۱-۲۲۲

جہانگیر - ۳۳-۳۴-۴۴-۴۵-۸۱-۹۰-۹۱

۱۱۲-۱۲۳-۱۲۴-۱۲۶-۱۲۸-۱۲۸

۱۲۹-۱۵۷-۱۵۹-۱۸۷-۱۸۸-۱۸۹

۲۰۵-۲۱۵

حکومت آگریزی - ۲۱۲

داؤد - ۲۹۴

روم (خاک) - ۱۵۳

شہر - ۲۹۷

عمارت و تعمیرات - ۳۲-۴۲-۴۷

عمارت المسجد الحرام - ۲۷۰

فرشتہ - ۳-۸۸-۸۹-۱۰۵

کافن - علم - ۲۲۰

گجرات - ۶۴

لیبیہ - ۱۲۳

ہند (ازدوسن) - ۷۵

ہند برطانیہ - ۱۲۳-۱۷۳

ہندوستان - ۳۰-۹۵-۱۵۰-۱۵۱-۱۶۰-۲۲۲

۲۹۰

تاریخی یادگاروں کے بلغ - ۷۰

۲۹۰-۲۹۹

پاک مہاتم (کتاب) - ۱۵-۲۹۹

پریاں - ۱۶۵

پریا - ۸۲-۸۳

نشتہ - ۲۹۳-۲۹۴-۲۹۵

پسور فرنگی - ۱۵۵-۱۵۶

پنجاب - ۱۶-۲۶-۱۲۲-۲۱۳

پنجاب میں اردو - ۲۰

پنجور - ۲۹

پنج ہزاری - ۱۲۶

پن ہیرو (پادری) - ۱۲۷

پورو - ۱۵

پورو والا کنواں - ۲۲۷

پرسا افان ہنزہ - ۱۲۹

پریشک شادیاں - ۱۲۲

پریس - ۶۱-۶۲

پریس - ۹۱

پریگہ داس مشرن - ۲۹۰

پریالہ - ۱۶۷

پیشروئی لاویلی (ستیا) - ۱۰-۲۹-۸۲-۱۰۸-۱۱۶

۱۲۱-۱۲۷-۱۲۹-۱۵۶-۱۸۱

پیشدادہ منوہر - ۳۳

پیند - ۲۱۶

تاجوت - ۱۲۳-۱۳۸

تاجار - ۶۴

تاج محل (رومہ مساز محل) - ۷۷-۱۲۳-۱۳۸

۱۲۱-۱۶۹-۱۷۲-۲۵۲

تاج محل کا باغ - ۲۷

تاج الکثر - ۳۹

تاریخ - ۱۲۷	تاریخ - ۱۲۷
تاریخ گارسان دی (اسلم، درنسیسی تذکرہ نویس)	تاریخ گارسان دی (اسلم، درنسیسی تذکرہ نویس)
۲۱۱ - ۱۷۲ - ۱۷۱ - ۱۷۰	۲۱۱ - ۱۷۲ - ۱۷۱ - ۱۷۰
تفہیم آباد - ۲۱۰	تفہیم آباد - ۲۱۰
تفہیم - ۲۰	تفہیم - ۲۰
تفسیر جامع البیان - ۴	تفسیر جامع البیان - ۴
حقانی - ۸	حقانی - ۸
فتح المغان - ۸	فتح المغان - ۸
کبیر - ۶	کبیر - ۶
تکلیف اکبر نامہ - ۱۲۲	تکلیف اکبر نامہ - ۱۲۲
تکلیف - ۲۶۳	تکلیف - ۲۶۳
تہذیب - ۲۵	تہذیب - ۲۵
تہذیب - ۱۳۳	تہذیب - ۱۳۳
تہذیب - ۹۷	تہذیب - ۹۷
تہذیب - ۸۳	تہذیب - ۸۳
تہذیب - ۸۲	تہذیب - ۸۲
تہذیب - ۸۱	تہذیب - ۸۱
تہذیب - ۸۰	تہذیب - ۸۰
تہذیب - ۷۹	تہذیب - ۷۹
تہذیب - ۷۸	تہذیب - ۷۸
تہذیب - ۷۷	تہذیب - ۷۷
تہذیب - ۷۶	تہذیب - ۷۶
تہذیب - ۷۵	تہذیب - ۷۵
تہذیب - ۷۴	تہذیب - ۷۴
تہذیب - ۷۳	تہذیب - ۷۳
تہذیب - ۷۲	تہذیب - ۷۲
تہذیب - ۷۱	تہذیب - ۷۱
تہذیب - ۷۰	تہذیب - ۷۰
تہذیب - ۶۹	تہذیب - ۶۹
تہذیب - ۶۸	تہذیب - ۶۸
تہذیب - ۶۷	تہذیب - ۶۷
تہذیب - ۶۶	تہذیب - ۶۶
تہذیب - ۶۵	تہذیب - ۶۵
تہذیب - ۶۴	تہذیب - ۶۴
تہذیب - ۶۳	تہذیب - ۶۳
تہذیب - ۶۲	تہذیب - ۶۲
تہذیب - ۶۱	تہذیب - ۶۱
تہذیب - ۶۰	تہذیب - ۶۰
تہذیب - ۵۹	تہذیب - ۵۹
تہذیب - ۵۸	تہذیب - ۵۸
تہذیب - ۵۷	تہذیب - ۵۷
تہذیب - ۵۶	تہذیب - ۵۶
تہذیب - ۵۵	تہذیب - ۵۵
تہذیب - ۵۴	تہذیب - ۵۴
تہذیب - ۵۳	تہذیب - ۵۳
تہذیب - ۵۲	تہذیب - ۵۲
تہذیب - ۵۱	تہذیب - ۵۱
تہذیب - ۵۰	تہذیب - ۵۰
تہذیب - ۴۹	تہذیب - ۴۹
تہذیب - ۴۸	تہذیب - ۴۸
تہذیب - ۴۷	تہذیب - ۴۷
تہذیب - ۴۶	تہذیب - ۴۶
تہذیب - ۴۵	تہذیب - ۴۵
تہذیب - ۴۴	تہذیب - ۴۴
تہذیب - ۴۳	تہذیب - ۴۳
تہذیب - ۴۲	تہذیب - ۴۲
تہذیب - ۴۱	تہذیب - ۴۱
تہذیب - ۴۰	تہذیب - ۴۰
تہذیب - ۳۹	تہذیب - ۳۹
تہذیب - ۳۸	تہذیب - ۳۸
تہذیب - ۳۷	تہذیب - ۳۷
تہذیب - ۳۶	تہذیب - ۳۶
تہذیب - ۳۵	تہذیب - ۳۵
تہذیب - ۳۴	تہذیب - ۳۴
تہذیب - ۳۳	تہذیب - ۳۳
تہذیب - ۳۲	تہذیب - ۳۲
تہذیب - ۳۱	تہذیب - ۳۱
تہذیب - ۳۰	تہذیب - ۳۰
تہذیب - ۲۹	تہذیب - ۲۹
تہذیب - ۲۸	تہذیب - ۲۸
تہذیب - ۲۷	تہذیب - ۲۷
تہذیب - ۲۶	تہذیب - ۲۶
تہذیب - ۲۵	تہذیب - ۲۵
تہذیب - ۲۴	تہذیب - ۲۴
تہذیب - ۲۳	تہذیب - ۲۳
تہذیب - ۲۲	تہذیب - ۲۲
تہذیب - ۲۱	تہذیب - ۲۱
تہذیب - ۲۰	تہذیب - ۲۰
تہذیب - ۱۹	تہذیب - ۱۹
تہذیب - ۱۸	تہذیب - ۱۸
تہذیب - ۱۷	تہذیب - ۱۷
تہذیب - ۱۶	تہذیب - ۱۶
تہذیب - ۱۵	تہذیب - ۱۵
تہذیب - ۱۴	تہذیب - ۱۴
تہذیب - ۱۳	تہذیب - ۱۳
تہذیب - ۱۲	تہذیب - ۱۲
تہذیب - ۱۱	تہذیب - ۱۱
تہذیب - ۱۰	تہذیب - ۱۰
تہذیب - ۹	تہذیب - ۹
تہذیب - ۸	تہذیب - ۸
تہذیب - ۷	تہذیب - ۷
تہذیب - ۶	تہذیب - ۶
تہذیب - ۵	تہذیب - ۵
تہذیب - ۴	تہذیب - ۴
تہذیب - ۳	تہذیب - ۳
تہذیب - ۲	تہذیب - ۲
تہذیب - ۱	تہذیب - ۱
تہذیب - ۰	تہذیب - ۰

جلال الدین (اکبر کا لقب) - ۱۹ -	ٹھٹھہ - ۱۸۲ - ۱۹۸ -
" " مسعود (پسر میر کیسوراز) - ۱۲۰ - ۱۲۱ -	ٹیری، ایندورڈ (بادری) - ۱۱۳ -
جلالین (تفسیر) - ۴ -	ٹیری، ولیم - ۱۴۹ -
جوس شاہی - ۲۳۳ - ۲۳۹ -	ٹیلر، پی آرڈ (مصنف) - ۱۸۳ -
جم، شاہزادہ - ۲۵۲ -	ٹیلر (صاحب، ڈعا کر) - ۴۵ -
جہاں پور (کما جیلا) - ۵۳ -	ٹرنر، ڈیوڈ انگلستان کے جوہری سلاح کی انکابوس تھی
جودھر - ۱۱۹ -	۱۳ - ۱۰۴ -
جودہ - ۲۱۳ -	
جمنہ، بگون - ۴ - ۹ - ۱۴ - ۱۹ - ۲۱ - ۲۲ - ۲۳ - ۲۴ - ۲۵ - ۲۶ - ۲۷ - ۲۸ -	
جمنہ - ۲۸۳ - ۲۸۲ -	
جمنہ - دروازہ - ۲۹۲ -	
جمنہ، ناز - ۶۳ - ۲۳۵ -	
جنت آباد - ۲۶ -	
جنید (شیخ، طریقت) - ۱۴۸ -	
جوز، بھٹا - ۸ -	
جوان نخت، شاہزادہ - ۲۲۴ - ۲۳۸ -	
جواہر سنگھ، جاٹ (راجا) - ۲۷ -	
الجواہر، قضیہ فی طبقات الخفیہ - ۲۲ -	
جوتشی - ۲۲۹ -	
جودہ بانی - ٹک - ۸۱ - ۸۲ - ۹۵ - ۱۰۹ - ۱۲۲ - ۲۰۵ -	
جودہ پور - ۹۴ - ۱۰۲ - ۱۰۹ - ۲۰۱ -	
جوزل آف، اینڈرین ہسٹری - ۱۱۲ -	
جورنل رائل ایشیائیٹک سوسائٹی - ۵۸ - ۶۰ - ۶۳ - ۶۴ -	
۶۹ - ۱۳۲ - ۱۳۹ - ۱۴۲ - ۱۴۹ - ۱۵۰ - ۱۵۲ - ۱۵۴ -	
۱۶۲ - ۱۸۹ - ۱۹۰ - ۱۹۱ - ۱۹۲ - ۲۱۶ -	
جون لور - ۲۹۸ -	
جہان آبادی، نواب (سابق بھگیا طوائف) - ۲۳۹ -	
جہاں آباد باغ - ۳۴ -	
جہاں آفرز، شاہزادہ - ۱۱ -	
جہاں دار شاہ - ۲۲۶ - ۲۲۷ - ۲۲۸ - ۲۲۹ -	
جہاں گیر (شاہزادہ سلیم حاکم الہ آباد) - ۲۸ - ۵۱ - ۵۸ - ۶۲ -	
جہانگیر (شہنشاہ) - ۱۰ - ۱۱ - ۲۶ - ۲۸ - ۳۱ - ۳۴ - ۳۸ -	
۴۲ - ۴۴ - ۴۵ - ۴۸ - ۴۹ - ۵۱ - ۵۵ - ۵۶ - ۵۹ -	
	جانب - ۲۴ - ۲۵ - ۲۶ - ۲۷ - ۲۸ - ۲۹ - ۳۰ - ۳۱ - ۳۲ - ۳۳ - ۳۴ - ۳۵ - ۳۶ - ۳۷ - ۳۸ - ۳۹ - ۴۰ - ۴۱ - ۴۲ - ۴۳ - ۴۴ - ۴۵ - ۴۶ - ۴۷ - ۴۸ - ۴۹ - ۵۰ - ۵۱ - ۵۲ - ۵۳ - ۵۴ - ۵۵ - ۵۶ - ۵۷ - ۵۸ - ۵۹ - ۶۰ - ۶۱ - ۶۲ - ۶۳ - ۶۴ - ۶۵ - ۶۶ - ۶۷ - ۶۸ - ۶۹ - ۷۰ - ۷۱ - ۷۲ - ۷۳ - ۷۴ - ۷۵ - ۷۶ - ۷۷ - ۷۸ - ۷۹ - ۸۰ - ۸۱ - ۸۲ - ۸۳ - ۸۴ - ۸۵ - ۸۶ - ۸۷ - ۸۸ - ۸۹ - ۹۰ - ۹۱ - ۹۲ - ۹۳ - ۹۴ - ۹۵ - ۹۶ - ۹۷ - ۹۸ - ۹۹ - ۱۰۰ - ۱۰۱ - ۱۰۲ - ۱۰۳ - ۱۰۴ - ۱۰۵ - ۱۰۶ - ۱۰۷ - ۱۰۸ - ۱۰۹ - ۱۱۰ - ۱۱۱ - ۱۱۲ - ۱۱۳ - ۱۱۴ - ۱۱۵ - ۱۱۶ - ۱۱۷ - ۱۱۸ - ۱۱۹ - ۱۲۰ - ۱۲۱ - ۱۲۲ - ۱۲۳ - ۱۲۴ - ۱۲۵ - ۱۲۶ - ۱۲۷ - ۱۲۸ - ۱۲۹ - ۱۳۰ - ۱۳۱ - ۱۳۲ - ۱۳۳ - ۱۳۴ - ۱۳۵ - ۱۳۶ - ۱۳۷ - ۱۳۸ - ۱۳۹ - ۱۴۰ - ۱۴۱ - ۱۴۲ - ۱۴۳ - ۱۴۴ - ۱۴۵ - ۱۴۶ - ۱۴۷ - ۱۴۸ - ۱۴۹ - ۱۵۰ - ۱۵۱ - ۱۵۲ - ۱۵۳ - ۱۵۴ - ۱۵۵ - ۱۵۶ - ۱۵۷ - ۱۵۸ - ۱۵۹ - ۱۶۰ - ۱۶۱ - ۱۶۲ - ۱۶۳ - ۱۶۴ - ۱۶۵ - ۱۶۶ - ۱۶۷ - ۱۶۸ - ۱۶۹ - ۱۷۰ - ۱۷۱ - ۱۷۲ - ۱۷۳ - ۱۷۴ - ۱۷۵ - ۱۷۶ - ۱۷۷ - ۱۷۸ - ۱۷۹ - ۱۸۰ - ۱۸۱ - ۱۸۲ - ۱۸۳ - ۱۸۴ - ۱۸۵ - ۱۸۶ - ۱۸۷ - ۱۸۸ - ۱۸۹ - ۱۹۰ - ۱۹۱ - ۱۹۲ - ۱۹۳ - ۱۹۴ - ۱۹۵ - ۱۹۶ - ۱۹۷ - ۱۹۸ - ۱۹۹ - ۲۰۰ - ۲۰۱ - ۲۰۲ - ۲۰۳ - ۲۰۴ - ۲۰۵ - ۲۰۶ - ۲۰۷ - ۲۰۸ - ۲۰۹ - ۲۱۰ - ۲۱۱ - ۲۱۲ - ۲۱۳ - ۲۱۴ - ۲۱۵ - ۲۱۶ - ۲۱۷ - ۲۱۸ - ۲۱۹ - ۲۲۰ - ۲۲۱ - ۲۲۲ - ۲۲۳ - ۲۲۴ - ۲۲۵ - ۲۲۶ - ۲۲۷ - ۲۲۸ - ۲۲۹ - ۲۳۰ - ۲۳۱ - ۲۳۲ - ۲۳۳ - ۲۳۴ - ۲۳۵ - ۲۳۶ - ۲۳۷ - ۲۳۸ - ۲۳۹ - ۲۴۰ - ۲۴۱ - ۲۴۲ - ۲۴۳ - ۲۴۴ - ۲۴۵ - ۲۴۶ - ۲۴۷ - ۲۴۸ - ۲۴۹ - ۲۵۰ - ۲۵۱ - ۲۵۲ - ۲۵۳ - ۲۵۴ - ۲۵۵ - ۲۵۶ - ۲۵۷ - ۲۵۸ - ۲۵۹ - ۲۶۰ - ۲۶۱ - ۲۶۲ - ۲۶۳ - ۲۶۴ - ۲۶۵ - ۲۶۶ - ۲۶۷ - ۲۶۸ - ۲۶۹ - ۲۷۰ - ۲۷۱ - ۲۷۲ - ۲۷۳ - ۲۷۴ - ۲۷۵ - ۲۷۶ - ۲۷۷ - ۲۷۸ - ۲۷۹ - ۲۸۰ - ۲۸۱ - ۲۸۲ - ۲۸۳ - ۲۸۴ - ۲۸۵ - ۲۸۶ - ۲۸۷ - ۲۸۸ - ۲۸۹ - ۲۹۰ - ۲۹۱ - ۲۹۲ - ۲۹۳ - ۲۹۴ - ۲۹۵ - ۲۹۶ - ۲۹۷ - ۲۹۸ - ۲۹۹ - ۳۰۰ - ۳۰۱ - ۳۰۲ - ۳۰۳ - ۳۰۴ - ۳۰۵ - ۳۰۶ - ۳۰۷ - ۳۰۸ - ۳۰۹ - ۳۱۰ - ۳۱۱ - ۳۱۲ - ۳۱۳ - ۳۱۴ - ۳۱۵ - ۳۱۶ - ۳۱۷ - ۳۱۸ - ۳۱۹ - ۳۲۰ - ۳۲۱ - ۳۲۲ - ۳۲۳ - ۳۲۴ - ۳۲۵ - ۳۲۶ - ۳۲۷ - ۳۲۸ - ۳۲۹ - ۳۳۰ - ۳۳۱ - ۳۳۲ - ۳۳۳ - ۳۳۴ - ۳۳۵ - ۳۳۶ - ۳۳۷ - ۳۳۸ - ۳۳۹ - ۳۴۰ - ۳۴۱ - ۳۴۲ - ۳۴۳ - ۳۴۴ - ۳۴۵ - ۳۴۶ - ۳۴۷ - ۳۴۸ - ۳۴۹ - ۳۵۰ - ۳۵۱ - ۳۵۲ - ۳۵۳ - ۳۵۴ - ۳۵۵ - ۳۵۶ - ۳۵۷ - ۳۵۸ - ۳۵۹ - ۳۶۰ - ۳۶۱ - ۳۶۲ - ۳۶۳ - ۳۶۴ - ۳۶۵ - ۳۶۶ - ۳۶۷ - ۳۶۸ - ۳۶۹ - ۳۷۰ - ۳۷۱ - ۳۷۲ - ۳۷۳ - ۳۷۴ - ۳۷۵ - ۳۷۶ - ۳۷۷ - ۳۷۸ - ۳۷۹ - ۳۸۰ - ۳۸۱ - ۳۸۲ - ۳۸۳ - ۳۸۴ - ۳۸۵ - ۳۸۶ - ۳۸۷ - ۳۸۸ - ۳۸۹ - ۳۹۰ - ۳۹۱ - ۳۹۲ - ۳۹۳ - ۳۹۴ - ۳۹۵ - ۳۹۶ - ۳۹۷ - ۳۹۸ - ۳۹۹ - ۴۰۰ - ۴۰۱ - ۴۰۲ - ۴۰۳ - ۴۰۴ - ۴۰۵ - ۴۰۶ - ۴۰۷ - ۴۰۸ - ۴۰۹ - ۴۱۰ - ۴۱۱ - ۴۱۲ - ۴۱۳ - ۴۱۴ - ۴۱۵ - ۴۱۶ - ۴۱۷ - ۴۱۸ - ۴۱۹ - ۴۲۰ - ۴۲۱ - ۴۲۲ - ۴۲۳ - ۴۲۴ - ۴۲۵ - ۴۲۶ - ۴۲۷ - ۴۲۸ - ۴۲۹ - ۴۳۰ - ۴۳۱ - ۴۳۲ - ۴۳۳ - ۴۳۴ - ۴۳۵ - ۴۳۶ - ۴۳۷ - ۴۳۸ - ۴۳۹ - ۴۴۰ - ۴۴۱ - ۴۴۲ - ۴۴۳ - ۴۴۴ - ۴۴۵ - ۴۴۶ - ۴۴۷ - ۴۴۸ - ۴۴۹ - ۴۵۰ - ۴۵۱ - ۴۵۲ - ۴۵۳ - ۴۵۴ - ۴۵۵ - ۴۵۶ - ۴۵۷ - ۴۵۸ - ۴۵۹ - ۴۶۰ - ۴۶۱ - ۴۶۲ - ۴۶۳ - ۴۶۴ - ۴۶۵ - ۴۶۶ - ۴۶۷ - ۴۶۸ - ۴۶۹ - ۴۷۰ - ۴۷۱ - ۴۷۲ - ۴۷۳ - ۴۷۴ - ۴۷۵ - ۴۷۶ - ۴۷۷ - ۴۷۸ - ۴۷۹ - ۴۸۰ - ۴۸۱ - ۴۸۲ - ۴۸۳ - ۴۸۴ - ۴۸۵ - ۴۸۶ - ۴۸۷ - ۴۸۸ - ۴۸۹ - ۴۹۰ - ۴۹۱ - ۴۹۲ - ۴۹۳ - ۴۹۴ - ۴۹۵ - ۴۹۶ - ۴۹۷ - ۴۹۸ - ۴۹۹ - ۵۰۰ - ۵۰۱ - ۵۰۲ - ۵۰۳ - ۵۰۴ - ۵۰۵ - ۵۰۶ - ۵۰۷ - ۵۰۸ - ۵۰۹ - ۵۱۰ - ۵۱۱ - ۵۱۲ - ۵۱۳ - ۵۱۴ - ۵۱۵ - ۵۱۶ - ۵۱۷ - ۵۱۸ - ۵۱۹ - ۵۲۰ - ۵۲۱ - ۵۲۲ - ۵۲۳ - ۵۲۴ - ۵۲۵ - ۵۲۶ - ۵۲۷ - ۵۲۸ - ۵۲۹ - ۵۳۰ - ۵۳۱ - ۵۳۲ - ۵۳۳ - ۵۳۴ - ۵۳۵ - ۵۳۶ - ۵۳۷ - ۵۳۸ - ۵۳۹ - ۵۴۰ - ۵۴۱ - ۵۴۲ - ۵۴۳ - ۵۴۴ - ۵۴۵ - ۵۴۶ - ۵۴۷ - ۵۴۸ - ۵۴۹ - ۵۵۰ - ۵۵۱ - ۵۵۲ - ۵۵۳ - ۵۵۴ - ۵۵۵ - ۵۵۶ - ۵۵۷ - ۵۵۸ - ۵۵۹ - ۵۶۰ - ۵۶۱ - ۵۶۲ - ۵۶۳ - ۵۶۴ - ۵۶۵ - ۵۶۶ - ۵۶۷ - ۵۶۸ - ۵۶۹ - ۵۷۰ - ۵۷۱ - ۵۷۲ - ۵۷۳ - ۵۷۴ - ۵۷۵ - ۵۷۶ - ۵۷۷ - ۵۷۸ - ۵۷۹ - ۵۸۰ - ۵۸۱ - ۵۸۲ - ۵۸۳ - ۵۸۴ - ۵۸۵ - ۵۸۶ - ۵۸۷ - ۵۸۸ - ۵۸۹ - ۵۹۰ - ۵۹۱ - ۵۹۲ - ۵۹۳ - ۵۹۴ - ۵۹۵ - ۵۹۶ - ۵۹۷ - ۵۹۸ - ۵۹۹ - ۶۰۰ - ۶۰۱ - ۶۰۲ - ۶۰۳ - ۶۰۴ - ۶۰۵ - ۶۰۶ - ۶۰۷ - ۶۰۸ - ۶۰۹ - ۶۱۰ - ۶۱۱ - ۶۱۲ - ۶۱۳ - ۶۱۴ - ۶۱۵ - ۶۱۶ - ۶۱۷ - ۶۱۸ - ۶۱۹ - ۶۲۰ - ۶۲۱ - ۶۲۲ - ۶۲۳ - ۶۲۴ - ۶۲۵ - ۶۲۶ - ۶۲۷ - ۶۲۸ - ۶۲۹ - ۶۳۰ - ۶۳۱ - ۶۳۲ - ۶۳۳ - ۶۳۴ - ۶۳۵ - ۶۳۶ - ۶۳۷ - ۶۳۸ - ۶۳۹ - ۶۴۰ - ۶۴۱ - ۶۴۲ - ۶۴۳ - ۶۴۴ - ۶۴۵ - ۶۴۶ - ۶۴۷ - ۶۴۸ - ۶۴۹ - ۶۵۰ - ۶۵۱ - ۶۵۲ - ۶۵۳ - ۶۵۴ - ۶۵۵ - ۶۵۶ - ۶۵۷ - ۶۵۸ - ۶۵۹ - ۶۶۰ - ۶۶۱ - ۶۶۲ - ۶۶۳ - ۶۶۴ - ۶۶۵ - ۶۶۶ - ۶۶۷ - ۶۶۸ - ۶۶۹ - ۶۷۰ - ۶۷۱ - ۶۷۲ - ۶۷۳ - ۶۷۴ - ۶۷۵ - ۶۷۶ - ۶۷۷ - ۶۷۸ - ۶۷۹ - ۶۸۰ - ۶۸۱ - ۶۸۲ - ۶۸۳ - ۶۸۴ - ۶۸۵ - ۶۸۶ - ۶۸۷ - ۶۸۸ - ۶۸۹ - ۶۹۰ - ۶۹۱ - ۶۹۲ - ۶۹۳ - ۶۹۴ - ۶۹۵ - ۶۹۶ - ۶۹۷ - ۶۹۸ - ۶۹۹ - ۷۰۰ - ۷۰۱ - ۷۰۲ - ۷۰۳ - ۷۰۴ - ۷۰۵ - ۷۰۶ - ۷۰۷ - ۷۰۸ - ۷۰۹ - ۷۱۰ - ۷۱۱ - ۷۱۲ - ۷۱۳ - ۷۱۴ - ۷۱۵ - ۷۱۶ - ۷۱۷ - ۷۱۸ - ۷۱۹ - ۷۲۰ - ۷۲۱ - ۷۲۲ - ۷۲۳ - ۷۲۴ - ۷۲۵ - ۷۲۶ - ۷۲۷ - ۷۲۸ - ۷۲۹ - ۷۳۰ - ۷۳۱ - ۷۳۲ - ۷۳۳ - ۷۳۴ - ۷۳۵ - ۷۳۶ - ۷۳۷ - ۷۳۸ - ۷۳۹ - ۷۴۰ - ۷۴۱ - ۷۴۲ - ۷۴۳ - ۷۴۴ - ۷۴۵ - ۷۴۶ - ۷۴۷ - ۷۴۸ - ۷۴۹ - ۷۵۰ - ۷۵۱ - ۷۵۲ - ۷۵۳ - ۷۵۴ - ۷۵۵ - ۷۵۶ - ۷۵۷ - ۷۵۸ - ۷۵۹ - ۷۶۰ - ۷۶۱ - ۷۶۲ - ۷۶۳ - ۷۶۴ - ۷۶۵ - ۷۶۶ - ۷۶۷ - ۷۶۸ - ۷۶۹ - ۷۷۰ - ۷۷۱ - ۷۷۲ - ۷۷۳ - ۷۷۴ - ۷۷۵ - ۷۷۶ - ۷۷۷ - ۷۷۸ - ۷۷۹ - ۷۸۰ - ۷۸۱ - ۷۸۲ - ۷۸۳ - ۷۸۴ - ۷۸۵ - ۷۸۶ - ۷۸۷ - ۷۸۸ - ۷۸۹ - ۷۹۰ - ۷۹۱ - ۷۹۲ - ۷۹۳ - ۷۹۴ - ۷۹۵ - ۷۹۶ - ۷۹۷ - ۷۹۸ - ۷۹۹ - ۸۰۰ - ۸۰۱ - ۸۰۲ - ۸۰۳ - ۸۰۴ - ۸۰۵ - ۸۰۶ - ۸۰۷ - ۸۰۸ - ۸۰۹ - ۸۱۰ - ۸۱۱ - ۸۱۲ - ۸۱۳ - ۸۱۴ - ۸۱۵ - ۸۱۶ - ۸۱۷ - ۸۱۸ - ۸۱۹ - ۸۲۰ - ۸۲۱ - ۸۲۲ - ۸۲۳ - ۸۲۴ - ۸۲۵ - ۸۲۶ - ۸۲۷ - ۸۲۸ - ۸۲۹ - ۸۳۰ - ۸۳۱ - ۸۳۲ - ۸۳۳ - ۸۳۴ - ۸۳۵ - ۸۳۶ - ۸۳۷ - ۸۳۸ - ۸۳۹ - ۸۴۰ - ۸۴۱ - ۸۴۲ - ۸۴۳ - ۸۴۴ - ۸۴۵ - ۸۴۶ - ۸۴۷ - ۸۴۸ - ۸۴۹ - ۸۵۰ - ۸۵۱ - ۸۵۲ - ۸۵۳ - ۸۵۴ - ۸۵۵ - ۸۵۶ - ۸۵۷ - ۸۵۸ - ۸۵۹ - ۸۶۰ - ۸۶۱ - ۸۶۲ - ۸۶۳ - ۸۶۴ - ۸۶۵ - ۸۶۶ - ۸۶۷ - ۸۶۸ - ۸۶۹ - ۸۷۰ - ۸۷۱ - ۸۷۲ - ۸۷۳ - ۸۷۴ - ۸۷۵ - ۸۷۶ - ۸۷۷ - ۸۷۸ - ۸۷۹ - ۸۸۰ - ۸۸۱ - ۸۸۲ - ۸۸۳ - ۸۸۴ - ۸۸۵ - ۸۸۶ - ۸۸۷ - ۸۸۸ - ۸۸۹ - ۸۹۰ - ۸۹۱ - ۸۹۲ - ۸۹۳ - ۸۹۴ - ۸۹۵ - ۸۹۶ - ۸۹۷ - ۸۹۸ - ۸۹۹ - ۹۰۰ - ۹۰۱ - ۹۰۲ - ۹۰۳ - ۹۰۴ - ۹۰۵ - ۹۰۶ - ۹۰۷ - ۹۰۸ - ۹۰۹ - ۹۱۰ - ۹۱۱ - ۹۱۲ - ۹۱۳ - ۹۱۴ - ۹۱۵ - ۹۱۶ - ۹۱۷ - ۹۱۸ - ۹۱۹ - ۹۲۰ - ۹۲۱ - ۹۲۲ - ۹۲۳ - ۹۲۴ - ۹۲۵ - ۹۲۶ - ۹۲۷ - ۹۲۸ - ۹۲۹ - ۹۳۰ - ۹۳۱ - ۹۳۲ - ۹۳۳ - ۹۳۴ - ۹۳۵ - ۹۳۶ - ۹۳۷ - ۹۳۸ - ۹۳۹ - ۹۴۰ - ۹۴۱ - ۹۴۲ - ۹۴۳ - ۹۴۴ - ۹۴۵ - ۹۴۶ - ۹۴۷ - ۹۴۸ - ۹۴۹ - ۹۵۰ - ۹۵۱ - ۹۵۲ - ۹۵۳ - ۹۵۴ - ۹۵۵ - ۹۵۶ - ۹۵۷ - ۹۵۸ - ۹۵۹ - ۹۶۰ - ۹۶۱ - ۹۶۲ - ۹۶۳ - ۹۶۴ - ۹۶۵ - ۹۶۶ - ۹۶۷ - ۹۶۸ - ۹۶۹ - ۹۷۰ - ۹۷۱ - ۹۷۲ - ۹۷۳ - ۹۷۴ - ۹۷۵ - ۹۷۶ - ۹۷۷ - ۹۷۸ - ۹۷۹ - ۹۸۰ - ۹۸۱ - ۹۸۲ - ۹۸۳ - ۹۸۴ - ۹۸۵ - ۹۸۶ - ۹۸۷ - ۹۸۸ - ۹۸۹ - ۹۹۰ - ۹۹۱ - ۹۹۲ - ۹۹۳ - ۹۹۴ - ۹۹۵ - ۹۹۶ - ۹۹۷ - ۹۹۸ - ۹۹۹ - ۱۰۰۰ - ۱۰۰۱ - ۱۰۰۲ - ۱۰۰۳ - ۱۰۰۴ - ۱۰۰۵ - ۱۰۰۶ - ۱۰۰۷ - ۱۰۰۸ - ۱۰۰۹ - ۱۰۱۰ - ۱۰۱۱ - ۱۰۱۲ - ۱۰۱۳ - ۱۰۱۴ - ۱۰۱۵ - ۱۰۱۶ - ۱۰۱۷ - ۱۰۱۸ - ۱۰۱۹ - ۱۰۲۰ - ۱۰۲۱ - ۱۰۲۲ - ۱۰۲۳ - ۱۰۲۴ - ۱۰۲۵ - ۱۰۲۶ - ۱۰۲۷ - ۱۰۲۸ - ۱۰۲۹ - ۱۰۳۰ - ۱۰۳۱ - ۱۰۳۲ - ۱۰۳۳ - ۱۰۳۴ - ۱۰۳۵ - ۱۰۳۶ - ۱۰۳۷ - ۱۰۳۸ - ۱۰۳۹ - ۱۰۴۰ - ۱۰۴۱ - ۱۰۴۲ - ۱۰۴۳ - ۱۰۴۴ - ۱۰۴۵ - ۱۰۴۶ - ۱۰۴۷ - ۱۰۴۸ - ۱۰۴۹ - ۱۰۵۰ - ۱۰۵۱ - ۱۰۵۲ - ۱۰۵۳ - ۱۰۵۴ - ۱۰۵۵ - ۱۰۵۶ - ۱۰۵۷ - ۱۰۵۸ - ۱۰۵۹ - ۱۰۶۰ - ۱۰۶۱ - ۱۰۶۲ - ۱۰۶۳ - ۱۰۶۴ - ۱۰۶۵ - ۱۰۶۶ - ۱۰۶۷ - ۱۰۶۸ - ۱۰۶۹ - ۱۰۷۰ - ۱۰۷۱ - ۱۰۷۲ - ۱۰۷۳ - ۱۰۷۴ - ۱۰۷۵ - ۱۰۷۶ - ۱۰۷۷ - ۱۰۷۸ - ۱۰۷۹ - ۱۰۸۰ - ۱۰۸۱ - ۱۰۸۲ - ۱۰۸۳ - ۱۰۸۴ - ۱۰۸۵ - ۱۰۸۶ - ۱۰۸۷ - ۱۰۸۸ - ۱۰۸۹ - ۱۰۹۰ - ۱۰۹۱ - ۱۰۹۲ - ۱۰۹۳ - ۱۰۹۴ - ۱۰۹۵ - ۱۰۹۶ - ۱۰۹۷ - ۱۰۹۸ - ۱۰۹۹ - ۱۱۰۰ - ۱۱۰۱ - ۱۱۰۲ - ۱۱۰۳ - ۱۱۰۴ - ۱۱۰۵ - ۱۱۰۶ - ۱۱۰۷ - ۱۱۰۸ - ۱۱۰۹ - ۱۱۱۰ - ۱۱۱۱ - ۱۱۱۲ - ۱۱۱۳ - ۱۱۱۴ - ۱۱۱۵ - ۱۱۱۶ - ۱۱۱۷ - ۱۱۱۸ - ۱۱۱۹ - ۱۱۲۰ - ۱۱۲۱ - ۱۱۲۲ - ۱۱۲۳ - ۱۱۲۴ - ۱۱۲۵ - ۱۱۲۶ - ۱۱۲۷ - ۱۱۲۸ - ۱۱۲۹ - ۱۱۳۰ - ۱۱۳۱ - ۱۱۳۲ - ۱۱۳۳ - ۱۱۳۴ - ۱۱۳۵ - ۱۱۳۶ - ۱۱۳۷ - ۱۱۳۸ - ۱۱۳۹ - ۱۱۴۰ - ۱۱۴۱ - ۱۱۴۲ - ۱۱۴۳ - ۱۱۴۴ - ۱۱۴۵ - ۱۱۴۶ - ۱۱۴۷ - ۱۱۴۸ - ۱۱۴۹ - ۱۱۵۰ - ۱۱۵۱ - ۱۱۵۲ - ۱۱۵۳ - ۱۱۵۴ - ۱۱۵۵ - ۱۱۵۶ - ۱۱۵۷ - ۱۱۵۸ - ۱۱۵۹ - ۱۱۶۰ - ۱۱۶۱ - ۱۱۶۲ - ۱۱۶۳ - ۱۱۶۴ - ۱۱۶۵ - ۱۱۶۶ - ۱۱۶۷ - ۱۱۶۸ - ۱۱۶۹ - ۱۱۷۰ - ۱۱۷۱ - ۱۱۷۲ - ۱۱۷۳ - ۱۱۷۴ - ۱۱۷۵ - ۱۱۷۶ - ۱۱۷۷ - ۱۱۷۸ - ۱۱۷۹ - ۱۱۸۰ - ۱۱۸۱ - ۱۱۸۲ - ۱۱۸۳ - ۱۱۸۴ - ۱۱۸۵ - ۱۱۸۶ - ۱۱۸۷ - ۱۱۸۸ - ۱۱۸۹ - ۱۱۹۰ - ۱۱۹۱ - ۱۱۹۲ - ۱۱۹۳ - ۱۱۹۴ - ۱۱۹۵ - ۱۱۹۶ - ۱۱۹۷ - ۱۱۹۸ - ۱۱۹۹ - ۱۲۰۰ - ۱۲۰۱ - ۱۲۰۲ - ۱۲۰۳ - ۱۲۰۴ - ۱۲۰۵ - ۱۲۰۶ - ۱۲۰۷ - ۱۲۰۸ - ۱۲۰۹ - ۱۲۱۰ - ۱۲۱۱ - ۱۲۱۲ - ۱۲۱۳ - ۱۲۱۴ - ۱۲۱۵ - ۱۲۱۶ - ۱۲۱۷ - ۱۲۱۸ - ۱۲۱۹ - ۱۲۲۰ - ۱۲۲۱ - ۱۲۲۲ - ۱۲۲۳ - ۱۲۲۴ - ۱۲۲۵ - ۱۲۲۶ - ۱۲۲۷ - ۱۲۲۸ - ۱۲۲۹ - ۱۲۳۰ - ۱۲۳۱ - ۱۲۳۲ - ۱۲۳۳ - ۱۲۳۴ - ۱۲۳۵ - ۱۲۳۶ - ۱۲۳۷ - ۱۲۳۸ - ۱۲۳۹ - ۱۲۴۰ - ۱۲۴۱ - ۱۲۴۲ - ۱۲۴۳ - ۱۲۴۴ - ۱۲۴۵ - ۱۲۴۶ - ۱۲۴۷ - ۱۲۴۸ - ۱۲۴۹ - ۱۲۵۰ - ۱۲۵۱ - ۱۲۵۲ - ۱۲۵۳ - ۱۲۵۴ - ۱۲۵۵ - ۱۲۵۶ - ۱۲۵۷ - ۱۲۵۸ - ۱۲۵۹ - ۱۲۶۰ - ۱۲۶۱ - ۱۲۶۲ - ۱۲۶۳ - ۱۲۶۴ - ۱۲۶۵ - ۱۲۶۶ - ۱۲۶۷ - ۱۲۶۸ - ۱۲۶۹ - ۱۲۷۰ - ۱۲۷۱ - ۱۲۷۲ - ۱۲۷۳ - ۱۲۷۴ - ۱۲۷۵ - ۱۲۷۶ - ۱۲۷۷ - ۱۲۷۸ - ۱۲۷۹ - ۱۲۸۰ - ۱۲۸۱ - ۱۲۸۲ - ۱۲۸۳ - ۱۲۸۴ - ۱۲۸۵ - ۱۲۸۶ - ۱۲۸۷ - ۱۲۸۸ - ۱۲۸۹ - ۱۲۹۰ - ۱۲۹۱ - ۱۲۹۲ - ۱۲۹۳ - ۱۲۹۴ - ۱۲۹۵ - ۱۲۹۶ - ۱۲۹۷ - ۱۲۹۸ - ۱۲۹۹ - ۱۳۰۰ - ۱۳۰۱ - ۱۳۰۲ - ۱۳۰۳ - ۱۳۰۴ - ۱۳۰۵ - ۱۳۰۶ - ۱۳۰۷ - ۱۳۰۸ - ۱۳۰۹ - ۱

ج

جاث گام - ۸-
 چار باغ - ۲۴-۳۵-۲۴-
 چار غلزار - ۲۴۵-۲۴۸-
 چاہات - چاہ - ۲۴۶-۲۴۷-
 چایل - ۲۲-۲۳۲-
 چوڑے - ۸۰-۱۳۰-۱۴۳-۱۴۵-۱۶۴-۱۹۴-۱۹۶-۲۰۰-
 چوڑے - ۲۰۱-۲۰۲-۲۱۷-۲۵۵-۲۷۰-۲۷۸-
 چوڑے - ۱۶۸-۱۷۰-
 چوڑے - ۲۳۱-۲۳۰-۱۰۵-
 چنگ (گھوڑا) - ۲۰۷-
 چراغان - ۴۰-
 چشہ شاهی - ۲۴۲-
 چستانی سلاطین - ۳۴-۴۴-۱۱۱-۲۳۰-
 چکوڑہ - ۲۷۱-
 چنبا، مرزا (شاہزادہ) - ۲۷۷-
 چناب (دریا) - ۲۳۳-
 چنڈول - چوڑولہ - ۹۱-۹۳-
 چوڑی - ۳۴-
 چوڑے - ۱۳۰-۱۴۴-۲۴۳-
 چوکی چنگی - ۲۸۸-
 چولاسرے - ۴۱-
 چھاؤنی - ۲۴۰-
 چھتری - ۲۷۹-
 چھون داس (راجا) - ۱۰۵-
 چین - ۱۳۱-
 چیمپس (ہم مصری) - ۲۵-

ح

حاجی علیہ، مصطفیٰ (کاتب خلیفہ، پٹی) - ۲۳۳-۷-

۴۰-۴۴-۴۵-۸۱-۹۰-۹۵-۹۷-۱۰۲-۱۰۷-
 ۱۰۷-۱۰۹-۱۱۱-۱۱۳-۱۱۷-۱۱۷-۱۱۷-۱۱۹-۱۲۰-
 ۱۲۱-۱۲۲-۱۲۳-۱۲۵-۱۲۷-۱۳۴-۱۳۷-۱۳۷-
 ۱۳۹-۱۴۲-۱۴۳-۱۴۴-۱۴۷-۱۴۸-۱۴۹-۱۵۱-
 ۱۵۲-۱۵۳-۱۵۴-۱۵۷-۱۶۰-۱۶۴-۱۶۹-۱۸۰-۱۸۱-
 ۱۸۳-۱۸۴-۱۸۸-۲۰۳-۲۰۵-۲۰۷-۲۰۹-
 ۲۳۲-۲۴۵-۲۴۷-
 جہانگیر کی بیبیاں اور شادیاں - ۸۱-۸۶-۸۸-۹۸-۱۱۳-
 جہانگیر کا مدرسہ - ۲۰۷-
 جہانگیر کا مقبرہ - ۱۴۵-۲۰-
 جہانگیر نامہ - ۲۱-۲۱-۲۱-۱۲۹-۱۲۹-۱۵۲-۱۸۸-۲۲۵-
 ۲۲۶-۲۲۷-۲۲۸-۲۲۹-۲۳۱-
 جہانگیری (زیور) - ۲۳۰-
 جہانگیر، مرزا (شاہزادہ اکبر شانی) - ۳۱-۸۰-۲۱۷-
 ۲۱۸-۲۱۹-۲۲۰-۲۲۱-۲۲۲-۲۲۳-۲۲۴-
 ۲۲۵-۲۲۶-۲۲۷-
 جہیز - ۹۱-
 جھاڑیاں - ۵۲-۲۵۴-
 جھالور (جھالادار) - ۲۳۱-
 جھرنے - ۲۲۹-
 جیارانی - ۸۲-
 جے پور (امیر) - ۱۰-۸۱-۹۰-۱۰۲-۱۰۵-۱۰۹-۱۲۷-
 جیون - ۸-
 جیوٹ، ایک ایس (مسٹر) - ۲۰-
 جیزہ - ۴۶-
 جے سکھ رائے (راجا) - ۲۲۴-
 جیسوٹ (جیسائی) - ۱۷۷-
 جیسوٹ، ڈیوک آف یارک - ۱۱۵-
 جیسوٹ (مسٹر) - ۱۳۷-
 جیکسن، ولیم - ۱۳۶-
 جین - ۹۸-۱۵۵-
 جیمز خاں، نقاب - ۲۹۴-

خ

خادم تہ ۱۶۹-۱۷۲	حاجی دبیر، آصفی ۹۳-۱۰۵
خادم حسین خاں، ثواب (فرخ آباد) - ۲۲۳	حاتم طائی - ۲۱۲
خار بندی - ۲۴۲	میشی - ۲۰۰
خاص محل - ۲۰۷	صیب الرحمن خان شروانی، مولانا (ثواب صدر یار جنگ) - ۱۷۷
خاصہ - ۲۳۳	جلال بن علاء الدین السی (صحابی) - ۱۷۸
خانی خاں (نظام الملکی) - ۸۹-۹۵-۹۸-۱۰۳	حقار - ۷۰
۱۱۰-۱۱۸-۱۲۳-۱۲۸-۱۵۲-۱۸۷-۱۸۳	حنافہ المصانی - ۲۸۷
خاقان - ۱۲۲	حرم کلاں - ۱۲۴-۸۱
خاقانہ - ۱۲۲	حزین، علی شیخ (شاعر) - ۱۷۲
خاقانی (شاعر) - ۱۹۱	حسن آرا بیگ - ۲۲۷
خان افظم، مرزا عزیز، کوکلتاش (وزیر) - ۱۰-۱۰۱-۱۲۱-۱۸۰	حسام الدین علی خاں - ۲۵۸-۲۵۹-۲۶۱
خان جہاں بہادر - ۲۸۲	حسن، حسن، شیخ - ۳۵
خان خاناں - ۲۱-۳۶-۲۹۳-۲۹۴	حسن خاں، سیوانی - ۲۳۱
خاندیس - ۱۷-۲۹۵	حسن نظامی (خواجہ) - ۲۲۷-۲۲۹
خانہ باغ - ۳۳-۲۹۰	حسین بیگم (زود مرزا چانگیر) - ۲۲۷
خدا بخش خاں (مولوی) - ۲۱-۱۷۲	حسینی (سانا) - ۱۰۳
خدیجہ بیلا زبانی (اکبر کی ملکہ) - ۲۷۴	حسین چک - ۸۲-۱۱۰
خزاندہ حاضرہ (ترکہ) - ۱۳۶-۱۷۶	حسین دوست، شہلی، میر - ۱۸۷-۱۷۵-۷
خزاندہ والا کوتوال - ۲۳۷	حقانی (تفسیر) - ۸
خضر، امیر (دہلوی) - ۲۶	حکیم، مرزا عمر - ۸۲-۸۹
خضر و باغ - ۳-۱۲-۲۸-۲۹-۳۲-۳۳-۴۸-۴۹	حامد (سنگ مرمر، دہلی) - ۲۱۲
۵۰-۵۲-۵۵-۵۶-۵۸-۶۴-۶۵-۶۸	حامد - ۲۵۱
۶۹-۷۹-۸۵-۸۷-۸۸-۸۹-۹۰-۹۱-۹۲	حمید خاں، ثواب - ۲۹۳-۲۹۴
۹۳-۱۰۱-۱۰۲-۱۰۳-۱۰۴-۱۰۵-۱۰۶-۱۰۷-۱۰۸-۱۰۹-۱۱۰-۱۱۱	حمیدہ بانو بیگم - ۱۳۵-۱۳۷
۱۱۲-۱۱۳-۱۱۴-۱۱۵-۱۱۶-۱۱۷-۱۱۸-۱۱۹-۱۲۰-۱۲۱-۱۲۲-۱۲۳-۱۲۴-۱۲۵-۱۲۶-۱۲۷-۱۲۸-۱۲۹-۱۳۰-۱۳۱-۱۳۲-۱۳۳-۱۳۴-۱۳۵-۱۳۶-۱۳۷-۱۳۸-۱۳۹-۱۴۰-۱۴۱-۱۴۲-۱۴۳-۱۴۴-۱۴۵-۱۴۶-۱۴۷-۱۴۸-۱۴۹-۱۵۰-۱۵۱-۱۵۲-۱۵۳-۱۵۴-۱۵۵-۱۵۶-۱۵۷-۱۵۸-۱۵۹-۱۶۰-۱۶۱-۱۶۲-۱۶۳-۱۶۴-۱۶۵-۱۶۶-۱۶۷-۱۶۸-۱۶۹-۱۷۰-۱۷۱-۱۷۲-۱۷۳-۱۷۴-۱۷۵-۱۷۶-۱۷۷-۱۷۸-۱۷۹-۱۸۰-۱۸۱-۱۸۲-۱۸۳-۱۸۴-۱۸۵-۱۸۶-۱۸۷-۱۸۸-۱۸۹-۱۹۰-۱۹۱-۱۹۲-۱۹۳-۱۹۴-۱۹۵-۱۹۶-۱۹۷-۱۹۸-۱۹۹-۲۰۰-۲۰۱-۲۰۲-۲۰۳-۲۰۴-۲۰۵-۲۰۶-۲۰۷-۲۰۸-۲۰۹-۲۱۰-۲۱۱-۲۱۲-۲۱۳-۲۱۴-۲۱۵-۲۱۶-۲۱۷-۲۱۸-۲۱۹-۲۲۰-۲۲۱-۲۲۲-۲۲۳-۲۲۴-۲۲۵-۲۲۶-۲۲۷-۲۲۸-۲۲۹-۲۳۰-۲۳۱-۲۳۲-۲۳۳-۲۳۴-۲۳۵-۲۳۶-۲۳۷-۲۳۸-۲۳۹-۲۴۰-۲۴۱-۲۴۲-۲۴۳-۲۴۴-۲۴۵-۲۴۶-۲۴۷-۲۴۸-۲۴۹-۲۵۰-۲۵۱-۲۵۲-۲۵۳-۲۵۴-۲۵۵-۲۵۶-۲۵۷-۲۵۸-۲۵۹-۲۶۰-۲۶۱-۲۶۲-۲۶۳-۲۶۴-۲۶۵-۲۶۶-۲۶۷-۲۶۸-۲۶۹-۲۷۰-۲۷۱-۲۷۲-۲۷۳-۲۷۴-۲۷۵-۲۷۶-۲۷۷-۲۷۸-۲۷۹-۲۸۰-۲۸۱-۲۸۲-۲۸۳-۲۸۴-۲۸۵-۲۸۶-۲۸۷-۲۸۸-۲۸۹-۲۹۰-۲۹۱-۲۹۲-۲۹۳-۲۹۴-۲۹۵-۲۹۶-۲۹۷-۲۹۸-۲۹۹-۳۰۰-۳۰۱-۳۰۲-۳۰۳-۳۰۴-۳۰۵-۳۰۶-۳۰۷-۳۰۸-۳۰۹-۳۱۰-۳۱۱-۳۱۲-۳۱۳-۳۱۴-۳۱۵-۳۱۶-۳۱۷-۳۱۸-۳۱۹-۳۲۰-۳۲۱-۳۲۲-۳۲۳-۳۲۴-۳۲۵-۳۲۶-۳۲۷-۳۲۸-۳۲۹-۳۳۰-۳۳۱-۳۳۲-۳۳۳-۳۳۴-۳۳۵-۳۳۶-۳۳۷-۳۳۸-۳۳۹-۳۴۰-۳۴۱-۳۴۲-۳۴۳-۳۴۴-۳۴۵-۳۴۶-۳۴۷-۳۴۸-۳۴۹-۳۵۰-۳۵۱-۳۵۲-۳۵۳-۳۵۴-۳۵۵-۳۵۶-۳۵۷-۳۵۸-۳۵۹-۳۶۰-۳۶۱-۳۶۲-۳۶۳-۳۶۴-۳۶۵-۳۶۶-۳۶۷-۳۶۸-۳۶۹-۳۷۰-۳۷۱-۳۷۲-۳۷۳-۳۷۴-۳۷۵-۳۷۶-۳۷۷-۳۷۸-۳۷۹-۳۸۰-۳۸۱-۳۸۲-۳۸۳-۳۸۴-۳۸۵-۳۸۶-۳۸۷-۳۸۸-۳۸۹-۳۹۰-۳۹۱-۳۹۲-۳۹۳-۳۹۴-۳۹۵-۳۹۶-۳۹۷-۳۹۸-۳۹۹-۴۰۰-۴۰۱-۴۰۲-۴۰۳-۴۰۴-۴۰۵-۴۰۶-۴۰۷-۴۰۸-۴۰۹-۴۱۰-۴۱۱-۴۱۲-۴۱۳-۴۱۴-۴۱۵-۴۱۶-۴۱۷-۴۱۸-۴۱۹-۴۲۰-۴۲۱-۴۲۲-۴۲۳-۴۲۴-۴۲۵-۴۲۶-۴۲۷-۴۲۸-۴۲۹-۴۳۰-۴۳۱-۴۳۲-۴۳۳-۴۳۴-۴۳۵-۴۳۶-۴۳۷-۴۳۸-۴۳۹-۴۴۰-۴۴۱-۴۴۲-۴۴۳-۴۴۴-۴۴۵-۴۴۶-۴۴۷-۴۴۸-۴۴۹-۴۵۰-۴۵۱-۴۵۲-۴۵۳-۴۵۴-۴۵۵-۴۵۶-۴۵۷-۴۵۸-۴۵۹-۴۶۰-۴۶۱-۴۶۲-۴۶۳-۴۶۴-۴۶۵-۴۶۶-۴۶۷-۴۶۸-۴۶۹-۴۷۰-۴۷۱-۴۷۲-۴۷۳-۴۷۴-۴۷۵-۴۷۶-۴۷۷-۴۷۸-۴۷۹-۴۸۰-۴۸۱-۴۸۲-۴۸۳-۴۸۴-۴۸۵-۴۸۶-۴۸۷-۴۸۸-۴۸۹-۴۹۰-۴۹۱-۴۹۲-۴۹۳-۴۹۴-۴۹۵-۴۹۶-۴۹۷-۴۹۸-۴۹۹-۵۰۰-۵۰۱-۵۰۲-۵۰۳-۵۰۴-۵۰۵-۵۰۶-۵۰۷-۵۰۸-۵۰۹-۵۱۰-۵۱۱-۵۱۲-۵۱۳-۵۱۴-۵۱۵-۵۱۶-۵۱۷-۵۱۸-۵۱۹-۵۲۰-۵۲۱-۵۲۲-۵۲۳-۵۲۴-۵۲۵-۵۲۶-۵۲۷-۵۲۸-۵۲۹-۵۳۰-۵۳۱-۵۳۲-۵۳۳-۵۳۴-۵۳۵-۵۳۶-۵۳۷-۵۳۸-۵۳۹-۵۴۰-۵۴۱-۵۴۲-۵۴۳-۵۴۴-۵۴۵-۵۴۶-۵۴۷-۵۴۸-۵۴۹-۵۵۰-۵۵۱-۵۵۲-۵۵۳-۵۵۴-۵۵۵-۵۵۶-۵۵۷-۵۵۸-۵۵۹-۵۶۰-۵۶۱-۵۶۲-۵۶۳-۵۶۴-۵۶۵-۵۶۶-۵۶۷-۵۶۸-۵۶۹-۵۷۰-۵۷۱-۵۷۲-۵۷۳-۵۷۴-۵۷۵-۵۷۶-۵۷۷-۵۷۸-۵۷۹-۵۸۰-۵۸۱-۵۸۲-۵۸۳-۵۸۴-۵۸۵-۵۸۶-۵۸۷-۵۸۸-۵۸۹-۵۹۰-۵۹۱-۵۹۲-۵۹۳-۵۹۴-۵۹۵-۵۹۶-۵۹۷-۵۹۸-۵۹۹-۶۰۰-۶۰۱-۶۰۲-۶۰۳-۶۰۴-۶۰۵-۶۰۶-۶۰۷-۶۰۸-۶۰۹-۶۱۰-۶۱۱-۶۱۲-۶۱۳-۶۱۴-۶۱۵-۶۱۶-۶۱۷-۶۱۸-۶۱۹-۶۲۰-۶۲۱-۶۲۲-۶۲۳-۶۲۴-۶۲۵-۶۲۶-۶۲۷-۶۲۸-۶۲۹-۶۳۰-۶۳۱-۶۳۲-۶۳۳-۶۳۴-۶۳۵-۶۳۶-۶۳۷-۶۳۸-۶۳۹-۶۴۰-۶۴۱-۶۴۲-۶۴۳-۶۴۴-۶۴۵-۶۴۶-۶۴۷-۶۴۸-۶۴۹-۶۵۰-۶۵۱-۶۵۲-۶۵۳-۶۵۴-۶۵۵-۶۵۶-۶۵۷-۶۵۸-۶۵۹-۶۶۰-۶۶۱-۶۶۲-۶۶۳-۶۶۴-۶۶۵-۶۶۶-۶۶۷-۶۶۸-۶۶۹-۶۷۰-۶۷۱-۶۷۲-۶۷۳-۶۷۴-۶۷۵-۶۷۶-۶۷۷-۶۷۸-۶۷۹-۶۸۰-۶۸۱-۶۸۲-۶۸۳-۶۸۴-۶۸۵-۶۸۶-۶۸۷-۶۸۸-۶۸۹-۶۹۰-۶۹۱-۶۹۲-۶۹۳-۶۹۴-۶۹۵-۶۹۶-۶۹۷-۶۹۸-۶۹۹-۷۰۰-۷۰۱-۷۰۲-۷۰۳-۷۰۴-۷۰۵-۷۰۶-۷۰۷-۷۰۸-۷۰۹-۷۱۰-۷۱۱-۷۱۲-۷۱۳-۷۱۴-۷۱۵-۷۱۶-۷۱۷-۷۱۸-۷۱۹-۷۲۰-۷۲۱-۷۲۲-۷۲۳-۷۲۴-۷۲۵-۷۲۶-۷۲۷-۷۲۸-۷۲۹-۷۳۰-۷۳۱-۷۳۲-۷۳۳-۷۳۴-۷۳۵-۷۳۶-۷۳۷-۷۳۸-۷۳۹-۷۴۰-۷۴۱-۷۴۲-۷۴۳-۷۴۴-۷۴۵-۷۴۶-۷۴۷-۷۴۸-۷۴۹-۷۵۰-۷۵۱-۷۵۲-۷۵۳-۷۵۴-۷۵۵-۷۵۶-۷۵۷-۷۵۸-۷۵۹-۷۶۰-۷۶۱-۷۶۲-۷۶۳-۷۶۴-۷۶۵-۷۶۶-۷۶۷-۷۶۸-۷۶۹-۷۷۰-۷۷۱-۷۷۲-۷۷۳-۷۷۴-۷۷۵-۷۷۶-۷۷۷-۷۷۸-۷۷۹-۷۸۰-۷۸۱-۷۸۲-۷۸۳-۷۸۴-۷۸۵-۷۸۶-۷۸۷-۷۸۸-۷۸۹-۷۹۰-۷۹۱-۷۹۲-۷۹۳-۷۹۴-۷۹۵-۷۹۶-۷۹۷-۷۹۸-۷۹۹-۸۰۰-۸۰۱-۸۰۲-۸۰۳-۸۰۴-۸۰۵-۸۰۶-۸۰۷-۸۰۸-۸۰۹-۸۱۰-۸۱۱-۸۱۲-۸۱۳-۸۱۴-۸۱۵-۸۱۶-۸۱۷-۸۱۸-۸۱۹-۸۲۰-۸۲۱-۸۲۲-۸۲۳-۸۲۴-۸۲۵-۸۲۶-۸۲۷-۸۲۸-۸۲۹-۸۳۰-۸۳۱-۸۳۲-۸۳۳-۸۳۴-۸۳۵-۸۳۶-۸۳۷-۸۳۸-۸۳۹-۸۴۰-۸۴۱-۸۴۲-۸۴۳-۸۴۴-۸۴۵-۸۴۶-۸۴۷-۸۴۸-۸۴۹-۸۵۰-۸۵۱-۸۵۲-۸۵۳-۸۵۴-۸۵۵-۸۵۶-۸۵۷-۸۵۸-۸۵۹-۸۶۰-۸۶۱-۸۶۲-۸۶۳-۸۶۴-۸۶۵-۸۶۶-۸۶۷-۸۶۸-۸۶۹-۸۷۰-۸۷۱-۸۷۲-۸۷۳-۸۷۴-۸۷۵-۸۷۶-۸۷۷-۸۷۸-۸۷۹-۸۸۰-۸۸۱-۸۸۲-۸۸۳-۸۸۴-۸۸۵-۸۸۶-۸۸۷-۸۸۸-۸۸۹-۸۹۰-۸۹۱-۸۹۲-۸۹۳-۸۹۴-۸۹۵-۸۹۶-۸۹۷-۸۹۸-۸۹۹-۹۰۰-۹۰۱-۹۰۲-۹۰۳-۹۰۴-۹۰۵-۹۰۶-۹۰۷-۹۰۸-۹۰۹-۹۱۰-۹۱۱-۹۱۲-۹۱۳-۹۱۴-۹۱۵-۹۱۶-۹۱۷-۹۱۸-۹۱۹-۹۲۰-۹۲۱-۹۲۲-۹۲۳-۹۲۴-۹۲۵-۹۲۶-۹۲۷-۹۲۸-۹۲۹-۹۳۰-۹۳۱-۹۳۲-۹۳۳-۹۳۴-۹۳۵-۹۳۶-۹۳۷-۹۳۸-۹۳۹-۹۴۰-۹۴۱-۹۴۲-۹۴۳-۹۴۴-۹۴۵-۹۴۶-۹۴۷-۹۴۸-۹۴۹-۹۵۰-۹۵۱-۹۵۲-۹۵۳-۹۵۴-۹۵۵-۹۵۶-۹۵۷-۹۵۸-۹۵۹-۹۶۰-۹۶۱-۹۶۲-۹۶۳-۹۶۴-۹۶۵-۹۶۶-۹۶۷-۹۶۸-۹۶۹-۹۷۰-۹۷۱-۹۷۲-۹۷۳-۹۷۴-۹۷۵-۹۷۶-۹۷۷-۹۷۸-۹۷۹-۹۸۰-۹۸۱-۹۸۲-۹۸۳-۹۸۴-۹۸۵-۹۸۶-۹۸۷-۹۸۸-۹۸۹-۹۹۰-۹۹۱-۹۹۲-۹۹۳-۹۹۴-۹۹۵-۹۹۶-۹۹۷-۹۹۸-۹۹۹-۱۰۰۰-۱۰۰۱-۱۰۰۲-۱۰۰۳-۱۰۰۴-۱۰۰۵-۱۰۰۶-۱۰۰۷-۱۰۰۸-۱۰۰۹-۱۰۱۰-۱۰۱۱-۱۰۱۲-۱۰۱۳-۱۰۱۴-۱۰۱۵-۱۰۱۶-۱۰۱۷-۱۰۱۸-۱۰۱۹-۱۰۲۰-۱۰۲۱-۱۰۲۲-۱۰۲۳-۱۰۲۴-۱۰۲۵-۱۰۲۶-۱۰۲۷-۱۰۲۸-۱۰۲۹-۱۰۳۰-۱۰۳۱-۱۰۳۲-۱۰۳۳-۱۰۳۴-۱۰۳۵-۱۰۳۶-۱۰۳۷-۱۰۳۸-۱۰۳۹-۱۰۴۰-۱۰۴۱-۱۰۴۲-۱۰۴۳-۱۰۴۴-۱۰۴۵-۱۰۴۶-۱۰۴۷-۱۰۴۸-۱۰۴۹-۱۰۵۰-۱۰۵۱-۱۰۵۲-۱۰۵۳-۱۰۵۴-۱۰۵۵-۱۰۵۶-۱۰۵۷-۱۰۵۸-۱۰۵۹-۱۰۶۰-۱۰۶۱-۱۰۶۲-۱۰۶۳-۱۰۶۴-۱۰۶۵-۱۰۶۶-۱۰۶۷-۱۰۶۸-۱۰۶۹-۱۰۷۰-۱۰۷۱-۱۰۷۲-۱۰۷۳-۱۰۷۴-۱۰۷۵-۱۰۷۶-۱۰۷۷-۱۰۷۸-۱۰۷۹-۱۰۸۰-۱۰۸۱-۱۰۸۲-۱۰۸۳-۱۰۸۴-۱۰۸۵-۱۰۸۶-۱۰۸۷-۱۰۸۸-۱۰۸۹-۱۰۹۰-۱۰۹۱-۱۰۹۲-۱۰۹۳-۱۰۹۴-۱۰۹۵-۱۰۹۶-۱۰۹۷-۱۰۹۸-۱۰۹۹-۱۱۰۰-۱۱۰۱-۱۱۰۲-۱۱۰۳-۱۱۰۴-۱۱۰۵-۱۱۰۶-۱۱۰۷-۱۱۰۸-۱۱۰۹-۱۱۱۰-۱۱۱۱-۱۱۱۲-۱۱۱۳-۱۱۱۴-۱۱۱۵-۱۱۱۶-۱۱۱۷-۱۱۱۸-۱۱۱۹-۱۱۲۰-۱۱۲۱-۱۱۲۲-۱۱۲۳-۱۱۲۴-۱۱۲۵-۱۱۲۶-۱۱۲۷-۱۱۲۸-۱۱۲۹-۱۱۳۰-۱۱۳۱-۱۱۳۲-۱۱۳۳-۱۱۳۴-۱۱۳۵-۱۱۳۶-۱۱۳۷-۱۱۳۸-۱۱۳۹-۱۱۴۰-۱۱۴۱-۱۱۴۲-۱۱۴۳-۱۱۴۴-۱۱۴۵-۱۱۴۶-۱۱۴۷-۱۱۴۸-۱۱۴۹-۱۱۵۰-۱۱۵۱-۱۱۵۲-۱۱۵۳-۱۱۵۴-۱۱۵۵-۱۱۵۶-۱۱۵۷-۱۱۵۸-۱۱۵۹-۱۱۶۰-۱۱۶۱-۱۱۶۲-۱۱۶۳-۱۱۶۴-۱۱۶۵-۱۱۶۶-۱۱۶۷-۱۱۶۸-۱۱۶۹-۱۱۷۰-۱۱۷۱-۱۱۷۲-۱۱۷۳-۱۱۷۴-۱۱۷۵-۱۱۷۶-۱۱۷۷-۱۱۷۸-۱۱۷۹-۱۱۸۰-۱۱۸۱-۱۱۸۲-۱۱۸۳-۱۱۸۴-۱۱۸۵-۱۱۸۶-۱۱۸۷-۱۱۸۸-۱۱۸۹-۱۱۹۰-۱۱۹۱-۱۱۹۲-۱۱۹۳-۱۱۹۴-۱۱۹۵-۱۱۹۶-۱۱۹۷-۱۱۹۸-۱۱۹۹-۱۲۰۰-۱۲۰۱-۱۲۰۲-۱۲۰۳-۱۲۰۴-۱۲۰۵-۱۲۰۶-۱۲۰۷-۱۲۰۸-۱۲۰۹-۱۲۱۰-۱۲۱۱-۱۲۱۲-۱۲۱۳-۱۲۱۴-۱۲۱۵-۱۲۱۶-۱۲۱۷-۱۲۱۸-۱۲۱۹-۱۲۲۰-۱۲۲۱-۱۲۲۲-۱۲۲۳-۱۲۲۴-۱۲۲۵-۱۲۲۶-۱۲۲۷-۱۲۲۸-۱۲۲۹-۱۲۳۰-۱۲۳۱-۱۲۳۲-۱۲۳۳-۱۲۳۴-۱۲۳۵-۱۲۳۶-۱۲۳۷-۱۲۳۸-۱۲۳۹-۱۲۴۰-۱۲۴۱-۱۲۴۲-۱۲۴۳-۱۲۴۴-۱۲۴۵-۱۲۴۶-۱۲۴۷-۱۲۴۸-۱۲۴۹-۱۲۵۰-۱۲۵۱-۱۲۵۲-۱۲۵۳-۱۲۵۴-۱۲۵۵-۱۲۵۶-۱۲۵۷-۱۲۵۸-۱۲۵۹-۱۲۶۰-۱۲۶۱-۱۲۶۲-۱۲۶۳-۱۲۶۴-۱۲۶۵-۱۲۶۶-۱۲۶۷-۱۲۶۸-۱۲۶۹-۱۲۷۰-۱۲۷۱-۱۲۷۲-۱۲۷۳-۱۲۷۴-۱۲۷۵-۱۲۷۶-۱۲۷۷-۱۲۷۸-۱۲۷۹-۱۲۸۰-۱۲۸۱-۱۲۸۲-۱۲۸۳-۱۲۸۴-۱۲۸۵-۱۲۸۶-۱۲۸۷-۱۲۸۸-۱۲۸۹-۱۲۹۰-۱۲۹۱-۱۲۹۲-۱۲۹۳-۱۲۹۴-۱۲۹۵-۱۲۹۶-۱۲۹۷-۱۲۹۸-۱۲۹۹-۱۳۰۰-۱۳۰۱-۱۳۰۲-۱۳۰۳-۱۳۰۴-۱۳۰۵-۱۳۰۶-۱۳۰۷-۱۳۰۸-۱۳۰۹-۱۳۱۰-۱۳۱۱-۱۳۱۲-۱۳۱۳-۱۳۱۴-۱۳۱۵-۱۳۱۶-۱۳۱۷-۱۳۱۸-۱۳۱۹-۱۳۲۰-۱۳۲۱-۱۳۲۲-۱۳۲۳-۱۳۲۴-۱۳۲۵-۱۳۲۶-۱۳۲۷-۱۳۲۸-۱۳۲۹-۱۳۳۰-۱۳۳۱-۱۳۳۲-۱۳۳۳-۱۳۳۴-۱۳۳۵-۱۳۳۶-۱۳۳۷-۱۳۳۸-۱۳۳۹-۱۳۴۰-۱۳۴۱-۱۳۴۲-۱۳۴۳-۱۳۴۴-۱۳۴۵-۱۳۴۶-۱۳۴۷-۱۳۴۸-۱۳۴۹-۱۳۵۰-۱۳۵۱-۱۳۵۲-۱۳۵۳-۱۳۵۴-۱۳۵۵-۱۳۵۶-۱۳۵۷-۱۳۵۸-۱۳۵۹-۱۳۶۰-۱۳۶۱-۱۳۶۲-۱۳۶۳-۱۳۶۴-۱۳۶۵-۱۳۶۶-۱۳۶۷-۱۳۶۸-۱۳۶۹-۱۳۷۰-۱۳۷۱-۱۳۷۲-۱۳۷۳-۱۳۷۴-۱۳۷۵-۱۳۷۶-۱۳۷۷-۱۳۷۸-۱۳۷۹-۱۳۸۰-۱۳۸۱-۱۳۸۲-۱۳۸۳-۱۳۸۴-۱۳۸۵-۱۳۸۶-۱۳۸۷-۱۳۸۸-۱۳۸۹-۱۳۹۰-۱۳۹۱-۱۳۹۲-۱۳۹۳-۱۳۹۴-۱۳۹۵-۱۳۹۶-۱۳۹۷-۱۳۹۸-۱۳۹۹-۱۴۰۰-۱۴۰۱-۱۴۰۲-۱۴۰۳-۱۴۰۴-۱۴۰۵-۱۴۰۶-۱۴۰۷-۱۴۰۸-۱۴۰۹-۱۴۱۰-۱۴۱۱-۱۴۱۲-۱۴۱۳-۱۴۱۴-۱۴۱۵-۱۴۱۶-۱۴۱۷-۱۴۱۸-۱۴۱۹-۱۴۲۰-۱۴۲۱-۱۴۲۲-۱۴۲۳-۱۴۲۴-۱۴۲۵-۱۴۲۶-۱۴۲۷-۱۴۲۸-۱۴۲۹-۱۴۳۰-۱۴۳۱-۱۴۳۲-۱۴۳۳-۱۴۳۴-۱۴۳۵-۱۴۳۶-۱۴۳۷-۱۴۳۸-۱۴۳۹-۱۴۴۰-۱۴۴۱-۱۴۴۲-۱۴۴۳-۱۴۴۴-۱۴۴۵-۱۴۴۶-۱۴۴۷-۱۴۴۸-۱۴۴۹-۱۴۵۰-۱۴۵۱-۱۴۵۲-۱۴۵۳-۱۴۵۴-۱۴۵۵-۱۴۵۶-۱۴۵۷-۱۴۵۸-۱۴۵۹-۱۴۶۰-۱۴۶۱-۱۴۶۲-۱۴۶۳-۱۴۶۴-۱۴۶۵-۱۴۶۶-۱۴۶۷-۱۴۶۸-۱۴۶۹-۱۴۷۰-۱۴۷۱-۱۴۷۲-۱۴۷۳-۱۴۷۴-۱۴۷۵-۱۴۷۶-۱۴۷۷-۱۴۷۸-۱۴۷۹-۱۴۸۰-۱۴۸۱-۱۴۸۲-۱۴۸۳-۱۴۸۴-۱۴۸۵-۱۴۸۶-۱۴۸۷-۱۴۸۸-۱۴۸۹-۱۴۹۰-۱۴۹۱-۱۴۹۲-۱۴۹۳-۱۴۹۴-۱۴۹۵-۱۴۹۶-۱۴۹۷-۱۴۹۸-۱۴۹۹-۱۵۰۰-۱۵۰۱-۱۵۰۲-۱۵۰۳-۱۵۰۴-۱۵۰۵-۱۵۰۶-۱۵۰۷-۱۵۰۸-۱۵۰۹-۱۵۱۰-۱۵۱۱-۱۵۱۲-۱۵۱۳-۱	

۲۹۰-۱۵۲-۹۰-۲۲-۱۷-۱۶-خلاصۃ التواریخ	۲۲۹-۲۲۵-۱۸۰-۱۷۱-۱۷۰-۱۶۴-۱۶۳
۲۲۰-خلافت اندلس (تاریخ)	۲۷۴-۲۶۹-۲۶۷-۲۶۵-۲۶۰-۲۵۳
غلبی، سلاطین-۳۹	خسرو بلخ کی تکمیل-۶۵
فلذآباد-۱۰-۵۱-۵۲-۶۲-۶۳-۱۵۵-۱۶۹	” کے مقبرے-۶۵-۶۶-۶۷-۶۸-۷۰
۲۹۶-۲۹۵-۲۹۴-۲۹۳-۲۹۲	۷۲-۱۲۳-۱۲۶
” کے پھانگ-۵۰-۵۱-۵۲-۵۳-۵۴-۵۵-۶۵	” کی نگہداشت-۶۹
۲۷۵-۲۶۹-۲۶۵-۲۶۳	خسرو، سلطان (پسر جہانگیر)-۲-۱۰-۱۱-۱۳-۲۹
” کی سر-۵۲-۵۳-۵۴-۱۵۸-۱۶۷-۲۹۵-۲۹۶	۳-۵۶-۶۲-۶۳-۷۲-۷۳-۸۰-۸۳
” سر کی مسجد-۲۶۸	۱۰-۱۱-۱۱۲-۱۱۸-۱۱۹-۱۲۱-۱۲۳
” کا کتواں-۲۶۵-۲۶۶	۱۲۷-۱۲۸-۱۲۹-۱۳۰-۱۳۱-۱۳۲-۱۳۳
” کی منڈی-۲۵۷	۱۷۰-۱۷۵-۱۷۶-۱۷۷-۱۷۸-۱۷۹-۱۸۰
” خلد مکان-۱۶۹	۲۲۱-۲۲۸
” خلیج فارس-۸	خسرو، شہید-۱۷۰
خلیفہ حاجی (مورخ و کاتب)-۴-۲۴۲	خسرو کی ماں-۷۱-۷۷-۸۱-۸۲-۸۳-۸۴-۸۵-۸۶-۸۷-۸۸-۸۹-۹۰
خلیفہ، خان زمان (میر)-۲۸۸	۱۲۲-۱۲۳-۱۲۴-۱۲۵-۱۲۶-۱۲۷-۱۲۸-۱۲۹
خلیفہ اللہ، عمدۃ الملک-۲۸۷	” ” جمشیر، بہن-۷۶-۷۷-۷۸-۷۹-۸۰-۸۱-۸۲-۸۳-۸۴-۸۵
خلیفہ اللہ، موسوی-۲۸۷-۲۸۸	” ” ولادت-۱۲۵-۱۲۶
خلیفہ اللہ قاب، میر-۲۸۸	” ” بسم اللہ-۱۲۶
خواجہ حسن (عم زین خاں)-۸۴	” ” بیگم (رفیقہ زندگی)-۷۹-۸۰-۸۱-۸۲-۸۳-۸۴-۸۵
خواجہ حسین (ولہ زین خاں)-۱۱۰	” ” کے دو بیٹے-۷۹
خواجہ شاہی-۲۳۸	” ” کی دستار-۱۵۷
خوش مشیر، رانی-۱۰۵	” ” کی موت-۱۲۷-۱۲۸-۱۲۹-۱۳۰-۱۳۱-۱۳۲-۱۳۳-۱۳۴
خورد (شاہزادہ)-۸۷-۹۵-۱۱۹-۱۲۶-۱۳۹	۱۵۲-۱۵۳-۱۵۴
۱۶۰-۱۶۳	” ” کا قطعہ وفات-۱۵۴-۱۶۱-۱۶۲
خوش رو-۲۸-۲۹	” ” کی قبر-۲۹-۳۰-۳۱-۳۲-۳۳-۳۴-۳۵-۳۶-۳۷-۳۸-۳۹-۴۰-۴۱-۴۲-۴۳-۴۴-۴۵-۴۶-۴۷-۴۸-۴۹-۵۰-۵۱-۵۲-۵۳-۵۴-۵۵-۵۶-۵۷-۵۸-۵۹-۶۰-۶۱-۶۲-۶۳-۶۴-۶۵-۶۶-۶۷-۶۸-۶۹-۷۰-۷۱-۷۲-۷۳-۷۴-۷۵-۷۶-۷۷-۷۸-۷۹-۸۰-۸۱-۸۲-۸۳-۸۴-۸۵-۸۶-۸۷-۸۸-۸۹-۹۰-۹۱-۹۲-۹۳-۹۴-۹۵-۹۶-۹۷-۹۸-۹۹-۱۰۰
خوف، ملک (فرعون مصر)-۲۶	” ” کا مقبرہ-۲۷-۲۸-۲۹-۳۰-۳۱-۳۲-۳۳-۳۴-۳۵-۳۶-۳۷-۳۸-۳۹-۴۰-۴۱-۴۲-۴۳-۴۴-۴۵-۴۶-۴۷-۴۸-۴۹-۵۰-۵۱-۵۲-۵۳-۵۴-۵۵-۵۶-۵۷-۵۸-۵۹-۶۰-۶۱-۶۲-۶۳-۶۴-۶۵-۶۶-۶۷-۶۸-۶۹-۷۰-۷۱-۷۲-۷۳-۷۴-۷۵-۷۶-۷۷-۷۸-۷۹-۸۰-۸۱-۸۲-۸۳-۸۴-۸۵-۸۶-۸۷-۸۸-۸۹-۹۰-۹۱-۹۲-۹۳-۹۴-۹۵-۹۶-۹۷-۹۸-۹۹-۱۰۰
خیر النساء بیگم (دختر خاں خاں)-۳۶	” ” کا مزار-۱۶۷-۱۶۸-۱۶۹-۱۷۰
دارا (شہنشاہ ایران)-۱۴۳	” ” کی یادگار-۱۴۳-۱۴۴
دارا شکوہ (شاہزادہ)-۳۱-۳۲-۳۳-۱۴۶	” ” کا گھوڑا-۱۷۱-۱۷۲-۱۷۳-۱۷۴-۱۷۵-۱۷۶-۱۷۷-۱۷۸-۱۷۹-۱۸۰-۱۸۱-۱۸۲-۱۸۳-۱۸۴-۱۸۵-۱۸۶-۱۸۷-۱۸۸-۱۸۹-۱۹۰-۱۹۱-۱۹۲-۱۹۳-۱۹۴-۱۹۵-۱۹۶-۱۹۷-۱۹۸-۱۹۹-۲۰۰
داروغہ قبیل خانہ-۲۶۲	” ” کے گھوڑے کی قبر-۸۰-۸۱-۸۲-۸۳-۸۴-۸۵-۸۶-۸۷-۸۸-۸۹-۹۰-۹۱-۹۲-۹۳-۹۴-۹۵-۹۶-۹۷-۹۸-۹۹-۱۰۰
	خلیبہ بندادی (مورخ)-۶

راکھی - راکھی بندھن - ۲۳۹ - ۲۳۲ -	ڈیر باغ - ۳۸ -
رام باغ - ۳۵ - ۴۷ -	ڈی کون - ۱۱۶ -
رام پور - ۶۴ -	ڈیک - ۴۳ - ۴۷ -
رام پیر، سنیا سی (فلاسفر) - ۲۴۳ -	ڈی لائوس (مستر) - ۹۵ -
رام چندر جی - ۱۵ - ۳۹ -	ڈی لیٹ - ۱۴۹ -
رام چندر (راجا اور چچا) - ۸۴ -	ڈی نیوز، لندن (اخبار) - ۱۷۳ -
رام داس (راجا) - ۹۵ -	ڈیوس، ایچ جے (مستر) - ۲۱۶ -
رام کنور (برہمنی) - ۲۳ -	ڈیوک آف ایڈنبرا - ۴۸ -
رانائیتاب - ۲۱۷ -	ڈیوک آف ویلنگٹن - ۱۷۴ -
راناسا آنگا - ۱۰۵ - ۱۳۱ -	ریارک - ۱۱۵ -
رائی (شاہ سلیم) - ۷۶ - ۷۸ - ۱۰۹ - ۱۲۲ - ۱۳۷ -	ڈیوہر سٹ آرپی (مستر) - ۷۳ - ۱۳۴ - ۱۶۱ - ۱۹۰ -
رائیاں - ۱۰۲ - ۱۰۳ - ۱۰۵ - ۱۰۹ -	۱۹۱ - ۲۹۹ -
رے سنگھ، رے - ۸۴ -	
رائیٹ، ولیم (مستر) - ۳ -	
رائیل ایفیا ایک سوسائٹی کار سال - ۷۰ - ۷۳ - ۷۴ - ۷۸ -	ذکاء اللہ خاں بہادر (شعش العلماء) - ۳۰ - ۳۲ -
۱۸۸ - ۲۹۹ -	۱۵۰ - ۱۶۰ -
رایمان، حاجی معطف (مانشیر) - ۷۵ - ۷۹ - ۲۵۹ -	ذوالفقار اردستانی (معتمد) - ۲۱ -
ریورٹ انتظام - ۴۷ - ۴۸ - ۴۹ - ۷۰ -	ذوالقدر جنگ (نواب) - ۲۴۰ -
ریشمت - ۲۲۳ -	ذوالنون (شیخ) - ۷۸ -
رجوری (ریاست) - ۸۱ -	
رجوام، ملک (پسر حضرت سلیمان) - ۱۱۵ - ۱۱۶ -	
رطہ ابن مجنبر (کتاب) - ۳ -	راجہ دورانی (ملکہ) - ۶۳ -
رحمت آرا سلیم - ۸۱ -	
رڈیارد کپنگ (مستر) - ۲۹۵ -	راجپوت - ۷۶ - ۹۷ - ۹۸ - ۱۰۰ - ۱۰۲ - ۱۰۴ - ۱۰۵ -
رزق اللہ (علیہ منصب دار) - ۳۹ -	۱۰۶ - ۱۰۷ - ۱۱۱ - ۱۱۲ - ۱۲۵ - ۱۲۹ - ۱۴۰ - ۱۴۱ -
رزیزنٹ (سرکار انگریزی) - ۲۲۱ - ۲۲۲ - ۲۲۳ - ۲۲۵ - ۲۲۶ -	۲۳۰ - ۲۳۱ - ۲۷۷ -
۲۳۶ - ۲۳۷ - ۲۳۸ - ۲۳۹ -	راجپوتانہ - ۸۲ - ۱۰۴ -
رسل، سلیم (کار و نیاچ) - ۲۱۳ -	راجا علی خاں (والی خاندیس) - ۸۴ -
رسل، ولیم ہارڈ (مستر) - ۲۰۹ -	راجرس (مستر - مترجم) - ۵۹ - ۱۲۰ -
رسم - رسوم - ۹۱ - ۹۵ -	راجستان - ۱۰۵ -
رسول مقبول (صلیہ) - ۲۴۰ -	رازی، فخر الدین محمد بن عمر (امام فنون) - ۶ -
رشحات الفنون (کتاب) - ۲۸ - ۹۰ - ۱۰۸ - ۱۱۵ -	راعقبہ اصفہانی (امام فن) - ۲۴ -
۱۱۶ -	راقم سطور (مقبول) - ۴۸ -

سراے فتح گڑھ - ۲۱۳	سرگ پختہ - ۲۲۶
سراے احمد خاں - ۲۹۳	سرگ پڑانی - ۷۰
اکرام - ۲۱۱	کٹاں - ۲۶۵
خلد آباد - ۵۲ - ۵۳ - ۵۴ - ۵۵ - ۲۶۳	نئی - ۷۰
۲۶۵ - ۲۶۶	سطلی خاک (مقبورہ شاہ بیگم) - ۱۲۸
کامیابک - ۲۶۷	سعادت علی خاں، نواب - ۲۲۶
کاشنواں - ۲۶۸	سعد اللہ، ملا - سیحانی (کیرا لوی) - ۳۹
کی مسجد - ۲۶۸	سعید احمد (میر لوی) - ۳۲۷ - ۳۸ - ۴۷ - ۱۰۹ - ۱۲۵ - ۱۳۸
داؤد - سراے داؤد خاں - ۲۹۳ - ۲۹۶	۱۳۷ - ۱۵۵ - ۱۶۷ - ۱۷۳ - ۱۸۸ - ۲۱۷ - ۲۷۲
سے - ۲۱۸	سعید خاں - ۱۸۲ - ۲۹۰
شجاعت خاں - ۲۹۶	سعید خان بکمر - ۸۲
میر خاں - ۲۹۶	سعید، سعید محمد (حاجی) - ۲۲۹
سرپا (ظفت) - ۸۸	سعید بن سلیم (شاعر عرب) - ۱۷۸
سرخوش، شیخ محمد افضل - ۱۷۶	سفر افغانستان - ۳۵ - ۲۱۳
سرخیل زوجات - ۸۱ - ۱۰۲	سفر نامہ بالائی ہند - ۱۲ - ۴۷ - ۱۶۸ - ۲۹۱
سردار خان لوطانی (لوطانی) - ۲۶۱ - ۲۶۲	سہراے بحری - ۱۱۳
سرد خانے - ۲۷۰	سکندر شکوہ، شاہزادہ - ۲۳۷
سرس (درخت) - ۲۷۱	سکندر (قاج) - ۱۲۳
سرستی - ۱۹	سکندر لودی، سلطان - ۳۲ - ۵۲
سرکار انگریزی - ۲۸۸ - ۲۱۲ - ۲۲۶ - ۲۷۱	سکندر مرزا (حشی شاہ عباس) - ۵۹
برطانیہ - ۲۱۲	سکندر، بہشت آباد - ۴۴ - ۴۷ - ۱۸۸
چرناجہ، سر (پروفیسر) - ۱۰۲	سکھ - ۲۱۳ - ۲۱۲ - ۲۱۵
کپینی - ۲۱۲	سکھ (مقام) - ۱۹۸
سرمد - ۲۱	سکھ، بودھوں کا - ۱۳۵
سر مست خاں - ۱۷۷ - ۱۷۸	سلاح خانہ - ۲۹۲
سرنگ - ۱۶۸	سلاطین شرقی - ۱۳۲
سرو آزاد - ۱۷۶ - ۱۸۶	سلاطین مغل کے باغات - ۲۸
سرو زندگی - ۵	سلام مجن - ۱۷۱
سرہندی بیگم (گل) - ۱۰۱	سلسلہ حکمرانان ہند - ۹۸
سر - مسجد - ۲۱۱	سلطان (بادشاہزادے) - ۱۰
سرگ اعظم - ۵۱ - ۵۲ - ۵۴ - ۲۳۳	سرہندی - ۱۷۰ - ۱۸۹
سرگ بادشاہی - ۲۶۸	سلطان المطالع (گھنٹو) - ۲۲

- صلوات عام (رساله) - ۲۲۶-
 // کرم - ۲۳۳-
 نعمان نعمان (قصیدہ) - ۱۶-۲۲-۲۳-۵۹-
 ۲۹-۲۲۳-۲۹-
 مصفا المولد (شاه نواز خان) - ۸۴-
 صنایع قدیمہ - ۱۴-
 // (کتاب) - ۶۲-۱۲۶-۲۵-۱۴۰-۲۵-۲۶۶-
 // کہن - ۲۶۶-
 // ہند (کتاب) - ۷۷-
 صوبہ متحدہ - ۴۴-

ض

فتح الاسلام (کتاب) - ۱۰۳-

ط

- طبری ابو جعفر محمد بن جریر (مؤرخ و مفسر) - ۶-
 طبقہ - ۱۲۹-
 طبقات اکبری (تاریخ) - ۱۵-۲۰-۲۶-۳۰-۸۷-
 ۹۴-۹۸-۱۰۵-۱۰۸-۱۱۸-
 طبقات ناصری (از منہاج سرلج) - ۳۹-
 طیب بادشاہی - ۱۲۰-
 طلحہ بن معاویہ السلیح (صحابی) - ۱۷۸-
 طلوع فرخ سیر (شعری) - ۱۲-

ظ

- ظفر علی خان (مولانا) - ۱۲۴-
 ظفر الوار (تاریخ) - ۳۰-۴۴-۱۵-
 ظہیر الدین محمد بابہ، بادشاہ - ۳۴-

- شوکت بلگرامی (میر) - ۶۳-
 شوکت جنگ و نواب (فرخ آباد) -
 شہر آرا بارغ - ۳۶-۳۷-۲۹۶-
 شہر یازم (حضرت) - ۱۰۳-
 شہریت اور کرم پیلہ - ۳۷-
 شہر بارہ (شاہزادہ) - ۱۵۱-۱۵۲-۱۸۱-
 شہ سوار (مرزا جہانگیر) - ۲۳۲-۲۳۸-
 شیخ عمر (بادشاہ فرغانہ) - ۳۴-
 شیراز - ۱۴۳-۲۹۹-
 شیراز خان - ۱۲۳-
 شیر شاہ (بابی سلطنت افغانیہ) - ۵۱-۵۲-۲۳۰-
 // کامیاب - ۱۴۱-
 شیر شاہی سترک - ۲۶۳-
 شیر علی، فوس، میر - ۲۹۹-
 شیوداس (راجا) - ۱۵-

ص

- صائب، مرزا - ۲۸۶-
 صابی - ۲۴۲-
 صاحب جمال (جہانگیر کی بیگم) - ۱۰۹-۱۱۰-
 // عالم - ۲۳۶-۲۳۷-۲۳۹-
 // قرآن - ۱۰۳-
 صبح الاشع (تاریخ) - ۲۰-
 صبح گلشن (تذکرہ) - ۱۷۵-
 صحن سلا - ۶۷-۲۶۸-
 صدارت (خدمت) - ۲۸۷-
 صدر دروازہ - ۲۹۲-
 // عدالت (آگرہ) - ۲۲۷-
 مراحمی - ۲۶۷-
 صفائی - ۲۷۱-۲۷۳-
 صفدر جنگ (نواب) - ۲۷۷-

ع

- عادل شاہ، ناروتی (والی خاندیس) - ۱۷
 عالم آراء عباسی، تاریخ - ۵۹ - ۶۰
 عالم گنج - (علاقہ برہان پور) - ۱۵۱
 عالمگیر ثانی (بادشاہ دہلی) - ۲۲۹
 عالمگیر نامہ (تاریخ) - ۲۶۲ - ۲۹۱ - ۲۹۸
 عالمگیری دروازہ - ۵۷
 عالی قدر، شاہزادہ - ۲۳۹
 عامر (شاعر عرب) - ۷۳
 عام الفلاح (۱۸۷۷ء) - ۲۳۳
 عباس شاہ، بزرگ - ۵۹
 عبد الجلیل بلگرامی، امیر (علامہ) - ۱۰۲
 عبد الحق، ابو محمد، دہلوی (مولانا) - ۸
 عبد الحکیم، شہر (مولوی) - ۲۱۲
 عبد الحمید لاہوری، ملا (مورخ) - ۲۸ - ۲۹ - ۱۰۱
 ۱۰۲ - ۱۵۵ - ۳۸۳
 عبد الرحمن جامی، ملا (شاعر) - ۱۷۸
 " " الناصر (سلطان) - ۲۴۰
 عبد الرحیم خاں، خان خاں (مرزا) - ۳۶ - ۱۰۱
 عبد الرؤف، حافظ، سید - ۲۹۳
 عبد الصمد خاں، نواب - ۲۱۳
 عبد النفاذ خاں، محمدرشتی - ۲
 عبد القادر، بدایونی، شیخ - ۸۹ - ۹۰
 عبد القادر خاں، مرزا - ۸۵
 عبد اللہ، بلوچ - ۸۸
 " چغتائی (پروفیسر) - ۵۷
 " خاں - ۱۱۹
 " " فیروز جنگ - ۲۸۳
 " " بن زبیر (حضرت) - ۲۷۰
 " " سلمی (مونی) - ۱۷۸

- عبد اللہ مبارک (راوی) - ۱۷۸
 عبد اللہ، مشکین قلم (جہانگیر شاہی) - ۱۳۳ - ۱۳۴
 عبد المطلب (حضرت) - ۲۷۰
 عبد الملک ابو خاندان بن میر بیج مکی (امام) - ۶
 عبید اسدی (شاعر عرب) - ۷۳
 عبید بن عبد السملی (صحابی) - ۱۷۸
 عثمانی سلاطین، ترک - ۱۵۸
 عجائب خانہ - ۱۲
 " " (لکھنؤ) - ۲۷۷
 عجائب الہند (کتاب) - ۱۵
 عجیب العجائب (کتاب) - ۷
 عجم - ۱۶۱
 عرب و عربستان - ۷ - ۱۸ - ۱۱۶ - ۱۶۱ - ۲۴۱
 عربی تعمیرت - ۱۲۶
 " " خون - ۱۰۳
 " " طرز تعمیر - ۱۲۶
 عرش آشتیانی (اکبر) - ۸۸ - ۹۴ - ۱۷۸
 " " تیوری (مرزا) - ۲۲۰
 عرفی، جمال الدین، شیرازی، ملا (شاعر) - ۱۳۳
 عضد الدولہ، تلج الملک (امیر) - ۲۸۲
 علاء سلمی (شیخ) - ۱۷۸
 عطر جہانگیری - ۸۵
 " " خطاب - ۸۵
 غلیم آباد، پٹنہ - ۲۹۸
 عفت باؤ (شاعر راوی) - ۸۸
 عقیب بن مسلم (شاعر عرب) - ۱۷۸
 علامۃ الزمانی (حکیم ابو الفتح) - ۲۷۸
 علی اصغر، کاشی (مولانا) - ۵۹
 علی گڑھ - ۵۹
 " " گیلانی، حکیم - ۲۷۸
 علی محمد خاں، دودانی (نواب) - ۲۱۸
 عمر ابن الخطاب (حضرت) - ۱۰۳

عمر خیام کا مقبرہ - ۱۳۶-
عزیمتہ سلجی (صحافی) - ۱۷۸-
ہمدان متدیکم (کتاب مقدس) - ۱۱۵-
عبید - ۲۳۱-۲۱۴-
عید گاہ - ۱۳۳-
عیسے (حضرت) - ۱۵-
عیسائے - ۲۰۷-
عیسوی قوت کا ہندوستان میں عروج (تاریخ) - ۱۷۴-

غ

غازی، مرزا (ترخان) - ۱۸۴-
غازی الدین حیدر بادشاہ - ۲۳۸-
غالب، مرزا اسد اللہ خاں - ۶۸-۲۱۰-۲۱۹-۲۲۰-
غالب (آرائشی کلام) - ۱۶۶-
غزنین - ۱۷۳-
غلام امام شہید (مولانا - شاعر) - ۳۳-
غلام حسین، طباطبائی، میر (خان) - ۱۰-۱۶-۹۶-
۱۵۲-۲۵۸-۲۹۱-۲۹۵-
غلام سرور، مفتی - ۲۱۹-
غلام علی آزاد، بگلرامی (میر) - ۹-
غلام قادر خاں (رودیل) - ۲۲۵-
غلام محی، ہفت طلی (مولانا) - ۱۴۶-
حنی، مرزا طاہر، کشمیری - ۲۸۵-۲۸۶-۲۸۷-
" " کا دیوان - ۲۸۶-
غیاث بیگ، لہری (مرزا، اعتماد الدولہ) - ۲۸۸-
غیاث الدین، رام پوری (ملا) - ۲۹-
غیاث اللغات (کتاب) - ۲۹-
غیرت خاں، نواب کا مکار حسین - ۱۷۷-۱۵۲-
فارسی تاریخیں - ۱۹۸-

ف

فاضل، سید محمد - ۱۷۷-
فانی سکا - ۱۱۶-
فانی، شیخ محمد حسن - ۲۱-۲۳۷-
فتح باڑی - ۳۶-
فتح پوری بیگ (ملکہ) - ۱۰۱-
" عمل - ۱۰۱-
فتح پور سیکری - ۵۶-۵۷-۵۸-۶۷-۹۸-۹۹-
۱۰۷-۱۶۸-۱۷۵-۲۰۵-۲۰۶-۲۰۷-۲۰۸-
" ہوسہ - ۵۲-
فتح گڑھ (مضات فرخ آباد) - ۲۱۳-
" " کیپ (کتاب) - ۷۱-۷۲-۷۳-۷۴-
فوحات عالمگیری - ۴۶-
" فیروز شاہی - ۳۳-
فخر الدین محمد بن عمر ازی (امام اشکین) - ۶-
فدائی خاں، نواب - ۳۹-
" " کا باغ - ۳۹-
فترات (دریا) - ۸-
فراغت مصر - ۴۵-
فرانس - ۱۱۴-
فرخ بخش (تاریخ) - ۱۰۱-
فرخ آباد - ۱۶-۲۲-۲۶-۷۳-۱۳۲-۱۳۶-
۲۱۳-۲۲۲-۲۲۳-
فرخ سیر، بادشاہ - ۱۶-
فردوسی طوسی (شاعر) - ۲۹۷-
فرشتہ قاسم، ہندو شاہ، ملا (مورخ) - ۸۹-۱۰۸-
فرشتہ (ملا ملکہ) - ۱۷۵-
فرخانہ - ۳۴-
فرنگس، جیس (مستر) - ۱۳-۳۴-۵۶-۶۷-
۹۷-۹۸-۱۷۳-
فرنگ و فرنگستان - ۲۹-۱۱۴-۱۷۵-۲۰۶-۲۱۱-
فریب نظر - ۲۶۱-
فرید الدین احمد خاں، وزیر - ۲۲۲-

فتیہ، ابن (امام من) - ۴	فرید الدین عطار، شیخ - ۱۷۸
فتیل، محمد حسن مرزا - ۲۳۲-۲۳۳	فریدون (شہنشاہ ایران) - ۱۷۸
قرآن مجید - ۴-۵-۱۵۷-۱۶۱-۱۶۵-۲۴۱-۲۴۷	فریدز (مسٹر) - ۲۱۰
القرشی، محی الدین ابن محمد عبدالقادر (امام من) - ۲۳۷	فری ملٹل، سر سیلون - ۱۴۱
قرون وسطی کا ہندوستان (کتاب) - ۸۷-۹۸	فریتج (مسٹر) - ۱۲-۲۰-۵۶-۱۰۱-۱۴۱-۱۶۷
۱۵۳-۲۰۶-۲۳۱	۱۷۲-۱۷۴-۲۱۰-۲۱۳-۲۱۳
فریشی - ۲۹۳	فریتڈ زاینڈوز (کتاب) - ۹۷
تسلطینیہ - ۲۲۷	فریو (مسٹر) - ۲۲-۳۰-۲۰۷
قصی ہند - ۳۵-۱۰۸-۱۰۹-۱۲۹-۱۵۱-۱۵۲	فشر (مسٹر) - ۷۴-۲۰۵
قطب بنار (لاٹ) - ۲۱۰-۲۱۱	فلر، مر جی - ۲۸۸
قطبہ تاریخ - ۵۴-۱۵۹-۱۶۶-۱۷۷-۲۵۹-۳۴۳	فلسفہ نتائج - ۲۷۳
۲۴۷-۲۷۷-۲۸۱-۲۸۲	فلنجی - ۵۵
قطبی (حکیم و مورخ) - ۲۲۰	فلوکیل (پروفیسر) - ۲۳۲
قلذہ الہ آباد - ۳۱-۴۸-۴۹-۵۰-۱۳۲-۲۰۷	فلنج، ولیم (جہاز دان) - ۱۸۲
۲۱۴-۲۱۵-۲۳۲-۲۵۳-۲۵۷-۲۵۹	قارے - ۷۹-۱۸۶-۲۲۸
۲۸۲-۲۹۰-۲۹۱-۲۹۲	قوائد الافکار (کتاب) - ۲۲۲
کی بنیاد - ۱۳-۳۶-۲۹۰	قوجدار - ۲۹۸
نکدان - ۱۳۷-۱۳۹-۱۶۸	قوسا سے (ڈاکٹر) - ۱۴-۱۴۱-۱۴۲-۱۴۳-۱۴۴-۱۴۵-۱۴۶-۱۴۷
قلندر، مرزا (شاعر) - ۲۵۸	۱۲۶-۱۲۷-۱۲۸-۱۲۹-۱۳۰-۱۳۱-۱۳۲-۱۳۳-۱۳۴-۱۳۵-۱۳۶-۱۳۷-۱۳۸-۱۳۹-۱۴۰-۱۴۱-۱۴۲-۱۴۳-۱۴۴-۱۴۵-۱۴۶-۱۴۷-۱۴۸-۱۴۹-۱۵۰-۱۵۱-۱۵۲-۱۵۳-۱۵۴-۱۵۵-۱۵۶-۱۵۷-۱۵۸-۱۵۹-۱۶۰-۱۶۱-۱۶۲-۱۶۳-۱۶۴-۱۶۵-۱۶۶-۱۶۷-۱۶۸-۱۶۹-۱۷۰-۱۷۱-۱۷۲-۱۷۳-۱۷۴-۱۷۵-۱۷۶-۱۷۷-۱۷۸-۱۷۹-۱۸۰-۱۸۱-۱۸۲-۱۸۳-۱۸۴-۱۸۵-۱۸۶-۱۸۷-۱۸۸-۱۸۹-۱۹۰-۱۹۱-۱۹۲-۱۹۳-۱۹۴-۱۹۵-۱۹۶-۱۹۷-۱۹۸-۱۹۹-۲۰۰-۲۰۱-۲۰۲-۲۰۳-۲۰۴-۲۰۵-۲۰۶-۲۰۷-۲۰۸-۲۰۹-۲۱۰-۲۱۱-۲۱۲-۲۱۳-۲۱۴-۲۱۵-۲۱۶-۲۱۷-۲۱۸-۲۱۹-۲۲۰-۲۲۱-۲۲۲-۲۲۳-۲۲۴-۲۲۵-۲۲۶-۲۲۷-۲۲۸-۲۲۹-۲۳۰-۲۳۱-۲۳۲-۲۳۳-۲۳۴-۲۳۵-۲۳۶-۲۳۷-۲۳۸-۲۳۹-۲۴۰-۲۴۱-۲۴۲-۲۴۳-۲۴۴-۲۴۵-۲۴۶-۲۴۷-۲۴۸-۲۴۹-۲۵۰-۲۵۱-۲۵۲-۲۵۳-۲۵۴-۲۵۵-۲۵۶-۲۵۷-۲۵۸-۲۵۹-۲۶۰-۲۶۱-۲۶۲-۲۶۳-۲۶۴-۲۶۵-۲۶۶-۲۶۷-۲۶۸-۲۶۹-۲۷۰-۲۷۱-۲۷۲-۲۷۳-۲۷۴-۲۷۵-۲۷۶-۲۷۷-۲۷۸-۲۷۹-۲۸۰-۲۸۱-۲۸۲-۲۸۳-۲۸۴-۲۸۵-۲۸۶-۲۸۷-۲۸۸-۲۸۹-۲۹۰-۲۹۱-۲۹۲-۲۹۳-۲۹۴-۲۹۵-۲۹۶-۲۹۷-۲۹۸-۲۹۹-۳۰۰-۳۰۱-۳۰۲-۳۰۳-۳۰۴-۳۰۵-۳۰۶-۳۰۷-۳۰۸-۳۰۹-۳۱۰-۳۱۱-۳۱۲-۳۱۳-۳۱۴-۳۱۵-۳۱۶-۳۱۷-۳۱۸-۳۱۹-۳۲۰-۳۲۱-۳۲۲-۳۲۳-۳۲۴-۳۲۵-۳۲۶-۳۲۷-۳۲۸-۳۲۹-۳۳۰-۳۳۱-۳۳۲-۳۳۳-۳۳۴-۳۳۵-۳۳۶-۳۳۷-۳۳۸-۳۳۹-۳۴۰-۳۴۱-۳۴۲-۳۴۳-۳۴۴-۳۴۵-۳۴۶-۳۴۷-۳۴۸-۳۴۹-۳۵۰-۳۵۱-۳۵۲-۳۵۳-۳۵۴-۳۵۵-۳۵۶-۳۵۷-۳۵۸-۳۵۹-۳۶۰-۳۶۱-۳۶۲-۳۶۳-۳۶۴-۳۶۵-۳۶۶-۳۶۷-۳۶۸-۳۶۹-۳۷۰-۳۷۱-۳۷۲-۳۷۳-۳۷۴-۳۷۵-۳۷۶-۳۷۷-۳۷۸-۳۷۹-۳۸۰-۳۸۱-۳۸۲-۳۸۳-۳۸۴-۳۸۵-۳۸۶-۳۸۷-۳۸۸-۳۸۹-۳۹۰-۳۹۱-۳۹۲-۳۹۳-۳۹۴-۳۹۵-۳۹۶-۳۹۷-۳۹۸-۳۹۹-۴۰۰-۴۰۱-۴۰۲-۴۰۳-۴۰۴-۴۰۵-۴۰۶-۴۰۷-۴۰۸-۴۰۹-۴۱۰-۴۱۱-۴۱۲-۴۱۳-۴۱۴-۴۱۵-۴۱۶-۴۱۷-۴۱۸-۴۱۹-۴۲۰-۴۲۱-۴۲۲-۴۲۳-۴۲۴-۴۲۵-۴۲۶-۴۲۷-۴۲۸-۴۲۹-۴۳۰-۴۳۱-۴۳۲-۴۳۳-۴۳۴-۴۳۵-۴۳۶-۴۳۷-۴۳۸-۴۳۹-۴۴۰-۴۴۱-۴۴۲-۴۴۳-۴۴۴-۴۴۵-۴۴۶-۴۴۷-۴۴۸-۴۴۹-۴۵۰-۴۵۱-۴۵۲-۴۵۳-۴۵۴-۴۵۵-۴۵۶-۴۵۷-۴۵۸-۴۵۹-۴۶۰-۴۶۱-۴۶۲-۴۶۳-۴۶۴-۴۶۵-۴۶۶-۴۶۷-۴۶۸-۴۶۹-۴۷۰-۴۷۱-۴۷۲-۴۷۳-۴۷۴-۴۷۵-۴۷۶-۴۷۷-۴۷۸-۴۷۹-۴۸۰-۴۸۱-۴۸۲-۴۸۳-۴۸۴-۴۸۵-۴۸۶-۴۸۷-۴۸۸-۴۸۹-۴۹۰-۴۹۱-۴۹۲-۴۹۳-۴۹۴-۴۹۵-۴۹۶-۴۹۷-۴۹۸-۴۹۹-۵۰۰-۵۰۱-۵۰۲-۵۰۳-۵۰۴-۵۰۵-۵۰۶-۵۰۷-۵۰۸-۵۰۹-۵۱۰-۵۱۱-۵۱۲-۵۱۳-۵۱۴-۵۱۵-۵۱۶-۵۱۷-۵۱۸-۵۱۹-۵۲۰-۵۲۱-۵۲۲-۵۲۳-۵۲۴-۵۲۵-۵۲۶-۵۲۷-۵۲۸-۵۲۹-۵۳۰-۵۳۱-۵۳۲-۵۳۳-۵۳۴-۵۳۵-۵۳۶-۵۳۷-۵۳۸-۵۳۹-۵۴۰-۵۴۱-۵۴۲-۵۴۳-۵۴۴-۵۴۵-۵۴۶-۵۴۷-۵۴۸-۵۴۹-۵۵۰-۵۵۱-۵۵۲-۵۵۳-۵۵۴-۵۵۵-۵۵۶-۵۵۷-۵۵۸-۵۵۹-۵۶۰-۵۶۱-۵۶۲-۵۶۳-۵۶۴-۵۶۵-۵۶۶-۵۶۷-۵۶۸-۵۶۹-۵۷۰-۵۷۱-۵۷۲-۵۷۳-۵۷۴-۵۷۵-۵۷۶-۵۷۷-۵۷۸-۵۷۹-۵۸۰-۵۸۱-۵۸۲-۵۸۳-۵۸۴-۵۸۵-۵۸۶-۵۸۷-۵۸۸-۵۸۹-۵۹۰-۵۹۱-۵۹۲-۵۹۳-۵۹۴-۵۹۵-۵۹۶-۵۹۷-۵۹۸-۵۹۹-۶۰۰-۶۰۱-۶۰۲-۶۰۳-۶۰۴-۶۰۵-۶۰۶-۶۰۷-۶۰۸-۶۰۹-۶۱۰-۶۱۱-۶۱۲-۶۱۳-۶۱۴-۶۱۵-۶۱۶-۶۱۷-۶۱۸-۶۱۹-۶۲۰-۶۲۱-۶۲۲-۶۲۳-۶۲۴-۶۲۵-۶۲۶-۶۲۷-۶۲۸-۶۲۹-۶۳۰-۶۳۱-۶۳۲-۶۳۳-۶۳۴-۶۳۵-۶۳۶-۶۳۷-۶۳۸-۶۳۹-۶۴۰-۶۴۱-۶۴۲-۶۴۳-۶۴۴-۶۴۵-۶۴۶-۶۴۷-۶۴۸-۶۴۹-۶۵۰-۶۵۱-۶۵۲-۶۵۳-۶۵۴-۶۵۵-۶۵۶-۶۵۷-۶۵۸-۶۵۹-۶۶۰-۶۶۱-۶۶۲-۶۶۳-۶۶۴-۶۶۵-۶۶۶-۶۶۷-۶۶۸-۶۶۹-۶۷۰-۶۷۱-۶۷۲-۶۷۳-۶۷۴-۶۷۵-۶۷۶-۶۷۷-۶۷۸-۶۷۹-۶۸۰-۶۸۱-۶۸۲-۶۸۳-۶۸۴-۶۸۵-۶۸۶-۶۸۷-۶۸۸-۶۸۹-۶۹۰-۶۹۱-۶۹۲-۶۹۳-۶۹۴-۶۹۵-۶۹۶-۶۹۷-۶۹۸-۶۹۹-۷۰۰-۷۰۱-۷۰۲-۷۰۳-۷۰۴-۷۰۵-۷۰۶-۷۰۷-۷۰۸-۷۰۹-۷۱۰-۷۱۱-۷۱۲-۷۱۳-۷۱۴-۷۱۵-۷۱۶-۷۱۷-۷۱۸-۷۱۹-۷۲۰-۷۲۱-۷۲۲-۷۲۳-۷۲۴-۷۲۵-۷۲۶-۷۲۷-۷۲۸-۷۲۹-۷۳۰-۷۳۱-۷۳۲-۷۳۳-۷۳۴-۷۳۵-۷۳۶-۷۳۷-۷۳۸-۷۳۹-۷۴۰-۷۴۱-۷۴۲-۷۴۳-۷۴۴-۷۴۵-۷۴۶-۷۴۷-۷۴۸-۷۴۹-۷۵۰-۷۵۱-۷۵۲-۷۵۳-۷۵۴-۷۵۵-۷۵۶-۷۵۷-۷۵۸-۷۵۹-۷۶۰-۷۶۱-۷۶۲-۷۶۳-۷۶۴-۷۶۵-۷۶۶-۷۶۷-۷۶۸-۷۶۹-۷۷۰-۷۷۱-۷۷۲-۷۷۳-۷۷۴-۷۷۵-۷۷۶-۷۷۷-۷۷۸-۷۷۹-۷۸۰-۷۸۱-۷۸۲-۷۸۳-۷۸۴-۷۸۵-۷۸۶-۷۸۷-۷۸۸-۷۸۹-۷۹۰-۷۹۱-۷۹۲-۷۹۳-۷۹۴-۷۹۵-۷۹۶-۷۹۷-۷۹۸-۷۹۹-۸۰۰-۸۰۱-۸۰۲-۸۰۳-۸۰۴-۸۰۵-۸۰۶-۸۰۷-۸۰۸-۸۰۹-۸۱۰-۸۱۱-۸۱۲-۸۱۳-۸۱۴-۸۱۵-۸۱۶-۸۱۷-۸۱۸-۸۱۹-۸۲۰-۸۲۱-۸۲۲-۸۲۳-۸۲۴-۸۲۵-۸۲۶-۸۲۷-۸۲۸-۸۲۹-۸۳۰-۸۳۱-۸۳۲-۸۳۳-۸۳۴-۸۳۵-۸۳۶-۸۳۷-۸۳۸-۸۳۹-۸۴۰-۸۴۱-۸۴۲-۸۴۳-۸۴۴-۸۴۵-۸۴۶-۸۴۷-۸۴۸-۸۴۹-۸۵۰-۸۵۱-۸۵۲-۸۵۳-۸۵۴-۸۵۵-۸۵۶-۸۵۷-۸۵۸-۸۵۹-۸۶۰-۸۶۱-۸۶۲-۸۶۳-۸۶۴-۸۶۵-۸۶۶-۸۶۷-۸۶۸-۸۶۹-۸۷۰-۸۷۱-۸۷۲-۸۷۳-۸۷۴-۸۷۵-۸۷۶-۸۷۷-۸۷۸-۸۷۹-۸۸۰-۸۸۱-۸۸۲-۸۸۳-۸۸۴-۸۸۵-۸۸۶-۸۸۷-۸۸۸-۸۸۹-۸۹۰-۸۹۱-۸۹۲-۸۹۳-۸۹۴-۸۹۵-۸۹۶-۸۹۷-۸۹۸-۸۹۹-۹۰۰-۹۰۱-۹۰۲-۹۰۳-۹۰۴-۹۰۵-۹۰۶-۹۰۷-۹۰۸-۹۰۹-۹۱۰-۹۱۱-۹۱۲-۹۱۳-۹۱۴-۹۱۵-۹۱۶-۹۱۷-۹۱۸-۹۱۹-۹۲۰-۹۲۱-۹۲۲-۹۲۳-۹۲۴-۹۲۵-۹۲۶-۹۲۷-۹۲۸-۹۲۹-۹۳۰-۹۳۱-۹۳۲-۹۳۳-۹۳۴-۹۳۵-۹۳۶-۹۳۷-۹۳۸-۹۳۹-۹۴۰-۹۴۱-۹۴۲-۹۴۳-۹۴۴-۹۴۵-۹۴۶-۹۴۷-۹۴۸-۹۴۹-۹۵۰-۹۵۱-۹۵۲-۹۵۳-۹۵۴-۹۵۵-۹۵۶-۹۵۷-۹۵۸-۹۵۹-۹۶۰-۹۶۱-۹۶۲-۹۶۳-۹۶۴-۹۶۵-۹۶۶-۹۶۷-۹۶۸-۹۶۹-۹۷۰-۹۷۱-۹۷۲-۹۷۳-۹۷۴-۹۷۵-۹۷۶-۹۷۷-۹۷۸-۹۷۹-۹۸۰-۹۸۱-۹۸۲-۹۸۳-۹۸۴-۹۸۵-۹۸۶-۹۸۷-۹۸۸-۹۸۹-۹۹۰-۹۹۱-۹۹۲-۹۹۳-۹۹۴-۹۹۵-۹۹۶-۹۹۷-۹۹۸-۹۹۹-۱۰۰۰-۱۰۰۱-۱۰۰۲-۱۰۰۳-۱۰۰۴-۱۰۰۵-۱۰۰۶-۱۰۰۷-۱۰۰۸-۱۰۰۹-۱۰۱۰-۱۰۱۱-۱۰۱۲-۱۰۱۳-۱۰۱۴-۱۰۱۵-۱۰۱۶-۱۰۱۷-۱۰۱۸-۱۰۱۹-۱۰۲۰-۱۰۲۱-۱۰۲۲-۱۰۲۳-۱۰۲۴-۱۰۲۵-۱۰۲۶-۱۰۲۷-۱۰۲۸-۱۰۲۹-۱۰۳۰-۱۰۳۱-۱۰۳۲-۱۰۳۳-۱۰۳۴-۱۰۳۵-۱۰۳۶-۱۰۳۷-۱۰۳۸-۱۰۳۹-۱۰۴۰-۱۰۴۱-۱۰۴۲-۱۰۴۳-۱۰۴۴-۱۰۴۵-۱۰۴۶-۱۰۴۷-۱۰۴۸-۱۰۴۹-۱۰۵۰-۱۰۵۱-۱۰۵۲-۱۰۵۳-۱۰۵۴-۱۰۵۵-۱۰۵۶-۱۰۵۷-۱۰۵۸-۱۰۵۹-۱۰۶۰-۱۰۶۱-۱۰۶۲-۱۰۶۳-۱۰۶۴-۱۰۶۵-۱۰۶۶-۱۰۶۷-۱۰۶۸-۱۰۶۹-۱۰۷۰-۱۰۷۱-۱۰۷۲-۱۰۷۳-۱۰۷۴-۱۰۷۵-۱۰۷۶-۱۰۷۷-۱۰۷۸-۱۰۷۹-۱۰۸۰-۱۰۸۱-۱۰۸۲-۱۰۸۳-۱۰۸۴-۱۰۸۵-۱۰۸۶-۱۰۸۷-۱۰۸۸-۱۰۸۹-۱۰۹۰-۱۰۹۱-۱۰۹۲-۱۰۹۳-۱۰۹۴-۱۰۹۵-۱۰۹۶-۱۰۹۷-۱۰۹۸-۱۰۹۹-۱۱۰۰-۱۱۰۱-۱۱۰۲-۱۱۰۳-۱۱۰۴-۱۱۰۵-۱۱۰۶-۱۱۰۷-۱۱۰۸-۱۱۰۹-۱۱۱۰-۱۱۱۱-۱۱۱۲-۱۱۱۳-۱۱۱۴-۱۱۱۵-۱۱۱۶-۱۱۱۷-۱۱۱۸-۱۱۱۹-۱۱۲۰-۱۱۲۱-۱۱۲۲-۱۱۲۳-۱۱۲۴-۱۱۲۵-۱۱۲۶-۱۱۲۷-۱۱۲۸-۱۱۲۹-۱۱۳۰-۱۱۳۱-۱۱۳۲-۱۱۳۳-۱۱۳۴-۱۱۳۵-۱۱۳۶-۱۱۳۷-۱۱۳۸-۱۱۳۹-۱۱۴۰-۱۱۴۱-۱۱۴۲-۱۱۴۳-۱۱۴۴-۱۱۴۵-۱۱۴۶-۱۱۴۷-۱۱۴۸-۱۱۴۹-۱۱۵۰-۱۱۵۱-۱۱۵۲-۱۱۵۳-۱۱۵۴-۱۱۵۵-۱۱۵۶-۱۱۵۷-۱۱۵۸-۱۱۵۹-۱۱۶۰-۱۱۶۱-۱۱۶۲-۱۱۶۳-۱۱۶۴-۱۱۶۵-۱۱۶۶-۱۱۶۷-۱۱۶۸-۱۱۶۹-۱۱۷۰-۱۱۷۱-۱۱۷۲-۱۱۷۳-۱۱۷۴-۱۱۷۵-۱۱۷۶-۱۱۷۷-۱۱۷۸-۱۱۷۹-۱۱۸۰-۱۱۸۱-۱۱۸۲-۱۱۸۳-۱۱۸۴-۱۱۸۵-۱۱۸۶-۱۱۸۷-۱۱۸۸-۱۱۸۹-۱۱۹۰-۱۱۹۱-۱۱۹۲-۱۱۹۳-۱۱۹۴-۱۱۹۵-۱۱۹۶-۱۱۹۷-۱۱۹۸-۱۱۹۹-۱۲۰۰-۱۲۰۱-۱۲۰۲-۱۲۰۳-۱۲۰۴-۱۲۰۵-۱۲۰۶-۱۲۰۷-۱۲۰۸-۱۲۰۹-۱۲۱۰-۱۲۱۱-۱۲۱۲-۱۲۱۳-۱۲۱۴-۱۲۱۵-۱۲۱۶-۱۲۱۷-۱۲۱۸-۱۲۱۹-۱۲۲۰-۱۲۲۱-۱۲۲۲-۱۲۲۳-۱۲۲۴-۱۲۲۵-۱۲۲۶-۱۲۲۷-۱۲۲۸-۱۲۲۹-۱۲۳۰-۱۲۳۱-۱۲۳۲-۱۲۳۳-۱۲۳۴-۱۲۳۵-۱۲۳۶-۱۲۳۷-۱۲۳۸-۱۲۳۹-۱۲۴۰-۱۲۴۱-۱۲۴۲-۱۲۴۳-۱۲۴۴-۱۲۴۵-۱۲۴۶-۱۲۴۷-۱۲۴۸-۱۲۴۹-۱۲۵۰-۱۲۵۱-۱۲۵۲-۱۲۵۳-۱۲۵۴-۱۲۵۵-۱۲۵۶-۱۲۵۷-۱۲۵۸-۱۲۵۹-۱۲۶۰-۱۲۶۱-۱۲۶۲-۱۲۶۳-۱۲۶۴-۱۲۶۵-۱۲۶۶-۱۲۶۷-۱۲۶۸-۱۲۶۹-۱۲۷۰-۱۲۷۱-۱۲۷۲-۱۲۷۳-۱۲۷۴-۱۲۷۵-۱۲۷۶-۱۲۷۷-۱۲۷۸-۱۲۷۹-۱۲۸۰-۱۲۸۱-۱۲۸۲-۱۲۸۳-۱۲۸۴-۱۲۸۵-۱۲۸۶-۱۲۸۷-۱۲۸۸-۱۲۸۹-۱۲۹۰-۱۲۹۱-۱۲۹۲-۱۲۹۳-۱۲۹۴-۱۲۹۵-۱۲۹۶-۱۲۹۷-۱۲۹۸-۱۲۹۹-۱۳۰۰-۱۳۰۱-۱۳۰۲-۱۳۰۳-۱۳۰۴-۱۳۰۵-۱۳۰۶-۱۳۰۷-۱۳۰۸-۱۳۰۹-۱۳۱۰-۱۳۱۱-۱۳۱۲-۱۳۱۳-۱۳۱۴-۱۳۱۵-۱۳۱۶-۱۳۱۷-۱۳۱۸-۱۳۱۹-۱۳۲۰-۱۳۲۱-۱۳۲۲-۱۳۲۳-۱۳۲۴-۱۳۲۵-۱۳۲۶-۱۳۲۷-۱۳۲۸-۱۳۲۹-۱۳۳۰-۱۳۳۱-۱۳۳۲-۱۳۳۳-۱۳۳۴-۱۳۳۵-۱۳۳۶-۱۳۳۷-۱۳۳۸-۱۳۳۹-۱۳۴۰-۱۳۴۱-۱۳۴۲-۱۳۴۳-۱۳۴۴-۱۳۴۵-۱۳۴۶-۱۳۴۷-۱۳۴۸-۱۳۴۹-۱۳۵۰-۱۳۵۱-۱۳۵۲-۱۳۵۳-۱۳۵۴-۱۳۵۵-۱۳۵۶-۱۳۵۷-۱۳۵۸-۱۳۵۹-۱۳۶۰-۱۳۶۱-۱۳۶۲-۱۳۶۳-۱۳۶۴-۱۳۶۵-۱۳۶۶-۱۳۶۷-۱۳۶۸-۱۳۶۹-۱۳۷۰-۱۳۷۱-۱۳۷۲-۱۳۷۳-۱۳۷۴-۱۳۷۵-۱۳۷۶-۱۳۷۷-۱۳۷۸-۱۳۷۹-۱۳۸۰-۱۳۸۱-۱۳۸۲-۱۳۸۳-۱۳۸۴-۱۳۸۵-۱۳۸۶-۱۳۸۷-۱۳۸۸-۱۳۸۹-۱۳۹۰-۱۳۹۱-۱۳۹۲-۱۳۹۳-۱۳۹۴-۱۳۹۵-۱۳۹۶-۱۳۹۷-۱۳۹۸-۱۳۹۹-۱۴۰۰-۱۴۰۱-۱۴۰۲-۱۴۰۳-۱۴۰۴-۱۴۰۵-۱۴۰۶-۱۴۰۷-۱۴۰۸-۱۴۰۹-۱۴۱۰-۱۴۱۱-۱۴۱۲-۱۴۱۳-۱۴۱۴-۱۴۱۵-۱۴۱۶-۱۴۱۷-۱۴۱۸-۱۴۱۹-۱۴۲۰-۱۴۲۱-۱۴۲۲-۱۴۲۳-۱۴۲۴-۱۴۲۵-۱۴۲۶-۱۴۲۷-۱۴۲۸-۱۴۲۹-۱۴۳۰-۱۴۳۱-۱۴۳۲-۱۴۳۳-۱۴۳۴-۱۴۳۵-۱۴۳۶-۱۴۳۷-۱۴۳۸-۱۴۳۹-۱۴۴۰-۱۴۴۱-۱۴۴۲-۱۴۴۳-۱۴۴۴-۱۴۴۵-۱۴۴۶-۱۴۴۷-۱۴۴۸-۱۴۴۹-۱۴۵۰-۱۴۵۱-۱۴۵۲-۱۴۵۳-۱۴۵۴-۱۴۵۵-۱۴۵۶-۱۴۵۷-۱۴۵۸-۱۴۵۹-۱۴۶۰-۱۴۶۱-۱۴۶۲-۱۴۶۳-۱۴۶۴-۱۴۶۵-۱۴۶۶-۱۴۶۷-۱۴۶۸-۱۴۶۹-۱۴۷۰-۱۴۷۱-۱۴۷۲-۱۴۷۳-۱۴۷۴-۱۴۷۵-۱۴۷۶-۱۴۷۷-۱۴۷۸-۱۴۷۹-۱۴۸۰-۱۴۸۱-۱۴۸۲-۱۴۸۳-۱۴۸۴-۱۴۸۵-۱۴۸۶-۱۴۸۷-۱۴۸۸-۱۴۸۹-۱۴۹۰-۱۴۹۱-۱۴۹۲-۱۴۹۳-۱۴۹۴-۱۴۹۵-۱۴۹۶-۱۴۹۷-۱۴۹۸-۱۴۹۹-۱۵۰۰-۱۵۰۱-۱۵۰۲-۱۵۰۳-۱۵۰۴-۱۵۰۵-۱۵۰۶-۱۵۰۷-۱۵۰۸-۱۵۰۹-۱۵۱۰-۱۵۱۱-۱۵۱۲-۱۵۱۳-۱۵۱۴-۱۵۱۵-۱۵۱۶-۱۵۱۷-۱۵۱۸-۱۵۱۹-۱۵۲۰-۱۵۲۱-۱۵۲۲-۱۵۲۳-۱۵۲۴-۱۵۲۵-۱۵۲۶-۱۵۲۷-۱۵۲۸-۱۵۲۹-۱۵۳۰-۱۵۳۱-۱۵۳۲-۱۵۳۳-۱۵۳۴-۱۵۳۵-۱۵۳۶-۱۵۳۷-۱۵۳۸-۱۵۳۹-۱۵۴۰-۱۵۴۱-۱۵۴۲-۱۵۴۳-۱۵۴۴-۱۵۴۵-۱۵۴۶-۱۵۴۷-۱۵۴۸-۱۵۴۹-۱۵۵۰-۱۵۵۱-۱۵۵۲-۱۵۵۳-۱۵۵۴-۱۵۵۵-۱

کشمیر کے باغات - ۴۱ - ۴۲	کار لیل، ٹامس (مورخ) - ۲۲۳
کسمبہ - ۱۶۲ - ۱۹۲	کار لیل (مسٹر) - ۴۴
کھرم منظور (کتاب) - ۴۸	کار لیل - ۱۶۲
کلاؤنٹ - کلاؤنٹ - ۱۲۰	کارولس، اریل - ۲۳ - ۸۲
کلاؤ، لارڈ - نہایت جنگ - ۲۵۹ - ۲۶۰ - ۲۶۱	کاروان، سائمانہ (رسالہ) - ۵۷
کلب علی خاں - نواب - ۶۴	کاریت، ٹامس (مسٹر) - ۹۷
کلس - ۱۲۹	کاشان - ۵۹
کلکتہ - ۲۰۶ - ۲۳۸ - ۲۶۰	کاشغر - ۲۷
کلکتہ ریویو (رسالہ) - ۷۲	کاسم، محمد - منشی - ۲۹۱
کلمات الشعرا - ۱۷۶	کاس، سرجارج (مورخ) - ۲۱۲ - ۲۴۳
کلمات طبیات (رتحات عالمگیری) - ۴۱	کالابارغ - ۲۱۸
کلمہ طیبہ - ۱۶۶ - ۱۹۶	کالون (مسٹر) - ۲۱۰
کلمہ مینار - ۳۶	کام بخش (شاہزادہ) - ۱۰۰
کلیات جدولہ - ۳۲۲	کبیر، نصیر - ۶
خاقانی - ۱۹۱ - ۱۹۳	کیپ لینگ، ریڈیارد - ۲۹۵
کمال الدین حیدر، طباطبائی (سید) - ۳۳۶ - ۳۳۹ - ۳۴۸	کتاب مقدس - ۱۱۵
کیمینی باغ - ۲۱۵	کتے کا متفرقہ - ۲۱۷
کنڈن لال، اشکی (اراجا) - ۲۲ - ۲۷	کچھوہ - ۸۶ - ۹۰
کننگھم، اے (جزل) - ۱۳ - ۱۳ - ۴۱ - ۴۴	کچھری - ۲۱۳
کنواں، جامع مسجد کا - ۲۸۴	کزن (لارڈ) - ۶۹ - ۲۰۵ - ۲۱۵ - ۲۹۲
کھلا آباد - ۲۶۵ - ۲۶۶	کوسٹوی تھی پار سین (کتاب) - ۲۸۷
کھراکا - ۲۶۸	کرسی - ۱۱۹
کنوئیں (چاہات) - ۲۴۶	کریمین صاحب (بہار) - ۷۵
کواریٹر (مساکن) - ۲۶۶	کرناوٹی، مہارانی - ۲۳۰
کواڑ - ۲۶۸	کرودی ٹینر (کتاب) - ۹۷
کوہن بیگن - ۲۶۶	کرودہ - ۲۹۵ - کریم خاں (سپاہی) - ۲۱۰
کوڈالی پولیس - ۵۰	کودا (قصبہ صوبہ) - ۱۹ - ۲۰ - ۲۹۸
کوٹہ فیروز شاہ - ۲۲۹	کوزو آباد - ۶۲ - ۶۳ - ۱۵۶
کوٹھا پارچہ - ۲۸۰	کوش (رام کے بیٹے) - ۱۵
کوٹھری - ۶۱ - ۶۲ - ۲۵۱ - ۲۶۷ - ۲۶۸	کشف القنون (کتاب) - ۶ - ۲۴۲
کودم (خودم) - ۱۶۰	کشتوار - ۹۸ - ۱۳۳
کوسم نگری - ۱۵	کشمیر - ۳۶ - ۳۷ - ۳۸ - ۴۸ - ۴۹ - ۲۸۶

گزشتہ - ۱۳ - ۲۲ - ۵۸ - ۱۵۰ - ۱۶۹ - ۱۷۷ - ۱۸۷	کوئٹہ - ۱۶۴ - ۲۰۴
۲۶۷ - ۲۱۳ - ۲۵	کوئٹہ، ہزارہا - ۱۰ - ۱۸۰ - ۳۱۰
محفل افشاں باغ - ۳۸	کول، آئندہ پنڈت - ۴۲
گلدستہ - ۱۶۴	کومبر میر - لارڈ - ۷۷
ظفر خ بیگم - ۲۷	کونسل کشور (پروقیسٹر) - ۲۴ - ۲۵ - ۸۱
گلستان مسرت (کتاب) - ۱۷۷ - ۲۸۳ - ۲۸۷	کھاٹو (ریاست جودپور) - ۲۰۰
گلستان بے خواں (تذکرہ) - ۲۲۷	کھنوار - ۹۸
گلستان ہند (تاریخ) - ۱۰۲ - ۲۲۴ - ۲۲۷ - ۲۵۸	کھٹو (سنگ زرد) - ۶۱ - ۱۲۹ - ۱۶۵ - ۱۹۴
گلشن بے خار (تذکرہ) - ۲۲۷	کھڑکی - ۲۳۳
گل لخت مقبول (سفر) - ۸۱	کھڑکی - ۲۴۷ - ۲۴۸ - ۲۵۰
گلٹ صاحب - ۲۳۷	کے اوسک (کوئٹہ) - ۱۶۴
گلیدون، فرانسیس (مستر) - ۸۲ - ۸۳ - ۱۴۳	کے تھیرل - ۲۸۲
۱۸۸ - ۱۷۷	کیٹ - کڈ (کرنیل) - ۲۱۴ - ۲۹۱
گلیمیسٹر آف انڈیا (کتاب) - ۳۲ - ۱۰۰	کیرانہ (قصیدہ) - ۳۸
گلنا بیگم (شاہزادی) - ۴۱	کیشو داس، راجپور - ۸۴
گلشن تاریخ - گنجینہ سرورسی - ۲۱۵ - ۲۸۸	کیبل، سرکارین - ۲۱۳
گلشن ونگٹا - ۷ - ۹ - ۱۶ - ۱۹ - ۲۱ - ۲۳ - ۲۴	کین، ایچ جی (مستر) - ۴ - ۱۲ - ۳۴ - ۳۵
۳۴ - ۳۷ - ۳۸ - ۳۹ - ۴۰ - ۴۱ - ۴۲ - ۴۳ - ۴۴	۴۴ - ۴۵ - ۴۶ - ۴۷ - ۴۸ - ۴۹
گلٹا کا سیلاب - ۲۹۳ - ۲۹۴	۴۷ - ۴۸ - ۴۹ - ۵۰ - ۵۱ - ۵۲ - ۵۳
گیش - ۱۳۰	۵۳ - ۵۴ - ۵۵ - ۵۶ - ۵۷ - ۵۸ - ۵۹
گوا - ۱۱۶	۵۹ - ۶۰ - ۶۱ - ۶۲ - ۶۳ - ۶۴
گورگانی - ۱۰۳	۶۴ - ۶۵ - ۶۶ - ۶۷ - ۶۸ - ۶۹
گورنر - ۳۳ - ۲۹۲ - ۲۹۸	۶۹ - ۷۰ - ۷۱ - ۷۲ - ۷۳ - ۷۴
گورنر جنرل - ۲۱ - ۲۳۸	۷۴ - ۷۵ - ۷۶ - ۷۷ - ۷۸ - ۷۹
گورنٹ - ۲۳۹	۷۹ - ۸۰ - ۸۱ - ۸۲ - ۸۳ - ۸۴
گوگل برشاد، منشی - ۲۴۰	۸۴ - ۸۵ - ۸۶ - ۸۷ - ۸۸ - ۸۹
گولا باری - ۲۸۴	۸۹ - ۹۰ - ۹۱ - ۹۲ - ۹۳ - ۹۴
گوذی - ۱۶۴	۹۴ - ۹۵ - ۹۶ - ۹۷ - ۹۸ - ۹۹
گھاٹ - ۲۸۸	۹۹ - ۱۰۰ - ۱۰۱ - ۱۰۲ - ۱۰۳ - ۱۰۴
گھوڑا - گھوڑے کی قبر - ۱۷۷ - ۲۱۴ - ۲۱۵ - ۲۱۶	۱۰۴ - ۱۰۵ - ۱۰۶ - ۱۰۷ - ۱۰۸ - ۱۰۹
گھوڑا - ۱۷۹	۱۰۹ - ۱۱۰ - ۱۱۱ - ۱۱۲ - ۱۱۳ - ۱۱۴
گھوڑا - ۲۸۸	۱۱۴ - ۱۱۵ - ۱۱۶ - ۱۱۷ - ۱۱۸ - ۱۱۹
گیسور، امیر - ۱۳۰	۱۱۹ - ۱۲۰ - ۱۲۱ - ۱۲۲ - ۱۲۳ - ۱۲۴

- مجموعہ کلام شبلی (منظوم) - ۹۰-۹۲-۹۶-
مجموعہ مکتوبات فتح محب اللہ - ۲۹۶-
پھلی بازار - ۵۰-
میاضات الادباء (کتاب) - ۲۶-
محافظ خانہ (الکباد) - ۲۵۳-
محب اللہ، فتح، الکبادی - ۲۶۶-
,, سید، بگرامی - ۲۱۸-
مجر - ۱۳۲-۲۲۲-
محراب - ۱۲۹-۱۳۰-۱۳۱-۱۶۴-۱۶۶-۱۹۹-۲۸۱-
۲۶۲-۲۶۸-۲۶۹-۲۸۱-
محسن، شیخ محمد، فانی - ۲۸۷-۲۱-
محسن، مرزا عزت الدولہ - ۲۷۷-
نکندہ یاغات - ۲۸-
نعل سراے بادشاہی - ۱۳۰-۲۱۲-۲۵۹-۲۹۲-
محمد آباد (بنارس) - ۲۶-
محمد ثابت، مصری (پروفیسر) - ۹-
محمدین، خلیف (نبی) - ۲۱۵-
محمد رضا، مصر - ۲۶۵-۲۶۶-
محمد شاہ، بہمنی (سلطان) - ۱۶۹-
,, بادشاہ - ۱۵۷-۲۲۲-۲۶۲-
محمد، مخاطب بہ شریف، سلطان - ۱۵۴-
محمد شفیق، نگینوی (مورخ) - ۸۱-۱۰۲-
محمد علی خاں، متین - ۲۵۸-
,, مرزا، ماہر - ۲۸۶-
محمد تقی انشار - ۳۷-
,, خاں، نواب - ۲۷۷-۲۷۸-
,, کا مقبرہ - ۲۱۱-۲۱۲-
محمود حسن، دیوبندی، شیخ الہند (مولانا) - ۸-
محمود شیرانی، حافظ (پروفیسر) - ۲۰-
,, غازی، سلطان - (۹۱-۱۷۳-
یحیی الدین ابن محمد عبدالقادر القرشی - ۲۲-
مخبر الاولیاء (کتاب) - ۱۷۷-۲۸۳-
- مختصر تاریخ اہل ہند - ۱۴۴-۱۴-
مخدوم بہا نیان (فتح) - ۱۳۲-
مخزن (رسالہ) - ۱۸۱-۲۷۴-
مخزن الذائب (تذکرہ) - ۱۷۵-
مخطی (مختص) - ۲۷-
مختص خان - ۲۹۰-
مخلوط قرا تین - ۹۶-
مدارس - ۲۰۶-
مراث وادوات (کتاب) - ۸۱-۱۰۲-
مراۃ الخیال (کتاب) - ۱۷۵-
مراد، سلطان - ۲۷-۱۰۲-۱۵۴-
مرتبہ - ۱۲۹-۱۴۲-
مرتفعات (آلٹرس) - ۱۱۵-
مردہ آباد - ۶۳-۶۲-۱۵۶-
مرزا، برخوردار - ۲۴-
,, عزیز کوکر - ۱۱۰-
مرشد زادت - ۲۶۰-۲۳۸-
مرقع اکبر آباد - اگرہ - ۳۴-۳۸-۴۷-۱۰۱-۱۲۵-
۱۳۴-۱۶۷-۱۸۸-
مرد (شہر) - ۵۹-
مرہٹہ - مرہٹوں - ۲۳-۴۷-۲۸۳-
مرے (مستتر) - ۷۲-
مرے کی ہینڈ بک - ۷۲-۷۵-۷۸-
مرے، کمپو (مستتر) - ۱۲۳-
مریم (غذرا) - ۱۴۷-
مریم زمانی (ملکہ) - ۸۲-۱۳۷-۲۷۴-
موسم مکانی (ملکہ) - ۱۱۰-۱۴۵-۲۷۴-
موشوڑہ (موضع) - ۲۳۱-
مزار - ۱۶۷-۱۶۹-
مستعد خاں، محمد سانی (مختص الحوک) - ۲۹۹-
مستطرف (کتاب) - ۴۷-۱۷۸-
مسجد - ۵۳-۱۰۱-۱۶۵-۲۱۳-۲۱۴-۲۵۵-

۱۴۲-۱۸۱-۲۵۵	۲۶۱-۲۶۳-۲۶۸-۲۸۴-۲۹۶
معین الدین، غشی (مورخ) - ۲۲-۲۳-۲۴-۲۵-۱۰۱-۱۵۵-۱۸۲-۱۴۲	مسجد، المکابہ - ۲۵۸-۲۸۲-۲۹۰
مغل - مغلون - ۲۲-۲۵-۳۲-۴۱-۵۰-۱۲۲	حصائی - ۲۶۲
۱۲۳-۱۲۰-۱۲۱-۱۵۲-۲۱۴-۲۲۸	مسعود جلال الدین - ۱۲۰
مغل اعظم - ۲۹-۱۱۲	مسلمان - ۲۸-۱۰۴-۱۰۶-۱۲۲-۱۲۱-۱۲۳-۱۵۸
” کے درباری مصورین - ۵۸	۱۶۰-۱۶۳-۱۶۰-۱۶۲-۲۱۵-۲۲۰-۲۶۲
” اور اردو (کتاب) - ۲۳-۹۳-۲۳۰	۲۶۰-۲۶۴-۲۹۸
” ایبٹ (تاریخ) - ۸۴-۹۵-۹۶-۱۰۰-۱۳۳	مسلمان تاجداران و شاہان ہند - ۳۶-۱۴۱-۱۶۴
” بادشاہ - ۵۰-۶۳-۱۲۲-۱۲۶-۱۳۱	۱۸۲-۲۳۱
مغلانیاں - ۹۹	مسیح (حضرت) - ۱۲-۱۲۴
مغلیہ تعمیرات - ۵۴-۶۶-۱۶۹-۲۲۱-۲۹۲	مسیحی - ۱۰۸
” سلطنت - ۱۰۴-۱۵۴	شاہپیر اسلام (تاریخ) - ۲۰۲۲-۲۰۴
” طرز تعمیر - ۱۲۶-۲۳۲	مشرقی کتب خانہ - ۱۴۲-۱۸۲
” مہر - ۱۱۲	” ہندوستان کا بحری سفر (کتاب) - ۱۱۲
مفتاح الغیب (تفسیر) - ۶	مشن - ۱۲۴
مفتاح التواریخ (کتاب) - ۱۴-۲۶-۲۶-۳۱	مصاحب - ۲۳۲
۳۶-۳۸-۴۲-۴۳-۴۴-۴۴-۸۱-۸۹	مصر - ۹-۱۸-۱۰۳
۹۲-۹۴-۱۰۸-۱۲۶-۱۳۳-۱۳۳-۱۳۳	مصطفیٰ، حاجی، رایمان (مترجم) - ۴۵
۱۲۸-۱۵۵-۱۶۸-۱۶۹-۱۶۶-۱۶۳	مصطفیٰ، صافی - ۲۸۶
۱۸۴-۱۸۴-۱۸۹-۲۰۵-۲۱۲-۲۲۱-۲۳۲	منظر، سید (میر) - ۱۳۲
۲۵۴-۲۵۸-۲۵۹-۲۶۹-۲۸۲-۲۸۱	” مجراتی، سلطان - ۳۶-۱۳۱
۲۹۰-۲۹۱	منظر حسین مرزا، صفوی - ۱۰۱-۱۸۳
المقررات فی غریب القرآن (کتاب) - ۲۲	منظر نگر - ۳۲-۳۸
مقامات ہندوستان کا تذکرہ (کتاب) - ۱۳۲	منظر آدم (کتاب، ترجمہ) - ۹
مقبورہ - مقبرے - ۲۴-۶۶-۶۹-۷۵-۷۵-۱۲۵	منظر حسن، حکیم - ۲۶
۱۲۶-۱۲۶-۱۳۲-۱۳۶-۱۳۷-۱۳۸-۱۳۵	معارف (رسالہ) - ۳-۳۵-۳۲-۳۱۲-۳۵۹
۱۵۴-۱۵۸-۱۶۳-۱۶۵-۲۰۱-۲۲۸	مستدرک، شریعت الملک، نجفی المملک - ۲۱-۲۴
۲۰۹-۲۵۲-۲۸۱	۵۶-۱۲۱-۱۲۴-۱۳۸-۱۸۴
مقبورہ، بے قبر کے - ۱۸۵-۱۹۲	میرالدین سام، سلطان - ۱۰۵
مقبورہ تبولن سیکم - ۲۰۵	معصوم، میر محمد، نامی - ۱۴
مقبورہ خاخواناں - ۲۱۲	منظم، محمد، بہادر شاہ (شاہزادہ) - ۹۹-۱۰۳
	معین الآثار (تاریخ) - ۳۲-۵۴-۸۸-۱۰۱

۱۸۴-۱۸۰-۱۵۲-۱۳۸-۱۲۳-۱۱۹-۱۱۸	مقبولہ شاہ بیگم - ۱۲۹-۱۳۲-۱۴۳-۱۶۸-۱۸۵
۲۸۲-۲۹۱	۱۸۴-۲۴۹-۲۵۳-۲۷۶
مختصرات ابو الفضل علامی (کتاب) - ۱۸۴-۲۱	مقبولہ زینت النساء بیگم - ۲۷۶-۲۷۸
منظر پارک - ۲۸۲	مقبولہ (فقیر - مولف) - ۱۰۹-۲۴-۲۳-۱۷-۲۰-۲۱
مندر - ۱۲-۱۳-۱۴-۵۳-۶۸	۱۱۰-۱۵۷-۱۷۵-۲۰۴-۲۵۹-۲۹۸
مندل - ۲۸۱	مقبولہ احمد (کتاب) - ۲۸۸
منڈی، پیٹر (پادری) - ۶۲-۷۱-۷۸-۱۲۹	مقرب خاں (نواب و حکیم) - ۳۸-۳۹
۱۵۵-۱۵۶-۱۶۵-۱۸۹-۲۷۱	” ” کا باغ - ۳۸-۳۹
منڈی، لگاؤ فرے (تجزل) - ۲۹۱	مقیم خاں ولد مہتر فاضل - ۱۸۳
منزل - ۱۲۹-۱۳۰-۱۳۲-۱۶۳-۲۷۱-۲۹۲	مکاتبات و مراسلات فارسی، ایسٹ انڈیا کمپنی
منظور احمد، مولوی سید - ۲۸-۲۴-۱۶	یاد رہا پیشوا - ۲۳
منگلوس (کتاب) - ۱۴۱	مکتب - ۱۴۶
منوچر، پیشداد - ۳۳	مکتوبات آزاد - ۲۷
منوکی، بنگولا - ۹۸-۱۴۶	منک - (بھاڑ) - ۱۹۸
منوہر لال زودتشی، پنڈت - ۵۰	مک (شہر) منورہ - ۲۷۰
منہاج، ابرج، قاضی (مورخ) - ۳۹	مکد مبر - ۹۹
موتین الدولہ، ابو الفضل - ۱۹	ملا - ۱۷۷
موتی مسجد - ۲۲۲	مطمان - ۲۱۳-۲۱۴
موٹاراجا، اودے سنگھ (والی مارواڑ) - ۸۳-۸۴-۹۶	مطری ورکس - ۲۱۳
مورخ - مورخوں - ۵۵-۱۷۱-۱۷۹	مکیش وویا - ۳۴
موشے (حضرت) - ۱۱۷-۸	ملکہ - ۱۷۳
موسیقی - ۲۰	ملکہ باغ - ۲۱۲
مومن آباد (برہنہ این - پٹیلی) - ۲۶	ممالک مغربی و شمالی - ۶۸-۲۸۸
مونیسی پان (مارکٹس وی) - ۱۱۵	ممتاز الزمانی، ملکہ - ۲۸۳
مونیگیر (فرخ آباد) - ۲۶	ممتاز محل، ملکہ - ۶۸-۸۱-۱۰۱-۱۰۲-۱۳۸-۱۴۱
موہن لال، منشی - ۱۷۳	۱۵۴-۱۵۵-۱۷۹-۲۰۹-۲۱۹-۲۲۱
موبلی، بادشاہ سلامت - ۲۳۰	۲۲۲-۲۳۹
مہر، گاؤں (موضع) - ۳۲	مفس، شہر - ۴۶
مہتا، ناتالال (مستر) - ۱۴-۴۲	منارہ منارے - ۱۶۴-۲۸۱
” وی این (مستر) - ۴۲	منتخب تنقیح الاخبار (کتاب) - ۲۲-۳۷-۲۵۸
مہتاب باغ - ۴۳-۴۴	منتخب اللباب (تاریخ) - ۲۶-۳۸-۴۰
مہدی علی خاں (حکیم، نواب) - ۲۱۳	۸۹-۹۵-۹۸-۹۹-۱۰۳-۱۰۸-۱۰۹

مہر النساء (نور جہاں) - ۱۲۲ -
 ر (نور جہاں کی بیٹی) - ۱۸۱ -
 مہمان نوازی - ۲۳۳ -
 دیتھالوجی (داستانِ پاکستان) - ۳۴۳ -
 میرا بھائی - ۱۰۰ -
 میرخان (محبوبہ دار) - ۲۹۴ - ۲۹۵ -
 میس - ۲۱۳ -
 سیکالے، لارڈ - ۱۱۵ -
 سیکس مولر (مستشرق) - ۹۷ -
 سیک لیگن (مسٹر) - ۱۲۷ -
 سیک لین، جان - ۱۳۶ -
 میلہ - میلہ - ۱۷۰ - ۲۳۱ - ۲۷۷ -
 مے لیسن، کریبل (مورخ) - ۲۰ - ۲۷ - ۸۸ - ۹۱ -
 سیم صاحبہ (لیڈی سلی بین) - ۲۰۹ -
 سینا بازار - ۱۰۹ -
 میوزیم - ۲۲۹ -
 میونسپل بورڈ - ۲۷۲ -
 میونسپلٹی - ۵۴ - ۶۱ - ۱۵۹ - ۲۷۲ - ۲۸۸ -
 میونسپل کمیٹی، الہ آباد - ۲۴ -
 ن
 ناٹ، میجر جنرل - ۱۷۳ -
 نادر الزمانی - ۵۹ -
 نارنگی - ۲۷۱ -
 ناشپاتی - ۳۷ -
 ناصر، سید محمد، بگرامی - ۲۹۴ -
 ناصر الدین ظبی، بادشاہ - ۱۰۵ -
 ناصر علی، خان بہادر، میر - ۲۲۶ -
 ناطق، منشی محمد عبدالغفار خاں - ۲ -
 ناظم - ۲۱۴ -
 ناگور - ۱۹۹ -

نثار بیگم، سلطان النساء - ۱۲۲ -
 نجیب آفرین، عدوی، سید (پروفیسر) - ۲۸ - ۵۱ - ۵۷ - ۵۸ -
 نجف خاں، مرزا - ۲۷۷ -
 نجومی - ۲۲۹ -
 نخاس - ۲۳۸ -
 نرسنگہ دیو (راجا) - برسنگہ دیو - ۲۸ -
 نزور - ۲۱۸ -
 نریندر ناتھ لا (مسٹر) - ۲۲۸ -
 نستعلیق - ۵۵ - ۱۴۳ - نسخ، خط - ۲۷۲ -
 نشاط باغ - ۳۵ - ۵۲ -
 نصیر حسین خاں، خیال (نواب) - ۲۳ - ۸۲ - ۹۳ -
 نظام الدین، خواجہ (سلطان الادلیا) - ۳۱ - ۱۶۸ - ۲۲۲ -
 ر (ہردی (گٹا)) - ۲۰ - ۸۷ - ۹۴ - ۹۸ - ۱۰۸ -
 نظری نقشہ - ۲۷۵ -
 ظہیری، محمد حسین نیشاپوری (شاعر) - ۱۰۵ -
 نعل - ۱۷۰ - ۱۷۱ - ۱۷۲ - ۱۷۴ -
 نعمت اللہ خاں، میر میران - ۲۸۸ -
 ر (شاہ ولی) - ۱۳۳ -
 نفحات الانس (کتاب) - ۱۷۸ -
 نقاد - (رسالہ) - ۲۵۶ -
 نقارہ - ۱۷۱ - ۲۳۳ -
 نکلسن (پروفیسر) - ۱۷۸ -
 نکولا متوکی - ۴۶ -
 نکولس، مارٹن وچہ - ۶۰ -
 ننگار (رسالہ) - ۱۸ -
 نگارستان فارس - ۲۷ -
 نواز جہانزہ - ۶۳ - ۲۳۵ -
 نولے وقا - الف -
 نواب بائی، بیگم (زوجہ عالمگیر) - ۸۱ - ۹۸ -
 نواب بھائی - ۲۳۹ -
 ر وزیر - ۲۳ -
 نوبت بجانے کی عادت - ۲۵۹ - ۲۶۰ -

وری ناگ - ۲۲۔	نور آباد (موضع) - ۴۱۔
وزیر اعظم - ۱۳۱ - ۲۳۸ - ۲۳۸۔	نور الدین، محمد، جہانگیر - بادشاہ - ۵۷۔
وصف، کرمانی (تخلص) - ۱۳۴۔	” ” مرزا - ۲۷۔
وسی الدین خان، سید - ۲۲۴۔	” حسین خان، سید (دکیل) - ۲۳۔
وقار، امبالوی (شاعر) - ۲۷۴۔	نور افزا، باغ - ۳۷۔
ولسن (مسٹر) - ۱۵ - وکاکس کرنیل - ۲۳۶۔	نور افشاں، بلخ - ۳۵ - ۳۸ - ۴۷۔
ولی بیگ، دیوان - ۲۳۸۔	نور پری، ” - ۳۸۔
ودلون - ۲۹۲۔	نور جہاں بیگم - ۳۵ - ۳۸ - ۴۲ - ۴۴۔
دولیس، سی ایل (مسٹر) - ۷۱ - ۷۲ - ۱۳۶ - ۲۱۳۔	۷۱ - ۷۲ - ۱۳۶ - ۲۱۳۔
دھات پال - ۱۱۴۔	۱۲۳ - ۱۳۲ - ۱۷۲ - ۱۷۳۔
دھات پیڈ (مسٹر) - ۱۷۔	نور جہاں کا عروج (کتاب) - ۱۵۶ - ۱۵۷۔
دھیلہ (مسٹر) - ۹۸۔	نور محل - ۱۲۳ - ۱۵۶ - ۱۸۱ - ۱۸۲۔
دیبا، سی وی (مسٹر) - ۱۷۳۔	نور منسل - ڈیرہ باغ - ۳۸۔
دینگٹن، ڈیوک آف - ۱۷۴۔	نول کشور، کشی - ۱۸ - ۹۔
ویلڈین (کتاب) - ۲۴۳۔	نیب (درخت) - ۲۷۱۔
ویلی پیٹر وڈی لا - ۱۰ - ۲۹ - ۸۴ - ۱۰۸ - ۱۱۶ - ۱۳۱۔	نیپال - ۲۲۳۔
۱۴۷ - ۱۵۶ - ۱۸۱۔	نیل، دریا - ۸۔
د	نیول، ایچ اے (لفٹ کرنیل) - ۲۰۶۔
ہٹ - ۵۴۔	” این بی (کرنیل) - ۳۵۔
ہادی، محمد - مرزا - ۱۷۷ - ۱۸۷۔	” ایچ آر (مسٹر - نیر کرنیل) - ۱۸۱ - ۵۸۔
ہارکوٹ (لفٹنٹ) - ۲۲۴۔	۶۶ - ۷۷ - ۱۲۳ - ۱۳۰ - ۱۵۰ - ۱۸۶ - ۱۸۷۔
ہاف مین کی چیری برانڈی (خبر) - ۲۲۳۔	۲۹۸ - ۲۹۹۔
ہاکنس - ولیم (کپتان) - ۷۵ - ۱۱۳۔	و
ہارنہ (مسٹر) - ۱۴۱۔	واٹرورکس - ۴۹ - ۱۵۹ - ۲۴۷ - ۲۴۸۔
ہرات - ۶ - ۵۹۔	واٹرنگٹن آف ایچ بیگرم (کتاب) - ۷۱۔
ہروٹ، سمرٹاسس - ۴۵ - ۱۲۲ - ۱۴۹۔	وام پلری، آری بیس (پروفیسر) - ۱۸۴۔
ہرش، دروہن (مہاراجا) - ۱۵۔	وٹ، اگنی (درخت) - ۱۶۔
ہرم اکبر - سہم اعظم - ۴۵۔	وجیہ الدین خان (شاعر) - ۲۵۸۔
ہرویس (یونانی) - ۲۲۰۔	وحید الدین خان، خواجہ (نواب) - ۲۲۱۔
ہشت، بہشت (باغ) - ۳۵۔	ورسلو (فرسائن) شہر - ۱۱۴۔
ہفت تعلیم (تذکرہ) - ۳۷۔	

فہرست سوم

ضروری حاشیے اور تاریخی اطلاعاتیں

صفحہ ۳	میر عبد اللہ شیکین قلم۔	ہیون سانگ، چینی سیاح۔
۴	تختی اور قلدیان۔	اشوک۔
۲۱	راجہ ادب سنگھ۔ انی رات و کن۔	دہستان، ذراہب کا معنی۔
۲۴	ہندوستان میں منٹوں کی حکمرانی کا زمانہ۔	سلیم سلطان بیگم۔
۲۸	غلدار آباد۔ روضہ۔ ایلمور۔ دولت آباد۔	نیرنگہ دیو (برہمن دیو)۔
۱۲۵، ۱۲۶	محمود غزنوی کے مقبرہ کا پھاٹک اور سوسناٹہ۔	پشتاں، مسلمان اور ملک سوری۔
۳۸	انگریزوں کا ہندوؤں کی رستہ گزرا۔	مقرب خاں۔ حکیم نواب۔
۴۰	منٹو، امیر صاحب، خیرالو اعلیٰ۔	شاہی مسجد لاہور۔
۴۵	سلی۔ نام۔ قلعہ۔ سمبہ۔ دشمن۔	مقبورہ اکبر، بہشت آباد سکندرہ۔
۴۶، ۴۷	داور بخش، مرزا بلالی (پسر سلطان خسرو)۔	پیو پیس، ہرم سمری۔
۵۱	جوش سندھیک (دختر سلطان خسرو)۔	شاہی اعظم، گرینڈ ٹرنک روڈ۔
۶۴	ترخان۔ لقب۔ اعزاز۔	سٹریٹس ٹرنکسن۔
۷۱	سٹریٹس بی بیوین۔	ٹانس، ٹائیل۔ ویم ڈائیل۔
۷۱	فریر صاحب۔ قتل۔ قاتل۔ مرقن۔	پیس، ٹینی پارکس۔
۷۳	آصف الدولہ کی اخلاقی حالت۔ مالی کوستانا۔	سیر چارلس لائیل۔
۷۳	دہلی کی چاند مسجد۔ شاہجہانی۔	سٹرک بی ڈیوہرست۔
۷۴	اکبر ثانی کے شاہزادے۔ مرزا غالب کا قصیدہ۔	پیس، کریمین۔ ریٹائرڈ حاجبان۔
۷۴، ۷۵	شاہزادہ جہانگیر کا استقبال۔ مرزا قتل۔	مغلیہ عہدہ عہدہ کی پیدائش۔
۷۴، ۷۵	جہاندار شاہ، جوان بخت۔ پسر شاہ عالم ثانی۔	یورپ کے بادشاہوں کی عیش پسندی۔
۷۹	عالمگیر، تیل۔ ایک برہمن کی واقفاری۔ صلہ۔	شاہزادہ سلیم (جہانگیر کی بیویاں)۔
۸۰	راکھی بندھن۔ چٹائیوں میں ایتنا۔	نورجہاں بیگم۔
۸۰	مسلمان۔ لاطین۔ کو بادشاہان یورپ کے تاریخی دلی تھے۔	یام۔ رومی۔
۸۲	حاجی خلیفہ، کاتب پبی۔	دوشن آرا بیگم۔
۸۵	ابن اسحاق، یابی (مورخ)۔	منازع علی، ارشد بانو۔
۸۷	حسام الدین علی خاں۔ اُس کے بیٹے۔	مالی جنگت گوشائیں۔ جودہ بانو۔
۱۱۰	شاہ عالم۔ الہ آباد میں گرینیل اسٹہ کی سختیاں۔ ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲	صاحب جمال اور جہانگیر کی فریبگی۔
۱۱۳	ملکہ عرم نانی۔ مریم حکامانی۔	یادری، میری۔
۱۱۳	مرزا خاموش غنی۔ دیوان۔	بادشاہ یورپ کی تاریخی عشرت کشی و شاہ بازی۔
۱۱۵	کرود۔ کوس۔	بعض انبیاء کی بہت سی بیویاں۔
۱۱۶		گما کے پرنسپل کی بدکاریاں۔

کتاب ملنے کا پتہ :-

- (۱) کتابستان - الہ آباد۔
- (۲) سید ابن احمد رضوی - رئیس - قصبہ صمن، ضلع فرخ آباد۔
- (۳) سید اولاد احمد صمدی - دائرۂ شاہ رفیع الزمان،
بھی پور، الہ آباد۔
- (۴) الہ آباد کے کتب فروش -

